جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد مبین کیفی، چریاکوٹی نے مرتب کیا

جلد سوم

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

8c18

جواہرِ سخن

یعنی اُردو شعرا کے کلام کا انتخاب

جسے

مولوی محمد مبین کیفی، چریاکوٹی نے مرتب کیا

جلد سوم

ہندستانی اکیڈمی صوبۂ متحدہ، الہ آباد

Published by
THE HINDUSTANI ACADEMY U. P.
ALLAHABAD.

FIRST EDITION :
Price Paper Rs. 6-0-0
„ Cloth Rs. 6-8-0

Printed by
S. GHULAM ASGHER, AT THE CITY PRESS,
ALLAHABAD.

شعرائے جلد سوم

صفحہ

۱—ناسخ	...	...	...	۱
۲—آتش	...	...	...	۱۲۵
۳—اسیر	...	...	...	۲۲۶
۴—رشک	...	...	...	۲۶۸
۵—مہر	...	...	...	۳۰۵
۶—سحر	...	...	...	۳۳۸
۷—وزیر	...	...	...	۳۵۷
۸—تعشق	...	...	...	۳۷۶
۹—ذکی	...	...	...	۳۸۴
۱۰—برق	...	...	...	۴۰۱
۱۱—بحر	...	...	...	۴۳۲
۱۲—قبول	...	...	...	۴۶۳
۱۳—سحر	...	...	...	۴۸۱
۱۴—آباد	...	...	...	۴۸۵
۱۵—سرور	...	...	...	۴۹۱
۱۶—رند	...	...	...	۴۹۹
۱۷—صبا	...	...	...	۵۳۶
۱۸—ماہ	...	...	...	۵۶۵
۱۹—آعظم	...	...	...	۵۹۲
۲۰—شرف	...	...	...	۵۹۶
۲۱—نسیم	...	...	...	۶۰۳
۲۲—خلیل	...	...	...	۶۱۶
۲۳—جنوں	...	...	...	۶۳۹
۲۴—منگھی	...	...	...	۶۵۲

	صفحہ
۲۵—ہوش	٦٦٣
۲٦—جوش	٦٧٢
۲۷—اسد	٦٧٦
۲۸—امانت	٦٨٠
۲۹—واسطی	٦٨٣
۳۰—ایماں	٧٠٠
۳۱—نظیر اکبرآبادي	٧٠٥

خصوصیات دور

تیسرا دور بزم عیش و عشرت سے شروع ہوتا ہے ، ملک کے چپے چپے پر ایک قسم کی مسرت و شادمانی کی لہر دوڑ رہی ہے ، ایوان شاہی سے لیکر معمولی بزم احباب تک وہی چہل پہل ، وہی انبساط و کامرانی ، وہی جوش نشاط ہے ، اس لئے فطرتاً اس دور کی شاعری میں اسی عنصر کو نمایاں ہونا چاہئے -

قصائد میں نشاط کی روح ، غزلوں پر بزم نوازی کا تموج ، بات بات میں لطیفہ سنجی ، لفظ لفظ میں تصنع اور ظاہری شان و شکوہ اس دور کا شعار نظر آتا ہے -

یہ ظاہر ہے کہ جہاں نشاط و کامرانی کا دور دورہ ہو وہاں جذبات حسرت و یاس کا نام لینا عیب ہے ، اس عیب سے احتراز نے غزل کا اصلی جوہر کھو دیا اور غزلیں بھی انجمن آرائی اور بزم نوازی کے لئے مخصوص ہو گئیں ، بزم کا جو رنگ ہوگا وہی اس ساز طرب سے ظاہر ہوگا -

اس دور کی یہ خصوصیت بھی قابل ذکر ہے کہ لکھنؤ بھی دہلی کی طرح مرکز ادب و زبان بننے کا مدعی ہوتا ہے -

یہ مدعی معنوی خوبیوں سے زیادہ لفظی حسن کا دلدادہ نظر آتا ہے - لفظی حسن کے معنی یہ ہیں کہ شاعری میں صنائع و بدائع لفظی ، مبالغے کی بلندی ، تشبیہ و استعارے کی فراوانی ، ذومعنی جملوں اور الفاظ کا استعمال ، لفظی رعائتیں اس اقلیم میں اپنا سکہ چلاتے ہیں ، مضامین کی بلندی ، مشکل الفاظ اور پیچیدہ ترکیبوں میں گم ہو جاتی ہے -

عربی الفاظ اس کثرت سے استعمال ہوتے ہیں کہ نوادر سے بھی دریغ نہیں کیا جاتا - نئے محاورات ، نئی اصطلاحیں ، دہلی کی اصطلاحوں کے مقابلے میں بھی رواج پاتی ہیں- اشعار فارسی کے مضامین اُردو اشعار میں لفظ بہ لفظ ادا کئے جاتے ہیں - ''ناسخ'' اس عہد کے تاجدار بن کر سامنے آتے ہیں -

''عربی الفاظ کے ترویج کا سبب مؤلف گل رعنا نے یہ لکھا ھے کہ اس وقت علم کی گرم بازاری تھی اس لئے ان کا استعمال عام طور پر جاری تھا'' شاعر چونکہ ملک اور رواج کا ترجمان ھوتا ھے ''ناسخ'' نے بھي یہ الفاظ استعمال کئے - تکلفات اور تصنعات لفظی کا بھی یہ جواب دیا جاسکتا ھے کہ فضائے ملک اس کو پسند کرتی تھی اس لئے اس دور میں یہ صورتیں رائج ھو گئیں -

اشعار فارسی کا ترجمہ

۱—بیدل

مسی آلودہ برلب ' رنگ پان است تماشا کن تہہ آتش دخان است

ناسخ

مسی آلودہ لب پر رنگ پاں ھے تماشا ھے تہہ آتش دھواں ھے

حقیقت یہ ھے کہ لفظی ترجمے میں بھي ''ناسخ'' نے اُردو کے انداز بیان میں خاص بات پیدا کی ھے -

۲—ناصر علی

گویند کہ شب بر سر بیمار گرانست گر سرمہ بچشم تو گرا نست ازانست

ناسخ

ناتواني سے گراں ھے سرمہ چشم یار کو جس طرح ھو رات بھاری مردم بیمار کو

ترجمہ میں لطف نہیں ' فارسی میں یہ ٹکڑا ''بچشم تو گرانست ازانست'' بہت بلیغ ھے اردو شعر کے دوسرے مصرعہ میں''کو'' بجائے ''پر'' قافیہ کے لئے خواہ مخواہ ھے-

۳—علی حزیں

بوریا جائے من و جائے تونگر قالیں شہر قالیں دگر و شہر نیستاں دگرست

ناسخ

فرق ھے شاہ و گدا میں قول شاعرھے یہی شہر قالیں اور ھے شہر نیستاں اور ھے

''ناسخ'' کے شعر کا دوسرا مصرعہ علی حزیں کے دوسرے مصرعے سے زیادہ زور دار اور صاف ہے ، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ ''علی حزیں'' نے ''ناسخ'' کا مصرعہ لیا ہے -

آزاد نے ان اشعار کو قول معترضین کے سلسلے میں ''سرقہ'' کہا ہے حالانکہ یہ درست نہیں بلکہ ''ناسخ'' نے اُردو کے طرز ادا کی خوبی اور زبان کا زور دکھا یا ہے - اس دور میں ''ناسخ'' نے زبان کی بھی بہت کچھ اصلاح کی ہے ، چنانچہ متروکات اور مختارات سے اس کی تفصیل معلوم ہوتی ہے -

متروکات

آئے ہے ، جائے ہے ، کہے ہے ، کہوے ہے ، دوں ہوں ، لوں ہوں ، تک ، نت ، کبھو ، کسو ، آن کے ، سمیت ، مت ، زور ، آئیاں ، جائیاں ، رقیباں ، خوباں ، پہ ، رکھا ، فلک ، بٹھانا ، پنہانا ایجاد مذکر نمو مذکر ، طرز مونث ، صلح اس باب میں -

مختارات

آتا ہے ، جاتا ہے ، کہتا ہے ، دیتا ہوں ، لیتا ہوں ، کبھی ، کسی ، آکے ، آکر ، ساتھ ، نہ ، بہت لوٹیں ، گئیں ، رقیبوں ، خوبوں ، پر ، رکھتا ، تک ، بیٹھانا ، پنہانا ، ایجاد مونث ، نمو مونث ، طرز مذکر ، صلح ، اس بارے میں -

اسی طرح '' بحر '' ، '' برق '' ، '' رشک '' اور دوسرے تلامذۂ '' ناسخ '' انہیں خصوصیات کی وجہ سے اس دور میں نمایاں ہیں - لیکن بہ‌جائے خود صاحبان طرز اور اساتذہ شاعری تھے - اس دور میں لکھنؤ کے اندر دو اسکول مستقل طور پر قائم ہوگئے ، ایک '' ناسخ '' کا دوسرا '' آتش '' کا - ناسخی اسکول کے پیرو تمام تر محاسن لفظی ، رعایات ، اور متعلقات کے گرویدہ ہوے چاہے معنوی خوبیاں باقی نہ رہیں ، بہ‌خلاف اس کے '' آتش '' اور اتشی اسکول کے متبع معانی اور مضامین تلاش کرتے ہیں -

شاگردان آتش میں '' صبا '' ، '' خلیل '' ، '' رند '' ، '' نسیم '' اعظم خصوصیت سے صاحبان طرز تھے ، '' صبا '' کے کلام میں صفائی زیادہ ہے ، باوجود اس کے مضامین پیدا کرتے ہیں -

'' خلیل '' الفاظ کے اہتمام کے ساتھ معنوی خوبیاں بھی نہیں چھوڑتے ' '' رند '' کے کلام میں سادگی اور صفائی ہے ' مزہ کم ہے ' غزل میں اخلاقی مضامین زیادہ بیان کرتے ہیں اور اس بیان میں لطف پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں -

'' اعظم '' کی طبیعت مضمون خیز و جدت پسند تھی -

'' نسیم '' تغزل میں معمولی اور مثنوی میں غیر معمولی معلوم ہوتے ہیں ' یہی وجہ ہے کہ بعض اس کے قائل ہیں کہ '' مثنوی گلزار نسیم '' نسیم کی تصنیف نہیں - اس دور میں '' گلزار نسیم '' زبان اور شاعری کی کامیابی کا سب سے بڑا نمونہ ہے - اس دور میں '' اسیر '' ایسے شاعر ملتے ہیں کہ ان کی طبیعت کا رنگ تمام اصناف میں یکساں معلوم ہوتا ہے ' غزل میں رنگینی اور قصائد میں زور کا ثبوت دیتے ہیں -

'' شہیدی '' نے تغزل اور نعت کو ایک ہی میدان میں کامیاب دکھایا ہے - اس دور کی ایک خصوصیت یہ بھی قابل ذکر ہے کہ '' ناسخ '' نے کچھ احادیث کا ترجمہ نظم میں کیا ہے لیکن شاعری کے اعتبار سے بہ قول آزاد ان کے رتبے کی بلندی کے شایاں نہیں - اس دور نے لفظی اعتبار اور صنائع و بدائع کے اعتبار سے ایک نئی فضا قائم کردی جو اکثر غزل گو شعرا میں اب تک قائم ہے -

'' ناسخ '' کے شاگردوں میں '' تعشق '' نے غزل گوئی کو بہت بلند کیا ہے -

'' ناسخ '' اور اکثر متبعین ناسخ کے غزلوں میں قصیدے کا زور معلوم ہوتا ہے ' غیر زبان کے محاورات اور معنی اُردو میں لائے ہیں اور اس طرح زبان اُردو کو وسیع بنانا چاہتے ہیں - پیروان '' آتش '' زبان اُردو کے محاورات سے زبان اُردو کو مستحکم اور دلچسپ بنانے کی کوشش کرتے ہیں -

اس دور میں متروکات کا استعمال بہت کم بلکہ شاذ ہے ' البتہ بعض جگہ ضروریات شعر کی وجہ سے مجبوراً لائے گئے ہیں - لیکن اس طرح کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے ان کو کسی خاص وجہ سے استعمال کیا ہے -

اس دور میں لکھنؤ نے دہلی کے مقابلے میں اپنے خاص محاورے اور خاص الفاظ استعمال کئے ہیں ، ان کی مثالیں یہ ہیں -

محاورہ دہلی	محاورہ لکھنؤ
۱—میری شیروانی سل گئی	میری شیروانی سی گئی
۲—دھل گئی	دھو گئی
۳—کھویا گیا	کھو گیا

الفاظ دہلی	الفاظ لکھنؤ
۱—اڑسنا	گھڑ سنا
۲—گھرکنا	گھڑکنا
۳—جیسا ، جیسے	کے ایسا ، کے ایسے
۴—ہاں	کے یہاں
اُجالا	اُجھالا
بوچھاڑ	بوچھار
سجانا	سجنا
بانسری	بانسلی
تھرنا	پھرنا

الفاظ تذکیر و تانیث کے استعمال میں بھی دونوں جگہ فرق ہوگیا ، مثلاً -

دہلی	لکھنؤ
التماس مذکر	مونث
سانس "	"
رسم مونث	مذکر
دسترس مونث	"
فاتحہ "	"
گھلد "	"
زنار مذکر	مونث

اسی طرح اور فرق بھی دونوں جگہ نمایاں ہے اس کی تفصیل انشا نے " دریائے لطافت " میں کی ہے ، اور مرکز اُردو میں مولوی سید احمد صاحب نے اور تسہیل البلاغۃ میں مرزا سجاد نے بھی تشریح سے لکھا ہے -

اس دور میں ''نظیر'' اکبرآبادی کا کلام اپنی نوعیت میں سب سے جداگانہ ہے - نظموں میں معمولی سوقیانہ الفاظ اور ترکیبوں کے ذریعے سے اخلاق اور مذہب کا درس دیا گیا ہے - چھوٹے چھوٹے جملوں میں حکیمانہ باتیں لکھی گئی ہیں - نیچرل لفظوں کا سنگ بنیاد بھی انہیں نظموں نے رکھا ہے ' تعصب اور مذہب کی بےجا طرف‌داری سے احتراز اور '' با مسلماں اللہ اللہ با برھمن رام رام '' کی خوش‌گواری اور وسعت نظر کی تعلیم دی گئی ہے -

ناسخ

شیخ امام بخش نام ، خدا بخش خیمہ دوز کے بیٹے ، فیض آباد کے رہنے والے تھے -

ایام طفولیت فیض آباد میں گزرے ، ابتدا سے ورزش کا شوق تھا -

نواب محمد تقی ساکن فیض آباد نے ان کو ملازم رکھ لیا اور جب لکھنؤ آئے تو اپنے ساتھ اُن کو بھی لائے -

بقول مولف ''گل رعنا'' میر کاظم علی رئیس لکھنؤ نے ان کو متبنی کیا تھا وہ مرے تو دولت اور آسائش ان کے ہاتھ آئی -

مولوی وارث علی نام کے ایک مولوی صاحب تھے ان سے ناسخ نے اتنی کتابیں پڑھیں کہ شاعری کے لئے کارآمد ہوں -

شاعری کو ان کی فطرت کے ساتھ ابتدا سے لگاؤ تھا ، نواب محمد تقی خاندانی شاعر تھے اور شعرا نواز ، ناسخ لکھنؤ آئے اور مصحفی و جرأت کی شہرت گھر گھر سنی تو ان کے دل میں شوق پیدا ہوا ، بطور خود چپکے چپکے کچھ کہنے لگے طبیعت میں زور تھا اس لئے چند ہی دنوں میں مشہور اور ممتاز ہوگئے ، یہ امر مشتبہ ہے کہ مشورۂ سخن کس سے کیا ؟ کہا جاتا ہے کہ میر تقی میر سے استدعا کی مگر انہوں نے منظور نہیں کیا - اگر مصحفی کا قول باور کیا جائے تو ان کے شاگرد تنہا کو کلام دکھاتے تھے - ان کو شاعری کی طرف رغبت دلانے اور آتش کے ساتھ معرکہ آرا ہونے میں قاضی صادق علی خاں اختر کو بہت کچھ دخل تھا -

عرصہ تک الہ آباد دائرہ شاہ اجمل میں بھی ان کا قیام تھا -

اہل دائرہ بیان کرتے ہیں کہ بلند و بالا ، سیاہ فام ، تنومند آدمی تھے ، کبھی کبھی سر گھٹا بھی دیتے تھے -

آزاد آبحیات میں لکھتے ہیں کہ :—

'' غزلوں میں شوکت الفاظ ' بلند پروازی ' اور نازک خیالی بہت ہے اور تاثیر کم '' -

گل رعنا کے مولف نے یہ الفاظ لکھے ہیں :—

'' بات یہ ہے کہ ناسخ کی قوت تخیل نہایت زبردست ہے ایک چیز کو وہ سو سو دفعہ دیکھتے ہیں اور ہر دفعہ ان کو ایک نیا عالم نظر آتا ہے پھر وہ کلام کی بنیاد اس پر قائم کرکے تمثیل اور مبالغے سے اس میں گرمی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ' مگر اس قوت کے استعمال میں اکثر اعتدال سے گزر جاتے ہیں کہیں پر مبالغہ اصلیت اور واقعیت سے اتنا دور جا پڑتا ہے کہ ان کی بلند پروازی کے سامنے آفتاب تارا بن کر رہ جاتا ہے...... -

کہیں فرضی تشبیہوں اور استعاروں پر شعر کی بنیاد قائم کرتے ہیں جو لطیف اور قریب‌الماخذ نہیں ہوتے...... اس نے متاخرین کی شاعری کو تباہ کر کے چھوڑا ہے ''

حقیقت یہ ہے کہ شیخ نے تشبیہات اور استعاروں کی فراوانی اور مضمون کی بلند پروازی سے اکثر جگہ تغزل میں قصیدہ کا رنگ پیدا کردیا ہے ان کی مثال اُردو میں وہی ہے جو فارسی میں صائب کی ہے -

شیخ نے کوشش کی ہے کہ صائب کا رنگ اُردو میں آجائے ' اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اُس وقت صائب کا رنگ بہت پسندیدہ تھا -

ناسخ' پہلے شاعر ہیں جن کی اُردو شاعری نے اُردو میں فارسی الفاظ ' فارسی تراکیب ' فارسی مضامین ' طرز ادا کو اس طرح سمو لیا کہ فارسی اُردو کی مستقل ملکیت معلوم ہونے لگی - البتہ عربی پر باوجود اور کوشش بلیغ ان کا قابو نہیں چلا -

وزیر ' برق ' رشک ' بحر ' منیر ' ان کے ایسے مشہور تلامذہ ہیں جو اُردو شاعری اور اُردو زبان کے رکن تسلیم کئے گئے ہیں -

سنہ ۱۲۵۴ھ میں بمقام لکھنؤ وفات پائی اور اپنے ٹکسال والے مکان میں دفن کئے گئے - رشک نے تاریخ کا مصرع '' دلا شعر گوئی اُٹھی لکھنؤ سے '' نکالا ہے-

۱

میرا سینہ ہے مشرق ، آفتاب داغ ہجراں کا
طلوع صبح محشر ، چاک ہے ، میرے گریباں کا
کسی خورشید رو کو ، جذب دل نے آج کھینچا ہے
کہ نور صبح صادق ہے ، غبار اپنے بیاباں کا
سیہ خانہ مرا ، روشن ہوا ویران ہونے سے
کیا دیوار کے روزن نے ، یاں عالم چراغاں کا
جلوں میں ہجر کی شب ، ہاتھ دوڑایا ہے جب اپنا
کیا ہے چاک ، تا جیب سحر اپنے گریباں کا
کسی سے دل نہ اِس وحشت کدہ میں ، میں نے اٹکایا
نہ اُلجھا خار سے دامن کبھی ، میرے بیاباں کا

فرقت یار میں ، کیا ہوش اُڑے جاتے ہیں ؟
شہپر خواب ہے جو پر ہے مرے بالیں کا
شعر تر ہے ، جو مرا اک گل تر ہے ناسخ
نہیں قرطاس ، یہ دامن ہے کسی گلچیں کا

آنکھ بےلطف ہے ، پلکیں ہوں جو اے یار ! جدا
کس طرح ؟ آبلۂ پا سے کروں خار جدا
سر عشاق یہاں بکتے ہیں ، معشوق وہاں
کوئے قاتل ہے جدا ، مصر کا بازار جدا
بوجھ اپنا ، کبھی ڈالا نہ کسی پر میں نے
ہوئی تعمیر ، مری سقف سے دیوار جدا

اپنے ابرو ، آئینے میں دیکھ کر بسمل ہوا
کھینچ کر تلوار ، اپنا آپ وہ قاتل ہوا
دھیان اُس کے بند کرنے کا ، اگر آتا مجھے
کیوں نہ تیرا رخنۂ در ، میرا چاک دل ہوا

دلبری کا جب ہوا ، اس سرو قامت کو خیال
عضو عضو اپنا ، وہیں مثل صنوبر ، دل ہوا
جب تصور یار کا باندھا ، ہم آپ آئے نظر
سامنے آنکھوں کے ، آئینہ ہمارا دل ہوا

روئے جاناں کا ، تصور میں جو نظارا ہوا
دل میں تھا جو داغ حسرت ، عرش کا تارا ہوا
چین سے سویا نہ دنیا میں کبھی ، جز خواب مرگ
بعد مرنے کے جنازہ ، مجھ کو گہوارا ہوا
زاہدا ! ہم جانتے ہیں ، عشق بازی ہے گناہ
گھر لٹا یا ہے ، جو وحشت میں وہ کفارا ہوا
دوستو ! جلدی خبر لینا کہیں "ناسخ" نہ ہو
قتل آج اُس کی گلی میں ، کوئی بےچارا نہ ہو

زندگی ، چشم جہاں میں خوار کہتی ہے مدام
دوش پر سب نے لیا ، جب آدمی بےدم ہوا
ہو گیا ہے جوش سودا سے ، مرا مشہور نام
حلقۂ زنجیر ، گویا حلقۂ ماتم ہوا

مر گیا ہوں دیکھ کر ، جلوہ رخ پر نور کا
میری لوح قبر کو ، زیبا ہے پتھر طور کا
ہجر میں ساغر سے آئی مجھ کو ساقی ! بوئے خوں
بادہ کھنچوایا ہے شاید ، زخم کے انگور کا
دعوئے باطل سے ، ہو جاتے ہیں اکثر نامور
شہرہ کیا بانگ اناالحق نے کیا منصور کا

سعی سے گوہر مقصد نہیں ہوتا حاصل
نہ کبھی آب رواں میں ، ہوا گوہر پیدا

رنگ و داغ گل لالہ سے یہ معلوم ہوا
حسن اور عشق ہوئے دونوں برابر پیدا

اُس پہ آفت نہیں ، منھ سوئے خدا ہے جس کا
طائر قبلہ نما ، کاہے کو بسمل ہو گا
اُنس ہے تجھ کو عبث ، لالہ رخوں سے "ناسخ" !
داغ حسرت کے سوا ، خاک نہ حاصل ہو گا

کوئی غارت گر نہیں ، دیوانوں کے اسباب کا
خانۂ زنجیر کو کچھ غم نہیں سیلاب کا
خلق کی پیشانیوں پر ، ہے یہی مضموں رقم
سجدہ واجب ہے ، ترے دروازے کی محراب کا
پاک طینت جو کہ ہیں ، اُن سے تعلق دور ہے
خار سے کیا اُلجھے گوشۂ ، چادر مہتاب کا
پانوں جو رکھتا ہے ، کھاتا ہے سر اُس کا ٹھوکریں
یہ حریم کوئے جاناں ہے ، مقام آداب کا

پھر قیامت زا ہوا ، ہلنا لب خاموش کا
پھر نظر آنے لگا موسم ، جلنوں کے جوش کا
کر گیا ہے پھر کوئی خالی ، مرے آغوش کو
پھر جنازہ بار ہو گا ، دوستوں کے دوش کا
پھر مرے سر نے کیا ہے ، داغ سودا کو کلاہ
پھر لیا کام ، آبلوں سے پانوں نے پا پوش کا

مثل مینا ، ملوں نہ کیوں جھک کر ؟ آج ہے ، دور دور ساغر کا
جلد میرا پیام بر نہ پھرا واسطہ گو دیا پیمبر کا
ہے شب ہجر ، تا ابد نہیں صبح نہ رہا خوف ، روز محشر کا

نقش پا ہو نہ جائے نقش جبیں   سر ہے مشتاق ، تیری ٹھوکر کا

خراماں تو جہاں ہوتا ہے، وہ جا رشک گلشن ہے
ہر اک کبک دری بلبل ہے تیری کفش کے گل کا
کبھی کہسار پر جانا ، کبھی وادی میں آرہنا
رہا وحشت میں بھی عالم ، ترقی و تنزل کا

ہر ہر قدم پہ ، پھوٹتے جاتے ہیں آبلے   نقش قدم میں طور ہے چشم پر آب کا

راحت طلب کروں، تو ملے آسماں سے رنج
حاضر ہو موت ابھی، جو خیال آئے خواب کا
"ناسخ" شراب پی ! شب تاریک ہے تو کیا
محتاج آفتاب نہیں ، ماہتاب کا

مدتیں گزریں کہ قدموں سے جدا ہوتے نہیں
کس قدر ہے شوق ، کانٹوں کو مرے پابوس کا

عشق مے یہ ہے کہ دم میرا خفا ہوتا ہے
گھونٹتا ہے جو کوئی مست ، گلا مینا کا

گذرناگاہ جو میرا ہوا شہر خموشاں میں
عجب نقشہ نظر آیا وہاں ، شاہان عالم کا
کہیں آئینۂ زانو سکندر کا ، شکستہ تھا
کسی جانب پڑا تھا کاسۂ سر ، خاک میں جم کا

ساتھ آہوں کے نہ درد دل نکل جائے کہیں
اس لئے ہے ضبط مجھ کو آہ درد آمیز کا
عشق کردیتا ہے سلطان و گدا کا ایک رنگ
کوہکن کی طرح آخر خوں کیا پرویز کا

اشک گر پڑتے ہیں جس دم ، ہوتا ہے دل بے قرار
میری آنکھوں میں ہے عالم ، ساغر لبریز کا
عشق کے آزار میں ، مرتا ہے پر ہے ، گرد یار
ہے خدا حافظ ، دل بیمار بے پرہیز کا

———

سیکڑوں آہیں کروں پر ذکر کیا آواز کا
تیر جو آواز دے ، ہے نقص تیر انداز کا
نازنینوں سے کروں کیا ربط میں نازک مزاج
بوجھ اٹھ سکتا نہیں مجھ سے کسی کے ناز کا

———

رات ایسا انتظار یار میں بے تاب تھا
بستر گل پر نہ تھا میں آگ پر سیماب تھا
رات مجھ کو ، تیرے آنے سے جو مایوسی ہوئی
انتظار مرگ تھا یا اشتیاق خواب تھا
گل کہیں دیکھا زمیں نے داغ حسرت کے سوا
میرے اشکوں سے مگر باغ جہاں شاداب تھا

———

یاں آسرا ہے ، ساقی کوثر کی ذات کا
ہے ساغر شراب ، سفینہ نجات کا
جلتے ہیں سوز عشق سے ، مانند شمع ہم
رتبہ ملا ہے آگ کو ، آب حیات کا
جب تک وہ ہے دو چار ، مری زندگی بھی ہے
تار نگاہ یار ہے ، رشتہ حیات کا

———

نو جوانی میں ہوا ، عشق اس بت گل فام کا
عالم اپنے داغ دل میں ہے ، چراغ شام کا
خاک ہونے پر گئی اپنی نہ عالی فطرتی
گور میں بھی دھیان ہے ہم کو کسی کے بام کا

———

کھینچ لائی وادیٔ ہستی میں بے تابی مجھے
وہ گیا پیچھے عدم میں قافلہ آرام کا
لوح محفوظ ایک نکتہ ہے علی کے نام کا
عرش کہتے ہیں جسے، زینہ ہے اس کے بام کا

دے دوپٹہ تو اپنا ململ کا
ناتواں ہوں کفن بھی ہو ہلکا
درد سر میں جو سر رگڑتا ہوں
تیرا دروازہ کیا ہے صندل کا
کہتے ہیں سالکان منزل عشق
ہے نشان گور، گام اول کا
کیا اسی گل کی؟ یہ سوادی ہے
نکہت گل دھواں ہے مشعل کا

کون وہ دل ہے؟ جو محو رخ جاناں نہ ہوا
کون آئینہ ہے جو دیدۂ حیراں نہ ہوا
پر لگائے مجھے وحشت نے، اُڑا پھرتا ہوں
مجھ سے پامال کوئی خار بیاباں نہ ہوا
پھٹ گئے لاکھ گریبان، مری حالت پر
صبح کا ہجر کی شب چاک گریباں نہ ہوا
لاکھ کافر کو کیا تونے مسلماں "ناسخ"
ہے یہ افسوس کہ تو آپ مسلماں نہ ہوا

پائی شکست دل نے بہ رنگ شکستہ رنگ
بالائے سنگ، شیشہ مرا بے فغاں گرا
آزاد ہیں قیود سے افتادگان خاک
اُڑتا پھرا شجر سے جو برگ خزاں گرا

ہے وہ دل ویراں، نہیں جس میں فروزاں داغ عشق
روشنی یعنی نشاں ہے خانہ آباد کا
ذبح وہ کرتا تو ہے، پر چاہئے اے مرغ دل!
دم پھڑک جائے تڑپنا دیکھ کر صیاد کا

فصل گل آنے نہیں پائی کہ تو یاد آگیا
اے جنوں ! دیوانہ ہوں میں، اپنے دل کی یاد کا

بعد مردن بھی، ہمارے ساتھ ہے سرگشتگی
گنبد اپنی قبر کا، گردش سے گردوں ہوگیا
مارڈالا ممسکوں کی قدردانی نے مجھے
مثل زر، خاک کدورت میں، میں مدفوں ہوگیا

آج دعویٰ اس کی یکتائی کا باطل ہوگیا
بحث کرنے کو جو آئینہ مقابل ہوگیا
ایک دل لےکر دئے قاتل نے مجھ کو لاکھ دل
جو لگا پیکاں مرے پہلو میں، وہ دل ہوگیا
صبح ہوتے کچھ نظر آیا نہ غیر از آفتاب
کون کون اک رات کو، یاں شمع محفل ہوگیا

رات بھر جو سامنے آنکھوں کے وہ مہ پارہ تھا غیرت مہتاب، اپنا دامن نظارہ تھا
تونے آنکھیں پھیر لیں، یاں کام آخر ہوگیا طائر جاں، پائے بند رشتہ نظارہ تھا

چڑھاتی ہے دماغ افلاک کو، انساں کی کم وزنی
کرے میل زمیں، سنگیں جو ہو پلہ ترازو کا
مژہ جو ہے وہ گویا اک زباں کا کام کرتی ہے
وہ عالم ہم نے دیکھا ہے، کسی چشم سخن گو کا

زندگی کا کوئی دم مجھ کو مزہ مل جاتا
میرے زخموں پہ جو قاتل نمک افشاں ہوتا
بے کسی میں، میں ہوا تیغ محبت کا شہید
کون ! جز زخم، مری لاش پہ گریاں ہوتا

پونچھتا اشک ، اگر گوشۂ داماں ہوتا
چاک کرتا میں جلوں میں جو گریباں ہوتا
مال ملتا جو ، فلک سے ، ضرر جاں ہوتا
سر نہ ہوتا جو میسر مجھے ، ساماں ہوتا
کی مکافات ، شب وصل خدا نے ورنہ
کس لئے مجھ پہ عذاب شب ہجراں ہوتا
اے اجل ! ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے
آج آتی شب فرقت میں ، تو احساں ہوتا
حسرت دل نہیں دیتا ہے سنکنے ؛ " فاسخ "
ہاتھ شل ہوتے ، میسر جو گریباں ہوتا

دم فکر سخن ، اکثر ہماری طبع روشن نے
تجھے خورشید باندھا اور زمیں کو آسماں باندھا

معطر اس کے نہانے سے بس کہ آب ہوا
حباب بحر ہر اک ، شیشۂ گلاب ہوا
نجات ہوگی عذاب حساب سے سب کو
جو پہلے ، روز قیامت مرا حساب ہوا
نگہ تھہرتی نہیں ، اپنے عکس پر اس کی
شعاع حسن سے آئینہ ، آفتاب ہوا

پھر نہ میرے پاس آیا جاکے اے جان جہاں
طور کیا سیکھا ہے تو ؟ عمر رواں کی چال کا

وصل سے یاں آج بھی ہے عید، کل بھی عید ہے
کیا شب فرقت میں ؟ ظالم ! طول تھا اک سال کا

آ گیا کچھ بھی زباں پر ' اثر زہر فراق
غم نے چکھنا ھی مرا خون جگر چھوڑ دیا

پانوں اُٹھ سکتا نہیں ' کیا جاؤں کوئے یار کو ؟
ھاتھ اپنی زیست سے ' اب اے دل مضطر اُٹھا

اتنی راحت طالع واژوں کی قسمت میں نہ تھی
لے گیا ھے خواب میرے دیدۂ بیدار کا
کیوں نہ کھٹکوں؟ آسماں کو رات دن میں ناتواں
آبلے کی شکل اس میں' مجھ میں عالم خار کا
دستگیری ایسی اُفتادوں کی ھے منظور طبع
خاک پر گرتا نہیں ' سایہ مری دیوار کا
مانع صحرا نوردی ' پانوں کی ایذا نہیں
دل دکھا دیتا ھے لیکن ' توٹ جانا خار کا

شمع ساں جلتے ھیں بعد از مرگ اپنے استخواں
نـــام منقــار ھما ' کــرنے لگی گل گیر کا

فلک نے جب کہ تیرے حسن عالم سوز کو تولا
تو کوہ طور کو منزل میں کس پاسنگ ٹھرایا

اس گنھ پر منتقم ' دوزخ میں مجھ کو ڈالتا
کوچۂ جاناں کے ھوتے ' گر میں جنت مانگتا
یہ تڑپے میں مزہ مجھ کو ملا ھے بعد ذبح
موت سے ملتی ' تو اور اک دم کی مہلت مانگتا
مــوج آب زندگی سے ' کام لیتـــا تیغ کا
خضر بھی ملتا ' تو میں جام شہادت مانگتا

نہ دہشت محتسب کی ہے، نہ منت مے‌فروشوں کی
یہاں ہے نشہ، آنکھوں میں شراب شیشۂ دل کا
تنزل میں ترقی ہے ترقی میں تنزل ہے
تماشا دیکھ، غافل ماہ نو کا، ماہ کامل کا

برنگ لالہ، اُس گل کا نہیں کچھ آج دیوانہ
ازل سے داغ سودائی، سویدا ہے مرے دل کی

باغ میں روندے، بہت پھولوں کے خرمن زیر پا
لا کبھی اپنے شہیدوں کے بھی مدفن زیر پا
ہاتھ دوڑائے زمیں سے سو، شہید ناز نے
آ گیا چلنے میں، قاتل کا جو دامن زیر پا
خاک صحرا چھانتا پھرتا ہوں، اس غربال میں
آبلوں میں کر دئے کانٹوں نے روزن زیر پا

ضعف ہے راہ طلب میں، جب سے دامن گیر پا
آتی ہیں رگ ہائے پا، مجھ کو نظر زنجیر پا
پیٹنے دو سر مجھے، پھرنے دو مجھ کو دشت دشت
میرے ہاتھوں کی کرو کچھ فکر، نہ تدبیر پا
رہ گذار یار سے، آگے نہیں اٹھتے قدم
نقش پائے یار کرلیتے ہیں کیا تسخیر پا
تیرے کوچہ میں قدم رکھنے کا مجھ پر ہے گناہ
سر مرا کیوں کاٹتا ہے؟ چاہئے تعزیر پا

خبر کلال کو، سر گشتگی کی تھی، ”ناسخ“!
جو میری خاک سے تھا اس نے چاک کیا

پانوں کو دیوار زنداں میرا دامن ہو گیا
ناتوانی سے گریباں ، طوق گردن ہو گیا
پانوں پھیلائے ہیں جادو کی طرح ہر خاک نے
اب گریباں اے جنوں ! صحرا کا دامن ہو گیا

اے شب ہجر ! نہ اٹھوا مرے دست فریاد
صبح محشر نہ ہو تا چاک گریباں پیدا
ہم ضعیفوں کو کہاں آمد و شد کی طاقت
آنکھ کی بند ، ہوا کوچۂ جاناں پیدا

میری زنجیر یہ کہتی ہے بہ آواز بلند
بعد مجنوں کے ہوا ، سلسلہ جنباں پیدا

ترے ہی رہ گذر میں ، گبر و مومن کرتے ہیں سجدے
ترے نقش قدم سے ، ہوگئے دیرو حرم پیدا
مری آتش زبانی ہے خراب ، اس دور آخر میں
کیا اس شمع کو بزم جہاں میں صبح دم پیدا
فقط نقصاں نہیں ہے عاشقی میں ، کچھ بھی حاصل ہے
جو گم ہوتا ہے دل پہلو سے ، تو ہوتا ہے غم پیدا
نہیں ممکن کہ کلک فکر لکھے ، شعر سب اچھے
برستا ہے بہت نیساں ، گہر ہوتے ہیں کم پیدا

گر سر زلف گرہ گیر نہ ہوتا مجھ کو
کیا گنہ تھا ؟ جو میں پابند سلاسل ہوتا

آتی ہے عالم بالا سے صدا ، مانگ ! سو دوں
امتحاں کو بھی میں لیکن کبھی سائل نہ ہوا

بار احسان فلک سے ، تو ملی آزادی
یہ بھی حاصل ہے ، اگر کچھ، مجھے حاصل نہ ہوا

کاوشیں اب تک چلی جاتی ہیں ، گو میں مر گیا
جائے گل ، کانٹے مری تربت پہ ظالم دھر گیا
قتل گہہ سے جب چلا قاتل مرا سر کاٹ کر
دور تک پہونچانے کو ، لاشہ مرا بے سر گیا

خوب سا نظارۂ قاتل ، تہ خنجر کیا
سر دیا ، لیکن مہم عاشقی کو سر کیا
تو نہیں ملتا ، تو ہم تجھ سے بھی اب ملتے نہیں
سنگ دل ! ہم نے بھی اپنے دل کو اب پتھر کیا
جیتے جی کیا ہو ؟ کمند بےقراری سے نجات
برق کو گردوں نے میرے بخت کا اختر کیا
کون ہے جس کو نہیں ، اُس صاحب عصمت کی یاد
گھر میں بیٹھے بیٹھے ، اک عالم کے دل میں گھر کیا

پہونچے کیا گوشہ نشینوں کو ضرر دشمن سے
آتش سنگ کو کچھ خوف نہیں پانی کا
کس کے کوچے میں جبیں سا ، تو ہوا ہے '' ناسخ ''
چاند سا داغ ہے روشن ، تری پیشانی کا

خواب ہی میں نظر آتا وہ ، شب ہجر کہیں
سو مجھے حسرت دیدار نے سونے نہ دیا
خفتگی بخت کی کیا کہیے ؟ کہ جز خواب عدم
عمر بھر دیدۂ بیدار نے ، سونے نہ دیا
سمجھے تھے بعد فنا پائیں گے راحت ، ''ناسخ'' !
حشر تک وعدۂ دیدار نے سونے نہ دیا

یاروں نے راحت عدم میں کی ، میں نالاں رہ گیا
قافلہ منزل پہ جا اُترا ، جرس یاں رہ گیا
کی اِدھر دل نے کشش ، کھینچا ادھر سفاک نے
ٹوٹ کر آخر میرے سینے میں پیکاں رہ گیا
عمر بھر وحشت میں ، گر صحرا نوردی کی تو کیا ؟
سیر کے قابل جو تھا دل کا بیاباں ، رہ گیا
فصل گل میں بھی نہ زنداں تعلق سے چھٹا
ناتوانی سے مرا طوق گریباں رہ گیا
حسرت پابوس قاتل ، دل سے نکلی وقت قتل
تیغ کا ، "ناسخ" ! مرے سرپر ، یہ احساں رہ گیا

اثر خون جگر میں کیا ہے آب زندگانی کا
نہیں مرتا میں فرقت میں ، برا ہو سخت جانی کا
کھلے دروازے ، ہر شب چین سے سوتے ہیں ہم جب سے
دیا ہے خانۂ ویراں کو عہدہ پاسبانی کا

یہ جوش پر ، یاں ہے اشک کا ، یم کہ ساتوں دریا ہیں قطرے سے کم
جسے کہ کہتے ہیں سب جہنم ، شرر ہے اک آہ آتشیں کا
زبس کہ ہے جوش داغ ہجراں ، ہوا مرا سینہ باغ رضواں
بجائے گلگشت جائے غلماں ، خیال پھرتا ہے اک حسیں کا
برا ہو اس بخت عاشقی کا ، نہ دیں ہو برباد یوں کسی کا
بنا ہے عشق بتاں کا ٹھیکا ، نشان سجدہ مری جبیں کا

شگفتہ غنچہ نہ جب تک ہو ، بو نہیں آتی
ہو چاک چاک اگر دل ، تو ہو اثر پیدا
پس از وفات بھی ، تاثیر گر یہ باقی ہے
مرے غبار سے ہوتا ہے ابر تر پیدا

خوش هوا بهولے سے گر دل ، غم وهیں یاد آ گیا
قهقهہ هونٹوں تلک پهونچا کہ نالا هو گیا
محتسب پهونچا سکا کچھ بهی نہ ، مستوں کو ضرر
شیشۂ مے ٹوٹ کر ، ساقی پیالا هو گیا
جب کہ دوش احمد مختار پر ، رکها قدم
حیدر کرار کا رتبہ ، دوبالا هو گیا

مرتبہ کم ، حرص رفعت سے همارا هو گیا
آفتاب ایسا هوا اونچا کہ تارا هو گیا
ایک درهم اور ، داخل گنج قاروں میں هوا
پست ایسا ، میرے طالع کا ستارا هو گیا
یہ صفائی ، یہ لطافت ، جسم میں هوتی نہیں
تم نے جو دل میں چهپایا ، آشکارا هو گیا

دیکھ کر موج هوا کو ، کہتے هیں غربت میں هم
بوریا اُڑتا هے ، اپنے خانۂ برباد کا
عشق دل میں هے نہ دل سینے میں ، داغوں کے سوا
ان چراغوں میں ، نشاں هے خانۂ آباد کا
کوئے جاناں سے نکل ، جاتے کہاں ، وحشت میں هم
بیڑیاں ڈالیں ، بڑا احساں هے حداد کا
رنگ عشرت ، باغ عالم میں ؛ نظر آتا نہیں
گل کو گلچیں کا خطر ، بلبل کو غم صیاد کا

جو گوش گل نہ ملے ، باغ میں تو کیا چارہ
قفس سے نالۂ بلبل ، هزار بار آیا

نکلے شرار ، فرقت ساقی میں ، جائے مے
شیشے کو میرے بخت نے ، پتھر بنا دیا

دشت جنوں میں آج ، وہ ثابت قدم ہوں میں
ٹھوکر لگا کے ، سنگ کو اخگر بنا دیا

———

دشت غربت میں بدن ہے ، کوچۂ جاناں میں میں
جسم بے جاں کی طرح ، خالی مرا گھر ہو گیا

———

شگفتہ تازہ ، جنوں ، داغ عشق کا پھولا
خبر کسے ہے کہ کب موسم بہار ہوا
تمام عمر پیا میں نے ، غم میں خون جگر
جہاں میں نام ، مگر رند بادہ خوار ہوا

———

گر یوہیں میں ساتھ ہوں تو رفتہ رفتہ دیکھنا
اُس پری کو اپنے سائے کا گماں ہو جائے گا
یار ، جب مجھ جاں بہ لب کو ، بھیجے گا پیغام وصل
دیکھنا ! پیغام بر ، معجز بیاں ، ہو جائے گا

———

ہے تصور مجھے ہر دم ، تری یکتائی کا
مشغلہ آٹھ پہر ہے یہی ، تنہائی کا

———

ہجر جاناں سے رہائی کا قرینہ ہو گیا
سہل مرنا ہو گیا ، دشوار جینا ہو گیا
وادیٔ دل ہے تجلی گاہ جاناں رات دن
ان دنوں سینہ ہمارا ، طور سینا ہو گیا
جس طرح معدوم ہوتے ہیں ستارے صبح دم
عہد پیری میں ، مرا خالی خزینا ہو گیا
پرتوِ جاناں ہے ، میرے کالبد میں جائے روح
آئینے کی پشت ، گویا اپنا سینا ہو گیا

———

نامہ بر ، خط کے پرزے چن لایا یہی حاصل ، اُسے جواب ہوا

ایک عالم ہے ، مری غفلت و ہشیاری کا
خواب دیکھا نہ کبھی ، بخت کی بیداری کا
رحمت حق ہے ، سبب مری گنہگاری کا
ابر کرتا ہے اشارہ مجھے ، مے خواری کا
کور آنکھیں ہوں ، کسی طور سے روتے روتے
اور چارہ ہی نہیں ، دید کی بیماری کا

تیغ قاتل ، شاخ صندل سے اثر میں کم نہیں
جب کٹے گا ، دور میرا درد سر ہو جائے گا

فرقت ساقی میں نکلے گا لہو ، جائے شراب
اب دہان شیشہ ، زخموں کا دہن ہو جائے گا
میں نہیں عریاں ، سلامت ہیں اگر داغ جنوں
پھائے جب ان پر لگیں گے ، پیرہن ہو جائے گا
میکدے تک محتسب کو ، مےکشو ! آنے نہ دو
دیکھ کر پیمانے کو ، پیماں شکن ہو جائے گا
درد دل سے کھنچئے جلدی ، ابھی تازہ ہے عشق
زخم یہ ، ناسور ہوگا گر کہن ہو جائے گا
کیوں اچنبھا ہے تجھے ، "ناسخ" ! فراق یار کا
ایک دن ناداں ! فراق روح و تن ہو جائے گا

مظہر ، وہ بت ہے نور خدا کے ظہور کا
نقش قدم سے سنگ کو رتبہ ہے طور کا
ساقی مے وصال میں عالم ہے نور کا
چمکا دے چاندنی میں پیالہ بلور کا
ابرو دکھاؤ یا کوئی تلوار بھیج دو
کچھ تو کرو علاج ! دل ناصبور کا

جھک جھک کے شیشے ملتے ھیں ھنس ھنس کے جام سے
یہ میکدہ مقام نہیں ھے غرور کا

بجھتا ھے چراغ، آج سر شام ھمارا جی لیتی ھے وہ زلف سیہ فام ھمارا
اشکوں نے بھی ساقی، نہ بھرا جام ھمارا مے پائی نہ پینے کو تو ھم پی گئے آنسو
صد چاک کیا، جامۂ احرام ھمارا کعبے میں بھی وحشت کی رھی دست درازی

آج مجھ کو دشت وحشت میں وطن یاد آگیا
بوئے گل کو، بعد بربادی، چمن یاد آگیا

فصل گل میں قصد کیا کرتا ھے؟ او میرے طبیب
جوش سودا اور ھوگا گر لہو کم ھوگیا

قاصدی کا کام تجھ سے، اے صبا ھوجائے گا
یا یو ھیں حسرت میں، دم اپنا فنا ھوجائے گا

گل نہ ھو، ساقیا، چراغ اپنا مے سے روشن رھے ایاغ اپنا
نہیں پاتے کہیں، سراغ اپنا کس کی ھم جستجو میں نکلے تھے
دل ھوا آج باغ باغ اپنا سو رھا جو لپٹ کے وہ گل تر

تنگ آ کر مری بالیں سے تو الٹا پھرتا
قاصدا! سچ تو یہ ھے آپ میں، میں خوب آیا

کب سے ھے مجھ کو انتظار اپنا آپ ھیں آئیں جائیں، یار کے پاس
پیچھے پیچھے چلا غبار اپنا آگے آگے ھوئی ھے روح رواں

بعد مرنے کے آج اے "ناسخ"
عزم ہے سوئے کوئے یار اپنا

نور میں نار کو ملا یا ہے   ذرا سرکاؤ! پیرہن اپنا

دو پہر سے، ترے کوچے میں ہم آ بیٹھے ہیں   ہو گئی شام، نہ دیوار سے سایہ اُترا

کوئی "ناسخ" کو نہ دیوانہ کہو   معتقد ہوں میں، اُسی مجذوب کا

ہر دم خیال ہے، رخ تابان یار کا
بس ہے یہی چراغ، شب انتظار کا
او محتسب سمجھ کے، تو شیشے کو توڑیو
دل بھی نہ ٹوٹ جائے، کسی بادہ خوار کا
سر پیٹنے سے، داغ جنوں محو ہو گیا
گل ہو گیا، چراغ ہی شب ہائے تار کا

اُڑ گیا کیا؟ ہجر جاناں میں، مرے چہرے کا رنگ
قطرۂ خوں جو بدن میں تھا، وہ آنسو ہو گیا
میری مو زوئی کی او قاتل ذرا، تاثیر دیکھ
تیر، جو آ کر لگا مجھ کو، ترازو ہو گیا

کیا؟ صبا لائی ہے مژدہ، آمد محبوب کا
ناگہاں میرا چراغ داغ ہجراں، بڑھ گیا

بھاگے ہم، زاہد تری مسجد کو زنداں جان کر
دیکھ کر تسبیح کو، زنجیر کا دھوکا ہوا

صاف دیکھی تری صورت ، اپنی صورت دیکھ کر
آئینے پر ، صفحۂ تصویر کا دھوکا ہوا

مس کے زر ہونے سے بہتر ہے کمال انساں
خاکساری ہے جدا ، اور ہے اکسیر جدا

اُس مسیحائے زماں سے ، ہے یہ "ناسخ" کا کلام
کچھ علاج آتا ہے تجھ کو مرے دل کی تپش کا

دم ، بلبل اسیر کا تن سے نکل گیا
جھونکا وہیں ، نسیم کا سن سے نکل گیا
ابکی بہار میں یہ ہوا جوش اے جنوں !
سارا لہو ہمارے بدن سے نکل گیا

ساقی ! شراب صاف کی تاثیر دیکھنا
جام سفال ، ساغر بلور ہو گیا
ساقی ! ٹپک پڑا ہے لہو ، ہجر یار میں
منھ شیشۂ شراب کا ناسور ہو گیا
دل دے کے آگیا ، ترے قابو میں اے صنم
میں اپنے اختیار سے مجبور ہو گیا

میکشو ! جس وقت ساقی کا کرم ہو جائے گا
یہ مرا جام گدائی ، جام جم ہو جائے گا

سلوائے مرے سینے کے کیوں زخم نہ قاتل ؟
اِن راہوں سے ، میرا دل بسمل اُسے جھانکا
یوں ہو کے سبک دوش جو چلنے کو ہو طیار
کچھ تو کہو "ناسخ" ! کہ ارادہ ہے کہاں کا

تحفۂ جاں لے کے آتے ہیں خریداروں میں ہم
تیرے کوچے میں ہے عالم ، مصر کے بازار کا
انتظار یار میں دن رات ، رہتا ہے کھلا
نقشہ ہے دروازہ ، میرے دیدۂ بیدار کا

ثنائے ابرو خم دار ہے ، بیاں اپنا
سوائے تیغ نہیں کوئی ، ہم زباں اپنا
ہے اِس جہاں سے جدا اِن دنوں ، جہاں اپنا
زمین ہے تو کہیں پست آسماں اپنا
رواں کیا ہے اگر تم نے کشتئی مے کو
ہوا ہے ہوش ، وہیں اُڑ کے بادباں اپنا

جوش سودا ہے ، سودا شب ہجران اپنا
نہ ہوئی صبح ، ہوا چاک گریباں اپنا
نہیں ممکن کہ کوئی خار تعلق ، چبھ جائے
اپنے دامن کو سمیٹے ہے بیاباں اپنا
آگ پردے کو لگا دے نہ کہیں نالۂ دل
اے پری رو ! نہ چھپا چہرۂ تاباں اپنا

پوچھنے کی نہیں ، طوفاں بلا کو حاجت جانتا ہے مرے ویرانے کو ، وہ گھر اپنا
دھیان اُس کوچے کا "ناسخ" ! جو ہے مانند "حسن"
گھر میں ہم رہتے ہیں اور ڈھونڈھتے ہیں گھر اپنا

کہا یہ پیک اجل ؟ اے فلک ! کہاں قاصد جواب نامہ جدا ، نامے کا جواب جدا
پہونچ رہیں گے برابر ہی ، حشر میں بد و نیک وہ خطا سے کہاں ہے وہ صواب جدا ؟
ہے اصل ایک میں عاشق ہوا ہوں تو معشوق مرا خطاب جدا ہے ، ترا خطاب جدا

ہاتھ میرا ہے ، ہاتھ گل چیں کا روئے جاناں ہے ، پھول نسریں کا
گل رخسار کا ، نظارہ ہوا تل ، مری چشم عاقبت بیں کا
میرے اشعار ایسے ہیں چیدہ کہ نہیں دخل یاں سخن چیں کا
خبر مرگ غیر ہے ، خط میں یہی مضموں ہے میری تسکیں کا

بجائے نقش قدم گرتے ہیں سر عشاق
بہ رنگ تیغ ہے ، دنیا سے تیری چال جدا
بڑا ہے فرق ، جلانے میں اور جلنے میں
درخت طور جدا ہے ، وہ نونہال جدا

اُڑا کے ساتھ ، یہ مشت غبار لیتا جا !
مجھے رکاب میں او شہسوار ! لیتا جا
چلا عدم سے میں جبراً ، تو بول اُٹھی تقدیر
بلا میں پڑنے کو ، کچھ اختیار لیتا جا

ہو آج تو سر شوریدہ، زینت فتراک
ہمارے دوش سے صیاد! بار لیتا جا

وہ روے کتابی، تو ہے قرآن ہمارا
کہتے ہیں جسے عشق، ہے ایمان ہمارا
ہاتھوں کی شکایت ہے ہمیں، دشت جنوں میں
پانوں میں اُلجھتا ہے گریبان ہمارا
ہم خانہ خرابوں سے ملے کیا کوئی آ کر
دروازۂ افتادہ ہے دربان ہمارا
لی جان خدا نے کسی بت نے نہ کیا قتل
نکلا نہ دم مرگ بھی، ارمان ہمارا

کسی کی صبحدم ہوتی نہیں شب کی سی اسائش
مجھے پیری میں یاد آئے نہ کیوں عالم جوانی کا

پھول جھڑتے ہیں ترے منھ سے جو اے رنگیں بیاں!
نکتہ چیں آیا تری محفل میں گل چیں ہو گیا

اس سے بہتر ہے کہیں عریاں پھرانا اے جنوں؟
جامۂ ہستی، نہایت اب پرانا ہو گیا
مر رہا تھا آپ میں، ناحق ہوا بدنام تو
اونگھتے کو، ٹھیلتے کا اک بہانا ہو گیا
اُڑ گیا مجھ کو نظر آتے ہی، کیا وہ شہ سوار؟
رشتۂ نظارہ، گویا تازیانہ ہو گیا
اُس ستمگر سے نہ پایا میرے نامے کا جواب
نامہ بر، تنگ آ کے دنیا سے روانہ ہو گیا
جھک گیا ہوں جب سے، تیرے عشق میں مثل کماں
خلق کی تیر نگہ کا، میں نشانہ ہو گیا

ہے مکاں ، گور تنگ سونے کا کیا کروں گا ؟ پلنگ سونے کا
تم چھپر کھٹ میں ہم جنازے پر کیا نکالا ہے ؟ ڈھنگ سونے کا

روئے ہم، یادلب جاں بخش میں اشک ، آب زندگانی ہو گیا
حسن میں، سبقت ہے یوسف پر اُسے تھا جو اول ، اب وہ ثانی ہو گیا

چشم بے نور ، ہوگئی پر نور کیا وہ یوسف جمال آ پہونچا ؟
آتے آتے جو پھر گیا ہے خواب شاید اس کا خیال ، آ پہونچا

ہمہ تن آبلہ ہوں ، آتش گل سے بلبل
پھول مارا جو کسی نے ، تو میں پتھر سمجھا
رات دن ہے مرے کاشانۂ دل میں تو مقدم
ہوگیا چاک جو سینے میں ترا در سمجھا
دل مرا ٹوٹ گیا ، یاد جو آیا ساقی
شیشۂ مے کو شب ہجر میں پتھر سمجھا
کوئی عاشق کے برابر ، نہیں دنیا میں حریص
عمر بھر وصل میں گذری ہے میں دم بھر سمجھا
دل نے جس راہ لگایا ، میں اُسی راہ چلا
وادی عشق میں ، گمراہ کو رہبر سمجھا

خوں فشاں رہتی ہیں آنکھیں ، ہوچکی جب سے شراب
کیوں نہ بھر آئے مرا دل ، شیشہ خالی ہو گیا
عرش کے توڑے ہیں تارے ، جائے مضمون بلند
آج ، بارے امتحان طبع عالی ہو گیا

آئے وہ ناگہاں مرے سوتے میں صبحدم بیدار مجھ کو ، طالع بیدار نے کیا

نکلے کیا ارماں ؟ اُس محبوب کے دیدار کا بخت ہے خوابیدہ ، اپنے دیدۂ بیدار کا

آج ، ذرے کو آفتاب ملا — کہ مجھے ساغر شراب ملا

غیر حق آئی نہیں ہرگز ، زباں پر کوئی بات
ہے یہی ، اس دار فانی میں نشاں منصور کا
تو نہیں ساقی! تو مے خانےمیں، اک برپاہے حشر
شیشۂ مے میں ، نظر آتا ہے نقشۂ صور کا

نہیں نماز ، اگر زاہدو تو پھر کیا ہے؟ — یہ میکدے میں رکوع و قیام شیشے کا
نہیں بعید کہ ہو سنگ حادثہ سے چور — سپہر ہے مری نظروں میں نام شیشے کا

تیرے آگے باغباں نے نوچ ڈالے سب چمن
باغ میں ہر گل بہ رنگ سبزۂ بیگانہ ہوا
ذکر کیا شب ہائے فرقت میں ، چراغ و شمع کا
آگ لگنے سے کبھی روشن سیہ خانہ ہوا

محشر میں کہے گا یہی "ناسخ" کہ بچا لو
یا احمد و حیدر! ہوں گنہ گار خدا کا

گاہ روتا ہوں ، کبھی ہنستا ہوں اپنے حال پر
کوئی بھی ہوگا نہ دنیا میں ، مری اوقات کا

مجھ سیہ بخت کی، جو خاک اُڑی — لوگ سمجھے دھواں بلند ہوا

تو جو دم بھر نہ ، مرے پاس ہوا — جی مرا ، جینے سے اُداس ہوا

سودائی ہوکے پھنس گئے زنداں میں ، گرچہ ہم
دل تو ہر ایک قید سے آزاد ہوگیا

"ناسخ"! بڑا غبی ہے، خدا جانے کس طرح؟
مدت میں، ایک نام ترا، یاد ہوگیا

کم ظرف ہیں، جو مست خرابات دید ہیں
ساقی، خم شراب بھی، پیمانہ ہوگیا
نادان! بند عقل سے زنجیر خوب ہے
دانا وہی ہے، جو کوئی دیوانہ ہوگیا

بارے کچھ ہوتی چلی ہے آشنائی، عشق سے
آرزو مند، اب دل بے آرزو ہو جائے گا
چاک اگر مجھ سوختہ کا ہے گریباں نا صحا؟
رشتہ ہائے شمع سوزاں سے رفو ہو جائے گا

وصل کی شب ہوچکی، عالم ہے نظروں میں سیاہ
صبح کا پھٹ کر گریباں، دامن شب ہوگیا
ہیں جو عاشق، تربیت سے اور ہوتے ہیں ہلاک
باعث دیوانگی، مجنوں کو مکتب ہوگیا

جو دم بھر اور نہ آتا، تو ہوتے ہم بےدم پیام بر، تو بڑے اشتیاق میں آیا
ہزاروں داغ، مرے آفتاب سے چمکے نہ فرق، ظلمت روز فراق میں آیا
شب سیاہ نہ دیکھی، نہ میں نے روز سیاہ کبھی نہ ہوش، تمہارے فراق میں آیا

انسان کو انسان سے کینہ نہیں اچھا
جس سینے میں کینہ ہو، وہ سینہ نہیں اچھا
آنکھیں تو ملاتے ہو مگر دل نہیں ملتا
ساغر تو بہت خوب ہے، مینا نہیں اچھا

آگے تھی امید وصل، اب بیم ہجر غم ترے آنے سے، دونا ہوگیا

کس قدر ؟ آشفتہ خاطر ہوں خیال زلف میں
جاگنا بھی ان دنوں ، خواب پریشاں ہوگیا

کروں میں اے جنوں بے یار کب تک ؟ چاک ، پیراہن
کہیں ہو دامن شب سے ، گریبان سحر پیدا
رہے صندل مبارک ، تیری پشانی کو او کافر
یہاں پتھر ہوئے ، بھر علاج درد سر پیدا

صبح فرقت نے دکھایا ، روپ سارا شام کا
آفتاب صبح کو ، سمجھا میں تارا شام کا
دیر کی آنے میں تم نے ، میں تڑپ کر مر گیا
صبح محشر پر گیا ، وعدہ تمہارا شام کا

رات دن غافل ! بدوں ہی سے کیا کر نیکیاں
کیا برا ہے ؟ اس میں کچھ، تیرا بھلا ہو جائے گا
بیڑیاں پہنا رہے ہیں ، میرے پاؤں میں حضور
کوئی دم ، دست جنوں کو مشغلہ ہو جائے گا

کیا ؟ فراق یار کو ، آتے ہیں طور انقلاب
جو خوشی آئی مرے دل میں ، اُسے غم کر دیا

پیکر محبوب میں ، نقشہ ہے سارا صبح کا
چہرۂ تاباں نظر آتـا ہے ، تـارا صبح کا
زندگی کرتی ہے کوتاہی ، شب فرقت دراز
حشر پر موقوف رکھتا ہوں ، نظارہ صبح کا

ہجر میں بجلی کی تلوار ، دکھاتی ہے مجھے
آج مـانند فلک ہوگئی خوں‌خوار گھٹـا

یہ مثل سچ ہے جو جاگے گا یہاں وہ پائے گا
بخت بیدار آشنا ہے، دیدۂ بیدار کا

ناز میں دونوں جدا ہیں، وضع میں دونوں جدا
حسن تیرا، دونوں آنکھوں نے دو چنداں کر دیا

ب

اے شب غم! اب نہیں اس کے سوا، تدبیر خواب
چھٹ کے قید زیست سے، کرتے ہیں ہم تسخیر خواب
بعد مدت خواب میں آیا جو وہ، میں چونک اٹھا
یہ گناہ بخت خوابیدہ ہے اور تقصیر خواب

ہے مری مستی کو، عشق ساقی کوثر شراب
رات دن پیتا ہوں میں، بے شیشہ و ساغر شراب

مثل پروانہ جو اُس محفل میں جائے عندلیب
آگ اپنے آشیانے کو، لگائے عندلیب

تیری محفل وہ چمن ہے جس میں اے رشک چمن!
عاشقوں کے ہوش اڑتے ہیں، بہ جائے عندلیب
کب قفس میں، صحن گلشن یاد آتا ہے اُسے
عارض صیاد میں، حاجت روائے عندلیب

راز پوشی، کاش ہم کو بھی سکھائے عندلیب
نام شبنم کا ہو اور آنسو بہائے عندلیب
بعد مردن اڑتے پھرتے ہیں چمن میں بال و پر
عشق گل میں، دیکھ اے "ناسخ"! وفائے عندلیب

صبح پیری ہے ، آفتاب شراب ہے سزا وار عیش ، آخر عمر

ساغر داغ جنوں سے ، مست میں دیوانہ ہوں
کیا خرابات جہاں میں ، مجھ کو پروائے شراب

غضب ہے ، راز دروں کھل گیا مرے منہ سے
شراب خوار کو کرتی ہے خوار ، بوئے شراب

وصل میں سنتے ہی تکبیر کو ، ہم ذبح ہوئے
کیا مؤذّن نے کیا ؟ کار ثواب آخر شب
حق پرستی کو نہیں چھوڑتے ، ہم بادہ پرست
ہے نماز اول شب اور شراب آخر شب

پ

وقت پر باغ میں آتی ہے بہار آپ سے آپ خار تدبیر ہے ، پیش گل تقدیر عبث

وصل کی شب ، بخت بد اپنا دکھاتا ہے کمال
میرے گھر میں چاندنی آتے ہی بن جاتی ہے دھوپ

سرکا ، شب تاریک میں داغوں سے جو پھاھا
اک خلق مرے سامنے کھاتی ہے کھڑی دھوپ

ت

دشمن جاں ہے ھمارا ، پاسبان کوئے دوست
ہوجئے اب آشنائے ساکنان کوئے دوست
لوٹتے ہیں خاک میں ، آنکھیں لگی ہیں سوئے بام
مرتے ہیں معراج پر ، افتادگان کوئے دوست

وصف جنت ، جب کئے واعظ نے ممبر پر شروع
صاف میں سمجھا کہ کرتا ہے بیان کوئے دوست
جو وہاں پہونچا ، وہی آگاہ اُس عالم سے ہے
اور ہی کچھ ہے ، زمین و آسمان کوئے دوست
داغ حسرت ہیں ، چراغ دیر و قندیل حرم
کون جا دل کش ہے دنیا میں ، بسان کوئے دوست

غلمان و حور ، یاں ہیں تصور میں بے شمار
ہے رو بروے وسعت دل ، مختصر بہشت
بنت العنب ہے حور تو غلماں ہیں مغ بچے
زاہد ! مجھے ہیں بادہ فروشوں کے گھر بہشت
"ناسخ" کو جیتے جی تو گذرنا محال ہے
اے رشک حور ! تیری گلی ہے مگر بہشت

ث

تن پروری سے عشق کی ، کھوتا ہے جان عبث
فکر مکیں ضرور ہے ، فکر مکاں عبث

ہے جدائی ، دشمن جاں الغیاث الغیاث اے وصل جاناں الغیاث
مزرع امید "ناسخ" خشک ہے الغیاث اے ابر احساں الغیاث

فصل گل جب تک ہے رہنے دے بہ رنگ گل یوہیں
میرے چاک پیرہن ، ناصح ، نہ تو سینا عبث

ج

گر بخت ہے بلند تو کیا چاہئے ہنر تیغ ہلال کو نہیں جوہر کی احتیاج
جب آگیا غبار ذرا سا ، پہاڑ ہے کیا ہے؟ دلوں میں سد سکندر کی احتیاج

کرتے ہیں نالے، خانۂ زنجیر سے گریز — آزادۂ جنوں کو، نہیں گھر کی احتیاج

کوئی نامہ یا کوئی پیغام، بھیج! — ہوں میں بےآرام، کچھ، آرام بھیج

بھیجنا خط کا، کیا اس بت نے ترک — اے خدا! اب موت کا پیغام بھیج

آگیا "ناسخ" کو پیغام اجل — اب تو کوئی نامہ اے خودکام بھیج

ہم انتظار شربت دیدار میں، موئے — کرتے ہو خوب عشق کے آزار کا علاج

چ

میرے زخموں کے اگر ٹانکے تجھے منظور ہیں
اے بت خوں ریز! اپنے پیرہن کے تار کھینچ
توتیا کر! اپنی آنکھوں میں غبار رفتگاں
پنجۂ مژگاں سے، پائے ماندگاں کے خار کھینچ
بھر رہا ہے کیا ہی ظالم تیری خاطر میں غبار
شوق سے اب میرے اپنے بیچ میں دیوار کھینچ
پائے مجنوں کی قسم ہے، تجھ کو اے دشت جنوں
چھوڑ کر میرا گریباں، دامن دلدار کھینچ
وصل ہے معشوق کا، معراج عاشق کے لئے
چھوڑ! ساق عرش "ناسخ" ساعد دلدار کھینچ

ہوں بےقرار، وادی غربت میں اس قدر — اک آن ہے مقام، تو ہے ایک آن کوچ

شیب آگیا، شباب گیا اب تو آئیے — کرنا ہے صبح دم مجھے اے مہربان کوچ

ح

زلف سے رخسار کو ہوتا ہے ربط — کیوں شب فرقت سے ہے بیزار صبح

وصل کا ساماں ہے آج اے فلک — شام سے کر پیش تر طیار صبح

حسن کا عالم بھی کیا عالم ہے واہ — زلف جاناں شام ہے، رخسار صبح

وصل سے تھا صبح سے بیزار میں — ھجر کی شب، مجھ سے ھے بیزار صبح
شام کیا ھو تیرے گھر میں باریاب — نور سے ھے سایۂ دیوار صبح

———

آج جو اتنی شب فرقت میں ھے تاخیر صبح
پنجۂ خورشید محشر ھے گریباں گیر صبح
تیری گردش بھی بدل جاتی ھے کیا اے آسماں!
وصل کی شب، ھائے کیوں ھوتی نہیں تاخیر صبح
کیا ھی زوروں پر چڑھا ھے اِن دنوں اپنا جنوں
ٹکڑے ٹکڑے شام تک، ھو جاتی زنجیر صبح

———

شہرۂ شام شب فرقت بھی، ھرگز کم نہیں
گرچہ ھے عالم میں روز حشر کی مشہور صبح

———

خ

فرقت یار میں ھے، پانی تلخ — بلکہ ھے آب زندگانی تلخ
پڑ گیا ھے شراب کا جو مزا — ھے مرے ذائقے کو پانی تلخ
جان شیریں فراق میں نکلی — ھوگئی مجھ کو زندگانی تلخ

———

د

آ! مجھ سے ھو ھم کنار قاصد! — کر لوں میں تجھ کو پیار، قاصد!
"ناسخ" یہی تجھ سے پوچھتا ھے — کیسا ھے مزاج یار، قاصد

———

کیجو قطع راہ، راتوں کو — اے شب ماھتاب! اے قاصد!
وصل جاناں، ھو یا اجل آئے — زندگی ھے عذاب، اے قاصد

———

آنکھوں کو ھے انتظار قاصد — ھے جان امیدوار قاصد

———

دامن کی طرح رهتی هے روز ' اشک خوں سے لال
دیکھی هے کب کسی نے مری آستیں سفید

نیند آئےگی که موت آئےگی هجر یار میں
دیکھئے کیوںکر هوں اپنے دیدهٔ بیدار بند
باب توبه تو کھلا هے ' تو سهی جاؤں وهیں
کر لیا هے تونے دروازه جو اے خمار بند
مردے جی اُٹھے تیری ٹھوکر سے ' زنده مرگئے
کھل گئیں دو چار آنکھیں هوگئیں دو چار بند

کیا دکانوں سے چلے سنگ ترازو مجھ پر
جوش سودا ' مجھے آیا سر بازار پسند
کوئی دیکھے نه مجھے ؛ میں نه کسی کو دیکھوں
فرقت یار میں ' ایسی هے شب تار پسند

هے شب فرقت میں کس کو ! پھول کا بستر پسند
بے کلی میں لوٹنے کو هیں مجھے اخگر پسند
اپنے رندوں میں هی "ناسخ" ! شعر خوانی کیجئے
خشک هے زاهد ' اُسے کیا آئے شعر تر پسند

غبار دشت مجنوں کیا هے سرمه ؟ که هوجاتی هے آواز جرس بند

کس سے مثال دوں ؟ هے عجب بارگاه دل
اس کا تو عرش سے هے کهیں آشیاں بلند
دیکھو تو مهر و مه کے طلوع و غروب کو
رکھتا هے کس کو چار پهر آسماں بلند
آسان مری پستی طالع کا هے علاج
جذبش هوا کو هو تو هوں میں ناتواں بلند

گور آتی ہے نظر ، جب مجھ کو گھر آتا ہے یاد
اس سفر میں ہائے دنیا سے سفر ، آتا ہے یاد
ٹکڑے کرتا ہوں گریباں کو ، شب فرقت میں ، میں
ہائے جب چاک گریبان سحر آتا ہے یاد
کھول دے ، دست جنوں ! اب میرے چھاتی کے کواڑ
چاک پیراہن سے کوئی چاک در آتا ہے یاد

کس مرتبہ ! باہم ہے مزاجوں میں تخالف
جب گرم ہوا یار ، تڑپ کر میں ہوا سرد
بے خود ہوں شب فرقت محبوب میں ایسا
معلوم نہیں آہ مری گرم ہے یا سرد

تپ سے جلتا تھا بدن میرا ، ہوا اے یار ! سرد
کس قدر تاثیر میں ہے شربت دیدار سرد

ذ

خط جو لکھوں تو ابھی ابر کے ٹکڑے کی طرح
ہو روانہ طرف کوچۂ جاناں کاغذ
اس قدر مثل قلم میں نے جبیں سائی کی
بن گیا گھس کے در یار کا پتھر کاغذ
جائے جراح کی ، اب نامہ بر آ پہونچا ہے
بدلے پھائے کے رکھوں داغ جگر پر کاغذ

ر

کیا کیوں؟ عشق ابرو چھوڑ کر طوف حرم میں نے
نہیں شمشیر قاتل یہ ، وبال اس کا ہے گردن پر
نہ دیکھا زیست بھر ، اس غیرت مہتاب کو ہم نے
چڑھاتا ہے فلک اب کیا ؟ گل مہتاب مدفن پر

تجھی سے عشق ہے سو دیکھتا ہے تیری صورت کو
عبث باندھی ہے ہمت بت پرستی کی برہمن پر
ہمارے ہاتھ سے دامن جھٹک کر تو گیا جس دم
گریباں آرہا بس ایک ہی جھٹکے میں دامن پر
اگر ہوتا ہے اک دانہ بھی اس میں میری قسمت کا
فلک بجلی گرادیتا ہے "ناسخ" ! میرے خرمن پر

کیا روز بد میں ساتھ رہے کوئی ' ہم نشیں !
پتے بھی بھاگتے ہیں خزاں میں شجر سے دور

کاوش غم دور ہو ' میرے دل ویراں سے کیا ؟
خار جاتے ہیں کوئی صحرا کا داماں چھوڑ کر
حور ہے ساقی مرا ' کیوں کر ہے مے مجھ پر حرام
واعظا ! کرتا ہے کیا باتیں ؟ تو ایماں چھوڑ کر
سر پٹکتی پھرتی ہیں ارواح' سنگ وحشت سے
چل بسے ہیں جسم' کیا کیا قصر و ایواں چھوڑ کر
دیکھ لو ! فرقت نہ دیکھی ہو جو برق و ابر کی
خندہ زن جاتا ہے ظالم مجھ کو گریاں چھوڑ کر
مرگیا کیا "ناسخ" مے کش؟ جو سارے مے فروش
مسجدوں میں بیٹھے اپنی اپنی دُکاں چھوڑ کر

دیکھا ہے ہم نے خوب' نشیب و فراز دہر
آنسو زمین پر ہیں تو آہ آسمان پر
ہے چاند مثل عارض جانانہ آفتاب
دعویٰ زمین پر ہے گواہ آسمان پر
ایسا اچھا لتا ہے مجھے ! اضطراب دل
ہوتا ہوں گہ زمین پہ گاہ آسمان پر

تھا دم جو جسم زار میں ہے دیدۂ خوں بار میں
جینا فراق یار میں' دشوار آتا ہے نظر

''ناسخ'' ! ہے اب آنکھوں پھر مشق تصور اس قدر
جس سمت کرتا ہوں نظر ' دلدار آتا ہے نظر

کی خدا نے کافروں پر اے صنم ؛ جنت حرام
ورنہ کس کی آنکھ پڑتی ؟ تیرے ہوتے حور پر
جذبۂ عاشق ' کمند جلوۂ معشوق ہے
قبل موسیٰ کے ' تجلی کب ہوئی تھی طور پر
خاک کا پشتارہ ' دوش روح سے اترے کہیں
یا الٰہی ! ہے وبال اب بوجھ ' اس مزدور پر

کیا نرالی گرم بازاری مرے یوسف کی ہے
پڑ گئی جب آنکھ ' اک بجلی گری بازار پر
کیا پیوں ؟ دور فلک میں ساقیا ! جام شراب
قطرۂ شبنم نہیں بچتا زبان خار پر
بے ارادہ طے ہوئی جاتی ہے یاں راہ عدم
طائر روح رواں کو کچھ نہیں درکار پر

لخت دل ' سینے سے دوڑے آتے ہیں سوئے مژہ
دیکھ ! اعجاز محبت ' گل ہیں عاشق خار پر

غش مجھے آیا ' جو میں پہونچا در دلدار پر
پانؤں کے بدلے رکھا سر ' سایۂ دیوار پر
رہنے دے بس یوں ہی اے جراح ! تو ٹانکے نہ دے
ہنستے ہیں چاک گریباں ' زخم دامن دار پر
کوئے جاناں میں ہوں ' پر محروم ہوں دیدار سے
پائے خفتہ ' خندہ زن ہیں دیدۂ بیدار پر

گھر میں ہے ' پر ہیں خریدار اس کے یوسف سے زیاد
خود فروشی کب بھلا موقوف ہے بازار پر

ہوگیا قتل فرقت میں جو دیکھا ماہ عید
خون ثابت ہے مرا ، اس مغربی تلوار پر
ہے یہ میرے ضعف کے روز جدائی کا اثر
شام ہے اور دھوپ چڑھ سکتی نہیں دیوار پر

ہے پیک اجل کی ، آج آمد   پہلے کبھی آئے قاصد یار
ہے خط کے عوض جواب نامہ   موت آئی بہ جائے قاصد یار

کیا بار زلف ؟ قامت جاناں کو ہے وبال
گویا ہزار من کی ہے زنجیر دوش پر
اس مرحلے میں ، خانہ بدوشی ضرور ہے
گھر اپنے واسطے کروں تعمیر دوش پر

جز کفن مجھ کو بدلنے کی نہیں ہے حاجت
غش کروں کیوں نہ بھلا جامۂ عریانی پر

نامہ پر نامہ رقم کرتا ہوں میں   بھیجتا ہوں نامہ بر پر نامہ بر
میں نے لکھا ہے غم پنہاں کا حال   خط اُسے دینا چھپا کر نامہ بر

آہ شب کا تو اثر اُٹھا ہے اس خورشید پر
مانگتا ہوں میں دعائے صبح کس اُمید پر
سان کے مانند گردش میں ہے گویا آسماں
باڑہ آتی ہے نظر تیغ ہلال عید پر

کیا شب فرقت میں ، صدمے ہیں دل بیتاب پر
مثل زخمی لوٹتا ہوں چادر مہتاب پر

ہونٹھ رکھنے دے جاں ! ہونٹوں پر   آئی ہے میری جان ہونٹوں پر

بوسۂ لب سے ' یہ ہوئے شیریں پھیرتا ہوں زبان ہونٹھوں پر

پھر بہار آئی نکلئے گھر سے دامن جھاڑ کر
سوئے صحرائے جنوں چلئے گریباں پھاڑ کر

خادم جو تھے ' بنے وہ فرشتے عذاب کے
گھر ہوگیا ہے ہجر میں مجھ کو میاں گور
مردوں کے نام سے تو کوئی آشنا نہیں
کیا فائدہ ؟ رہا جو ہمیشہ نشان گور

سر ہے بار ' اے محتسب؛ مینا ہمارا دوش پر
ہے بہ رنگ جوش مے ' اپنا لہو بھی جوش پر
ہے جدا وہ ماہ مجھ سے داغ سوزاں ہم کنار
ہالۂ خورشید کا عالم ہے اب آغوش پر

ششدر سا رہ گیا ہوں ' در یار دیکھ کر
دیوار بن گیا ہوں ' میں دیوار دیکھ کر

ناز جو اُن کے اُٹھائیں ' یہ کہاں ہم کو دماغ
ہو ہمارا ' در فردوس سے بستر باہر

پوچھتے ہیں حال کیا ؟ میرے دل وا رفتہ کا
اُڑ چلی روح رواں ' رفتار جاناں دیکھ کر
مرگیا جب عین غفلت میں ' تو کیا سمجھا ہوں میں
چونک اُٹھا ہوں ' کوئی خواب پریشاں دیکھ کر
موت سے ڈرتا نہیں ' لیکن یہ آتا ہے خیال
کیا بھلا جنت کو دیکھوں ' کوئے جاناں دیکھ کر

کر رہا ہوں ' آبیاری ' باغ حسن دوست میں
دیدۂ گریاں ہیں ' گویا ابر باراں بہار

کرتی ہے مجھے قتل ' مرے یار کی رفتار
تلوار کی تلوار ہے ' رفتار کی رفتار
ظالم ترے کوچے سے ' قدم اُٹھ نہیں سکتا
کیوںکر نہ چلوں ' سایۂ دیوار کی رفتار

زر کے پیچھے طالب زر ہو رہے ہیں ' کیا ہلاک ؟
فائدہ کیا نقد جاں دے کر ' جو کوئی پائے زر

ز

اے غافلو کھل جائیں ' اگر گوش حقیقت
آئے دہن غیر سے بھی ' یار کی آواز

کیا ہجر میں خوش آئے ' مجھے ساز کی آواز
یاد آتی ہے ہر دم کسی دم ساز کی آواز

مردوں کو جلاتی ہے ترے ناز کی آواز
اعجاز کا اعجاز ہے ' آواز کی آواز

کو تھی گرچہ شب وصل نے کی ہے ' لیکن
ہو تری عمر ' شب وصل سے اے یار ! دراز

گو چلے باد بہاری ' یا کہ آئے بر شمال
یاں نہ ہو گا ' نخل اُمید دل مایوس ' سبز

دھوپ میں جاتے ہیں تو ابر کے سائے کی طرح
ہم سے کرتا ہے، ترا سایۂ دیوار، گریز

س

شہر میں گھر تھا، کسی لیلی ادا کے گھر کے پاس
دشت میں بستر ہے اپنا، قیس کے بستر کے پاس

فصل گل میں، گھر مرا ہوتا ہے ویراں ہر برس
اے جنوں! آباد کرتا ہوں میں زنداں ہر برس
وحشت دل حشر کا کرتی ہے ساماں ہر برس
صبح محشر چاک کرتی ہے گریباں ہر برس

ش

ہوش جب تک مجھے رہتا ہے، یہی کہتا ہوں
ساقیا! اتنی پلا مے کہ مجھے کر بےہوش

شب فرقت میں مچا اپنی فغاں میری طرح
اے موذّن! ہے شب وصل، خدا را خاموش

ص

تو ہے وہ صیاد، او ظالم! کہ تجھ کو دیکھ کر
کرتے ہیں بدلے تڑپنے کے، اسیر دام رقص

توڑوں جو اپنے پائے طلب، فائدہ نہیں
تدبیر وہ کروں کہ شکستہ ہو پائے حرص

ض

غافل ہم اتنے ہیں کہ نہیں کوئی ہوشیار
ہے خواب میں بھی دولت بیدار سے غرض
وہ رشک ماہ؛ آپ ہی اپنا ہے مشتری
کب خود فروش کو ہے خریدار سے غرض

دشت غربت میں پھراتا ہی رہا؛ جوش جنوں
نہ ملا خانۂ زنجیر مجھے، گھر کی عوض

عیادت کو وہ بت آیا، پس از مرگ
مجھے دم بھر کو دے جاں اے خدا قرض
جو میں افلاس میں نکلا سفر کو
برائے راہزن کچھ لے لیا قرض

ط

لکھتے لکھتے بڑھ گیا ہے اس قدر ہو گیا ہے نامہ بر کو بار، خط

کچھ کہے گا اور کچھ لکھ دیں گے حال
وہ نہ غیروں سے کہیں لکھوائیے خط

ع

کیونکر اس کے آنسوؤں کا تار، ٹوٹے ایک دم
کہتی ہے میرا، زباں حال سے افسانہ شمع

سر پہ سوزاں داغ سودا، پاؤں میں زنجیر اشک
تیری محفل میں کھڑی ہے صورت دیوانہ، شمع

غ

عریانئی جنوں میں ، مرے کام آئے داغ
طاؤس کی طرح ہے بدن پر قبائے داغ
جنت کو جائیں گے لئے دوزخ ، بغل میں ہم
"ناسخ" یونہیں جو بعد فنا ہے بقائے داغ

مرگ کی ہے جو بے خودی ، مستی عشق ہے یہی
موج شراب مجھ کو ہے یار کی آبدار تیغ

ف

چل جنوں ! وادئی وحشت کی طرف بلکہ صحرائے قیامت کی طرف
مرگیا ہوں میں اسی خواہش میں کبھی آؤ مری تربت کی طرف
قلقل شیشہ ، سنے کیا زاہد ؟ کان ہیں شور قیامت کی طرف
قبر ، کیا اس سے سوا ہوگی تار ؟ دیکھ "ناسخ" شب فرقت کی طرف

ق

سنبل شب‌گوں کی جا ، دیکھی شب تار فراق
ہوگیا میں دل کے پھنستے ہی گرفتار فراق

گرم بازاری تجلی کی ہوئی جب کہ موسیٰ کو ہوا ، سودائے عشق
ہے تکلف ، تیری بے پروائیاں حسن کو کیونکر نہیں ، پروائے عشق

ک

بہ رنگ گل ، مجھے کیا چاہئے گریباں چاک
کہ مثل غنچہ ہزاروں ہیں دل میں پنہاں چاک

یہی دعا ہے خدا سے کہ ہوں بیاباں مرگ
نہ میرے غم سے ہو پیراہن عزیزاں چاک

گ

جس دن سے ہے، گلال اُڑانے کا تجھ کو شوق
تیرے شہید ناز کا، لایا غبار رنگ

ل

داغ حسرت دل میں ہیں، لخت جگر آنکھوں میں ہیں
گلشن ہستی میں اے "ناسخ"! یہ ہم نے پائے گل

ہے بلا گوش یار کا شکوہ
شام سے ہوگئی سحر، شب وصل
کوس رحلت ہماری روح کو ہے
آج، نقارۂ سحر، شب وصل
تا شب تار گور، صبح نہ ہو
رہے اب یوں ہی عمر بھر شب وصل
عیش کم، غم بہت ہے دنیا میں
کیا عجب! ہو جو مختصر شب وصل

فصل گل آئی، ہوا پھر جوش پر سودائے دل
موج مے، ہو ساقیا! زنجیر بھر پائے دل
یاد آیا مجھ کو مجنوں، آپ مجنوں ہوگیا
دامن صحرا سے بھڑکی آتش سودائے دل

بلبل، شراب عیش سے کیا بے نصیب ہے
ٹوٹا ہوا ہے، روز ازل سے ایاغ گل
"ناسخ" شراب پی! شب تاریک ہے تو ہو
روشن ہیں صحن باغ میں، ہر سو چراغ گل

م

قید ہستی تک ہیں، تیرے دام گیسو میں اسیر
تن سے سر آزاد ہو جائے، تو ہوں آزاد ہم

جب سے دیکھی ہے گل رخسار جاناں کی بہار
ہو رہے ہیں صورت برگ خزاں برباد ہم

مانگتے ہیں یہ دعائیں سوتے وقت اے یار ہم
ہوں ترے پاؤں کی آہٹ سے ، کہیں بیدار ہم
کیوں جنازے کو اُٹھا کر سب نے شرمندہ کیا
ایک کے دل پر نہ جیتے جی ہوئے تھے بار ہم
پھنس گئے ہیں واعظا ! گرداب دور جام میں
زیست بھر ہوں گے نہ اس دریائے مے سے پار ہم
عمر گذری ، اک بت کافر نظر آیا نہیں
حشر میں کیونکر خدا کا پائیں گے دیدار ہم ؟

کون کرتا ہے بتوں کے آگے سجدہ ، زاہدا !
سر کو دے دے مار کر ، توڑیں گے بت خانے کو ہم

قاصدا ! کیا کہوں جو حال ہے میرے دل کا
خط سے آنکھوں کو غرض ، کانوں کو پیغام سے کام
باتیں کانوں سے سنیں آنکھوں سے صورت دیکھی
اب نہ خط سے مجھے مطلب ہے نہ پیغام سے کام

دل ، سبک وضعوں سے اپنا آشنا ہوتا نہیں
سنگ مقناطیس ہرگز ، کہہ ربا ہوتا نہیں
باغ عالم میں ، بہ رنگ سبزۂ بیگانہ ہوں
غیر پامالی ، کوئی یہاں آشنا ہوتا نہیں

رات دن ، ناقوس کہتے ہیں بہ آواز بلند
دیر سے بہتر ہے کعبہ ، گر بتوں میں تو نہیں

روز ہے گرمئی بازار ، ترے کوچے میں
جمع ہیں تیرے خریدار ترے کوچے میں

دیکھ کر تجھ کو، قدم اُٹھ نہیں سکتا اپنا
بن گئے صورت دیوار، ترے کوچے میں
دیر ویراں ہیں ترے عہد میں، کعبہ ہے خراب
جمع ہیں کافر و دیندار، ترے کوچے میں
زور ہے عشق میں، یہ تفرقہ پردازی کا
ہم ہیں زنداں میں، دل زار، ترے کوچے میں

رشک سے نام، نہیں لیتے کہ سن لے نہ کوئی
دل ہی دل میں اُسے ہم یاد کیا کرتے ہیں
پھونک دیں نالۂسوزاں سے اگر چاہیں، قفس
ہم فقط خاطر صیاد کیا کرتے ہیں

ہےعجب رنگ کی وحشت، ترے دیوانے میں
جی نہ ابادی میں لگتا ہے نہ ویرانے میں
حشر تک، جی میں ہے بےہوش رہوں میں ساقی
کاش! مے بھر دے مرے عمر کے پیمانے میں
یاں تو بجلی بھی سنبھل جاتی ہے گرتے گرتے
شمع کے تھہریں قدم، کیا؟ مرے ویرانے میں

جاتا ہے وہ جدھر کو یہ قدموں کے ساتھ ہے
ریگ رواں ہے خاک مری، کوئے یار میں
عاشق ہوا ہوں دوستوں میں اپنی شکل کا
میرا ہے عکس، آئینہ روئے یار میں

واعظ! نہ منع بادہ کشی کر خمار میں
خون حلال مے ہو حرام، اضطرار میں
تڑپا کروں گا حشر تلک میں مزار میں
یارب نہ موت آئے مجھے ہجر یار میں

سر رگڑوں ، آستان بت نازنین سے میں
ہے جی میں ، داغ سجدہ مٹاؤں جبیں سے میں
کافی ہے ، سر پہ داغ جلوں ، دل میں نام یار
بیزار ہوں ، فلک ! ترے تاج و نگیں سے میں

بھرا رہتا ہے ، خون دل ہمیشہ ، دیدۂ تر میں
شراب اس کی عوض، کب ہوگی؟ ساقی! اپنے ساغر میں
گلا مقتل میں ، ہم نے کیا مزے لے لے کے کٹوایا
مگر گھولا ہے ، قاتل ! قند تونے آب خنجر میں

فیلسوفی محتسب کی ، دیکھنا ! اے مےکشو
توڑتا ہے شیشۂ مے ، میکدے کی راہ میں
دل میں رہتا ہے ، پر آنکھو کو نظر آتا نہیں
کیا تفاوت اب رہا ، اُس بت میں اور اللہ میں
خوش ، عبث ہوتے ہیں ناداں ، ماہ نو کو دیکھ کر
اک مہینا عمر کا ، ہوتا ہے کم ہر ماہ میں
سر ، بتوں کے آستانے سے نہ اٹھے حشر تک
یہ دعا "ناسخ" کی ہے یارب ! تری درگاہ میں

بیشتر ، نشۂ ایجاد سے بے ہوش ہوں میں
خم گردوں بھی نہ تھا ، جب سے کہ مے نوش ہوں میں
قطع کیں زلفیں ، تو کر ڈال مرا سر بھی قلم
تو سبکدوش ہوا ، کیوں نہ سبکدوش ہوں میں

جو بے گناہ ہیں ، ان کا بھی خوں حرام نہیں
مقام عشق ہے ، کعبے کا یہ مقام نہیں
عروج حسن میں کیونکر ہو مجھ کو وہم زوال
تو آفتاب فلک ہے ، چراغ بام نہیں

نہیں حلال کوئی شے یہاں ، بہ‌غیر شراب
اسی طرح سے ، بجز توبہ کچھ حرام نہیں
نہ سجدۂ در جاناں سے ، سر اُٹھاؤں گا
یہ وہ نماز ہے ، جس کا کبھی سلام نہیں
زمانہ محو ہوا ، دل جو ہے کسی پر محو
مرے نگینے میں "ناسخ" کسی کا نام نہیں

عوض افسوں کے ، جادوگر مرے اشعار پڑھتے ہیں
کہ وقت فکر دل رہتا ہے اس کی چشم جادو میں
کبھی ہے دھیان عارض کا ، کبھی یاد مژہ دل کو
کبھی ہیں خار پہلو میں ، کبھی گلزار پہلو میں

کوئی سر رکھ کے اس پر سو گیا تھا خواب میں اک دم
بسی ہے نکہت زلف معنبر ، میرے زانو میں
تری آنکھیں نہیں یہ ، دونوں پلے ہیں ترازو کے
ہمیشہ نیک و بد کو تول "ناسخ"! اس ترازو میں

ہیں جفائیں جو یہی ، اہل وطن کی "ناسخ"!
مجھ سے ، چھٹتا نظر آتا ہے وطن ، ان روزوں

دم بدم ، کوڑے لگاتا ہوں میں برق آہ کے
تو سن عمر رواں تا گرم ہو ، رفتار میں
غسل میت ، جس کو کہتے ہیں وہ ہے غسل شفا
موت ہے بحران کامل ، عشق کے آزار میں

چہرے پر ، ناسور دو ہیں خوں فشانی کے لئے
اور آنکھیں ہیں کسی کے روزن دیوار میں
کیا عجب ؟ تار کفن میں جائیں گر تار نگاہ
جان نکلی ہے بدن سے حسرت دیدار میں

مار ڈالا بات میں ' ٹھوکر سے زندہ کر دیا
سحر ہے گفتار میں ' اعجاز ہے رفتار میں
آفتاب عـــارض تاباں نظـر آتـــا نہیں
سایہ ساں پھروں پڑا رہتا ہوں ' کوئے یار میں
ہم صفیرو ! گوش بر آواز اور اک دم رہو
نالۂ موزوں ہیں کچھ باقی ابھی منقار میں

ہم ' زبانی شمع کے سنتے ہیں ہجر یار میں
چاہئے گھل گھل کے مرنا عشق کے آزار میں
آفتاب حشر بھی مجھ کو بچا کر جائے گا
سونے والا ہوں کسی کے سایۂ دیوار میں

دشت وحشت میں' مجھے فکر تن عریاں نہیں
خار ہوں لیکن خیال گوشۂ داماں نہیں

آفتاب حشر بھی ' تارا ہے اس کی شام کا
گردش ایام میں ' صبح شب ہجراں نہیں
بت پرستی کیا بری ہے ' گر خدا ملتا نہیں
کفر میں کامل ہو' "ناسخ"! گو تجھے ایماں نہیں

طول شب فـراق کے شکوے سے فـــائدہ ؟
میں جاں بہ لب ہوں مجھ کو اُمید سحر کہاں
جاتا ہے صید گاہ میں وہ ' چھوڑ کر مجھے
اے مرغ روح ! تیرے گئے بال و پر کہاں
آنکھوں میں منتظر ہیں عبث ' پارہ ہائے دل
آتـــا ہے نـاوک نگہ یـــار ' ادھر کہـــاں
عاشق ہے ' پر ابھی نہیں فرقت ہوئی نصیب
ہے اضطراب کی تجھے " ناسخ ! " خبر کہاں

دور ساحل ہے تو ہو، تہ تو ہے کشتی کے تلے
جوش طوفاں ہے مدد گار، جو ملاح نہیں
ہیں جو ارباب توکل، وہ ہوں کس کے محتاج؟
کشتی نوح کو کچھ حاجت ملاح نہیں
غم نہیں، خلق اگر دشمن جاں ہے ''ناسخ''!
ملک الموت سوا، قابض الارواح نہیں

خاکساروں سے ہے ہر جا، سر کشوں کی سر کشی
وہ زمیں ہے کون جس پر آسماں ہوتا نہیں
جو سعادت مند ہیں، رہتے ہیں وہ بے خانماں
دہر میں پیدا ہما کا آشیاں ہوتا نہیں
دم ہے جب تک جسم عاشق میں، ہے خامی کی دلیل
خوب جل جاتی ہے جو شے، پھر دھواں ہوتا نہیں

سوائے مکر زمانے میں رسم و راہ نہیں
وہ کون جا، ہے؟ جہاں چاہ زیر کاہ نہیں
میں گو کہ حسن سے ظاہر میں، مثل ماہ نہیں
ہزار شکر کہ باطن مرا سیاہ نہیں
عبث ہے یار کو مجھ دل جلے کے قتل میں سوچ
چراغ کشتہ کا کوئی بھی داد خواہ نہیں

روز اک شام و سحر کرتا ہے پیدا پھر خلق
صبح میری شام غم کو، آسماں کرتا نہیں
کیا خرابات جہاں ہے اپنی توبہ سے خراب
کوئی بھی اب مے فروشی کی دکاں کرتا نہیں

زندگانی خلق کو ہے، دست قاتل سے محال
کشتۂ حسرت ہے جو تلوار سے بسمل نہیں

ہو رہا ہے کیا چمن پہ بلبل نالاں اُداس
داغ حسرت ہیں مرے سینے میں لیکن دل نہیں

تعبیر ہے کہ یار کی پڑ جائے گی نگاہ
بجلی گری ہے رات کو کل مجھ پہ خواب میں
سب سے زیادہ، صبح ہماری ہوئی سیاہ
جو شب میں کیا، نہ کیا تھا شباب میں
ہم مست بھی ہیں، تارک لذات زاہدا!
اک دن تو دیکھ کیسی ہے تلخی شراب میں؟
صبح شب وصال کے ہوتے ہی، ہم کہاں
ہے زہر ساقیا! قدح آفتاب میں

مستوں کا عیش تلخ ہے، دیر خراب میں
یہ رمز ہے، جو ہوتی ہے تلخی شراب میں
غفلت سے، اپنا طالب دیدار آپ ہوں
میرا ہی چہرہ ہے جو نہاں ہے نقاب میں
ہے جی میں، آفتاب پر ستوں سے پوچھئے
تصویر کس کی ہے؟ ورق آفتاب میں
ہے رات چودھویں، مجھے ساقی پلا شراب
روشن ہو آفتاب شب ماہتاب میں

نام تیرا، میرے ہونٹھوں سے جدا ہوتا نہیں
اے پری پیکر! دہن میرا کم از خاتم نہیں

اپنی صورت پر کیا پیدا اُسے اللہ نے کیوں؟ سزاوار پرستش صورت آدم نہیں
نکہت گل کہتی جاتی ہے، زبان موج سے قابل نظارہ، رنگ گلشن عالم نہیں

آنکھ نرگس کی نہیں ہرگز جھپکتی اس لئے
ایک لمحے میں، بہار گلشن عالم نہیں

هر کسی کا کام، دکھتا هے ادهورا آسماں
گر بهم پهونچا سر شوریده، تو پتهر نهیں
سوچ اے غافل بهلا کیوں کر تجهے آوے نظر
تیری آنکهوں سے، وه مثلِ مردمک باهر نهیں
خم میں هے جوش شراب اور خشک هے سر پوش خم
دل میں هے طوفان اشک اور آنکه اپنی تر نهیں

دل مرا کعبه هے کچه بتخانهٔ آزر نهیں
اے تصور کیوں بتوں کو جمع کرتا هے یہاں
آپ آقا هے، کسی کا جو کوئی نوکر نهیں
شکوه جو بے نوکری کا کرتے هیں ناداں هیں

بتوں کے پردے میں هم دیکهتے هیں نور خدا
خدا کے دیکهنے کی اے کلیم! تاب نهیں

ایک جا هے چشم جاناں میں، نگاه قهر و مهر
تلخ و شیریں مغز دو گویا هیں اک بادام میں
خندهٔ صبح شب عشرت سے، یه مفهوم هے
موت کا پیغام بهی تها وصل کے پیغام میں
عین کعبے میں بهی مے خانه گریباں گیر هے
داغ مے ''ناسخ''! هیں اپنے جامهٔ احرام میں

یه اپنی شکل سے اب آپ شرمسار هوں میں
نه آئنے میں کبهی عکس سے دو چار هوں
گئی پیاده روی میں نه راه منزل عشق
مروں تو باد کے گهوڑے پر اب سوار هوں میں
پلا هے جسم مرا لاغری سے طائر روح
کسی خدنگ نگه کا کہاں شکار هوں میں

قابل قرب نهیں بے ادبوں کی صحبت
دور ره اُن سے دلا! جن کو ترا پاس نهیں

طپش دل ، مجھے دیوار پھندا دیتی ہے
در جاناں میں جو ہے قفل ، تو وسواس نہیں

جہاں کے عشق بازوں کا ہے مجمع ، کوئے جاناں میں
نہ پروانہ ہے محفل میں ، نہ بلبل ہے گلستاں میں
نہیں داغ جنوں کو کچھ مضرت آہ و گریہ سے
چراغ اپنا ہے مثل برق روشن باد و باراں میں
یہی تھے اتحاد عاشق و معشوق کے معنی
زلیخا کو ہو سودا اور یوسف جائے زنداں میں

اے جنوں ! یاں کوئی جز ضعف گلو گیر نہیں
طوق گردن میں نہیں پانؤں میں زنجیر نہیں
تنگ ہوں زیست سے ، ہوجاؤں کسی پر عاشق
کوئی اور اس کے سوا ؛ مرنے کی تدبیر نہیں

ایک کو عالم حسرت میں ، نہیں ایک سے کام
شمع تصویر سے روشن ، شب تصویر نہیں
مرتے ہیں آپ گلا کاٹ کے عاشق اس پر
یہ دلا ! ابروے خم‌دار ہے شمشیر نہیں
کر دیا ہے اسی حسرت نے ، مجھے دیوانہ
ہاتھ میں یار کے دروازے کی زنجیر نہیں

کیوں‌کر کہوں ؟ عارف خدا ہوں
آگاہ نہیں کہ آپ کیا ہوں ؟
جب ہجر میں باغ کو گیا ہوں
میں آتش گل میں ، جل بجھا ہوں
فرقت میں جو سر پٹک رہا ہوں
مشغول نماز کبریا ہوں
اس ابر میں یار سے جدا ہوں
بجلی کی طرح تڑپ رہا ہوں
اُمید وصال اب کہاں ہے ؟
اس گل سے بہ رنگ بو ، جدا ہوں
سر رکھ کے کبھی وہ سو گیا تھا
اب تک زانو کو سونگھتا ہوں
وحشت نے نکالا ، اُس گلی سے
کانٹوں پہ اب اُس کو کھینچتا ہوں

آئینہ دل میں ہے ترا عکس دن رات میں تجھ کو دیکھتا ہوں
ثابت ہے گناہ خشک زہد تر دامن موج بوریا ہوں
ہے مہر و وفا سراسر اُس میں "ناسخ"! کیوں کر اُسے نہ چاہوں

ضعف پیری میں ' کہاں طاقت کہ مسجد جاؤں میں
سجدے کرتا ہوں ' قد خم گشتہ کی محراب میں
رشک کے معنی یہ ہیں سوتے ہیں جب سے میرے بخت
سوچ رہتا ہے' کہیں مجھ کو نہ دیکھیں خواب میں

زینت فتراک ہونے کے لئے ' آمادہ ہوں
کب سواری آئے گی؟ میں منتظر استادہ ہوں
کون صیاد آج آتا ہے چمن میں بلبلو؟
رنگ گل کہتا ہے اُڑ جانے کو میں آمادہ ہوں
میکدے میں توڑ کر خم بہر عذر معصیت
محتسب' رندوں سے کہتا ہے کہ مستِ بادہ ہوں
وہ نمائی میری کرتی ہے مجھے پامال خلق
خضر راہ منزل مقصود مثل جادہ ہوں

ہے شب فرقت نظر آنے لگے سامان موت
چادر مہتاب بھی مجھ کو کفن سے کم نہیں
لے چلا ہوں میں ' عدم کو بار غم ' بار گناہ
روح بھی میری' گرانی میں بدن سے کم نہیں

صنم! کوچہ ترا ہے اور میں ہوں یہ زندان وفا ہے اور میں ہوں
یہی کہتا ہے جلوہ ' میرے بت کا کہ اک ذات خدا ہے اور میں ہوں
ادھر آنے میں ہے کس سے؟ تجھے شرم فقط اک غم ترا ہے اور میں ہوں
تیری دیوارِ سے آتی ہے آواز کہ اک بال ہما ہے اور میں ہوں
گیا وہ چھوڑ کر رستے میں مجھ کو اب اس کا نقش پا ہے اور میں ہوں

سب ہمارے لئے زنجیر لئے پھرتے ہیں
ہم سر زلف گرہ گیر لئے پھرتے ہیں
تیری صورت سے کسی کی نہیں ملتی صورت
ہم جہاں میں تری تصویر لئے پھرتے ہیں

دل اس کو دیا ہم نے، تقصیر اسے کہتے ہیں
مارا غم فرقت نے، تعزیر اسے کہتے ہیں
میں خاک ہوا مر کر، وہ فاتحے کو آیا
اکسیر اسے کہتے ہیں، تسخیر اسے کہتے ہیں
دیوانی سی جنگل میں، پھرتی ہے پڑی لیلیٰ
جذب دل عاشق کی تاثیر، اسے کہتے ہیں

دل میں پوشیدہ، تپ عشق بتاں رکھتے ہیں
آگ ہم سنگ کے مانند نہاں رکھتے ہیں
ایک مدت سے تمنا ہے، قدم بوسی کی
سر پٹکتا ہوں، صنم پانوں جہاں رکھتے ہیں
مثل پروانہ نہیں، کچھ زر و مال اپنے پاس
ہم فقط تجھ پہ فدا کرنے کو جاں رکھتے ہیں
تازگی ہے سخن کہنہ میں یہ، بعد وفات
لوگ، اکثر مرے جینے کا گماں رکھتے ہیں
عوض ملک جہاں، ملک سخن ہے "ناسخ"!
گو نہیں حکم رواں طبع رواں رکھتے ہیں

طبع خام سے پھیلے جو کسی کے آگے
یارب! ایسا تو مجھے ہو نہ میسر دامن
آستین زن ہے یہاں، کوئی چراغ جاں پر
کھا گیا واں، روش ناز سے ٹھوکر دامن
یہی کہتی ہوئی جاتی ہے چلی عمر رواں
میرے دامن سے نہ باندھے کبھی صرصر دامن

صبح محشر یہی کہتا میں اُٹھوں گا ''ناسخ'' !
دے مرے ہاتھ میں ' یا سبط پیمبر ! دامن

ہو گئے نظروں سے غائب تیرے نظاروں کے ساتھ
کاہ تھی ہستی ہماری ' شعلۂ ادراک میں
زلف مشکیں مجھ کو رہ رہ کر دلا جاتی ہے یاد
لائی ہے اے نکہت گل ! کیوں مرا دم ناک میں
کیوں ؟ اُٹھا لائے ہیں ہمدم مجھ کو ''ناسخ'' ! بعد قتل
چین سے لاشہ پڑا تھا ' کوچۂ سفاک میں

دوست دشمن سب کے سب ہیں رفتنی ' مثل نسیم
گل تو کیا ؟ کانٹا بھی اک دن اس گلستاں میں نہیں

باغباں ! ممنوں تیرے ' ہم اس گلستاں میں نہیں
جز دل صد چاک ' گل اپنے گریباں میں نہیں
رحمت حق ' جوش پر ہے کیوں نہ عصیاں کیجئے
شغل بہتر مے کشی سے ' ابر باراں میں نہیں

ہم اس صنم کی پرستش میں محو ہیں زاہد !
خدا کا جس پہ بشر اشتباہ کرتے ہیں

چاک کرنے کے لئے اے ناصح ! ہم گریبان سیا کرتے ہیں
زندگی ' زندہ دلی کا ہے نام مردہ دل ' خاک جیا کرتے ہیں
جن کی رفتار کے پامال ہیں ہم وہی ' آنکھوں میں پھرا کرتے ہیں

رفعت کبھی کسی کی گوارا یہاں نہیں
جس سر زمیں کے ہم ہیں ' وہاں آسماں نہیں
دشمن ' اگر وہ دوست ہوا ہے تو کیا عجب ؟
یاں ' اعتماد دوستئی جسم و جاں نہیں

دھوکا نہ کھا! ظروف وضو کو تو دیکھ کر
مسجد میں، مے فروش کی ''ناسخ''! دکاں نہیں

ہر زندہ گوئی سے کہیں بہتر ہے خاموشی ولا!
عاشقوں کو آہ بے تاثیر کی حاجت نہیں

یہ فتیلہ ہے، داغ حسرت کا شمع، بے یار انجمن میں نہیں

اُس نے لکھا ہے، اپنے ہاتھ سے خط قاصدا! مجھ کو اعتبار نہیں

عہد پیری ہے اور شراب نہیں صبح روشن ہے آفتاب نہیں
نہ تو آیا جواب نامۂ موت زیست سے بھی مجھے جواب نہیں

جو ترے عشق میں ہلاک نہیں زندگانی میں لطف خاک نہیں

کچھ تری بات کو ثبات نہیں ایک ''ہاں'' ہے تو پانچ سات ''نہیں''
یوں نہ باتیں چبا چبا کے کرو مہرباں! بات ہے، نبات نہیں

چاک کرنے کی نہیں پاتا ہوں، طاقت ہاتھ میں
ہے گریباں دیر سے اے جوش وحشت ہاتھ میں

ہائے کیا وہ بھی زمانہ تھا کہ کرتے تھے بسر
وصل کی شب جاگنے میں روز فرقت خواب میں
یا الٰہ العالمیں! ''ناسخ'' کی یہ ہے التجا
بخت ہوں بیدار میرے، پاؤں دولت خواب میں

لیتے لیتے کروٹیں' تجھ بن جو گھبراتا ہوں میں
نام لے لے کے ترا' راتوں کو چلاتا ہوں میں
گر چلیں راہ طلب میں توڑ ڈالوں اپنے پانوں
بس کبھی ساقی کے آگے ہاتھ پھیلاتا ہوں میں
دوڑتے ہیں پانؤں جب دامان صحرا کی طرف
ہاتھ بھی سوئے گریباں ساتھ دوڑاتا ہوں میں

اس کو پیتے ہیں' انہیں دیکھئے ہوتے ہیں مست
مئے گلگوں سے زیادہ ہے اثر آنکھوں میں

سودا ہے مجھے شیشے پہ اے بادہ فروشو
کیوں؟ ہاتھ نہ ڈالوں سر بازار گلے میں
کیا آج کیا ہے شب فرقت نے اندھیرا
گھٹتا ہے دم' اے دیدۂ بیدار گلے میں
کیا؟ بادہ کشو! مجلس مے ہوگئی برہم
قطرے ابھی اُترے نہیں دو چار گلے میں
پیتے ہی شراب آگ بھوک اُٹھتی ہے ساقی!
اٹکی ہے یہاں آہ شرربار گلے میں

جان جب تک ہے' یہ لپکا ہے نظر بازی کا
کہ رگ جاں ہے جسے تار نظر کہتے ہیں

لاکھ صیقل سے نہ چھوٹے گا کبھی' او قاتل!
جم رہا ہے یہ مرا خون وفا' زنگ نہیں

وحشت سے پھر رہا ہوں تری جستجو نہیں
ہے کون سا مقام! کہ اے جان تو نہیں

بیٹھے رہیں خمار میں سر پکڑے کب تلک
ساقی ! ہمارے ہاتھ میں دست سبو نہیں
مینائے مے سے کم نہیں، ہم بے کسوں کا حال
لبریز اگر شراب نہیں آبرو نہیں
کیا ہاتھ اُٹھاؤں ؟ پھر دعا سوئے آسماں
بر آئے جو کبھی ، وہ مری آرزو نہیں
بے خود ہیں ہم تو منھ میں چوا ساقیا شراب
کچھ شیشے کے گلو سے کم اپنا گلو نہیں
پیری میں ہوگیا ہے جنوں ہم کو ، کیا علاج !
یاں چاک جیب صبح ہے کار رفو نہیں

خوار جو ظاہر میں ہیں ، اُن کو حقارت سے نہ دیکھ
کیمیا گر ، پھرتے ہیں اکثر گدا کے بھیس میں
میرے ساغر کو نہ سختی سے دھکیل اے مے فروش
شیشۂ دل ٹوٹ جاتا ہے ذرا سی ٹھیس میں
صحبت زندان ساغر کش ، مجھے آتی ہے یاد
پھنس گیا ہوں ، حلقۂ زہاد کاسہ لیس میں

مستی میں عشق ساقی کوثر بھی ہو اگر جام شراب چشمۂ کوثر سے کم نہیں

ساغر عمر ، لبالب نظر آتا ہے مجھے ساقیا ! خانۂ خمار سے کچھ کام نہیں
روش عمر رواں کا ، مجھے آتا ہے خیال یار کی جلوۂ رفتار سے کچھ کام نہیں

اب تک نہ عبادت کو گیا ، او بت غافل !
ڈھلکی ہوئی ہے "ناسخ" رنجور کی گردن

غم نہیں ہے ، فلک ! جو تاج نہیں ہم کو سر کی بھی احتیاج نہیں
کچھ ابھی بے کلی ہے قسمت میں وعدۂ وصل کا ہے آج نہیں

ناله ، اک اشک آب جسم هے خاک
یاں عناصر کو امتزاج نهیں

فرقت میں هے اشاره ، هلال صیام کا
لے اپنے ذبح کرنے کو شمشیر هاتھ میں

آواز سنا کر مجھے بے هوش بنایا
کب شیشۂ مے کی هے یه تاثیر گلے میں

اسرار نهاں آتے هیں سینے سے ، زباں پر
اب سدِّ سکندر کروں تعمیر ، گلے میں

اے جان ! کوئی اپنا گلا کاٹ مرے گا
لٹکاؤ نه یوں ناز سے شمشیر گلے میں

تلوار نزاکت سے وهاں کھنچ نهیں سکتی
اٹکا هے یهاں نعرۂ تکبیر گلے میں

تدبیر سے ، سودا نه گیا زلف پری کا
زنجیر نه ڈالے کهیں تقدیر گلے میں

هر جگه ، کام تصور هی سے لے لیتے هیں
هم کو نزدیک سے اور دور سے کچھ کام نهیں

هو اگر وصل میسر ، ابھی هو جائے وصال
موت کو عاشق مهجور سے کچھ کام نهیں

چلے دو چار منزلیں تو کیا ؟
هو عدم کا سفر جدائی میں

جان پا جاؤں ، زندگی هو جائے
موت آجائے گر جدائی میں

ساقیا ! خشک هے جو میري زباں
آنکھیں رهتی هیں تر ، جدائی میں

هاتھ سے خط نهیں جدا هوتا
کبھی ، اے نامه بر ! جدائی میں

اڑتے پھرتے هیں گریبانوں کے پرزے قاصد !
کچھ پتا اس سے زیاده ، کوئی دلبر کا نهیں

پاک بازوں کے سوا کوئی هو کیونکر بار یاب
یه در جنت هے ، دروازه ترے گھر کا نهیں

تم نکلواتے هو جب گھر سے ، تو هم دیوانے
تھامے دروازے کی زنجیر کھڑے رهتے هیں

ساقی بغیر ، میں یه لهو تھوکتا نهیں
منھ سے شراب وصل نکلتی هے ، هجر میں

جو روز ہے ' وہ طول میں گویا ہے روز حشر
برسوں سے دوپہر نہیں ڈھلتی ہے ہجر میں
رت لگ گئی ہے نزع میں "ناسخ" کو ' بس یہی
اے جان ! میری جان نکلتی ہے ہجر میں

ناز اُٹھواؤ بتو ! اُس سے جہاں تک چاہو
غیر "ناسخ" کوئی اس درجے کا مزدور نہیں

وہ نہیں بھولتا ' جہاں جاؤں ہائے میں کیا کروں کہاں جاؤں ؟
آئی یاد اس کی زلف کی زنجیر توڑ کر اب تو بھریاں جاؤں
رہ نمائی کرے جو عالم غیب وہ جہاں ہے نہاں ' وہاں جاؤں
گھر میں بیٹھا رہوں توکل کے
سچ ہے "ناسخ" ! کہاں کہاں جاؤں؟

میرے مرنے سے ہے بس خانۂ زنجیر خراب
ورنہ گھر کون ہے دنیا میں جو آباد نہیں
ہائے جو کرتے ہیں ' سب اہل زمیں کرتے ہیں
اے فلک تجھ سے مجھے شکوۂ بیداد نہیں
کیا غم ہجر بھلا کم ہے لہو پینے کو
ہوں وہ مجنوں کہ مجھے حاجت فصاد نہیں
مر کے بھی چھٹتے نہیں آپ کی زلفوں کے اسیر
یہ عجب قید ہے جس کی کوئی میعاد نہیں

اے جنوں ! ہجر میں کیا نالۂ دم ساز نہیں
ضعف ایسا ہے کہ زنجیر میں آواز نہیں
مجھ سے کب فاش ہوا جرم محبت ' ظالم !
تیرے غمزے کے سوا کوئی بھی غماز نہیں
وہ گیا عشق ہمارا ' ترے پردے میں نہاں
شکر اے جوش جنوں ! فاش کوئی راز نہیں

سوائے اہل سخن، ہو مشاہدہ کس کو؟
نہاں ہے شاہد معنی، سخن کے پردے میں
طریق عشق چھڑایا ہے تونے غارت گر
ملا ہے خضر، مجھے راہزن کے پردے میں

خانہ برباد ہوں صحرا میں بگولوں کی طرح
سقف بام و درو دیوار سے کچھ کام نہیں
طائر روح رمیدہ کی طرح چھوٹا ہوں
اب تو صیاد ترے دام سے کچھ کام نہیں
طبع روشن کو نہیں خوف، سیہ روزی کا
صبح محشر ہو مجھے شام سے کچھ کام نہیں
اتنی مدت سے میں غربت میں وطن بھول گیا
مجھ کو اب نامۂ و پیغام سے کچھ کام نہیں

ہیں سواری کے ساتھ، فریادی کوئی اور آپ کا رقیب نہیں

سنگ غم، دل پہ لگتے ہیں ہردم کب مرا شیشہ، پاش پاش نہیں
آنکھ کی بند، بت ہوا موجود کوئی مجھ سا بھی بت تراش نہیں
غش میں ہوں، ساقیا! شراب چھڑک احتیاج گلاب پاش نہیں

گرچہ میں تجھ سے دور ہوں لیکن تو تو اے جان مجھ سے دور نہیں
یار گھر میں کبھی نہیں ملتا طرفہ جنت ہے یہ، کہ حور نہیں
ہم ادا داں، سمجھتے ہیں اے جاں ناز ہے، حسن کا غرور نہیں

روز بد میں سوئے اسفل، کیا ہو اعلیٰ کو رجوع
لاکھ گردش ہو، زمیں سے آسماں ملتا نہیں

کس کو وحشت میں ملا ہے، ید طولا ایسا
روز ہم چاک، گریباں سحر کرتے ہیں

یار کو، قصد جو ہوتا ہے ہمارے گھر کا
پیش تر، اپنے حواس آ کے خبر کرتے ہیں

مثل خم شراب، خرابات دہر میں
زاہد! برائے بادہ کشی آفریدہ ہوں
او آفتاب، منھ اُفق بام سے دکھا
مانند صبح میں بھی گریباں دریدہ ہوں
گو جان جائے غم نہیں لیکن نہ بات جائے
"ناسخ"! وہ کھنچ رہا ہے تو میں بھی کشیدہ ہوں

دولت بیدار جائے، پر ادب جانے نہ پائے
پھر تعظیم اُٹھ کھڑا ہوں، تم جو آؤ خواب میں
بت مرا ہے ساکن بت خانۂ دل و اعضا!
سجدے کرتا ہوں میں اپنے جیب کی محراب میں

آب حیواں، پیوں بہ جائے شراب
ایسی، اے خضر! مجھ کو پیاس نہیں

ہیں عدو مغموم، میں خوشنود ہوں
شکر ہے، حاسد نہیں محسود ہوں
کھل گئی ساری حقیقت، پیش دوست
ہے اگر یہ بود، تو نا بود ہوں
وصل کی شب کی، اگر کرتا ہوں یاد
ہجر کی شب کہتی ہے "موجود ہوں"

عاشق تو ہوں ضرور، مگر کوہ کن نہیں
کیوں ہوگیا ہے؟ روز جدائی مجھے پہاڑ

جب یہ بت باتیں سناتا ہے وہ مجھ کو سخت سخت
سر کے بدلے اے جنوں لگتے ہیں پتھر کان میں

اُس گل تر کو نہ کہہ، او نکہت گل! بد دماغ
مارے غصے کے ابھی آ جائے گا دم، ناک میں
مدتوں سے بوئے زلف عنبریں آتی نہیں
کیا؟ نسیم صبح لائی ہے مرا دم ناک میں

محتسب نے بت کدے میں، کیا؟ کوئی توڑا ہے خم
ٹوٹتے ہیں آج، کیوں ساقی؟ ہمارے ہاتھ، پانوں
اے جنوں! کچھ ناتوانی کے مناسب حکم ہو
بیٹھنے سے دوڑنے سے اب تو ہارے ہاتھ، پانوں

فصل گل میں ہے، جنوں! زنداں کو میرا انتظار
حلقۂ زنجیر، جائے دیدۂ بیدار ہیں
اب نہ وہ چاک گریباں ہے، نہ وہ داماں دوست
نا توانی سے، ہمارے دست و پا بےکار ہیں

سبز کی ہے یاں، شراب سرخ سے کشت عمل
دانۂ تسبیح، زاہد! اپنے خرمن میں نہیں
کھل گیا، ہم پر، عناصر جب ہوئے بے اعتدال
رابطہ واجب سے، ممکن دوست دشمن میں نہیں
ہوں اسیر ضعف، کر آزاد، اے جوش جنوں!
طوق کوئی، جز گریباں، میری گردن میں نہیں

خوں فشاں چھالے ہیں، مثل چشم گریاں پانوں میں
خار صحرا بن گئے چبھ چبھ کے مژگاں پانوں میں
جھک گیا ہوں ضعف سے، رہِ طلب میں اس قدر
چبھتے ہیں ہر ہر قدم پر خار مژگاں پانوں میں
ضعف میں بار قبا اُترا، پر اے دست جنوں!
بن گئی بیڑی، مرے طوق گریباں، پانوں میں
ہوتی ہے مہندی کی حاجت، اے پری رو بار بار!
ایک دن مل لے، ذرا خاک شہیداں پانوں میں
اے جنوں نکلیں گے جیتے جی نہ، مثل استخواں
ہوگئے جزو بدن، خار مغیلاں پانوں میں

کم نہیں غنچہ سے، اس گل کی جدائی میں ہم
دل ہے صد چاک، گریباں جو مرا چاک نہیں
خاک ساری میں، کسی کو ہے بھلا کیا نسبت
کوئی عنصر، مرے قالب میں بجز خاک نہیں

———

پردۂ چشم اُٹھا! مجمع اغیار نہیں
بندہ، موسیٰ کی طرح طالب دیدار نہیں
فاقہ مستی ہے کہیں، مستئی دولت ہے کہیں
اس خرابات میں، ہم رند ہیں مےخوار نہیں
طعنہ زن، زاہد بےدین عبث ہے "ناسخ"!
کون بندہ ہے خدا کا، جو گنہ گار نہیں

———

رات دن، سوئے درو بام نظر رکھتے ہیں
گھر میں ہم رہتے ہیں، پر اس کی خبر رکھتے ہیں
دشمن و دوست جو سنتا ہے وہ خوش ہوتا ہے
مثل بلبل، مرے نالے بھی اثر رکھتے ہیں

———

قتل جرم مےکشی پر، ہو کے ساقی بھر مے
ہم لئے پھرتے ہیں اپنا کاسۂ سر ہاتھ میں
تا کجا پھاڑوں گریباں، تا کجا پیٹوں میں سر؟
کب وہ دن ہوگا کہ لوں گا دست دل بر ہاتھ میں

———

مے خانہ، یہ خرابۂ عالم اگر نہیں
پھر کس لئے کسی کو کسی کی خبر نہیں
تاثیر اے جنوں! مری افسردگی کی دیکھ
پتھر لگا ہے جو مجھے، اس میں شرر نہیں
جو دل ہے، وہ محل حوادث ہے ہجر میں
محفوظ آفتوں سے خدا کا بھی گھر نہیں

کیا جانے؟ کیسی ہوتی ہے "ناسخ"! عدو کی شکل
یاں، کوئی جز حبیب حضور نظر نہیں

روگ اُلفت کا، لگائے پھرتے ہیں ساتھ اپنے ہائے
لوگ مرتے جاتے ہیں، ہوتی نہیں عبرت ہمیں
خار صحرا، بیٹھ کر دم بھر نکالیں پانوں سے
ہو اگر سر پیٹنے سے اے جنوں فرصت ہمیں
وہ جنوں تھا، جو بہ‌رنگ سایہ، تیرے ساتھ تھا
اے پری! اب تو ترے سایہ سے ہے وحشت ہمیں
کھینچئے تصویر دل میں یا تصور باندھئے
یار کی صورت نظر آئے کسی صورت ہمیں
کیجئے کس وقت؟ اے "ناسخ"! بھلا فکر سخن
نامہ لکھنے سے کبھی ہوتی نہیں فرصت ہمیں

ہوا ہوں قاصد جاناں کے، آنے سے مایوس
سوائے پیک اجل، اب تو انتظار نہیں

خواب میں سارے مزے وصل کے، ہم لوٹتے ہیں
بند آنکھیں ہیں مگر بند کوئی کام نہیں
طول سا طول جدائی کو ہوا ہے ظالم!
دوست کیا نامہ لکھیں یاد مرا نام نہیں
عمر گذری کہ شب و روز جدائی ہے وہی
میری قسمت میں، مگر گردش ایام نہیں

اٹھکھیلیوں سے چلتے ہو تم، مجھ کو ڈر یہ ہے
اُلجھیں کہیں نہ گیسوئے خم دار، پانوں میں
پھر پھر کے دائرے ہی میں رکھتا ہوں میں قدم
آئی کہاں سے گردش پرکار، پانوں میں

دل دوڑتا ہے، کوچۂ دل‌دار کی طرف
جب سے نہیں ہے طاقت رفتار، پانوں میں
وہ دن گئے کہ ہاتھ میں رکھتے تھے پھول، ہم
"ناسخ"! چبھے اب اس کے عوض خار، پانوں میں

جو جیتے جی نہیں بیٹھے ہیں، کنج غربت میں
اُنھیں کی خاک بنی، گرد باد صحرا میں
زمین خاک فشاں آسمان آب فشاں
یہی تو فرق ہے آدمی میں اور اعلیٰ میں
بچے نہ آپ کی تلوار کا کبھی زخمی
اگر ہو رشتۂ جاں سوزن مسیحا میں

نہیں عشق سے زور، زر دار میں ہوں
اگر وہ ہے یوسف، خریدار میں ہوں
تمنا ہے ساقی! کبھی بزم مے میں
وہ سر شار ہو اور ہوشیار میں ہوں
ہوئی جمع، بے دردی و درد مندی
دل آزردہ ہے، اور ستم‌گار میں ہوں
کسی کے مٹانے سے، مٹتا ہے کوئی
ترے کوچے میں، نقش دیوار میں ہوں
یہ غم ہے، نہ کردے جدا کوئی گل چیں
وہ گل باغ عالم میں ہے، خار میں ہوں
وہی بولتا ہے، جو میں بولتا ہوں
اگر وہ ہے بلبل تو منقار میں ہوں
دگر گوں ہے، ہر آن وضع محبت
کبھی غیر میں ہوں، کبھی یار میں ہوں

غم سے دل پر خوں ہے، قطرہ دیدۂ تر میں نہیں
بادۂ گل رنگ، شیشے میں ہے ساغر میں نہیں
دل جو ٹوٹا، آہ آتش ناک پیدا ہوگئی
چوٹ کی سوزش ہے، ورنہ آگ پتھر میں نہیں

تو ہے محبوب خدا، صدقے ہو تجھ پر "ناسخ"
اُمتی کیا؟ ترے تابع ہیں پیمبر لاکھوں

کہا کیا؟ مجھ کو نہ دن دکھائے   اب ہوگئی ہیں وبال آنکھیں

یہ نشۂ مے نہیں ہے ساقی! رونے سے ہیں ، میری لال آنکھیں
آیا تاثیر گریہ سے باز "ناسخ"! اب پونچھ ڈال آنکھیں

ڈھیر جو ہے مری ٹوٹی ہوئی زنجیروں کا
خرمن دانۂ زنجیر اسے کہتے ہیں
صبح کی طور سے دوڑا ، وہ گریباں پھاڑے
اثر نالۂ شب گیر اسے کہتے ہیں
کیوں نہ حاجی کریں محراب حرم کو سجدہ
ابروئے یار کی تصویر اسے کہتے ہیں

قصۂ شکر و شکایت ، بس یہیں تک ہے دلا!
ایک دن مل جائیں گے سب دوست دشمن ، خاک میں
چادر مہتاب کے مانند ، جوش نور ہے
اس پری کا لوٹتا جاتا ہے دامن خاک میں
خاک اُڑتی ہے اگر گھر میں ، تو کچھ پروا نہیں
ایک دن مل جائے گا یہ خانۂ تن ، خاک میں

کشتئ مے ، آج سرعت میں ہوا سے کم نہیں
نوح گر ساقی نہیں تو نا خدا سے کم نہیں
زیست بھر ڈھونڈھا ، کہیں ملتا نہیں تیرا سراغ
بت ہے ، پر ، پوشیدہ رہنے میں خدا سے کم نہیں
میرے مرنے سے ، کف افسوس گل گوں ہو گئے
اُن کو خالی ہاتھ ملنا بھی حنا سے کم نہیں

جنبش مژگاں نہیں ، گویا ہے جنبش میں زباں
ہر اشارہ تیری آنکھوں کا ، سخن سے کم نہیں

نہیں پروا ، اگر وہ روزن دربند کرتے ہیں
تصور کے لئے ، ہم دیدۂ تر بند کرتے ہیں

دامن کوہ سے ؛ اُڑ اُڑ کے اِدھر آتے ہیں
شائد اے جذب جنوں ! نکلے ہیں پر پتھر میں

حاسد کو ایک دم نہیں راحت جہان میں
رنج حسد ہے ، جان ہے جب تک کہ جان میں
آئی بہار ، تشنۂ مے ہوں ، پلادے پھول
اے مے فروش ! پڑگئے کانٹے زبان میں

ہے شراب آب بقا تو کیا کروں ؟ اے مے کشو ؟
فرقت ساقی میں مرنا ہے مجھے ، جینا نہیں

بدنام ہے آسمان ناحق   ہے روز شمار روے دشمن

جلایا مجھ کو نالوں نے ، ڈبایا مجھ کو رونے نے
عداوت ہی نظر آئی ، سراسر آگ پانی میں

و

صبح محشر سے ہوئی صبح شبِ وصل اے شیخ !
آج ہے تجھ سے زیادہ غم فردا مجھ کو
زاھدا ! کعبے کو مے خانے سے جانا ہے محال
ہے ، ہر اک شیشہ مے آبلۂ پا مجھ کو

وہ صنم تو نظر آتا نہیں اصلا مجھ کو   دئے اللہ نے کیوں ؟ دیدۂ بینا مجھ کو

جائے مسجد مجھ کو ، سنگ آستان یار ہے
سجدے کرتا ہوں ، اسی دروازے کی محراب کو

ہم بغل یار سے ' وہ موت سے ہیں ہم‌آغوش
کیا خبر میری ' شب وصل کے بیماروں کو
جوش خوں' میری رگ جاں میں بہت ہے قاتل!
تشنگی ' آج ہے شاید ترے سوفاروں کو
اے صنم ! عہد میں تیرے یہ ہوا کفر عزیز
کہ رگ جاں کا ملا مرتبہ زناروں کو

گل سے چھپتی نہیں بو ' راز چھپے گا کیونکر
کر نہ دے چاک گریباں ' کہیں رسوا مجھ کو
روٹھ کر اپنے صنم سے جو چلا میں ' افسوس
نہ پکارا کوئی ناقوس کلیسا مجھ کو
وہ تو غفلت سے یہ کہتا ہے کہ کل آؤں گا
اور اک دم نہیں جینے کا بھروسا مجھ کو

کان دیتا گل کو بھی ' بلبل کو گر نالہ دیا
تھا یہ لازم ' نخل بند گلشن ایجاد کو
فصل گل آتی ہے ' پھر اپنے جلوں کا جوش ہے
بلبلیں آتی ہیں گلشن سے مبارک‌باد کو
مشق تصویر اُس کو ہے مشق تصور ہے مجھے
اپنی صنعت ' میں دکھا سکتا نہیں بہزاد کو

جو ہچکی آئی تو میں خوش ہوا کہ موت آئی
کسی کو یار کا اتنا بھی انتظار نہ ہو
بہ رنگ حسن بتاں ' ہے دل شگفتہ مرا
جو اس چمن میں خزاں ہو تو پھر بہار نہ ہو
دم اخیر تو کرلیں نظارہ جی بھر کے
الہی خنجر سفاک آب‌دار نہ ہو

زاہدا ! خلد کہیں کوچۂ دلدار نہ ہو   ہو کہ داخل جو نکلتا نہیں پھر کوئی بشر
پائے خوابیدہ ہمارا کبھی بیدار نہ ہو   شور محشر ہو اگر ، نالۂ زنجیر کی جا
پاس مسجد کے اگر خانۂ خمار نہ ہو   چشم و ابرو کا ہوں عاشق نہ پڑھوں جاکے نماز

نہ جنوں میں بھی رکھا بخت نے عریاں مجھ کو
طوق نے جیب دیا ، دشت نے داماں مجھ کو
بعد مرنے کے جہاں روح پھرے گی بھٹکی
اے جنوں ! تونے دکھایا وہ بیاباں مجھ کو
اُس کا دیدار جو ہوگا تو قیامت ہوگی
کردیا یار کی تصویر نے حیراں مجھ کو

فکر ہے بینائی عاشق کی ، حسن دوست کو
پھر موسیٰ برق نے سرمہ بنایا طور کو
بت پرستی میں ہے " ناسخ " ! حق پرستی کا خیال
دیکھتے ہیں ہر صنم میں ، ہم خدا کے نور کو

خرابی ایک کی تو دوسرے کی یاں ہے آبادی
بناتا ہے فلک تربت ، گرا کر خانۂ تن کو
جو ہوتا وصل قسمت میں ، نہ پھرتا یوں خدا مجھ سے
کہ طالع سب کے ہیں معلوم اُس طفل برہمن کو

وفور بادہ خواری تک ، یہاں بنیاد ہستی ہے
مرمت ہوتی ہے سیلاب سے کاشانۂ تن کو
گریباں سحر میں جیسے ہے رنگ شفق لازم
نہ چھوڑے گا لہو میرا ، کبھی قاتل کے دامن کو
مصائب نظم کرتا ہوں ، شب تاریک ہجراں کی
بنایا شمع بزم فکر میں نے طبع روشن کو

اگر اُس کی جگہ پر ہوتی آنکھ اپنی تو کیا ہوتا
بہ حسرت دیکھتے ہیں ہم ' در جاناں کے روزن کو

جب سے میں نالاں لگا رہنے ' بتوں کے عشق میں
توڑ ڈالا کافروں نے دیر میں ناقوس کو
اس لئے جھوٹا بھی وعدہ وصل کا کرتا نہیں
تا نہ تسکیں ہو کبھی میرے دل مایوس کو
وہ نہیں میرا جنوں "ناسخ" جو ہو درماں پذیر
نبض اگر دیکھے مری ' سودا ہو جالینوس کو

رسا اوج حقیقت پر کروں اب عشق بازی کو
بہ جائے نردباں سمجھا ہوں میں عشق مجازی کو
اکیلا دل مرا ' فوج تمنا کے مقابل ہے
الٰہی ! کیجیو فتح یاب اِس مرد غازی کو
کہاں تک اے بتو ! ہم کو دماغ ناز برداری
خدا کرتا ہے شرمندہ ' ہماری بے نیازی کو
وضو ہے ہاتھ دھونا جان سے ' سجدہ ہے سر کٹنا
طریق عشق میں ہے قتل گہہ مسجد نمازی کو
بہ حسرت دیکھتا ہے ماہ کنعاں مجھ کو اے "ناسخ"!
دیا دل جب سے میں نے ایک محبوب حجازی کو

فیض ظالم سے نہیں پایا کسی نے غیر ظلم
آب خنجر سے بھلا کیا کشت دھقاں سبز ہو

تیز ہر دم کرتی ہے تیغ نگاہ یار کو
چشم کی گردش ہوئی ہے میان اس تلوار کو
یوں نزاکت سے گراں ہے سرمہ چشم یار کو
جس طرح ہو رات بھاری مردم بیمار کو

خاکساران جہاں کا ہے ادب ایسا مجھے
پانوں رکھتا ہوں بچا کر سایۂ دیوار کو
پڑ گئی زنجیر میرے بیڑیوں کی، پانوں میں
کھنچے مقناطیس، سنگ آستانِ یار کو

سورۂ یاسین کے بدلے، حشر کی سورت پڑھوں
مرتے دم میں یاد کرتا ہوں خرام یار کو

پانوں ہیں راہ طلب میں سر سے بھی مجھکو عزیز
آبلوں پر کیوں نہ باندھوں پھاڑ کر دستار کو

تب تو تو جانے گا مجھ کو، بے گنہ مارا گیا
گر قیامت تک نہ خون چشم جوہر خشک ہو

وہ پری مجنوں ہوا ہے اپنی صورت دیکھ کر
سنگ طفلاں سے بنایا ہے مگر آئنے کو

گلستان شہادت گاہ میں، یہ طرفہ گل پھولا
بنایا شاخ گل، قاتل نے اپنے دست پر خوں کو
مجھے سمجھو کہ عاشق ہے، اُسے سمجھو ہے دیوانہ
ملاؤ گر مری تصویر سے، تصویر مجنوں کو
کیا بے ہوش تونے جام مے دکھلا کے اے ساقی!
کہ اکثر دیکھتا ہوں میں کسی کی چشم مےگوں کو

اُڑا یہ رنگ میرا دیکھ کر، اس روئے گل گوں کو
جو دیکھے، وہ کہے شبنم، مرے ہر قطرۂ خوں کو

درازي ، یاد دلواتی هے اس زلف پریشاں کو
عزیز اس واسطے رکھتا هوں میں شب هاے هجراں کو

هم اے جراح ! برسوں روئے هیں' دودن تو هنسلے دے
نه سی بهر خدا ظالم ! دهانِ زخم خنداں کو

هزاروں صدمۂ جاں کاہ هیں' پر میں نہیں مرتا
کہوں اب آب حیواں' ظلمت شب هاے هجراں کو

کچھ تو ان روزوں رسائی تا اثر پیدا هوئي
واہ وا کرنے لگا هے سن کے میري آہ کو

مے بهی هے' حوریں بهی هیں' غلماں بهی هیں' فردوس میں
ترک کرتا هوں میں زاهد عیش خاطر خواہ کو

نقش پا سے محتسب پائے نه رندوں کا سراغ
سر سے طے کرنا هے لازم میکدے کی راہ کو

ڈهونڈهنے سے بهی نہیں ملتی خدا کے گهر کی راہ
چاهتا هوں ان دنوں ایسے بت گمراہ کو

کیوں همارے حال سے رهتا هے غافل اے صنم
اپنے بندوں سے نہیں غفلت کبهی اللہ کو

درکار هے پلنگ کے بدلے جنازہ آج
فرقت میں همنے مرگ سے بدلا هے خواب کو

بهولوں وصال یار میں کیا اضطراب کو
دریا میں هے قرار کہاں موج آب کو

حاجت نہیں نماز کی مستی میں زاهدا
کیا مرتبه دیا هے خدا نے شراب کو

محشر کے روز دامن تر کام آئے گا
رکها هے آفتاب کی خاطر سحاب کو

بهرتے هی جام مے هوئی صبح شب وصال
گردوں نے آفتاب کی خاطر سحاب کو

اپنی شب وصال ہوئی صبح شام سے
قسمت نے آفتاب کیا ماہتاب کو

گرم تم کتنا کرو اپنے سمند ناز کو
کب پہونچتا ہے ہمارے ہوش کے پرواز کو
ہوش اُڑتے ہیں جو سنتا ہوں تری آواز کو
کیا ترے پردے سے نسبت ؟ پردہ ہاے ساز کو

کرتے ہیں مشہور اس محبوب کا مجھ کو عدو
میرے دشمن بھی نہاں رکھتے ہیں میرے راز کو
رتبۂ تحقیق پاتا ہے کوئی تقلید سے
کیا خلیل اللہ سے نسبت ہے آتشباز کو
دل اگر ہوتا ہے نالاں ، میں سمجھتا ہوں فنا
ساز عشرت جانتا ہوں طالع ناساز کو
عالم سودا میں ہے ہم کو فنا شور جنوں
جانتے ہیں ساز ہم ، زنجیر کی آواز کو

کچھ نظر آیا نہ اس غفلت کدے میں غیر حسن
چاہئے یوسف ، ہمارے خواب کی تعبیر کو

بھولے نہ بعد مرگ بھی ہم وصل یار کو
ٹھوکر کی آرزو ہے ہمارے مزار کو
اے ابر ! تر نہ کیجیو میرے غبار کو
پہونچا سکے گی پھر نہ ہوا کوئے یار کو
پیناہے جام میں مجھے اب خون محتسب
شیشے کو توڑے وہ تو میں توڑوں خمار کو
کیاجذب عشق ہےکہ ہوا جس طرف کی ہو
سیدھا چلے غبار مرا کوئے یار کو
"ناسخ" کی ہے یہ شوق شہادت میں گفتگو
آج آزماؤں قوت بازوے یار کو

کثیف چاند ہے دیکھو نہ آسماں کی طرف
مجھے یہ ڈر ہے مبادا کہیں زمیں دیکھو

ڈرو نہ آتشِ دوزخ سے زاہدو ہر گز
نگاہِ پاک سے تم روئے آتشیں دیکھو

ہم صفیر! اپنا وطن ہے لکھنؤ   ہم تو بلبل ہیں چمن ہے لکھنؤ

یہ اعلیٰ مرے لکھنؤ کی ہے شان   زمیں ہے جہاں آسماں لکھنؤ

آسماں کی کب ہے طاقت، جو چھڑائے لکھنؤ
لکھنؤ مجھ پر فدا ہے میں فدائے لکھنؤ

میری تربت ہے اُدھر کو، گزر اے جان کرو
خاک کو جسم کرو جسم کو پھر جان کرو
ہم دعا دیتے ہیں گالی تو بھلا دو ہم کو
بدلے احسان کے لازم ہے کچھ احسان کرو
مسکرائے ہو تو اک بوسہ بھی دو ہونٹوں کا
جاں بہ‌لب ہوں مرے مر جانے کا سامان کرو

دو شب تار سے تشبیہہ ہمارے دن کو
تیرگی ہے کہ نظر آتے ہیں تارے دن کو
روز ساعت ہے ہمیں ساعت روز فرقت
وصل میں ایک گھڑی کہتے ہیں سارے دن کو

ہچکیاں لے لیکے شیشے کی طرح دم توڑیں پھر
کیا یہی ہے ساقئی پیماں شکن کی آرزو

بےقراری دشت غربت میں ہمارے ساتھ ہے
چھوڑ آئے کوچۂ جاناں میں ہم آرام کو
سوزن خار جدائی سے سویدا کی طرح
اے پری کھودا ہے میں نے دل پہ تیرے نام کو

سر جھکاتا ہی نہیں "ناسخ" خدا کے سامنے
ہے یہی اس کی سزا، سجدہ کرے اصنام کو

میں خوب سمجھتا ہوں مگر دل سے ہوں ناچار
اے ناصحو، بے فائدہ سمجھاتے ہو مجھ کو
تم آؤ جہاں دخل ہو کیا اور کسی کا
عالم کو بھلاتا ہوں جو یاد آتے ہو مجھ کو
مست آنکھیں تمہاری ہیں تصور میں سوہوں مست
سچ بولو کبھی ہوش میں تم پاتے ہو مجھ کو
جو بات تمہاری ہے سو اُلٹی ہے مری جان
اغیار کو بٹھلاتے ہو اٹھواتے ہو مجھ کو

لپٹ کے یار سے سوتا ہوں مانگتا ہوں دعا
تمام عمر بسر یا رب ایک کروٹ ہو
میں جاں بہ‌لب ہوں گلا کاٹو یا گلے سے ملو
جو اس میں آپ کو منظور ہو وہ جھٹ پٹ ہو

ماہ کامل ہو، کرو تم شام سے تا صبح سیر
گھر سے باہر کیوں نہیں آتے ہو پیارے رات کو
دل چرا کر مجھ سے تم، آنکھیں چراتے ہو تو کیا
چور بن کر آئیں‌گے گھر میں تمہارے رات کو
طول آرایش نے رکھا مجھ کو محروم وصال
شام سے تا صبح بال اُس نے سنوارے رات کو

ہم ہیں بیمار محبت، یہ دعا مانگتے ہیں
مثل اکسیر نہ دنیا میں دوا پیدا ہو
کہہ رہا ہے جرس قلب بہ آواز بلند
گم ہو رہبر تو ابھی راہ خدا پیدا ہو

یاں کچھ اسباب کے بندے نہیں محتاج نہیں
نردبان ہو کہ نہ ہو راہ خدا پیدا ہو
ابھی خورشید جو چھپ جائے تو زرات کہاں
توہی پنہاں ہو تو پھر کون بھلا پیدا ہو

مانگتے ہو جب نہ تب میرے دل بےتاب کو
سچ بتاؤ کیا کروگے کشتۂ سیماب کو
بے سبب اسباب او غافل فراہم کیا کروں
چھوڑ جاؤں گا میں سارے عالم اسباب کو

دور کر پردہ دکھادے روے عالمتاب کو / ماہ تاباں سے اُٹھا دے چادر مہتاب کو

کس قدر نفرت ہے اس کے توسن چالاک کو
پانوں سے لگنے نہیں دیتا ہماری خاک کو

ہو نہ آخر وصل کی شب اپنے تار جیب سے
سی دیا میں نے گریبان سحر کے چاک کو
قصد لا حاصل ہے یارو، مجھ کو ہے سودائے عشق
لاؤ اب فصاد کے بدلے اُسی سفاک کو

میں بھی کعبہ میں یہی اللہ سے مانگوں دعا
میری طاعت کو اُسی دروازے کی محراب ہو
تیرے کوچہ کا ہوں عاشق یہ تمنا ہے مجھے
روزن دیوار جائے دیدۂ بے خواب ہو

ہے لطف خندہ روئی میں کیا دل گرفتگی
پھولوں میں جس قدر ہے کہاں وہ کلی میں ہو

دل بنا عاشقی میں خود مختار / اور مجبور کر دیا ہم کو
غم نہیں محتسب جو توڑا خم / نشے نے چور کر دیا ہم کو

کبھی بار غم فراق اُتار تونے مزدور کر دیا هم کو

۷

سو رمز کی کرتا هے اشارے میں وہ باتیں هے لطف خموشی میں تکلم سے زیادہ
مے خانے میں سو مرتبہ میں مر کے جیا هوں هے قلقل مینا مجھے قم قم سے زیادہ

معشوقوں سے اُمید وفا رکھتے هو "ناسخ"
ناداں کوئی دنیا میں نہیں تم سے زیادہ

یا آلہی وہ صنم محو خود آرائی رهے
جب تلک خورشید هے دیر کہن میں آئینہ

دن سیہ، رات سیہ، ماہ سیہ، سال سیاہ دل سیہ، بخت سیہ، نامۂ اعمال سیاہ
آج عالم مجھے تاریک نظر آتا هے هوگیا آہ مرا کوکب اقبال سیاہ

ایک شب میں نہیں امکان کہ هو طول اتنا
دن کو بھی رکھتی هے فرقت کی شب تار سیاہ
یہ فقط هے شب فرقت کی سیاهی کا اثر
هو گئے هیں جو مرے دیدۂ بیدار سیاہ

میری بیڑی کی طرح توڑ دے حداد کے هاتھ
اے جنوں تجھ کو خدا نے دئے فولاد کے هاتھ
قتل کی فکر رها کرتی هے اعدا کو عبث
موت لکھی هے هماری، اُسی جلاد کے هاتھ

کوئی غافل نہیں رهتا کوئی هوشیار کے ساتھ
بخت خفتہ هے مگر دیدۂ بیدار کے ساتھ

ہوئی روح اپنی رواں جلوۂ رفتار کے ساتھ
مل گئے خاک میں نقش قدم یار کے ساتھ
درج مکتوب میں شاید نہیں مضمون وصال
ملک‌الموت بھی ہے قاصد دلدار کے ساتھ

برسات پہ موقوف اگر بادہ کشی ہے کہہ‌دے تو لگا دے ابھی ساون کی جھڑی آنکھ
ہوں منتظر یار یہ ہے میری تمنا ہو آتھ پہر میں بھی نہ بند ایک گھڑی آنکھ

کیا سمائے جان عکس نور حسن ہے مرے دل کا بہت تنگ آئینہ

آیا اگر خیال قدم بوس یار کا
پھروں نہ میں نے نقش قدم سے اُٹھائے ہونٹھ
لوگوں نے ہونٹھ چوم لیا میں نے کیا کیا
غصے سے کیوں نہ دانت تلے وہ دبائے ہونٹھ
جان بہ‌لب رسیدہ سوئے جسم پھر گئی
جس‌دم ہمارے ہونٹھ سے اُس نے ملائے ہونٹھ

اے دل ہو مست، کشمکش کفر دیں سے چھوٹ
میخانے بھی بنائے ہیں دیر و حرم کے ساتھ
رہتا ہے روز شب کی طرح باہم اتصال
شادی کے ساتھ غم ہے تو شادی ہے غم کے ساتھ
میخانۂ مے کے ہم نہیں محتاج مے فروش!
مانند آبلہ ہے ہمارے قدم کے ساتھ
"ناسخ" نہ چھوڑیے کبھی راحت میں رنج کو
دوزخ بھی ہم کو چاہئے باغ ارم کے ساتھ

بلبلیں بالیں میں نہیں ہیں جو سزاوار قفس
پر مرے کیسے اُڑے پھرتے ہیں صیاد کے ساتھ

قصد سے جائے نہ سودا تو مجھے کیجئے قتل
کوئی جلاد بھی بلوائیے فصاد کے ساتھ

ہیں صید کے محتاج کہاں تیر ہمارے — جب کھینچتے ہیں آہ نکلتا ہے اثر ساتھ
تم باغ سے بیزار ہو ہم خلق سے بیزار — ہم تو کریں اے نکہت گل آج سفر ساتھ
"ناسخ" غم فرقت میں ہے یہ حال ہمارا
جب کھینچتے ہیں آہ تو آتا ہے جگر ساتھ

دوسرا کرتا ہے پیدا رونے والا میرے ساتھ
کنج تنہائی میں کیا میرا ہے غم خوار آئینہ

قسمت اغیار میں ہے وصل یار — کیوں حسد ہے اے دل ناداں سمجھ

حیرتی تیرے کسی کی بات کا کیا دیں جواب
ہو گیا مانند طوطی کب سخن گو آئینہ

روشنی کے عوض دھواں پھیلا — شمع سے ہو گیا مکان سیاہ
ساتھ اشکوں کے دود آہ نہیں — ہے مری فوج کا نشان سیاہ

نالہ ہے جس طرح سے ہمیشہ جرس کے ساتھ
فریاد میری پھرتی ہے فریاد رس کے ساتھ
قصد سلوک ہے تو نکل بند جسم سے
اے گرد کارواں ہو صدائے جرس کے ساتھ

اُس پری چہرہ نے دیکھا ہے مگر منہ اپنا
آج آتا ہے نظر مجھ کو پری آئینہ
اپنی صورت کو نہ دیکھو کہ نہ ہو جائے جنوں
ہو نہ جائے سبب جامہ دری آئینہ

ی

گھر میرا شورِ جنوں سے اس قدر معمور ہے
خود بہ‌خود برپا ہے غل دروازے کی زنجیر سے
ہے یہ پاس بخت خوابیدہ کہ زلفوں کی طرح
غل کبھی برپا نہیں ہوتا مری زنجیر سے

پائے قاصد پھرتے پھرتے گھس گئے مثل قدم
خط وہ لیتا ہی نہیں کیا فائدہ تحریر سے
اپنی صورت دیکھ کر وہ آپ دیوانہ ہوا
آئینہ شاید بنا ہے آہنِ زنجیر سے
وہ تو ہے تیرے لئے "ناسخ" یہ اوروں کے لئے
قبر کی تعمیر کرنا قصر کی تعمیر سے

مے پرستو آؤ کرلیں محتسب کو سنگسار
بچ رہے ہیں سنگ کچھ میخانہ کی تعمیر سے
موجِ خوں بھی مثلِ برق ابر ہے دامن کے ساتھ
جا سکا قاتل نہ میرے خون دامن‌گیر سے

بگڑتے جاتے ہیں لاکھوں ہزاروں بنتے جاتے ہیں
جہاں میں رات دن جاری خدا کا کارخانہ ہے
چراغ و شمع کیا، لا جام و مینائے مئے گلگوں
مری تربت پہ ساقی ابر رحمت شامیانہ ہے
کوئی دل گر نہ ہو دو دن مکدر تو غنیمت ہے
ہوا کو ایک دن آخر غبار اپنا اُڑانا ہے
بچھائے توڑ کر شیشوں کو ساقی میرے بستر پر
شب فرقت ہے مجھ کو بےکلی سے تلملانا ہے

پریرو رشک کی جا ھے ملےگا جا کے حوروں سے
کوئی دم میں توا "ناسخ" سوئے جنت روانہ ھے

چھپایا ھے جو منہ پردے میں تونے اے پری ہم سے
کفن میں ہم کو اب سارے جہاں سے منہ چھپانا ھے
تصور روز رھتا ھے عذار صاف جاناں کا
ھمارا خانۂ دل اب تو آئینے کا خانہ ھے
غبار راہ ہم سمجھیں نہ کیوں کر جسم خاکی کو
رگ جاں تو سن عمر رواں کو تازیانہ ھے
نہ کیوں غائب رھوں چشم جہاں سے ان دنوں "ناسخ"
مجھے اُس کی کمر کا غیب سے مضموں چرانا ھے

اجل سر پر کھڑی ھے خواب غفلت میں زمانہ ھے
چھپرکھٹ کے عوض لازم جنازے کا بنانا ھے
غبار ھستی عاشق جو آج اس کو اُڑاتا ھے
سمند ناز کو گردوں کا دور اک تازیانہ ھے
رکھا ھے ھاتھ شفقت کا کب اُس نے میرے سینے پر
اُسے اب آتش رنگ حنا سے دل جلانا ھے

یہ پھک رھا ھے مرا جسم آتش غم سے
کہ طوق بھی مری گردن میں لال رھتا ھے
یہ رنگ سینہ خراشی میں اب ھے ناخن کا
کہ جیسے سرخ شفق میں ھلال رھتا ھے
نہ ترک صحبت احباب کیجیو "ناسخ"
گرا جو برگ شجر' پائمال رھتا ھے

کمر ھے اس صنم کی گو نظر آتی نہیں مجھ کو
خدا غائب ھے لیکن اس کی ھستی بے تامل ھے

کوئی نالاں ہے کوئی داغ ہے تجھ پر گلستاں کا
جو بلبل تھی وہ گل ہے اور جو گل تھا وہ بلبل ہے

ٹھوکر اک پائے حنائی سے لگایا چاہئے
پھول کوئی میری تربت پر چڑھایا چاہئے
دل کو خواہش ہے کہ طفلان حسین گھیرے رہیں
آپ کو ان روزوں دیوانہ بنایا چاہئے
میرے نالے سن کے وہ ظالم چڑھ آیا بام پر
آسماں پر اب دماغ اپنا چڑھایا چاہئے
داغ فرقت زیست بھر سوز جہنم ' بعد مرگ
ان بتوں کو کس توقع پر خدایا چاہئے

کون سا خورشید آج اپنا چراغ خانہ ہے
بزم میں باہم ہجوم ذرہ و پروانہ ہے
دم نہیں پاتے کسی میں تیری صورت دیکھ کر
بزم خوباں جوشش حسرت سے اک بت خانہ ہے
رہتی ہیں محفل میں حائل درمیان فانوس شرم
روئے جاناں شمع ہے اپنی نگہ پروانہ ہے
ہو گیا میخانۂ مے خالی اگر تو جان لے
ساقیا لبریز اپنی عمر کا پیمانہ ہے

باعث گریہ خیال نرگس مستانہ ہے
دل مرا مینائے مے ہے چشم تر پیمانہ ہے
دل مرا فانوس شمع عارض جانانہ ہے
روح قالب میں نہیں ہے بزم میں پروانہ ہے
ہوش بدمستی میں رہتا ہے عبادت کا مجھے
منہ کے بل گرنا زمیں پر سجدۂ شکرانہ ہے

مجھ کو حاجت ہے کبوتر کی نہ قاصد کی تلاش
یار میرا شمع ہے نامہ مرا پروانہ ہے

پھر بہار آئی کف ہر شاخ پر پیمانہ ہے
ہر روش میں جلوۂ باد صبا مستانہ ہے
میرے یوسف کی خریداری عزیزو ہے محال
نقد جاں ہے اُس کی قیمت نقد دل بیعانہ ہے

لالۂ و گل کا جوش ہے بلبلوں کا خروش ہے
فصل و داغ ہوش ہے موسم ناؤ نوش ہے
دیکھتے ہیں جدھر کو ہم پیش نظر ہے وہ صنم
کہتے ہیں جس کو سب حرم خانۂ بت فروش ہے
شکل نظر نہیں پڑی آیا نہیں پیام بھی
برسوں ہوئے کہ ایک سی حالت چشم و گوش ہے

تن بدن پھونک دیا ہے تپ فرقت میں مرا
کیا عجب ہے جو مرے جسم سے بستر جل جائے

تیشہ لا فرہاد یاں سر بھی بدن پر بار ہے
جان شیریں میری اک شیریں دہن پر بار ہے

سامنے آنکھوں کے اب دن رات اس کا خال ہے
ان دنوں تاباں ہمارا کوکب اقبال ہے
باندھتا ہوں اضطراب دل کے مضموں رات دن
یاں زمین شعر میں بھی ان دنوں بھونچال ہے
ہم کو عاشورا محرم کا ہے ہر روز فراق
وہ گلے لگ جائے جس دن غرہ شوال ہے

تنگ آ کر جب کہا میں نے کہ مر جاؤں کہیں
بدگماں سمجھا کہ اس کو اشتیاق حور ہے
کر تماشائے جہاں سے پہلے اپنی آنکھ بند
دیکھنا اُس کا اگر "ناسخ" تجھے منظور ہے

ہجر میں آئے یہاں تو پیس ڈالوں موت کو
اس قدر باقی ابھی اس نیمجاں میں زور ہے

مسی مالیدہ لب پر رنگ پاں ہے تماشا ہے کہ آتش دھواں ہے
تکلم ہی فقط ہے اُس صنم کا خدا کی طرح گویا بے دہاں ہے

ہمارا ہر نفس اِک باد باں ہے روانہ کشتی عمر رواں ہے
تن خاکی میں قد اپنا نہاں ہے زمیں جیسے حباب آسماں ہے

رہا بےتاب و نالاں زندگی بھر وادیٔ غم میں
خداوندا جرس شائید مرے طالع کا اختر ہے
شفا تدبیر سے کیا ہوگی مجھ بیمار ہجراں کی
کہ آب زندگی بے یار مجھ کو آب خنجر ہے
نشاں اُس کے قدم کے پڑ گئے جب میری تربت پر
یہ سمجھا میں کہ میری خاک پر پھولوں کی چادر ہے

کر چکے اقلیم وحشت میں بہت جوش و خروش
چند مدت عالم شہر خموشاں دیکھئے

کیا ہوا گر ایک دم آتی نہیں آنکھوں میں نیند
میرے طالع کو عوض اس کے ہمیشہ خواب ہے

داغ ہو سر پر گلے میں طوق بیڑی پانوں میں
کچھ تو ہو اسباب آخر عالم اسباب ہے
ہوں گی بند آنکھیں تو سمجھو گے کہ بیداری یہ ہے
دیکھتے ہو کھول کر آنکھیں جو تم یہ خواب ہے
رنج دیتے ہیں فراق یار میں اسباب عیش
چاندنی جو ہے مرے ویرانے کو سیلاب ہے
ایک قطرے میں ہوا "ناسخ" مرا ٹکڑے جگر
بادۂ گلگوں فراق یار میں زہر آب ہے

خاک اُڑانے کو کیا جنگل میں آوارہ مجھے
چرخ سمجھا گرد باد دامن صحرا مجھے
سرد ہوتا ہوں تڑپ کر کوئی دم میں ہمدمو!
وصل کا یاد آگیا ہے موسم سرما مجھے
داخل خلوت سرا ہونے کی کس کو تاب ہے
دیکھ کر زنجیر در کو ہو گیا سودا مجھے
ہو گیا مانند خورشید آشکارا داغ عشق
صبح ساں چاک گریباں نے کیا رسوا مجھے

نہیں پہونچتے جو نالے بھی ہم صفیروں کے
قفس کی طرح ہیں دل چاک ہم اسیروں کے

گل ہے غنچے میں نہاں بو سے معطر ہے دماغ
پردۂ دل میں ہے لیکن شہرۂ آفاق ہے
ایک سی آئیں نظر مسجد کی محرابیں ہزار
اے صنم لیکن تری محراب ابرو طاق ہے

ایک ہیں میرے دل پُر داغ میں سو خار غم
ورنہ جو لالہ ہے باغ دھر میں ، بے خار ہے

گر نہیں ہے جیب سینے کا اُڑا دے دھجیاں
فصل گل میں کس لئے دست جنوں بیکار ہے

آشنا تھا نہ کبھی پائے نگہ کانٹوں سے رات دن دید مجھے گلشن بےخار کی تھی

داغ دل چمکا خیال عارض پر نور سے
ہوگیا روشن چراغ اپنا چراغ طور سے
وعدۂ دیدار اُس نے حشر پر رکھا تو ہے
طالع خفتہ بھی ہوں بیدار لیکن صور سے
بانٹ لے کوئی کسی کا درد یہ ممکن نہیں
بار غم دنیا میں اُٹھواتے نہیں مزدور سے

دل میں بتوں کے سوز محبت نے گھر کیا
گویا ہے دخل سنگ میں مثل شرر مجھے
میں سر پٹک پٹک کے مروں یعنی اس جگھ
دکھلا دیا قضا نے ترا سنگ در مجھے
مر جاؤں پیشتر میں الٰہی وصال سے
فرقت میں زیست کی ہو تمنا اگر مجھے

جنوں نے میری عریانی کو یہ تاثیر بخشی ہے
نہ اُلجھا میرے صحرا کا کبھی کانٹا بھی دامن سے
میں سر دینے کو حاضر ہوں اُسی کو شرم آتی ہے
جھکی ہے گردن قاتل زیادہ میری گردن سے

دل مرا مرگ شب فرقت میں ایسا شاد ہے
شیون یاراں مجھے شور مبارکباد ہے
دور ہے یار اپنی نظروں سے تصور میں قریب
گھر تو ویراں ہے مگر بزم خیال آباد ہے

شوق گلزار فنا میں میرے مرغ روح کو
چار دیوار عناصر خانۂ صیاد ہے

تاثیر گل رخوں کے تصور کی دیکھنا
لخت جگر جو گل ہے تو آنسو گلاب ہے
حیرت سی ہے طلسم جہاں دیکھ کر مجھے
یارب مرا خیال یہ ہے یا کہ خواب ہے
یوسف کی طرح کھینچ ہی لاؤں گا دیکھنا
ظالم مرا خیال زلیخا کا خواب ہے
کس کو ہمارے یار کے نظارے کی ہے تاب
خورشید جس کو کہتے ہیں اُس کی نقاب ہے

فکر سے میں نہیں خالی غم جاناں میں کبھی
کبھی زانوں پہ مرا سر ہے گریباں میں کبھی

دہر میں غرق گنہ کون مرا ثانی ہے
موج سے مجھ کو بہ جائے خط پیشانی ہے
ٹکٹکی لگ گئی جس سمت ہوا منھ اپنا
مثل آئینہ یہاں عالم حیرانی ہے

واقعی انساں ہے اشرف ساری مخلوقات سے
لاکھ پریوں کو بھلا دیتا ہے اک انساں مجھے
پاسباں سمجھا نکرین آئے جب بہر سوال
گور میں آیا خیال کوچۂ جاناں مجھے
ہوش آتا ہے جو سودا میں تو کرتا ہوں خیال
کیا میں کانٹا ہوں ملا جو دشت کا داماں مجھے
مردم دنیا مرے حق میں سگ دیوانہ ہے
کاٹنے کو دوڑتے ہیں صورت انساں مجھے
کیوں ملامت کرتے ہیں ”ناسخ“ یہ چاک جیب پر
چاک کرنا ہے ابھی تو دشت کا داماں مجھے

حیرت سے اشک چشم کے باھر نہ ہو سکے
دریا بھرے رھے پہ مژہ تر نہ ہو سکے
باھر قدم نکالیں جو ہم گھر سے کیا مجال
یہ ضعف ھے کہ آپ سے باھر نہ ہو سکے
کیوں کر کروں میں اپنی طرف اُس کا دل رجوع
جب اختیار اپنے ھی دل پر نہ ہو سکے
رکھو کسی طرح تو سروکار مہرباں
کرتے رہو جفا ھی ' وفا گر نہ ہو سکے
شامل نہ ہو جو "ناسخ" برگشتہ کا غبار
صحرا میں گرد باد سے چکر نہ ہو سکے

خوب بزم دھر میں آتش زبانی کر چکے
آج کل اپنا چراغ زندگی خاموش ھے
مرگ سے ساماں مہیا ھیں قضا کی دیر ھے
باڑھ واں تلوار پر ھے یاں لہو کا جوش ھے
عید ھے اک شب چلو مل کر پئیں ہم تم شراب
آج وہ دن ھے کہ میخانوں میں نوشانوش ھے

مردے جیا گئے ' لب جاں بخش یار سے
بوسے کے انتظار میں ہم جاں بلب رھے
ہر موج بوریا ' رگ خواب گراں ہوئی
راحت میں عمر بھر مرے پائے طلب رھے

وہ سنگ دل اک روز ہوا صاف نہ مجھ سے
کہتے ھیں غلط سنگ سے آئینہ بنا ھے
دعوائے خدائی جو بتو! ھے ' نہ پھرو دور
سوچو کہ رگ جاں سے بھی نزدیک خدا ھے
ہر دم ھے تمنا کہ کہیں تن سے جدا ہو
جس دن سے مرا سر ترے قدموں سے جدا ھے

عالم نظر آتا ھے ترے عشق میں بیمار
عشق اس کو نہ کہئے یہ زمانے میں وبا ھے

باد کے مانند ساقی لے اُڑا پانی مجھے
کشتئی مے ' ھو گئی تخت سلیمانی مجھے
اس قدر اے غم نہ میرے استخوانوں کو گھلا
کرنی ھے اک دن سگ جاناں کی مہمانی مجھے
کرتی ھے ضائع عبادت کو سیہ کاری مری
سجدے میں حاصل نہیں جز داغ پیشانی مجھے
قتل ھوتا ھوں ' نہ مجھ سے بےدماغی کیجئے
تاب ھے تلوار کی یہ چین پیشانی مجھے

فراق یار میں نفرت ھے مجھ کو بادہ خواری سے
کہیں زاھد نہ کر دے متہم پرھیز گاری سے
جو اک دن وصل کی راحت' تو اک دن رنج فرقت کا
وہ ھیں ھم‌درد میرے' جن کو تپ آتی ھے باری سے
سیہ رو کیوں کہا کرتا ھے تو مستوں کو اے زاھد
کہ اپنے چہرے پر رھتی ھے سرخی بادہ خواری سے

ھوں میں ھر دورے میں محروم اور سب ھیں کامیاب
آسماں کی طرح جام میکشاں گردش میں ھے

اُس روئے آتشیں نے دیا ھے یہ داغ دل
روشن ھوا چراغ مرا آفتاب سے
ھم بوسے مانگتے ھیں وہ کچھ بولتے نہیں
محروم ھے سوال ھمارا جواب سے
جینا فراق کا نہیں ھرگز حساب میں
مدت ھوئی کہ مرچکے ھیں ھم حساب سے

فرقت قبول رشک کے صدمے نہیں قبول
کیا آئیں ہم ، رقیب تری انجمن میں ہے
ہیں بےنصیب صحبت جاناں سے ایک ہم
پروانہ بزم میں ہے تو بلبل چمن میں ہے
آنکھیں ہوئیں سفید ترے انتظار میں
ہر شب یہ چاندنی مرے بیت الحزن میں ہے

رتبہ میری خانہ ویرانی کا ایسا ہے بلند
آسماں کہتے ہیں جس کو میرے گھر کا بام ہے
ہوگئی صبح شب وصل اُس کے جاتے ہی سیاہ
آفتاب اپنی نظر میں اک چراغ شام ہے
آگے وحشت شہر سے تھی اب ہے دنیا سے گریز
تھا وہ آغاز جنون عشق یہ انجام ہے
جاں بلب ہوں پر نہیں صحت کی مجھ کو آرزو
کیا مرض ہے عشق جس کے درد سے آرام ہے

شق کروں سینے کو تا داغ نمایاں ہو وے
ایسے خورشید سے صبح شب ہجراں ہو وے
سرخرو گل کی روش تب ہوں میں دیوانوں میں
پانوں میں خار چبھیں چاک گریباں ہو وے

گر تری تاب کمر کرتی ہے بےتاب مجھے
خواب آلودہ نگہ رکھتی ہے بےخواب مجھے

غل مری زنجیر کا پہونچا تو وہ کہنے لگا
خانۂ زنجیر کو بھی اب نگہباں چاہئے
دم بدم کہتی ہے میری کشتیٔ عمر رواں
مجھ کو آب خنجر قاتل کا طوفاں چاہئے

عمر گزری روتے ہنس بھی لوں اب جی میں ہے
میرے منھ پر کوئی قاتل زخم خنداں چاہئے
طالب دنیا مونث ہیں بھلا کیا اُن سے کام
مرد ہے "ناسخ" تو عشق شاہ مرداں چاہئے

گرچہ یہ پیغامبر عیسائے پیغمبر نہیں
جان میں جان آگئی پر وصل کے پیغام سے

اے شیخ و گبر! سبحۂ زنار توڑئے
پر دل کسی بشر کا نہ زنہار توڑئے
یاروں کی ہم سے دل‌شکنی ہو سکے کہاں
یاں پاس ہے، نہ خاطر اغیار توڑئے
ہم جور چشم یار سے دم مارتے نہیں
یعنی روا ہے کب دل بیمار توڑئے
یاں درد سر خمار سے ہے واں دکان بند
ٹکرا کے سر کو اب در خمار توڑئے

روز مرگ آرزو ہے تابکے غم کیجئے   تا کجا دست دعا کو وقف ماتم کیجئے

کوچہ ہائے زخم دل تیری تجلی گاہ میں
داغ جو سینے میں ہے اُس میں تری تصویر ہے
ابروئے جاناں میں اور کعبے میں ظاہر ہے یہ فرق
یہ خدا کی ہے بنا وہ بندے کی تعمیر ہے

ضعف نے طاقت رفتار ہی کھودی "ناسخ"
اُنس جب کرنے لگا یار کا درباں ہم سے

ہے بجا تعمیر کرتا ہے جو وہ قصر بلند
ہے سراپا چاند اُس کو آسماں درکار ہے

عذر ہے مجھ کو جو مجھ سے بات وہ کرتا نہیں
دل میں باتیں پیار کی ہیں پر دھاں درکار ہے

مرے زخموں کی وہ تدبیر سے اک دم نہیں غافل
منگائے مشک نافے گر نمکداں ہوگئے خالی
مری دیوانگی کا ان دنوں ہے شور گلیوں میں
معلم رہ گئے تنہا دبستاں ہوگئے خالی

کیوں ہوگیا دو چار میں اُس شہسوار سے
جاتی رہی عنان شکیب اختیار سے
منھ کھولتا ہوں میں کہ پلادے کوئی شراب
ہر دم جماہیاں نہیں لیتا خمار سے
کھولوائی فصد یار نے میں قتل ہوگیا
کم تھی لہو کی دھار نہ خنجر کے دھار سے
مٹی مری عزیز ہوئی رھائے خاک کو
کیا گور نے بغل میں لیا مجھ کو پیار سے
اُس گل کے دیکھتے ہی مرا رنگ اُڑ گیا
آئی خزاں یہ میرے چمن میں بہار سے
نقش وجود محو ہوا مثل نقش پا
نکلے نہ بعد مرگ بھی ہم کوئے یار سے

ہم صفیر اس باغ کی کیسی ہوا ناساز ہے
طائر رنگ چمن تک مائل پرواز ہے
آسماں پر دل فرشتوں کے ہلے جاتے ہیں آج
یہ زمیں پر پاؤں رکھنے کا نیا انداز ہے
دم نکلتا ہے مرا ہر عاشق و معشوق پر
گل میں تیرا رنگ بلبل میں قری آواز ہے
فصل گل ہے چار دن ایام توبہ ہیں مدام
عمر بھر اے مے کشو باب اجابت باز ہے
شرمگیں آنکھیں ہزاروں مل گئی ہیں خاک میں
جو زباں ہے خار کی صحرا میں بے آواز ہے

شعر لکھنے میں جو یاد اس کا خرام ناز ہے
کلک میں جائے صر بر ، اب صور کی آواز ہے

بات جو میرے مسیحا کی ہے اک اعجاز ہے
جان آجائے تن بے جاں میں وہ آواز ہے
زاہدا کیا ڈھونڈھتا پھرتا ہے کعبے کی کلید
آ! در میخانہ مثل باب توبہ باز ہے

جسم کو جی ہے گراں سینے کو ہے دل بھاری
وہ ہے درپیش مجھے عشق کی منزل بھاری
ہے گراں آج مرے ماہ کو گرمی سے نقاب
کیا ہی تجھ پر ہے یہ رات اے مہ کامل بھاری

مائل سوے سجود یہ تیرے حضور ہے
سر میرا ورنہ یار! بہت پر غرور ہے
ہے فرق اس کی صورت و سیرت میں اس قدر
باطن میں ہے وہ نار تو ظاہر میں نور ہے

یہ لگی چاٹ مرے زخموں کو سیری نہ ہوئی
ہوگئے کتنے ہی قاتل کے نمکداں خالی
کون دونوں میں خدا جانے خدا کو ہو پسند
کفر بھی چاہئے لازم نہیں ایماں خالی
میرے آغوش سے تو صبح شب وصل چلا
وہ گیا ہالہ مرا اے مہ تاباں خالی

اہل فنا کے ساتھ جو ہے سرفراز ہے — مُردوں پہ یہ بے سجود ہمیشہ نماز ہے
گرتا ہے سر کے بل وہی جو سرفراز ہے — واللہ گواہ دعوئے صادق نماز ہے
جب تک طلوع مشرق خم سے ہو آفتاب — اے مے کشو یقیں ہے در توبہ باز ہے
ہیں داغ نان گرم تو آنسو ہیں آب‌سرد — آسودۂ معاش دل عشق باز ہے
آتا ہے رحم کافر و مومن کے حال پر — بت محو ناز ہے تو خدا بے نیاز ہے

سب دولتوں پہ حسن کی دولت کو ہے شرف محمود بادشاہ غلام ایاز ہے
نام خدا لیا جو نکیرین کے حضور مر کر بھی اے صنم مجھے اخفائے راز ہے

———

میں وہ مجنوں ہوں پابند وفا ، جو قید الفت میں
نگہ باہر نہ نکلے رخنۂ دیوار زنداں سے
کسی کا کب کوئی روز سیہ میں ساتھ دیتا ہے
کہ تاریکی میں سایہ بھی جدا رہتا ہے انساں سے

———

زاہد میں پڑھوں اس پہ جو نام اپنے صنم کا
خورشید ابھی ہوں تری تسبیح کے شمسے

———

عالم نہ اپنی آہ میں ہو گرد باد کا تودے ہمارے دل میں ہیں گرد ملال کے
مرنا قبول ہے مجھے دنیا نہیں قبول غمزے اٹھیں گے مجھ سے نہ اس پیرزال کے
ڈر تھا اثر کا اُس کو سو وہ بھی نکل گیا نادم ہوا ہوں منہ سے میں نالہ نکال کے
آرام کیا کہ جس سے ہو تکلیف اور کو پھینکوں کبھی نہ پانوں سے کانٹا نکال کے

———

دیر جوں جوں کہ لگاتی ہے اجل ڈرتا ہوں
مار کر مجھ کو نہ قاتل کہیں رسوا ہوے

———

اُٹھے جاتے ہیں روشن دل پیاپے یوں زمانے سے
ہوا چلتی ہے گویا تند اور اُس میں چراغاں ہے
سبکدوشی عنایت کی دم شمشیر قاتل نے
نہ تن پر بار سر ہے اور نہ سر پر بار ساماں ہے

———

تری نوک اے خار غم دیکھیں تو کیسی تیز ہے
توسن عمر رواں کو حاجت مہمیز ہے
نغمہ و مے محفل عشرت میں بے ساقی نہیں
اشک خوں آلودہ اور افغان درد آمیز ہے

بادۂ عشرت سے خالی زیست بھر ساغر رہا
آج کیوں کر جام عمر کا لبریز ہے
کوہکن کو فی الحقیقت اپنے سر سے کام تھا
کوہ پر تیشہ لگا دیکھا کہ کیسا تیز ہے

ایسے ہم آماجِ گاہ تیر مژگاں ہوگئے
رونگٹوں کے جا بدن پر سارے پیکاں ہوگئے
یہ اسیری میں پھنسایا ناتوانی نے مجھے
رفتہ رفتہ حلقۂ زنجیر زنداں ہوگئے
ارمغانِ داغ سودا لے چلے سوئے وطن
دو دن اس وحشت سرا میں ہم بھی مہماں ہوگئے
رات دن رہتی ہے ''ناسخ'' ہم کو از خود رفتگی
آہ جب سے عاشق رفتار جاناں ہوگئے

درد سر مجھ کو بھی ہے پوچھے کوئی فرہاد سے
تونے یہ تیشہ لیا ہے مول کس جلاد سے
جوہر ذاتی بشر کا ہے جسے کہتے ہیں عشق
سیکھتا ہے کوئی فن عاشقی اُستاد سے

چہرہ ہوجاتا ہے میرا اُس کے آتے ہی بحال
اُنس ہے رنگ پریدہ کو بھی اُس صیاد سے

صحن گلشن میں ترے آتے ہی اے رشک بہار
حشر برپا ہے شکست رنگ کی فریاد سے
کعبہ ہے سنسان، مے خانے میں مستوں کا خروش
کون ویرانے کو جائے خانۂ آباد سے
ہاتھ، میرے یار کی زنجیر در سے باندھ دیں
اور زنجیریں نہ بنوائیں عبث حداد سے

گر قفس میں پھنس گئی بلبل تو اس کا غم نہیں
ہے یہی صدمہ کہ چھوٹی پنجۂ صیاد سے
آج مجھ شوریدہ سر کی جان شیریں جائےگی
کوہ تڑوائے ہیں اُس نے تیشہ فرہاد سے
پھرتے پھرتے سب اُتر آیا ہے تلوؤں میں لہو
خار صحرا ہیں زیادہ نشتر فصاد سے

جو مے فروش نے زر لیکے دی شراب مجھے
عوض میں ذرہ کے بخشا ہے آفتاب مجھے
جوان دل ہے تو پیری نہیں ہے تابع عیش
سفیدي بالوں کی ہے جوش ماهتاب مجھے

وصل کی دولت ملي جذب دل بےتاب سے
کیمیا ہم نے بنائی ہے مگر سیماب سے
بے حقیقت کو بلا سے کب ہے دنیا میں گزند
عکس تنکے کا بھی بہ سکتا نہیں سیلاب سے
ہے مسرت راحت دنیا سے غفلت کے سبب
کون خوش ہوتا ہے بیداری میں عیش خواب سے

برق اس پر ہنستی ہے روتا ہے اس پر اک جہاں
ابر باراں اور ہے اور چشم گریاں اور ہے
اس میں ہے داغ فراق اے صبح اُس میں آفتاب
یہ گریباں اور ہے تیرا گریباں اور ہے

ہوں وہ عریاں کہ کبھی چھو نہ گیا مجھ کو لباس
ہوں وہ کانٹا کہ نہ اُلجھا کبھی داماں مجھ سے
بے خودی میں شب غم اپنے گریباں کے عوض
پھٹ گیا صبح قیامت کا گریباں مجھ سے

خانہ ویراں مجھے کہتا ہے ہر اک اے "ناسخ"
اب تو آبــاد هــوا خــانۂ زنداں مجھ سے

بجز رنگیں مزاجی زندہ دل ہونا نہیں ممکن
کہ رنگ زندگانی ہے بدن میں جب تلک خوں ہے
نہ ہو ادنیٰ کو تا حسرت کبھی اعلیٰ کے رتبے سے
زمیں آرام سے ہے رات دن گردش میں گردوں ہے

توسن عمر رواں ایسا هی گر چالاک ہے
گردساں برباد اک دن میری مشت خاک ہے
ساکن دل تو هوا آنکھوں کو ترساتا ہے کیوں
جس قدر دل صاف ہے ویسی نگہ بھی پاک ہے
جلد پاتے ہیں رهائی قیدئی زندان عشق
یار میں میرے بڑی خوبی ہے جو سفاک ہے

گلشن عالم میں کیا دست جنوں چالاک ہے
جیب گل سے تا گریبان سحر صد چاک ہے
جلتے ہیں سودائی مري گرمئی بازار سے
شعلۂ آتش ہوں میں عالم خس و خا شاک ہے

فاش اخفا میں هوا جاتا ہے اپنا راز عشق
زخم سے بدتر ہے هنستا دل اگر غم ناک ہے
بھاگتے ہیں پانؤں میں چبھ چبھ کے یاں سے خار بھی
کیا مرا صحرا معاذاللہ وحشت ناک ہے
پیرهن کی نوجوانی میں اُڑیں تھیں دھجیاں
جسم گل میں یہ مری اُتری هوئی پوشاک ہے

عشق اُس کی جامہ زیبي کا ہے کچھ، سودا نہیں
مثلِ گل یاں جیب بے دستِ جنوں صد چاک ہے
ہے یہی حسرت کہ پہونچوں اُڑکے کوئے یار میں
بعد مردن خاک میں بھی مجھ کو راحت خاک ہے

بس مرے دل میں جگہ تیری ہے خالی اے صنم
سینہ ہے آتش کدہ نالہ مرا ناقوس ہے
فرش سے تا عرش روشن ہے مرا حال تباہ
شمع ہوں میں سوز غم سے آسماں فانوس ہے
چھوڑ دے میرا گریباں تا نہ رسوا ہو کوئی
دشت وحشت یہ کسی کا پردۂ ناموس ہے
اے صبا لے جا وہاں نالہ مري زنجیر کا
دل مرا منت کے طوقوں میں جہاں محبوس ہے
وصل کا وعدہ کریں گے صبح ، صاحب ! تو وفا
پر شب فرقت میں بندہ زیست سے مایوس ہے

کسي نے تیر دزدیدہ نگہ سے دل کو مارا ہے
لہو روتے ہیں آنکھیں راز پنہاں آشکارا ہے
بسر کی عمر مثلِ شمع ماتم بزم ماتم میں
چراغ گور شاید اپنے طالع کا ستارا ہے
گلوں کا اور میرا فصل گل میں ایک عالم ہے
چبھے ہیں خار پانوں میں گریباں پارا پارا ہے
خدا کا اب کوئي طالب نہیں ساري خدائی میں
بتو! ہر کوئی بندے کی طرح بندہ تمہارا ہے
دلا! اب پنجۂ مژگاں میں دے تسبیح اشکوں سے
ارادہ کوئے جاناں کا ہے! منظور استخارا ہے

عاشق کو رنج ہو تو ہو معشوق کو بھي رنج
یوسف گرا کنوئیں میں زلیخا کی چاہ سے

یہ خود نمائیاں ہیں کہ معجز نمائیاں
روشن ہے چشم کور تیری گرد راہ سے

منھ ہے زرد، اشک ہیں سرخ، اور ہے دم ہونٹوں پر
حالت دل ہے عیاں اُس کو بیاں کیا کیجئے
ہوسکے یاد الٰہی نہ اگر اے زاہد
شغل پھر اور بجز یاد بتاں کیا کیجئے
ناصحا! چاک کے کرنے میں مجھے رکھ مقدور
وہ ہے ماہ اور گریباں ہے کتاں کیا کیجئے

ابر ہے گلستاں ہے، مطرب غزل خواں ہے
مست بادۂ جاناں ہے لطف زندگانی ہے
مینھ نہ ٹوٹ پڑتا گر تو وہ آتے میرے گھر
مینھ یہ نہیں مجھ پر یہ قہر آسمانی ہے

کیا سیاہی اور سرخی لالہ وار آنکھوں میں ہے
چشم بد دور آج اے ساقی بہار آنکھوں میں ہے
کرکے وعدہ شب کے آنے کا نہیں آیا وہ یار
بے قراري دل میں ہے اور انتظار آنکھوں میں ہے
ظاہرا انکار ہے باطن میں ہوں لبریز عشق
دل ہے مخمور مے گلگوں خمار آنکھوں میں ہے

طور پر موسیٰ نے جس کا نام رکھا صاعقہ
ایک چنگاري ہے تیری اتش رخسار کي
شوق مے نے کردیا اس درجہ مجھ کو بے حواس
محتسب سے راہ پوچھی خانۂ خمار کی
بے سبب توڑا نہیں خم محتسب نے ساقیا
روح شائد تشنۂ مے تھی کسی مے خوار کی

کھٹکے ہو ہم خواب میں آتے جو تو سوتا کبھی
خوب کی برباد محنت دیدۂ بیدار کی

مگر لیلیٰ کو مجنوں کردیا تیری محبت نے
کہ آواز جرس ملتی ہے آواز سلاسل سے
کسی دن پانوں اپنے دھوئے تھے اُس نے لب دریا
حباب آ آکے اب تک سر پٹک جاتے ہیں ساحل سے

در خمار اگر ہے بند، مے خوارو ادھر آؤ
بھرے ہیں جام آنکھوں کے شراب شیشۂ دل سے
فلک پر چاند کو مجنوں نے جب دیکھا تو یہ سمجھا
کہ لیلیٰ جھانکتی ہے منھ نکالے اپنے محمل سے

قفس میں کیوں پڑی دم توڑتی ہے آج اے بلبل
چمن میں کیا کسي نے کوئی ڈالی توڑ ڈالی ہے

سب زخم مرے جلتے ہیں شعلے کی طرح سے
بجلی کی طرح ہے تری تلوار میں گرمی

لکھ لکھ کے حال اُس کے محل پر گرائیے
قاصد نہیں دلا کوئی بہتر پتنگ سے
توڑے جو پانوں تو بھی جہاں میں پھرے حریص
بیٹھا گیا نہ کونے میں تیمور لنگ سے
ہر امر میں خیال ہے مجھ کو مآل کا
ایذا ہے صلح یار سے، راحت ہے جنگ سے
ہوتی ہیں اور عشق میں رسوائیاں مری
ثابت ہوا ہے مجھ کو اجل کے درنگ سے

وہ پانی پانی ہوا شرم سے جو محفل میں
بہا کے اشک ہوا کیا ہی انفعال مجھے
رہے گا تا بہ قیامت مرا غبار اسیر
شمیم زلف ہے بعد از فنا بھی جال مجھے
چلی جو روح مرے جسم سے شب فرقت
تو یاد آگئی اس جان جاں کی چال مجھے
بہشت مے کدہ ہے حور ہے مرا ساقی
شراب کیوں نہ ہو اے محتسب حلال مجھے
شراب پی کے ہوا یہ میں ناتواں بےخود
کہ "ناسخ" آپ میں آنا ہوا محال مجھے

صباح عید ہوئی ساقیا شراب چلے   نہ پیشتر کہیں ساغر سے آفتاب چلے
بہ رنگ سایہ روانہ ہوا میں جانب شرق   جو سوئے غرب وہ مانند آفتاب چلے

ہاتھ میں گر نہ سر زلف گرہ گیر رہے
پاؤں میں تو ترے دروازے کی زنجیر رہے
اے جنوں ہے یہ ہوس پاؤں میں زنجیر رہے
ہاتھ میں سلسلۂ زلف گرہ گیر رہے
وہی عاشق ہے جو عالم کو مرقع سمجھے
ہر طرف پیش نظر یار کی تصویر رہے

کہتا ہے ناز سے مجھے یوسف نہ جانئے   تعبیر پوچھتا ہوں اگر خواب وصل کی
کہنا پیامبر کہ یہاں تو ہے آج کل   حالت وہاں تباہ ہے بےتاب وصل کی
بیداریاں جو ہیں شب فرقت میں دوستو!   تعزیر مل رہی ہے مجھے خواب وصل کی

موت بندے کی جو صاحب آپ کو منظور ہے
آج بھی کوئی نہ آنے کا بہانہ کیجئے
آب و گل میں اڑ گیا ہے توسن عمر رواں
توڑ کر تار نفس کو تازیانہ کیجئے

کوئے جاناں گر نہیں تو کنج زنداں ہی سہی
کوئی اے جوش جنوں پیدا ٹھکانا کیجئے

جیب میں چاک در یار نظر آتا ہے
سینے میں روزن دیوار نظر آتا ہے
دشت غربت میں نگہ اپنی جدھر جاتی ہے
وہی کوچہ وہی بازار نظر آتا ہے
کفر اے زاہد بے دیں تو چھپاتا ہے کیا
سبحہ میں رشتۂ زنار نظر آتا ہے
چلنے سے عمر رواں اپنی ٹھہر جاتی ہے
جب ترا جلوۂ رفتار نظر آتا ہے
جانتا ہوں انہیں آنکھوں کو یہ دیکھ آیا ہے
مست جس دم کوئی مے خوار نظر آتا ہے

کیوں نہ خاموشی خوش آوے بلبل تصویر کی
لطف کیا میری طرح گر آہ بے تاثیر کی
جوئے خوں جاری کرے خواہش ہے یہ تقدیر کی
کوہ کن کیوں تونے جوئے شیر کی تدبیر کی
خواب اس غفلت کدے میں جو اب آتے ہیں نظر
فکر کرنی ہے لحد میں ایک دن تعبیر کی
خاک راہ یار جیتے جی ملے ممکن نہیں
خاک میں مجھ کو ملا دے گی ہوس اکسیر کی
دانت تیرے دیکھتے ہی ہوگیا "ناسخ" شہید
ہائے کیا ان موتیوں میں آب ہے شمشیر کی

گردن گل چیں پہ ہے بلبل کا خوں
پوچھ پر پھولوں کا گر پشتارہ ہے

شیخ جی فرماتے ہیں اور ہیں بھی کچھ بے تاب سے
نکلوں کیوں کر واعظا بزم شراب ناب سے
آگ سے اُڑ جائے وہ چین اس کو سوز عشق سے
کیا بھلا سیماب کو نسبت دل بیتاب سے
اشک حسرت ، داغ فرقت ، نالۂ گرم ، آہ سرد
لے چلے اسباب ہم یہ عالم اسباب سے

تیرے جور و ستم اے عہد شکن بھول گئے
رنج غربت سے یہ پائے کہ وطن بھول گئے

جان کیا مفت گئی صید گہہ عالم میں
نیم‌جاں کرکے مجھے صید فگن بھول گئے

اس قدر مشق رہی نالہ فغانی کی ہمیں
یاد محبوب میں ہم طرز سخن بھول گئے

دم خفا زیر زمیں ہے مدد اے جوش جنوں
آشنا ، چاکِ گریباں کفن بھول گئے

جاں بلب سن کر مجھے آیا سیہ خانے میں یار
اور کوئی دم چراغ زیست روشن چاہئے

میں تو عریاں ، دست وحشت کو گریباں کی طلب
ہے زبان خار صحرا پر کہ دامن چاہئے

کوچۂ قاتل کو بھاگوں صحبت احباب سے
دوستوں کو کیا کروں میں ، مجھ کو دشمن چاہئے

موئے کمر نظر ہی نہ آئے کو کیا کروں
تعریف ورنہ کی ہے ترے بال بال کی

معنی یہ ہیں کہ باغ میں ہم مے‌کشی کریں
جنت میں جو شراب خدا نے حلال کی

مدت سے آرزو ہے دکھائے کبھی جمال
او بت تجھے قسم ہے خدا کے جلال کی

چھوڑ کر ہم کو جو اپنے گھر کے وہ اندر چلے
یہ ہوئی حالت کہ بس ہم آپ سے باہر چلے

ساغر امید ، خالی رہ گیا تو رہ گیا
ساقیا ہم اپنا جام زندگانی بھر چلے

ہم صفیرو ! دیکھنا قسمت ، چلی الٹی ہوا
اُڑ کے گلشن کو جو بعد از ذبح اپنے پر چلے

ضعف اگر جانے نہ دے ہم کو تو رویں اس قدر
مثل کشتی کوئے جاناں کو ہمارا گو چلے

بے حیائی سے ہے دنیا میں حصول مقصد
نظر آیا نہ کبھی کاسۂ سائل خالی

یاد آیا مجھے کیا مصرعۂ گرم اے "ناسخ"
نفس سرد بھروں تو بھی نہ ہو دل خالی

تھوڑی ہو خاک در یار بھی تا دور ہو درد
نہ لگائے مرے سر پر کوئی صندل خالی

ہوں گا میں ایک جست میں مثل شرر تمام
پیری میں وحشتوں کی دلا کیوں اُمنگ ہے

سر پھوڑنے چلا ہوں میں کعبے کو زاہدو! جوش جنوں میں کیا ہے تمنائے سنگ ہے
اے برہمن جو سجدہ کروں میں تو عیب کیا اُس بت کے آستانے میں کعبے کا سنگ ہے

پاس کعبے کے پہونچ کر بھول جاتا ہوں میں راہ
جب کشش کرتی ہے اُلفت اُس بت گمراہ کی
اے مصور مو قلم کے بدلے ہو خط شعاع
صفحۂ خورشید پر تصویر کھینچ اُس ماہ کی

مسکن شاہد شرابی ہے کعبۂ دل کی اب خرابی ہے
کیا نظر میں سما گیا وہ گل پردۂ چشم بھی گلابی ہے
کہے بےعلم کون "ناسخ" کو یاد وہ چہرۂ کتابی ہے

یاں سے آسی کوس وہ محبوب ہے وصل کا اب کون سا اسلوب ہے
جب نہ تب کہتے ہو صاحب صبر کر بندہ عاشق ہے کہ یہ ایوب ہے
ہے گواہ اللہ اور اُس کا رسول قاصد محبوب بھی محبوب ہے
کھنچ چلا آخر کو جذب حسن سے سچ مچ اے "ناسخ" تو اب مجذوب ہے

موت کی بھی راہ میں کیا پھیر ہے مثل قاصد آنے میں کیا دیر ہے
دیر قاصد کو لگی جو راہ میں تیری قسمت کا دلا یہ پھیر ہے
اس قدر کھایا تری فرقت میں غم دل ہمارا زندگی سے سیر ہے

مثل جنت دور میرا باغ ہے رشک دوزخ سینۂ پر داغ ہے

عشق جب کامل ہوا، ہے عین حسن آگ میں پڑ جائے جوشے آگ ہے
جانتے ہیں جس کو سب تار نفس توسن عمر رواں کی باگ ہے

نامۂ بر ہے نامۂ احباب ہے ہائے بیداری ہے یا یہ خواب ہے
تین تر بینی تو دو آنکھیں مری اب الہ آباد بھی پنجاب ہے

قاصدا پرزے اُٹھا لے جیب کے یہ جواب نامۂ احباب ہے

یاں ہنسی ہے اب یہ دل میں درد ہے راز رکھتا ہے نہاں جو مرد ہے
ہے ہوا ' سر گشتہ ہے میرا غبار سامنے اس کے بگولا گرد ہے
قاصد محبوب کی آمد نہیں اس لئے ہر شعر میں آ ورد ہے

کھوئے جب آپ کو ' ملے محبوب گم ہوئے بت یہ بات پائی ہے
دیکھنا اے سحاب دیدۂ تر کیا بگولوں نے خاک اُڑائي ہے
لے چلی ہے وطن سے وحشت دور بار ہے نزدیک موت آئی ہے
وصل ہوگا شراب پی لوں گا ہجر ہی میں یہ پار سائی ہے
موت آئی نہیں یہ پیری میں صبحدم مجھ کو نیند آئی ہے

مثل انجم ' روزن دیوار میں اس پری کی انجمن نزدیک ہے
خود بخود خم میں جو ہے جوش شراب ساقئي پیماں شکن نزدیک ہے
بام ہی اُس ماہ رو کا کیاہی دور اُس سے تو چرخ کہن نزدیک ہے

کس کو فرقت میں خواہش مل ہے پانی پینے میں یاں تامل ہے
تیرے عاشق ہوئے ہیں سب معشوق تھا جو گل آگے اب وہ بلبل ہے
نہیں تلوار آپ کی خمدار قلزم عشق کا یہی پل ہے
شب فرقت میں شمع کا کیا ذکر زندگی کا چراغ بھی گل ہے
خود ہے فصل بہار ہوش ربا بندہ بدمست ساغر گل ہے

دور سے دیکھی جھلک جو عارض پر نور کی
بام جاناں پر نظر آئی تجلی طور کی
جان بچنے کی ہمیں صورت نظر آتی نہیں
لے چلی فردوس کو فرقت مجھے اک حور کی
جسم کو چھوڑا نہیں میں نے وطن آیا قریب
روح نے اپنے بدن سے گرد غربت دور کی

هر سخن کے ساتھ لب پر نالۂ جاں کاہ ہے
تیری فرقت میں سخن تکیہ ہمارا آہ ہے

آگئے ہیں کس قدر ہم بھی فریب عشق میں
بت کو اک مدت تلک سمجھا کئے اللہ ہے

ناصحا چاک جگر سلوانے کی فرصت کہاں
رشتۂ اپنی زندگانی کا بہت کوتاہ ہے

کیا تنزل میں ترقی ہوگئی ناسخ مجھے
گر نہیں دربار تو اللہ کی درگاہ ہے

سجدے کرتا ہوں بت نا آشنا کے سامنے
آشنا کا کیا گلہ نا آشنا کے سامنے

دیکھ کر قبروں کو ، اے دل! کوچ اپنا یاد کر
سب یہ گویا میل ہیں راہ فنا کے سامنے

خط ہوا خواہوں کے لیتا جا ملیں گے راہ میں
کہتے ہیں رو رو کے ہم پیک صبا کے سامنے

ہمت عالی تو دی یارب مگر زر چاہئے
آسماں مجھ کو بنایا ہے تو اختر چاہئے

آنکھ کیا کھولوں کہ ہے محو تصور دل مرا
گھر میں وہ محبوب آیا بند اب در چاہئے

تھوڑے کانٹے چن کے رکھ دو ہم بیاباں مرگ ہیں
کیا ہماری قبر پر پھولوں کی چادر چاہئے

اپنے دل میں دونوں رکھتے ہیں برابر مجھ کو یاد
ہو سکے تو دوست دشمن کو برابر چاہئے

نامہ آیا بھی تو بالفرض پڑھے گا اب کون
ہائے اب منتظری دیدۂ بیدار چلے

سر زاہد میں نہایت ہے ہوائے رفعت
کیا عجب سوئے فلک اُڑ کے جو دستار چلے

''ناسخ'' جو اُس صنم کو ہے دعویٰ خدائی
اُس کے پیام بر کو لاف پیمبری ہے

کب قابل علاج محبت کا داغ ہے — دل خانہ خدا ہے یہ اُس میں چراغ ہے
''ناسخ'' جو آج گوش بر آواز زاغ ہے — ہے مرغ نامہ بر کا اُسے شاید انتظار

وہ مجنوں ہوں کہ ہر عالم میں لیلیٰ میری شامل ہے
دل نالاں جرس ہے' سینۂ بے کینہ محمل ہے
مرے محبوب سے آغوش بھی کوئی نہیں خالی
وہ بحر حسن ایسا ہے کہ عالم اُس کا ساحل ہے
ہماری زندگانی ہے فقط شوق شہادت سے
دم اپنے جسم میں گویا دم شمشیر قاتل ہے
نقاب ایسی چمکتی ہے فروغ روئے جاناں سے
سمجھتا ہوں کہ مجھ میں اس میں اک خورشید حائل ہے

پیس ڈالا تونے سارے باغ کو اے رشک گل
کیا حنا کو ہے فقط حسرت ترے پابوس کی

جس کی مسجد پر نہ پڑتی تھی نگاہ — وہ در بت خانہ پر افتادہ ہے

اے بتو! ہم پر خدا کا قہر ہے — سچ تو ہے تم کس طرح ہو مہرباں
سانپ کے کاٹے کی ''ناسخ'' لہر ہے — فرقت ساقی میں یہ موج شراب

معتکف رہتا ہوں کعبے میں تو کیا — دل تو اے ''ناسخ'' مقیم دیر ہے

ہجر کی شب کا جو ہے ایسا ہی طول — صبح ہوتے ہوتے اپنی بھور ہے

دیر کس کا کعبۂ مقصود ہے — بت اگر گم ہے خدا موجود ہے
بت بھی سجدے کرتے ہیں جس کے حضور — وہ مرا نام خدا معبود ہے

سودہ الماس کھا کر مر رہوں — زندگانی ہجر میں بے سود ہے
ہے مرا مقصود حاصل ہر جگہہ — ہر مقام اب منزل مقصود ہے

ہیں پھٹے کپڑے ترے تو عیب کیا — تو ہماری جان کا پیوند ہے
وہ نہیں آتا تو کوئی بھی نہ آئے — رات دن دروازہ اپنا بند ہے

شب فرقت میں اندھیر کا اندھیرا ہی رہا
شمع روشن ہو تو شعلہ وہیں اخگر ہو جائے

ٹھوکریں کھاتا پھروں گا لڑکھڑانے کے عوض
گردش ساغر کہاں اب گردش ایام ہے
بےخودی میں آنکھ پڑ جاتی ہے جب خورشید پر
آسماں کو جانتا ہوں اُس پری کا بام ہے

تو نظر آتا نہیں لیکن منور بام ہے — جلوہ تیرا بھی بہ رنگ آفتاب شام ہے
رنج فرقت کوا جل نے آج آدھا کر دیا — روح ہے بے تاب لیکن جسم کو آرام ہے

دل کی صورت سے گریباں پارہ پارہ کیجئے — راز پنہاں جی میں ہے وہ آشکارا کیجئے
پیری آئی آ لگے ہیں ہم کنارے گور کے — اب تو فرق ہم کناری سے کنارا کیجئے
شاعری سے فائدہ ! پڑھئے کوئی ایسا عمل — جس سے گھر میں تخت پریوں کے اتارا کیجئے

شب فراق گئی روز وصل آ پہونچا — طلوع صبح سے عالم تمام روشن ہے

مصحف عارض نہ دیکھا وقت پیری آ گیا
ہائے کیا تاثیر میں مری دعا نے دیر کی
عہد قرباں ہے گلا کاٹوں میں اب اپنا شتاب
کیوں گلے لگ جانے میں اُس دل ربا نے دیر کی

پھونچے وہ کوسوں یہاں اُٹھ نہیں پائے قلم آگے تقدیر کے ممکن نہیں تدبیر چلے
کس طرح اُس کو روانہ کروں "ناسخ" مکتوب جائے قاصد مرے آنسو دم تحریر چلے

بام جانان پر رسائی آج ہے وصل کی شب بھی شب معراج ہے
کوئی دیوانہ بھی بےحاجت نہیں خانۂ زنجیر کا محتاج ہے

دور ہے وہ لالہ رو اے دل تو کیا داغ حسرت تو ہمارے پاس ہے
ہوں ملک اے حور ترے عشق میں بھوک لگتی ہے نہ مجھ کو پیاس ہے

یار آتا ہے پر اُٹھ سکتا نہیں بستر سے میں ناتوانی نے رکھا محروم استقبال سے

اب تو نالو! کوئے جاناں میں اثر کا وقت ہے
جل رہے ہیں دھوپ میں اب دوپہر کا وقت ہے
وصل کی شب روز ہو جاتی ہے غائب بیچ سے
وقت شام اے آسماں گویا سحر کا وقت ہے
ہم سفر ہوتا نہیں محبوب بس کھولوں کمر
یہ سفر کیا اب تو دنیا سے سفر کا وقت ہے

آ گئی موت شب ہجر میں ہیہات مجھے
اب کہاں یار سے اُمید ملاقات مجھے
پھروں ہی' بات مرے منھ سے نکلتی ہے نہیں
یاد آ جاتی ہے تیری جو کوئی بات مجھے
کسی نعمت سے میں واقف نہیں جز بادۂ تلخ
زاہدا! اب تو سمجھ تارک لذات مجھے

پڑھ کے خط اُس بےوفا نے جو نہ کہنا تھا کہا
آنکھ کر سکتا نہیں میں نامہ بر کے سامنے
پہلی منزل گور ہے اور اس میں منزل ہے نہیں
کیا ہے دنیا سے سفر میرے سفر کے سامنے

ایک نیزے سے بھی نیچا ہو تو "ناسخ" غم نہیں
آفتاب حشر کیسا ہے داغ سر کے سامنے

جنوں پسند مجھے چھاؤں ہے ببولوں کی
عجب بہار ہے ان زرد زرد پھولوں کی
اگرچہ آئی ہے برسات پھول پھولے ہیں
ہوئی شگفتہ طبیعت نہ ہم ملولوں کی

باغ ہستی میں ہمیں بس نخل ماتم چاہئے
دے خوشی اوروں کو اے گردوں ہمیں غم چاہئے
ایک دم فرصت نہیں مجھ کو خدا کی یاد سے
کہتے ہیں زاہد خدا کی یاد ہر دم چاہئے
زندگی کی ایک مدت سے ہے بیماری مجھے
اے طبیبو! کچھ مری تبرید میں سم چاہئے
دے جسے رفعت خدا اُس کو تواضع ہے ضرور
ہو اگر محراب مسجد بھی اُسے خم چاہئے

ہے چشم انتظار میں جائے نگاہ جان
آخر کرے گی یہ ہمیں تا خبر یار کی
مارا ہے بے اجل ہمیں صورت دکھائیے
تقدیر سے زیادہ ہے تدبیر یار کی
کعبے سے کم نہیں ہے ہمارا حریم دل
اس میں بھی ہے کھدی ہوئی تصویر یار کی

اگر دہلیز چھونے کی تجھے تعزیر دینی ہے
ہمارا ہاتھ بندھوا اپنے دروازے کے بازو سے
شہادت گو نہ پائی نیم جاں تو کر دیا مجھ کو
اُمید اتنی نہ تھی او نازک بدن تیرے بازو سے

نکل چلا ہوں کہ اُس کی کہیں خبر مل جائے
خدا کرے مجھے رستے میں نامہ بر مل جائے
دل اپنا ہو ابھی دریا جو وہ گہر مل جائے
دماغ پہونچے فلک پر جو وہ قمر مل جائے

شب فراق میں ہو چاک پیرہن ایسا
که تیرے چاک گریباں سے اے سحر مل جائے

نا اُمیدی میں ہم تو مرتے ہیں جئے جس کو اُمید واری ہے
کیا ہی چاک قباہیں خوش اسلوب میری وحشت کی دستکاری ہے
جام سے چشم یار یاد آئی ہم کو مستی میں ہوشیاری ہے

پر ہیں شیشے تو جام خالی ہے گردش آسماں نرالی ہے
جانتا ہوں ترے نہ آنے سے میری جان آج جانے والی ہے

میں اکیلا اپنے غم کی شرح کر سکتا نہیں
کوئی مثل مرثیہ خواں چاہئے بازو مجھے
گو کبھی دیکھا نہیں میں نے تجھے اے گل مگر
ہر طرف سے آئی اس گلشن میں تیری بو مجھے

سیل غم آنکھوں سے جاری ہجر میں دن رات ہے
تیس دن بارہ مہینے اپنے گھر برسات ہے
رات کا اے ماہ تاباں پوچھتا ہے حال کیا
جانتے ہیں دن کو تیرے ہجر میں ہم رات ہے
تنگنائے دہر میں پوشیدہ ہے وہ آفتاب
روزن دیوار بھی بس جلوۂ ذرات ہے
" ناسخ " اس بت کی جدائی میں کہاں ذکر خدا
رات دن ورد زباں افسوس ہی ہیہات ہے

یار ہے کاشانۂ دل میں مقیم چاک سینے کا جو ہے دروازہ ہے

موت ہے نزدیک مجھ سے کوئے قاتل دور ہے
پاس آ پہونچا ہے رہ زن اور منزل دور ہے

اے بتو! تم کو دل سخت اگر دیتا ہے — آہ عاشق کو بھی اللہ اثر دیتا ہے
آسمان نشۂ رفعت سے نہ بہکا مجھ کو — ساغر مے کی عوض دیدۂ تر دیتا ہے

دل اک بت پہ شیدا ہوا چاہتا ہے — خدا جانے اب کیا ہوا چاہتا ہے
میں بے دم پڑا تھا جلایا ہے مجھ کو — یہ قاصد مسیحا ہوا چاہتا ہے

پھر گیا ہے اُدھر اُلٹا کوئی آتے آتے — سانس اُلٹی دل بےتاب ادھر لیتا ہے
ہائے جب قبر میں لاشہ بھی اُتر لیتا ہے — تب وہ بیمار محبت کی خبر لیتا ہے

نہ کرسکا میں کوئی کام حسب خواہش دل — سوائے صبر نہیں خاک اختیار مجھے
جنوں رہا گل داغ جنوں شگفتہ رہے — تمام عمر رہا موسم بہار مجھے

دونوں زلفوں میں یوں ہے چہرۂ یار — بیچ میں چاند اِدھر اُدھر بدلی
کب مرے داغ پر یہ پھاھا ہے — آ گئی آفتاب پر بدلی

کس طرح پاؤں خبر میں کوئے جاناں دور ہے
نکہت گل آ نہیں سکتی گلستاں دور ہے
ناتوانی سے پہونچ سکتا نہیں ہاتھ اے جنوں
دامن صحرا سے بھی اپنا گریباں دور ہے
پھرتے ہیں حاجی ہزاروں ایک صاحب دل نہیں
وادئی کعبہ یہ ہے دل کا بیاباں دور ہے
آپ کو مردہ نہ سمجھوں کیوں فراق یار میں
دور وہ مجھ سے نہیں ہے جسم سے جاں دور ہے

غل مچایا ہے جنوں کیا مری زنجیر نے آج
پھٹ گئے پردے گریباں کی طرح کانوں کے

غم دیا ، رنج دیا ، درد دیا ، داغ دیا
ہو سکیں مجھ سے عوض کیا ترے احسانوں کے

———

دیکھو اعجاز پیر بادہ فروش ایک جا جمع آب و آتش ہے

———

دل کے جانے کا نہ ہو کیوں غم مجھے وہ مرے آغوش کا پروردہ ہے
وحشیوں کے لوٹنے کے واسطے فرش سبزہ دشت میں گستردہ ہے

———

ہجر میں میرا بدن کا ہیدہ ہے سوز غم سے موے آتش دیدہ ہے
داغ ہے اپنا جسے کہتے ہیں گل بلبل نالاں دل شوریدہ ہے
مر گیا پر ایسی غفلت ہے مجھے قبر پر بھی سبزۂ خوابیدہ ہے

———

آفتاب اُس مہ جبیں کے سامنے اپنی نظروں میں چراغ روز ہے
چاہئے تاریک ہی فرقت کی رات جو فتیلہ سوز ہے جاں سوز ہے

———

کون اے بت ہے تو خدا جانے کفر کیا شے ہے کوئی کیا جانے
ایک ہی ہیں خداؤ بت زاہد وہی مشرک ہے جو جدا جانے

———

رودے اگر نہ غیر تو ہنس دے نہ سن کے غیر اتنی ہماری آہ کو تاثیر چاہئے

———

زاہد وہ بادہ کش ہوں کہ مانگوں اگر دعا
اُٹھیں ابھی شراب سے بادل بھرے ہوئے

———

تم ہو مری طرف سے مقرر بھرے ہوئے
خالی مجھے ، رقیب کو ساغر بھرے ہوئے

———

دل ہو پر خوں نہ مگر شیشہ ہو دم بھر خالی
اشک آنکھوں میں بھرے پر نہ ہو ساغر خالی

نظر آتا ہی نہیں اس کے سوا کچھ مجھ کو
کیوں نظر آئے نہ بے یار بھرا گھر خالی

دو دو کے داغ گنتے ہیں ہم ہجر یار کے
یہ خطرہ ہائے اشک ہیں دانے شمار کے
باندھوں میں تیغ ابرو خمدار کا خیال
یوں تو نہ کٹ سکیں گے یہ دن انتظار کے
جلتی ہیں آنکھیں جائے فتیلہ ہے ہر پلک
بس ہیں یہی چراغ شب انتظار کے
توڑوں بھلا میں فرقت ساقی میں کیا خمار
سر پھوڑوں آج طاق سے تو بل اُتار کے

کر چکا ہوں صرف سب گنج مضامین بلند
عرش کے دروازے کا اب قفل توڑا چاہئے
پڑھ چکے زاہد نمازیں مِنھ برستا ہی نہیں
دامن تر اب تو ساقی بھی نچوڑا چاہئے
دشت وحشت میں کہاں ہوش و حواس و عقل و دیں
اب جنوں اس قافلے کا ساتھ چھوڑا چاہئے
کر گیا وحشت ' تری وہ بے قراری دیکھ کر
عشق میں '' ناسخ '' بشر کو ضبط تھوڑا چاہئے

داغ لے جاتا ہوں تیرے لالۂ رخسار سے
پھول لے آتے ہیں گلچیں جس طرح گلزار سے
کام کچھ بھی دیدۂ بیدار سے نکلا نہیں
دولت بیدار ملتی ہے دل بیدار سے

جوش رقت کے سبب محروم ہوں دیدار سے
سی دیا آنکھوں کو گویا آنسوؤں کے تار سے
جاگتا ہوں کیا فقط میں انتظار یار میں
گھر بھی ہے بیدار چشم روزن دیوار سے

میری قسمت میں نہ تھا داغ جدائی دیکھنا
روح رخصت ہو گئی پہلے وداع یار سے
لے چلا ہے کوئے جاناں کو غضب سرعت سے شوق
وہ گئی روح رواں پیچھے مری رفتیار سے
کم نہیں اعجاز سے کچھ جذب تیرا اے جنوں
خود بخود چلتے ہیں پتھر دامن کہسار سے

روئے ناصح اپنے منھ پر رکھ کے داماں تو سہی
ابکے یاں پائے نہ اک تار گریباں تو سہی
دیتے ہیں زاہد یہ دھوکے مجھ کو مومن جان کر
بیچ ڈالوں بغچوں کے ہاتھ ایماں تو سہی
جب یہ بت پردے میں چھپ جاتا ہے مجھ کو دیکھ کر
چشم دل سے دیکھ لوں میں تجھ کو عریاں تو سہی
تیرگی دیکھی بہت اب افتاب داغ سے
صبح کردوں تجھ کو اے شام غریباں تو سہی
رہن کرواکر ترا عمامہ دلواؤں شراب
زاہدا تجھ کو کروں مرہون احساں تو سہی

وہ کہہ گئے تھے کہ آئیں گے ہم چراغ جلے
تمام رات چراغوں سے اپنے داغ جلے
فراق یار میں فصل بہار آئی ہے
الٰہی آتش گل سے تمام باغ جلے

کیا کروں قاصد علاج اپنے دل ناکام کا
کام چشم و گوش کو ہے نامہ و پیغام سے

پھر بہار آئی چمن میں زخم دل آے ہوئے
پھر مرے داغ جلوں آتش کے پر کالے ہوئے

دل سے اب وحشت کو رخصت سوئے ہاموں کیجئے
داغ سودا کو چراغ گور مجنوں کیجئے

بلند کر رکھو کسی حکمت سے خم میں میکشو !
جی میں آتا ھے کہ واعظ کو فلاطوں کیجئے

خاکساری بھی نہ چھوڑے دے خدا جس کو عروج
آسماں پر ماہ تاباں ھے زمیں پر چاندنی
بھول کر او چاند کے ٹکڑے ادھر آجا کبھی
میرے ویرانے میں بھی ھو جائے دم بھر چاندنی

حکم شافی سے دوا آب بقا ھو جاوے
جلد اب میرے مسیحا کو شفا ھو جاوے

شہر میں کیا کاٹئے ایام گردش اے جنوں !
گرد بادوں کی طرح صحرا میں چکر کیجئے

مجھ تیرہ بخت کی جو اُڑی خاک بعد مرگ
سب جانتے ھیں دوش ھوا پر گلیم ھے

اجل ھی آئے کہیں جلد یار کے بدلے
ھو اختصار مجھے انتظار کے بدلے

آتی جاتی ھے جابجا بدلی
ساقیا جلد آ ! ھوا بدلی
ھے دھواں میری آتش مے کا
نام لوگوں نے رکھ دیا بدلی
دھوپ میں میکشی کا لطف نہیں
بھیج دے جلد اے خدا بدلی

ھوں گاہ اُدھر گاہ اِدھر آٹھ پہر میں
سائے کی طرح یار کی دیوار نہ چھوٹی

حسن کا اب جائے یا عالم رھے
تیرے در پر زندگی بھر ھم رھے
کیا ھی آنکھیں ھجر میں جلنے لگیں
کوئی دم جو میرے آنسو تھم رھے

اے موذن ! کر دعا جائے اذاں
وصل کي شب اور کوئی دم رهے
خالی رهنا گهر کا هوتا هے برا
گر نهیں شادی تو دل میں غم رهے

وہ اندهے هیں جو کہتے هیں هم هي هم هیں
جو آنکهیں هوں روشن تو پهر توهی تو هے
گرانا نه هرگز نهیں جان دوں گا
مئے ناب ، زاهد ! مري آبرو هے
بهاتا هوں آنسو جو آنکهوں سے پیهم
دلا داغ الفت کی یه شست و شو هے
چهڑک کر مرے زخم پر مشک ، بولا
گل زخم میں واہ کیا رنگ و بو هے

آج اوڑها هے دوپٹا آسمانی یار نے
میرے سر کو بهی بلائے آسمانی چاهئے
گر نهیں باران رحمت اشک حسرت هي سهي
میری کشت آرزو کو ایک پانی چاهئے

فرقت ساقي میں کیا مینا و ساغر توڑئے
خشت هائے خم سے اپنا کاسهٔ سر توڑئے
گرچه زوروں پر چڑهے هیں لیکن اے جوش جنوں
شکل زلف یار هے زنجیر کیونکر توڑئے
اے جنوں ٹهانی هے ابکی شهر سے چلدئے اگر
دشت وحشت میں پهونچ کر پائے رهبر توڑئے
دل کو دل سے راہ هو ایسی محبت کیجئے
اپنے گهر کا اُس کے گهر میں اس طرح در توڑئے
یا علی ''ناسخ'' اندهیری گور میں گهبرا گیا
خلد میں دروازہ مثل باب خیبر توڑئے

پاؤں تو میرا رها هے ناتواني سے جنوں
پڑ گئے حلقے مری آنکهوں میں اب زنجیر کے
کرتے هو اهل زمیں پر ظلم مثلِ آسماں
نوجوانو هو گئے کیا تم مرید اس پیر کے

سر بہ سجدہ کیوں نہ ہو انسان صورت دیکھ کر
ہیں ملائک پوجنے والے تری تصویر کے
اے جلوں سب جیتے جی کے ہیں موئے کا کون ہے
مجھ میں جب تک دم رہا نالے رہے زنجیر کے
نقل کی ہے دفتر تقدیر کے دیوان میں
کاتب تقدیر قائل ہیں مري تحریر کے

ہم کو بھولیں گے نہ دنیا کے تماشے بعد مرگ
یاد بیداری میں آئیں گی یہ باتیں خواب کی
دیدۂ تر سے مژہ پر لخت دل آئے نہیں
آئي ہیں ساحل پہ بہہ کر مچھلیاں تالاب کی
آپ ویراں ہے نہ لاؤ ہجر ساقی میں شراب
خانۂ دل کے لئے حاجت نہیں سیلاب کی

خوب سا دیکھا جو میں نے صفحۂ خورشید کو
صاف ہے تصویر یہ میرے دل بے تاب کي

آج تک مشہور ہے قصہ جو برق طور کا
جا پڑا تھا اک شرر تیري تجلی گاہ سے
داغ فرقت سے جلوں کیونکر نہ مثل آفتاب
کر دیا ہے اے فلک تونے جدا اس ماہ سے

چھپ کے بچتے ہو کہاں مجھ عاشق بے باک سے
جھانک لیتا ہوں میں تم کو اپنے دل کے چاک سے
اشتیاق صبح کب رنج شب فرقت سے ہے
ہوں گریباں چاک ، الفت ہے گریباں چاک سے
اصل میں سب متحد ہیں فرع کا کیا اعتبار
خار گل نکلے ہیں دونوں ایک مشت خاک سے

وہ رند بادہ کش ہوں کہ کیا تو ہے زاہدا!
قاضی نے نذر دی مجھے بوتل شراب کی
دم بھر وطن میں بھی تو نہ لینا کہیں قرار
قاصد تجھے قسم ہے مرے اضطراب کی
مدت ہوئی کہ زیست سے مجھ کو ملا جواب
لیکن ہے آرزو ابھی خط کے جواب کی

بت نے مارا ہے جو مجھ کو، تھی یہ تقدیر خدا
حکم حاکم تھا، شکایت کیا کروں جلاد کی

صبح اب کرتے ہیں ہم کس مشغلے میں دیکھئے
روتے روتے انتظار نامہ بر میں شام کی
بادہ خواروں کی طرح بےخود پڑا رہتا ہوں میں
گردش ساغر ہوئی گردش مرے ایام کی

نہیں ہے بزم میں ساقی تو اب سزا ہے یہی
نمک شراب میں ڈالیں کباب کے بدلے
کمال شوق ملاقات اُس نے لکھا ہے
چلموں میں آپ ہی قاصد جواب کے بدلے
شعاع عارض دل‌دار کا یہ عالم ہے
کہ آفتاب ہے گویا نقاب کے بدلے
شب وصال یہ کوتاہ تھی کہ بس سر شام
طلوع مہر ہوا ماہتاب کے بدلے

گم ہوا میں جیسے تیرا رو نظر آیا مجھے
آئینہ جب میں نے دیکھا تو نظر آیا مجھے
یہ تصور ہے، کیا جس دم گریباں تار تار
ہاتھ میں محبوب کا گیسو نظر آیا مجھے
سب طرف سے دیدۂ باطن کو جب یکسو کیا
جس کی خواہش تھی وہی ہر سو نظر آیا مجھے

محو نظارۂ جاناں نہیں کچھ داغ جنوں
چشم مینا ہے جو حلقہ مری زنجیر میں ہے

گر بری ہے مری قسمت تو بھلی ہو جاوے
دخل کل آپ کو تو دفتر تقدیر میں ہے
لطف مرنے کا یہی ہے کہ ملے باغ بہشت
اور جینے کا مزا نسخۂ اکسیر میں ہے

ساتھ میری آہ کے زنجیر نے آواز کی
راگ سے مل جاتی ہے آواز جیسے ساز کی
تیری زلفوں کی طرح ہونے لگا دونوں کو طول
داستان اپنی شب فرقت میں جو آغاز کی
کھائے لیتی ہے زمیں ہی میری مشت استخواں
کیا شکایت آسمان تفرقہ پرداز کی
اصل صورت کے مٹے جاتے ہیں سب نقش و نگار
کچھ مری تصویر کو حاجت نہیں پرواز کی

ایک مشت خاک کا بھی تجھ سے شرمندہ نہ ہوں
ہو مرا گھر اے فلک! تعمیر میری خاک سے

ضعف سے "ناسخ" مہجور کہاں اٹھتا ہے
کبھی اٹھتا ہے تو آہوں کا دھواں اٹھتا ہے
میری نظروں میں ہوا عرصۂ دنیا تاریک
کیا غبار فرس عمر رواں اٹھتا ہے

روٹھے ہوئے تھے آپ کئی دن سے من گئے
بگڑے ہوئے تمام مرے کام بن گئے
چپ کیوں لگی رہے نہ بھلا مجھ کو رات دن
کیا کیا جہان سے نہ مرے ہم سخن گئے

بڑھ تیغ قضا کے آگے
سر کشوں کی رگ گردن کیا ہے؟

وہ سیہ دل ہوں کہ چلتی ہے جو دن کو بھی ہوا
ہوتی ہے پیدا شب دیجور میری خاک سے

ہے شب مہتاب فرقت میں تقاضائے جنوں
چادر مہتاب کو بھی آج پھاڑا چاہئے

میری تربت پر کبھی تو پانوں رکھ دو ناز سے
جی میں ہے ' پڑھواؤں کلمہ منکر اعجاز سے
جب کوئی مطرب بجاتا ہے میرے اشعار گرم
ساز کے جلتے ہیں پردے شعلۂ آواز سے

ہوچکا آخر سفر جب آپ سے باہر ہوئے
وصل اُس جان جہاں کا پہلی ہی منزل میں ہے

وہ یار ہم پیالہ ' وہ ساقی ' وہ مے کہاں؟ سب اپنی مے‌کشی کے قرینے گذر گئے

پھر نئے سر سے ہوا جوش جنوں ' آئی بہار
پھر مرے پانوں کو زنجیر ہیں درکار نئی
کبھی لیلیٰ ' کبھی شیریں ' کبھی عذرا سلمیٰ
تیری خدمت میں ہے روز ایک پرستار نئی
اپنے آغاز محبت کا خیال آتا ہے
دیکھتا ہوں کوئی بلبل جو گرفتار نئی

آج کوئی عندلیبوں کے سوا نالاں نہیں گلشن عالم میں بس پیراہن گل چاک ہے

کیوں کر ؟ پی جاؤں دیکھ ! اے ضبط جو اشک ہے ' میرے کی کنی ہے
" ناسخ " جو فقیر ہوں ' نہیں غم
میرا اللہ تو غنی ہے

ابر مژگاں ہے جدائی میں گھٹا برسات کی
اپنی ٹھنڈی سانس گویا ہے ہوا برسات کی

اُس ماہ کی فرقت میں جو تارے نکل آئے
تاروں سے سوا اشک ہمارے نکل آئے

ہیں حسیں اور بھی، پر تجھ میں ہے ہر بات نئی
دھج نئی، وضع نئی، بات نئی، گات نئی

ہجر میں بارہ مہینے اپنی اک اوقات ہے
گو، کبھی جاڑا، کبھی گرمی، کبھی برسات ہے

سرکاو زمزمے کوئی پیمانہ چاہئے — کعبے کو کیا کروں؟ مجھے بت خانہ چاہئے
اے عندلیب شوخ! تو رہ آشنائے گل — مجھ کو چمن سے سبزۂ بیگانہ چاہئے

مینھ بھی ہے، ساغر شراب بھی ہے — ابر بھی ہے اور آفتاب بھی ہے

لگ گیا داغ اک غلامی کا — ورنہ یوسف نہیں برا تجھ سے
گلہ اپنا ہے، باوفا کیوں ہوں؟ — شکوہ، اے بےوفا! نہیں تجھ سے

خواب راحت کے تصرف سے نہ اونگیں گے ہم
چاہئے ہیں اُسی کوچے کی ہوا کے جھونکے
ٹھنڈی ٹھنڈی مری سانسیں ہی مجھے کافی ہیں
ہجر میں یہ ہیں عبث سرد ہوا کے جھونکے

ہے شب وصل جو اے ماہ جبیں تھوڑی سی
ہے مرے جسم میں بھی جان حزیں تھوڑی سی

وسعت آباد جہاں تنگ ہوا زیر فلک
چاہئے مجھ کو جگہہ زیر زمیں تھوڑی سی

تیغ ابرو سے ہوا تار نظر دو ٹکڑے — حلقۂ چشم کی ہے بلکہ سپر دو ٹکڑے

مرے رونے سے مشابہ ہے جھڑی ساون کی — اُسی محبوب سے کیا آنکھ لڑی ساون کی؟

رباعیات

سیلاب رواں ہے چشم تر سے ہر دم — سوتے نہیں اک آن شب ہجر میں ہم
کس طرح پلک پلک سے لگ جائے کبھی — ملتے نہیں دریا کے کنارے باہم

ہے خالق صبا سے یہ اُمید مجھے — دے گا نہ غم فرقت جاوید مجھے
مانند سحر کروں گریباں صد چاک — شاید نظر آجائے وہ خورشید مجھے

کیا اوج دو روزہ ہے تو کیا گاتا ہے — پھر سوئے حضیض آسماں لاتا ہے
تنکا جو ہوا سے اُڑ کے ہوتا ہے بلند — آخر وہ زمین پر ضرور آتا ہے

ہر چند ہر اک امیر مومن ہے بڑا — پر حق تو یہ ہے امیر محسن ہے بڑا
احسان کر اعتماد امارت پہ نہیں — ہے رات کبھی بڑی کبھی دن ہے بڑا

آتش

نام خواجہ حیدر علی ، آتش تخلص ، خواجہ علی بخش کے بیٹے ، آبا و اجداد دہلی کے رہنے والے تھے -

آتش ، کے والد خواجہ علی بخش ، دہلی سے فیض آباد آئے اور وہیں سکونت اختیار کی - یہ زمانہ نواب شجاع الدولہ کی حکومت کا تھا -

آتش ، فیض آباد میں پیدا ہوئے ، شباب کے پہلے یتیم ہوگئے ، اس لئے تعلیم کا تکملہ نہ کرسکے - آزاد منش لڑکوں کے ساتھ رہکر آزاد بلکہ لڑاکے ہوگئے - یہ صفت غالباً اس وقت پسندیدہ تھی - نواب محمد تقی نے ان کو ملازم رکھ لیا اور اپنے ہمراہ لکھنؤ لائے - لکھنؤ اس وقت کا لکھنؤ نہ تھا ، جرأت ، انشا اور مصحفی کے ناموں کے ڈنکے بج رہے تھے ، ہر طرف شعر و شاعری کا چرچا اور علم کا مذاق عام تھا -

آتش نے یہ فضا دیکھی تو ان کے دل میں بھی گرمی پیدا ہوگئی ، مصحفی کے سامنے زانوے ادب تہ کیا ، اور شعر کہنے لگے ، کچھ دنوں کی مشق کے بعد استادوں میں شمار ہونے لگا -

علمی استعداد کم تھی لیکن مشق اور استاد کی توجہ نے ان کی شاعری کو چمکا دیا - تاہم یہ کہا جا سکتا ہے کہ آتش کی شاعری کسبی نہیں بلکہ وہبی تھی - استاد ازل نے دل کھول کر ان کو دیا -

اصناف شاعری میں صرف غزل کو جولانگاہ بنایا - اس لئے اس " صنف " میں وہ کمال دکھایا کہ اپنی رنگ کا کسی کو شریک اور سہیم نہ بنایا -

پچاس روپیہ ماہوار جو شاہی عطیہ تھا ان کے لئے سرمایۂ توکل بن گیا -

شاعری کے ساتھ ساتھ بانکپن نے بھی پرورش پائی تھی -

آدمی گورے چٹے تھے ، گیرو رنگ کا تہبند ، سچے کام کا جوتا ، ہاتھ میں ڈنڈا ، اس میں سونے کا چھلا پڑا ہوا -

بھنگ پینے کے عادی تھے اس وضعداری کو عمر بھر بناہا ' غالباً اسی وجہ سے " کفاف " کفایت نہ کرتا تھا - کبھی کبھی فاقے کی نوبت پہونچ جاتی -

آخر میں داڑھی بڑھالی تھی اس پر مہندی کا خضاب لگاتے تھے -

سنہ ۱۲۶۳ھ میں مرگ مفاجات نے زندگی کا خاتمہ کر دیا - فوق نے تاریخ کہی :—

لکھنؤ میں نام آتش کر گئے -

دوست علی خلیل ' عنایت علی بیگ ماہ ' میر وزیر علی صبا ' نواب محمد خاں رند ' مہر ' اور نسیم ان کے تلامذہ ارکان شاعری گذرے ہیں -

شاعری میں ایسی لطافت اور پاکیزگی پیدا کردی کہ اُردو زبان نئی چیز ہوگئی ' طرز ادا میں ایسی خوبی پیدا کی کہ بےساختہ داد نکل جاتی ہے - زبان میں سلاست ' بندش میں چستی ' ترکیب میں موزونی ' اپنی اپنی جگہ پر بوجہ کمال ہیں - ان بندشوں کے ساتھ جذبات اور گداز کی آمد پیدا کرنا آتش کا " کمال " ہے ' جو آتش کے بعد کسی کو حاصل نہ ہوا -

ان کے کلام کا امتیاز ہے کہ پہلے بیک نظر مسحور کر لیتا ہے لیکن جس قدر غور کرتے جائیے خود رفتگی بڑھتی جائےگی -

آتش نے " زبان " کو زر خالص اور شاعری کو آئینہ بنا دیا -

ا

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا
اسیر اے دوست تیرے عاشق معشوق دونوں ہیں
گرفتار آہنی زنجیر کا یہ ، وہ طلائی کا
فراق یار میں مر مر کے آخر زندگانی کی
رہا صدمہ ہمیشہ روح و قالب کی جدائی کا
نظر آتی ہیں ہر سو صورتیں ہی صورتیں مجھ کو
کوئی آئینہ خانہ کارخانہ ہے خدائی کا
وصال یار کا وعدہ ہے فردائے قیامت پر
یقیں مجھ کو نہیں ہے گور تک اپنی رسائی کا
نہیں مٹتی ہے پتھر کی لکیر ، احباب کہتے ہیں
رہے گا پائے بت پر نقش اپنی جبہ سائی کا
دل اپنا آئنہ سے صاف عشق پاک رکھتا ہے
تماشا دیکھتا ہے حسن اُس میں خود نمائی کا
نہیں دیکھا ہے لیکن تجھ کو پہچانا ہے ''آتش'' نے
بجا ہے اے صنم جو تجھ کو دعوی ہے خدائی کا

حسن پری اک جلوۂ مستانہ ہے اس کا ہشیار وہی ہے کہ جو دیوانہ ہے اُس کا
یوسف نہیں جو ہاتھ لگے چند درم سے قیمت جو دوعالم کی ہے بیعانہ اُس کا
شکرانۂ ساقئی ازل کرتا ہے ''آتش'' لبریز مئے شوق سے پیمانہ ہے اُس کا

نشانہ ، تیر تہمت کا ہے ، میرا اختر طالع
اُٹھاؤں داغ میں ، تو آسماں سمجھے درم پایا
جلایا اور مارا حسن کی نیرنگ سازی نے
کبھی برق غضب اس کو ، کبھی ابر کرم پایا

آوارہ ہوں میں گور کی منزل کے شوق میں رہزن سلوک مجھ سے کرے گا دلیل کا
محتاج خضر راہ نہیں تیری راہ میں کرتا ہے کام شوق ہمارا ' دلیل کا
آتش یہی دعا ہے خدائے کریم سے محتاج اے کریم نہ کیجو بخیل کا

روز کرتے ہیں شب ہجر کو بیداری میں
اپنی آنکھوں میں سبک خواب گراں ہے کہ جو تھا
کعبۂ مد نظر قبلہ نما ہے تاحال
کوئے جاناں کی طرف دل نگراں ہے کہ جو تھا
دین و دنیا کا طلبگار ہنوز ''آتش'' ہے
یہ گدا سائل نقد دو جہاں ہے کہ جو تھا

اے جنوں ! دشت عدم کی کوچ کا ساماں کیا
جسم کے جامے کو میں چاک تا داماں کیا
جلد نہلا مجھ کو میرے خوں سے اے شمشیر یار
دامن دل سالہا آلودۂ عصیاں گیا
''آتش'' دلخستہ تیرا یا الٰہی کچھ نہ تھا
قطرۂ ناچیز کو دریائے بے پایاں کیا

غبار راہ ہو کر چشم مردم میں محل پایا
نہال خاکساری کو لگا کر ہمنے پھل پایا
غم فرقت سے عمر رفتہ گزری بے قراری میں
تری امداد سے آرام ہم نے اے اجل پایا
شکستہ دل نہ ہو انساں ' عوض ہر شے کا ملتا ہے
موا فرزند اگر تو داغ دل نعم‌البدل پایا

خموشی اور گویائی مری اک اک سے بہتر ہے
سکوت میں یہ قطرہ ہے گہر ' تو جوش میں دریا

اٹھے بھی لوگ ' بیٹھے بھی ' اُٹھ بھی کھڑے ہوئے
میں جا ہی ڈھونڈھتا ' تری محفل میں رہ گیا

آزادی سے زیادہ اسیری میں لطف ہے
دل مرغ روح کا قفس گل میں رہ گیا
سبقت جو زندگی میں سکندر سے کی تو کیا
اے خضر! پیچھے مرگ کی منزل میں رہ گیا

سن تو سہی! جہاں میں ہے تیرا فسانہ کیا
کہتی ہے تجھ کو خلق خدا غائبانہ کیا
کیا کیا الجھتا ہے تری زلفوں کے تار سے
بخیہ طلب ہے، سینۂ صد چاکِ شانہ کیا
زینہ صبا کا ڈھونڈھتی ہے اپنی مشت خاک
بام بلند یار کا ہے آستانہ کیا
چاروں طرف سے صورت جاناں ہو جلوہ گر
دل صاف ہو ترا تو ہے آئینہ خانہ کیا
طبل و علم ہے پاس نہ اپنے نہ ملک و مال
ہم سے خلاف ہو کے کرے گا زمانہ کیا
صیاد گلعذار، دکھاتا ہے سیر باغ
بلبل قفس میں یاد کرے آشیانہ کیا

بیمار عشق، رنج و محن سے، نکل گیا   بیچارہ منھ چھپا کے کفن سے نکل گیا
مرغان باغ، آتش گل نے جلا دئے   صیاد ہاتھ مل کے چمن سے نکل گیا

جگر کو داغ، میں مانند لالہ کیا کرتا   لبالب اپنے لہو کا پیالہ کیا کرتا
دیا نوشتہ نہ اُس بت کو دل کی سودے میں   خدا کے گھر کا بھلا میں قبالہ کیا کرتا
کسی نے مول نہ پوچھا دل شکستہ کا   کوئی خرید کے ٹوٹا پیالہ کیا کرتا
مہ دو ہفتہ بھی ہوتا تو لطف تھا "آتش"
اکیلے پی کے شراب دو سالہ کیا کرتا

دم نکلتا ہی نہیں اے حسرت دیدار یار
کاش عزرائیل بھی تیری سی صورت مانگتا

رہ گئی عزت خموشی کے سبب سے شکر ہے
زہر دیتا آسماں مجھ کو جو شربت مانگتا

پاؤں زنداں سے نہ نکلا ترے سودائی کا
داغ دل ہی میں رہا لالۂ صحرائی کا
کوہ غم مثل پرکاہ اُٹھا لیتا ہوں
ناتوانی میں بھی عالم ہے توانائی کا
لحد تیرہ میں مجھ پر جو لگا ہونے عذاب
پھر گیا آنکھوں میں عالم شب تنہائی کا
زندگانی نے مجھے مردہ بنا رکھا ہے
ملک الموت سے سائل ہوں مسیحائی کا
وہ تماشا ہے ترا حسن پر آشوب اے ترک
آنکھوں کی راہ سے دم نکلے تماشائی کا
یہی زنجیر کے نالے سے صدا آتی ہے
قید خانے میں برا حال ہے سودائی کا

اے فلک کچھ تو اثر حسن عمل میں ہوتا
شیشہ اک رات تو قاضی کی بغل میں ہوتا
وعدۂ وصل کہاں عاشق بے صبر کہاں
کام محتاج کا ہے لیت و لعل میں ہوتا

خاک میں مل کے بھی میں اُس کو نہ دشمن سمجھا
گردش چرخ کو اک گردش دامن سمجھا
چھوڑتا میرے گریباں کو نہیں دست جنوں
کیا یہ اس کو کسی محبوب کا دامن سمجھا
کیا جگہ کوچۂ محبوب ہے سبحان اللہ
کوئی کعبہ، کوئی جنت، کوئی گلشن، سمجھا

یار کو میں نے مجھے یار نے سونے نہ دیا
رات بھر طالع بیدار نے سونے نہ دیا
شام سے وصل کی شب آنکھ نہ جھپکی تا صبح
شادئی دولت دیدار نے سونے نہ دیا
ایک شب بلبل بےتاب کے جاگے نہ نصیب
پہلوئے گل میں، کبھی خار نے سونے نہ دیا

رات بھر کیں دل بےتاب نے باتیں مجھ سے
رنج و محنت کے گرفتار نے سونے نہ دیا
سچ ہے غم خواری بیمار عذاب جاں ہے
تا دم مرگ دل زار نے سونے نہ دیا

دماغ حضرت یعقوب عاشق، اس کو کہتے ہیں !
ہوئی ہے بوے یوسف یار کی پوشاک سے پیدا
پیام مرگ سے ہوتی ہے غم کیں روح کس خاطر
ملے گا خاک میں وہ ، جو ہوا ہے خاک سے پیدا
قدم سے تیرے دیوانوں کے ، آبادی کا عالم ہے
ہوا ہے شہر اک صحرائے وحشت ناک سے پیدا

کام کرتی رہی وہ چشم فسوں ساز اپنا
لب جاں بخش دکھایا کیئے اعجاز اپنا
پر کترنے سے تو صیاد چھری ہی پھیرے
قصہ کو تاہ کرے حسرت پرواز اپنا
برہمن کھولے ہی گا بتکدہ کا دروازہ
بند رہنے کا نہیں کار خدا ساز اپنا

خانۂ زنجیر سے مثل صدا اُڑ تا ہوں آپ
یاد آتا ہے کف پا میں کھٹکنا خار کا
سعی لا حاصل مداوا اے مریض عشق ہے
تھامنا ممکن نہیں گرتی ہوئی دیوار کا
ہاتھ قاتل کی گریباں تک پہونچ سکتا نہیں
اور فرط شوق ہے یاں زخم دامن دار کا

کچھ نظر آتا نہیں اُس کے تصور کے سوا
حسرت دیدار نے آنکھوں کو اندھا کردیا
آہ و نالہ سے سوا چرچا خموشی کا ہوا
پاس رسوائی نے ہم کو اور رسوا کر دیا

تصور ہر نفس ہے پیش چشم اُس روئے روشن کا
نگہبان برق کو میں نے کہا ہے اپنے خرمن کا
مجھے مقصود دل پردہ دری ہے عیب پوشی میں
گریباں پھاڑ کر کرتا ہوں میں پیوند دامن کا

کیا قتل اُس نے کھنے سے رقیب تیرہ باطن کے
رکھا گردن پہ اپنی دوست نے احسان دشمن کا

ادب تا چند اے دست ہوس قاتل کے دامن کا
سنبھل سکتا نہیں اب دوش سے بوجھ اپنی گردن کا
جو سویا ساتھ بھی قاتل تو خنجر درمیاں رکھ کر
ہمارے اُس کے پردہ رہ گیا دیوار آہن کا
سمجھتے تھے نہ ہم اتنا در انداز اے جنوں تجھ کو
گریباں سے تعلق ہو گیا موقوف دامن کا
ستایا ہے نہایت انقلاب دھر نے ہم کو
رہا کرتا ہے چشم تر کے اوپر گوشہ دامن کا
مجھے بھی گر کسی نے محکمے میں حشر کے پوچھا
تو سن لینا کہ پردہ کھل گیا قاتل کے دامن کا

دست قدرت نے بنایا ہے تجھے اے محبوب
ایسا ڈھالا ہوا سانچے میں بدن ہے کس کا
شادی مرگ سے پھولا میں سمانے کا نہیں
گور کہتے ہیں کسے؟ نام کفن ہے کس کا؟
کیوں نہ بےساختہ، بندے ہوں دل و جاں سے نثار
قدرت اللہ کی، بے ساختہ پن ہے کس کا

روز مولود سے ساتھ اپنے ہوا، غم پیدا
لالہ ساں داغ اُٹھانے کو ہوئے ہم پیدا
میں جو روتا ہوں، مرے زخم جگر ہنستے ہیں
شادی و غم سے کیا ہے مجھے توام پیدا
درد سر میں ہو کسی کی تو مرے دل میں ہو درد
واسطے میرے ہوا ہے غم عالم پیدا

توڑ کر تار نگہ کا سلسلہ جاتا رہا
خاک ڈال آنکھوں میں میری ' قافلہ جاتا رہا
کون سے دن ہاتھ میں آیا مرے دامان یار
کب زمین و آسماں کا فاصلہ جاتا رہا
دوستوں سے اس قدر صدمے ہوے ہیں جان پر
دل سے دشمن کی عداوت کا گلہ جاتا رہا

حشر کو بھی دیکھنے کا اس کے ارماں رہ گیا
دن ہوا پر آفتاب آنکھوں سے پنہاں رہ گیا
پاس اُلفت سے جنوں میں بھی نہ کپڑے پھٹ سکے
طوق بن کر میری گردن میں گریباں رہ گیا
بستیاں ہی بستیاں ہیں ' گنبد افلاک میں
سیکڑوں فرسنگ مجنوں سے بیاباں رہ گیا
کھینچ کر تلوار قاتل نے کیا مجھ کو نہ قتل
شکر ہے گردن تک آتے آتے احساں رہ گیا

کوئی عشق میں مجھ سے افزوں نہ نکلا — کبھی سامنے ہو کے مجنوں نہ نکلا
بڑا شور سنتے تھے پہلو میں دل کا — جو چیرا تو اک قطرۂ خوں نہ نکلا

دولت دنیا سے مستغنی ' طبیعت ہوگئی — خاکساری نے اثر پیدا کیا اکسیر کا
جو کہ لکھا خوب لکھا دسترس ہوتا اگر — چومتا میں ہاتھ اپنے کاتب تقدیر کا
کارواں تک روز درماندوں کو پہونچایا کیا — اے جرس شاہد ہوں تیرے نالے کی تاثیر کا

زندۂ جاوید ہیں قربانیان تیغ عشق
سر کا کٹنا جانتے ہیں پھوٹنا نشتر کا
ہجر کے صدمے سے خوبی عشق کی ظاہر ہوئی
زخم کی ایذا سے جوہر کھل گیا شمشیر کا

کیسی کیسی صورتوں کے ، اپنے دل میں داغ ھیں
اس مرقع میں بھی کیا کیا ھے ورق تصویر کا
چاک ھوتا ھے کہاں میرے گریباں کی طرح
یہ بھی دیوانہ ھے " آتش " چاند سی تصویر کا

نہ کھینچتا تھا زلیخا کو دامن یوسف — اُسی کا پردۂ عصمت دریدہ ھونا تھا
دیا نہ ساتھ جو صبر و قرار نے نہ دیا — روانہ ملک عدم کو جریدہ ھونا تھا
رولاناشام وسحر کس طرح نہ طالع پست — بلند سر سے مرے آب دیدہ ھونا تھا

برھنہ آیا تھا یاں عدم سے ، برھنہ یاں سے چلا عدم کو
نہ بوے کافور میں نے سونگھی ، نہ داغ مجھ کو لگا کفن کا
خراب مٹی نہو کسی کی ، کوئی نہ مرد دو دوستاں ھو
جدا ھوا شاخ سے جو پتا غبار خاطر ھوا چمن کا
جو پختہ صحرا میں قبر دیکھی تو میں نے کندہ کیا یہ اُس پر
عبھر غربت حبیب کا ھو غبار خاطر نہ ھو وطن کا

چیں بر جبیں نہ اے بت چیں رہ غرور سے — تصویر کا ھے عیب جو چہرہ بگڑ گیا
پیچھے ھٹا نہ کوچۂ قاتل سے اپنا پانوں — سر سے تڑپ کے چار قدم آگے دھڑ گیا
اللہ رے شوق اپنے جبین کو خبر نہیں — اُس بت کے آستانے کا پتھر رگڑ گیا
درماں سے اور درد ھمارا ھوا دو چند — مرھم سے داغ ، سینہ میں ناسور پڑ گیا
فرقت کی شب میں زیست نے اپنی وفا نہ کی — قبل سحر چراغ ھمارا نہ بھڑ گیا
" آتش " نہ پوچھ حال تو مجھ درد مند کا
سینے میں داغ ، داغ میں ناسور ، پڑ گیا

کرم کیا جو صنم نے ستم زیاد کیا — شب فراق میں میں نے خدا کو یاد کیا
کریمی میں تری شک ھو جسے وہ کافر ھے — مجھے ملول تو دشمن کو میرے شاد کیا
یہ دل لگانے میں میں نے مزا اُٹھایا ھے — ملا نہ دوست تو دشمن سے اتحاد کیا

گرہ تھی دل میں نہ بس حسرت ہم آغوشی
فشار گور کا، راحت مجھے عذاب ہوا
ہمارا طالع خفتہ کہیں نہ پس جاوے
یہ سر پہ اُس کے ہے بے ڈھب ہجوم خواب ہوا
دعائے وصل صنم مانگ، دل شکستہ نہ ہو
در کریم سے "آتش" کسے جواب ہوا

لاش بھی گلیوں میں کھنچوا! گر کیا ہے قتل، یار!
طول ہی دینا مزا ہے قصۂ کوتاہ کا
شعر کہتا ہوں میں اے "آتش" خدا کی حمد میں
مرے ہر اِک بیت پر، عالم ہے بیت اللہ کا

فرش ہے اے یار خاک دوست و دشمن زیر پا
ہم گریباں پھاڑیں گے آیا جو دامن زیر پا
شاہ راہ ہستیٔ موہوم میں، وہ چال چل
اپنی آنکھوں کو بچھاویں دوست و دشمن زیر پا

اگرچہ پاس محبت سے ترک شیون تھا
بہ رنگ شمع، خموشی میں حال روشن تھا
یقین مرگ جو عشق بتاں میں تھا "آتش"
ہر اک صنم مری آنکھوں میں سنگ مدفن تھا

تن سے بار سر آمادۂ سودا اُترا
شکر ہے خنجر قاتل کا تقاضا اُترا
دھن یار کا رہتا ہے تصور اس میں
شیشۂ دل میں پری بن کے ہے عنقا اُترا
سحر رکھتا ہے طبیعت کو کلام شیریں
من و سلوا ہے یہ اپنے لیے گویا اُترا

کوئی اندھا ہے تجھے ماہ کہے اے خورشید
فرق ہوتا نہیں انساں سے دن رات میں کیا
یار نے وعدۂ فردائے قیامت تو کیا
شک ہے اے نالۂ دل تیری کرامات میں کیا
کوئی بت خانہ کو جاتا ہے کوئی کعبے کو
پھر رہے گبرو مسلماں ہیں تری گھات میں کیا

رونے پر میرے ہوا ' ہنس کے وہ گل شرمندہ
غنچہ ساں سر بہ گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا
ہر زباں پر مری رسوائی کا افسانہ ہے
نسخۂ شوق پریشاں نہ ہوا تھا سو ہوا
قتل کرکے مجھے تلوار کو توڑا اُس نے
خون ناحق سے پشیماں نہ ہوا تھا سو ہوا
آتشی عشق سے ہے داغ سراپا میرا
آدمی سر و چراغاں نہ ہوا تھا سو ہوا

شب ہجراں میں جو دم تھا وہ گویا واپسیں دم تھا
گماں تھا شام سے مجھ پر چراغ صبح گاھی کا
لحد پر یار آتا ہے میرے شرمندہ کرنے کو
نہ منہ دکھلانے کی جا ہے نہ موقع عذر خواہی کا
خدا بھی خوبصورت کو نہایت دوست رکھتا ہے
ارادہ کون سے در پر کروں میں داد خواہی کا
غنیمت جان اے دل جنبش ابروئے قاتل کو
بڑی معراج ہے تلوار سے مرنا سپاہی کا
مسافر کو عدم کے روکنے والا نہیں کوئی
نہ کھینچا خار نے دامن کبھی دنیا سے راہی کا
بتان سنگ دل کی صورت ''آتش'' کاتے کھاتی ہے
ارادہ کنج عزلت میں ہے اب یاد الٰہی کا

کشتہ اے یار ہوں میں تیری جفا کاری کا
نقش ہے دل میں ترے میری ' وفاداری کا
تار اُس زلف معنبر کا نہ توڑ اے شانے !
سلسلہ ہے یہ مرے دل کی گرفتاری کا
آنکھ کیوں کر میں رخ یار سے پھیروں ؛ ناصح !
کچھ مداوا ہی نہیں چشم کی بیماری کا

سیر کرکے دو گھڑی دل اس میں بہلا لیتے ہیں
دل ہمارا ہے مرقع صحبت احباب کا
جان آنکھوں میں ہے ' صورت دیکھنے کی دیر ہے
یار کا آنا ہے یاں ' آنا اجل کے خواب کا

بے طرح مجھ کو رولاتا ہے غم دوریٔ یار
ہو مبارک دہنِ گور کو خنداں ہونا

ایک جا مثل درِ غلطاں کہیں ٹھہرا نہ پانوں — اختر اقبال ہوں میں گردش ایام کا
چشم گریاں سے گناہ عشق ثابت ہو گیا — واقعی کرتا ہے تر دامن چھلکتا جام کا
عرش سے آگے ارادہ میری خاکستر کا ہے — دل ہے پروانہ الٰہی کس چراغ بام کا
مر گیا ہوں جستجوئے کعبۂ مقصود میں — ہے کفن پر میرے ' عالم جامۂ احرام کا

اے صنم ! عاشق سے ملتی ہی نہیں آنکھیں تری
نشہ اللہ اللہ رے ! شراب حسن کے دو جام کا
ہے سیہ مستی میں اپنے عالم دیوانگی
حلقۂ چشم پری ' خط ہے ہمارے جام کا

اے نسیم سحری دھیان کدھر ہے تیرا — تھک گیا ' چار قدم جو مرے شامل دوڑا

کچھ کہے کوئی میں منہ دیکھ کے رہ جاتا ہوں
کم دماغی نے کیا ہے مجھے حیراں کیا کیا

کوئی مردود خلائق نہیں مجھ سا "آتش"
کیا کہوں کہتے ہیں ہندو و مسلماں کیا کیا

اک جا کہیں میں مثل ریگ رواں نہ ٹھہرا
گردش سے دو گھڑی تو اے آسماں؛ نہ ٹھہرا

بجا، یاد الہی میں ہے شب بیدارئی زاہد
یقیناً نیند اُڑ جاتی ہے ہوتا ہے جہاں کھٹکا
در و دیوار کو دیکھا جو دزدیدہ نگاہوں سے
مری آنکھوں سے اُس کو ہے نہایت پاسباں کھٹکا

پاؤں شل ہوگئے تھے ٹھوکریں کھاتے کھاتے
ہم غریبوں کو خدا ہی نے وطن دکھلایا

اپنی زباں کو بلبل اندوہگیں جلا
یا برق نالہ سے قفس آہنیں جلا
اندھیر ہے نہ ہو وے اگر دل میں روشنی
"آتش" چراغ کون سے گھر میں نہیں جلا

خضر سے راہ وطن کیا سمجھ کے پوچھوں میں
مجھے تو خود وہ غریب الوطن نظر آیا
دکھائی آنکھوں نے سیر جہان رنگا رنگ
قفس کی چاکوں سے مجھ کو چمن نظر آیا

سختئی ایام ہے میرے لئے سامان عیش
خشت بالیں کو سمجھتا ہوں میں زانو حور کا
کس کے داغ دل سے محشر میں ملایا جائے گا
روز اک خورشید کو ملتا ہے خلعت نور کا

میرے یوسف سے زمین و آسماں کا فرق ہے خاک کا پتلا ہے یوسف یار سانچا کا

صاف آئینے سے رخسار ہے اس دلبر کا
یہ خدا کا ہے بنایا تو وہ اسکندر کا
چشم مستانہ کی گردش میں تصور ہے اجل
غفلت انجام ہے جب دور چلے ساغر کا
آخر کار کیا ہے اُسے مستی نے خراب
ہوسکا ضبط نہ آدم سے مئے کوثر کا

تونگروں کو مبارک ہو شمع کافوری
قدم سے یار کے روشن غریب خانہ ہوا
بھرا ہے شیشۂ دل کو مئے محبت سے
خدا کا گھر تھا جہاں واں شراب خانہ ہوا
ہوائے تند نہ چھوڑے مرے غبار کا ساتھ
یہ گرد راہ کہاں خاک آستانہ ہوا
نہ پوچھ حال مرا چوب خشک صحرا ہوں
لگا کے آگ مجھے کارواں روانہ ہوا
زبان یار خموشی نے میری کھلوائی
میں قفل بن کے کلید در خزانہ ہوا
خدا دراز کرے عمر چرخ نیلی کو
یہ بیکسوں کے مزاروں کا شامیانہ ہوا
نہیں ہے مثل صدف مجھ‌سا دوسرا کمبخت
نصیب غیر میرے منہ کا آب و دانہ ہوا

روز اول سے دل بےتاب میرے ساتھ ہے
صورت سیماب میں پیدا ہی بے تسکیں ہوا

اے جنوں تجھ سے ' مری آنکھ جھپکنے کی نہیں
قید خانہ تو دکھایا مجھے ' صحرا دکھلا

آنکھوں سے اُس پری کے دل ناتواں گرا
شیشہ ہمارے طاق سے اے آسماں گرا
حسرت میں خواب وصل کی یہ بےخودی رہی
پہروں ہی مجھ کو ہوش نہ آیا جہاں گرا

ہے جو حسرت تو سراپا چشم ہونے کی ہمیں
حاصل اُس آئینہ خانہ میں فقط نظارہ تھا
جان شیریں مزیں مزد جوئےشیر میں توشہ کو دی
حوصلہ سے اپنے باہر کوہکن بےچارہ تھا

گل سے خوش رنگ ہر اک داغ بدن مجھ کو دیا
آتش عشق نے بے خار ' چمن مجھ کو دیا

ہو گیا دنیا ہی میں گردن کشی کا انتقام
پائے قاتل پر سے جھک کر پھر نہ اپنا سر اُٹھا
تشنۂ دیدار مجھ سا دوسرا کوئی نہیں
سب سے پہلے مجھ کو اے ہنگامۂ محشر اُٹھا

لے گئی وحشت دل گور غریباں کی طرف
ہم نے یاران گذشتہ کا بھی گھر دیکھ لیا

اِس قدر ایذا ہمیں دی ہے بتوں کے عشق نے
حوصلہ جاتا رہا دل کو خدا کی یاد کا
دام میں لاکر کیا جب بن چھری اُس نے حلال
باغباں بھی ہوگیا عاشق مرے صیاد کا

آشیانہ ہو گیا اپنا، قفس فولاد کا
آب و دانہ نے دکھایا گھر ہمیں صیاد کا
گردش چشم بتاں سے مل گیا ہے خاک میں
آسماں کو شوق باقی رہ گیا بیداد کا
رہ گیا تسمہ جو گردن میں لگا تو رہ گیا
کھینچ کر دامن میں کیا دل توڑتا جلاد کا

پیس ڈالا دل کو خال عنبرینِ یار نے
کیا سمجھتا تھا میں دانہ آسیا ہو جائے گا
عیب عریانی چھپا کر کیا قیامت کیجئے
اطلس ہفت آسماں صرف قبا ہو جائے گا
یار نے وعدہ فراموشی جو ہم سے کی تو کی
موت کا وعدہ تو اے ''آتش'' وفا ہو جائے گا

خار دامن سے اُلجھتے ہیں بہار آئی ہے
چاک کرنے کو کیا گل نے گریباں پیدا
اب قدم سے ہے مرے خانۂ زنجیر آباد
مجھ کو وحشت نے کیا سلسلہ جنباں پیدا
موجد اس کی ہے سیہ روزی ہماری '' آتش ''
ہم نہ ہوتے تو نہ ہوتی شب ہجراں پیدا

اک نہ اک مونس کی فرقت کا فلک نے غم دیا
درد دل پیدا ہوا درد جگر جاتا رہا

نہیں بے وجہ ہنسنا اس قدر زخم شہیداں کا
تری تلوار کا منہ کچھ، نہ کچھ، اے تیغ زن بگڑا
امانت کی طرح رکھا زمیں نے روز محشر تک
نہ رگ مو، کم ہوا اپنا، نہ اک تار کفن بگڑا

لگے منھ بھی چڑھانے ، دیتے دیتے گالیاں صاحب
زباں بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجے دہن بگڑا

سوز غم فرقت سے یہاں شمع کی حالت تھی
ہر صبح مسافر تھا مہماں میں ہر شب تھا

نہ چھوٹے گا ، چھڑا کر اس کو ، اے قاتل ، نہ بن لڑکا
وفاداروں کے خوں کا داغ کیا دھبا ہے کیچڑ کا
زوال حسن ہے عاشق کنارہ کرتے جاتے ہیں
بہار باغ ہوتی ہے خزاں ، موسم ہے پت جھڑ کا
گل و بلبل کی حالت پر بجا ہے گریۂ شبنم
اِسے گل‌چیں کا اندیشہ اُسے صیاد کا دھڑکا
دل وحشی کی بےتابی کرےگی چاک سینے کو
قفس کی تیلیاں توڑیں‌گی ، یہ طائر اگر پھڑکا
سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع
اثر رکھتی ہے ''آتش'' کی غزل مجذوب کی بڑ کا

صیاد نے تسلی بلبل کے واسطے کنج قفس میں حوض بھرا ہے گلاب کا
مسجد سے میکدے میں مجھے نشہ لے گیا موج شراب جادہ تھی راہ صواب کا
''آتش'' شب فراق میں پوچھوں گا ماہ سے یہ داغ ہے دیا ہوا کس آفتاب کا

دیکھا ہے تونے سامنے رکھ کر جو اُس میں منھ
آئینہ بُرج بن گیا ہے آفتاب کا
مشق خرام میں عرق افشاں ہے روئے یار
چھڑکاؤ ہو رہا ہے زمیں پر گلاب کا
کرتے ہیں سجدہ اُس کی طرف کیا سمجھ کے لوگ
کعبہ ہے نام ایک کنشتِ خراب کا

اُن انکھڑیوں میں اگر نشۂ شراب آیا سلام جھک کے کروں گا جو پھر حجاب آیا

شب فراق میں مجھ کو سلانے آیا تھا   جگایا میں نے ' جو افسانہ گو کو خواب آیا
عدم میں ہستی سے جاکر یہی کہوں گا میں   ہزاروں حسرت زندہ کو گاڑ داب آیا

رنج و راحت کا مرے واسطے ساماں ہوگا
مشعل راہ عدم ' داغ عزیزاں ہو گا
نالۂ و بلبل شیدا میں اگر ہے تاثیر
دست صیاد میں ' گل چیں کا گریباں ہو گا
بوئے مے رکھتی ہے اُس میکدے میں کیفیت
محتسب توڑ کے شیشے کو پشیماں ہو گا
بے نیازی سے فریب اے بت عیار نہ دے
ہم نہ مانیں گے ' خدا صورت انساں ہو گا

زنجیر و طوق ہر برس آکر پڑھا گئی   دیوانہ ہوں میں باد بہاری کی چال کا
روز سیاہ ہجر میں میرے جلے چراغ   پروانوں کو نصیب ہوا دن وصال کا

گستاخ ہاتھ گردن دلبر میں خم ہوا   حد ادب سے شوق کا باہر قدم ہوا
وقت اخیر جذبۂ دل کھینچ لائے گا   دیکھیں گے روئے یار جو آنکھوں میں دم ہوا
نقش دوئی مٹا کے بنا گھر خدا کا دل   کعبہ ہوا خراب جو بیت الصنم ہوا
نا گفتنی ہے حال بہار و خزان باغ   اک زخم ہے کہ خشک ہوا اور نم ہوا
ماتم کدہ ہے اپنا الٰہی کہ بت کدہ   ہر سنگ سینہ کوب ترش کر صنم ہوا

معدوم داغ عشق کا دل سے نشاں ہوا   افسوس بے چراغ ہمارا مکاں ہوا
اُس گل سے عرض حال کی حسرت ہی رہ گئی   کانٹے پڑے زباں میں جو مطلب بیاں ہوا
گردش نے اس کی سرمہ کئے اپنے استخواں   چکی ہمارے پیسنے کو آسماں ہوا

ہے سزاوار اہل دولت سے فقیروں کا غرور   ہاتھ کو جو کھینچ لے گا پاؤں کو پھیلائے گا
یہ صدا آتی ہے شور بحر ہستی سے مجھے   گوہر مقصود اس دریا سے باہر پائے گا

چار دیوار عناصر کی ہے وسعت کس قدر
شش جہت کو تنگ کر دے گا جو دل گھبرائے گا
یہ صدا آتی ہے مجھ دیوانہ کی زنجیر سے
امن چاہے تو دیار بےخودی میں پائے گا
آستان یار سے اُٹھنے کا قصد "آتش" نہ کر
چھوڑ کر اس در کو سر دیوار سے ٹکرائے گا

اے آفتاب محشر! آنکھوں سے گر گیا تو
منہ پھیرتا جدھر سے پھر منہ اُدھر نہ کرتا

اڑ کے پہونچا مدد جوش جنوں سے واں تک
پانؤں سے اپنے میں دیوانہ بیاباں نہ گیا
پھوٹ کر آبلوں نے خشک زبانیں تر کیں
تم سے شرمندہ میں اے خار مغیلاں نہ گیا

شمع ساں رو رو کے یاد گور میں شب و روز کی
جب تلک میرا چراغ زندگی روشن رہا

پری شیشے میں اُتری کبھی یا قالب میں روح آئی
عجب انداز سے آغوش میں وہ نازنیں آیا

نہ چھوڑے گا کسی کو آسماں بے گور میں بھیجے
سمجھ زیر زمیں اُس کو جو بالائے زمیں آیا

کبھی قسمت کے لکھے سے زیادہ لکھ نہیں سکتا
وہ ناداں ہے جسے خوف کراماً کاتبیں آیا
نہ دیکھیں گی کبھی جس کو پھر آنکھیں، وہ تماشا ہے
غنیمت جان جو پیش نگاہ واپسیں آیا

فاتحے کو جو وہ پری آیا سنگ قبر اپنا کوہ قاف ہوا

جامے سے جسم کے بھی میں دیوانہ تنگ ہوں
ابکی بار میں اسے نذر جنوں کیا
دیوانے تیرے یوں تو ہزاروں ہیں اے پری !
شیشے میں جس نے تجھ کو اوتارا فسوں کیا
آنکھوں سے جائے اشک ٹپکنے لگا لہو
'' آتش '' جگر کو دل کی مصیبت نے خوں کیا

فرط شوق ' اُس بت کے کوچے میں لگا لے جائے گا
کعبۂ مقصود تک مجھ کو خدا لے جائے گا
کاٹ کر پر بھی مجھے صیاد بے قابو نہ چھوڑ
ناتواں ہوں باد کا جھونکا اُڑا لے جائے گا
روتے روتے جان جائے گی فراق یار میں
اشک کا دریا مرا مردہ بہا لے جائے گا

تیغ ابرو بھی چلے تیغ کے ساتھ اے قاتل
ہم بھی دو ٹکڑے ہوں دل بھی ہو دو پار اپنا
آئینہ صاف ہوا دور سکندر آیا
خود پسندوں کو مبارک ہو نظارا اپنا
زیر دیوار ہیں ہم بام کے اوپر وہ ماہ
ہم زمیں پر ہیں ' فلک پر ہے ستارا اپنا

شام ہجراں کسی صورت سے نہیں ہوتی صبح
منھ چھپا کر میں اندھیرے میں نکل جاؤں گا
طالع بد کے اثر سے یہ یقیں ہے مجھ کو
تیری حسرت ہی میں اے حسن عمل جاؤں گا

حال پیری کسے معلوم؟ جوانی میں تھا
کیا سمجھتا تھا میں دو دن میں بدل جاؤں گا

ہوائے دہر گرانصاف پر آئے تو سن لینا
گل و بلبل چمن میں ہوں گے باہر باغباں ہوگا
قدم بھاری ہمارا ہوگا ہم پر باغ عالم میں
وہ ٹہنی پھٹ پڑےگی جس پر اپنا آشیاں ہوگا

کمر یار سے کھنچ کر ہوئی تلوار جدا — بےگناہوں سے کھڑے ہوویں گنہگار جدا
خانۂ یار کا سن رکھ یہ نشاں اے قاصد — تیرے سایے سے کھڑی ہوویگی دیوار جدا
زندہ کو قتل کیا مردے کو زندہ "آتش"
فتنۂ حشر سے ہے یار کی رفتار جدا

خدا سر دے تو سودا دے تیری زلف پریشاں کا
جو آنکھیں ہوں تو نظارہ ہو ایسے سنبلستاں کا
کیا ہے خانۂ زنجیر میں جو یاد صحرا کو
ہوا ہے دور بیں ہر ایک روزن میرے زنداں کا
شب مہتاب میں منھ کھول کر وہ شوخ سوتا ہے
ستارا آج کل چمکا ہوا ہے ماہ تاباں کا
نشاں تیرا ان آنکھوں کی محبت نے بتایا ہے
اُدھر پھر جاتے ہیں ہم، رخ جدھر پھرتا ہے مژگاں کا
چمک جانے سے اس کے، بند جو ہوجاتی ہیں آنکھیں
یہ دھوکا برق دیتی ہے تمہارے روئے خنداں کا
سنا کرتا ہوں اس کو چھیڑ کر پانوں سے میں مجنوں
مری زنجیر کا نالہ ہے افسانہ بیاباں کا

کہوں کیا ہوئی عمر کیوں کر بسر — میں جاگا کیا بخت سویا کیا
برہمن کو باتوں کی حسرت رہی — خدا نے بتوں کو نہ گویا کیا

خواب میں مجھ کو خیال نرگس مستانہ تھا
آنکھ کھولی تو لبالب عمر کا پیمانہ تھا
حسن عالمگیر چھپ سکتا چھپائے سے نہیں
پردے میں تو کوچہ و بازار کے افسانہ تھا
واہ رے نیرنگ سازئے طلسم زندگی
محوبت آنکھیں تھیں' دل اللہ کا دیوانہ تھا
حسن دے کر عاشق شیدا دئے اللہ نے
ان بتوں کو لازم "آتش" سجدۂ شکرانہ تھا

کہتے ہیں سنبل فردوس بھی شاعر اس کو سلسلہ دور پہونچتا ہے ترے گیسو کا

زلفوں کے دام دیکھ کے گل بھول جائےگا بلبل کا سامنا نہیں صیاد سے ہوا

جلوے سے روئے یار کے ہے دل میں روشنی ماہ چہار دہ ہے چراغ اس دیار کا
عاشق نگاہ ناز کے رہتا ہے سامنے پھرتا نہیں ہے تیر سے منھ اس شکار کا

باغ طلسم چہرۂ رنگیں ہے یار کا رہتا ہے چار فصل میں موسم بہار کا
داماں زیں چھوا ہے جو اس شہسوار کا ہے عرش پر دماغ ہمارے غبار کا
سودا ہوا ہے مرغ جنوں کے شکار کا پھندا بنا رہا ہوں گریباں کے تار کا
وعدہ خلاف یار سے کہیو پیام بر آنکھوں کو روگ دے گئے ہو انتظار کا
پیچھے نہ پانوں معر کۂ عشق سے ہٹے تلوار کھا کے بوسہ لیا دست یار کا
باز آویں گے نہ مر کے بھی صورت کے عشق سے آئینہ ہوگا سنگ ہمارے مزار کا

سنگھا کر تونے جو سیب ذقن اچھا کیا اس کو
ہوا رشک اہل صحت کو ترے بیمار پر کیا کیا
ہوا تجھ سے نہ عشق اے حسن کس کس کو زمانے میں
ستم تونے کئے ہیں کافر و دیندار پر کیا کیا

کئے ہیں شکر کے سجدے جفائے یار پر کیا کیا
رہا ہے دل مرا راضی رضائے یار پر کہا کیا
نہیں آنے کا میرے بعد شانہ کا خیال ''آتش''
پڑیں گے پیچ ' گیسوئے رسائے یار پر کیا کیا

زوال حسن میں تو لوٹ لیجئے دیجئے کیفیت
بہار آخر ہے چلتا دور ہے صہبائے گلگوں کا
قرار اس کو نہیں آتا ہماری بےقراری سے
زمانہ آئینہ ہے اپنے احوال دگرگوں کا

تری صورت سے ہنسنا تھا نہ لازم گلوں نے منھ کو بنوایا تو ہوتا
کہے جاتے ؛ وہ سنتے یا نہ سنتے زباں تک حال دل آیا تو ہوتا

موسم گل میں بدن کو کپڑے پھاڑے کھائیں گے
دھجیاں لیلے کے قابل پیرہن ہو جائے گا
عشق شیریں میں عبث دونوں کوہے آپس میں رشک
کوہکن خسرو نہ خسرو کوہکن ہو جائے گا
سکۂ داغ وفا اک دن مرے کام آئیں گے
عشق کی بازار میں ان کا چلن ہو جائے گا

شکستوں پر شکستیں چوٹ پر کھائی ہے چوٹ اُس نے
کھلونا ہے ہمارا دل تری طفلی کے عالم کا
جنازہ ہو چکا تیار اے سرو رواں اپنا
شگوفہ پھولنا باقی رہا ہی نخل ماتم کا
خموشی قتل کرتی ہے صنم للہ گویا ہو
لب جاں بخش پر ہوتا ہے شک عیسیٰ کے دم کا

تیری درگاہ کا اللہ رے جلال اے شہ حسن
عرش پر ہم نے دماغ اُس کے گدا کا دیکھا
پھر گئیں آنکھیں ہماری طرف کوچۂ یار
جانب کعبہ جو رخ قبلہ نما کا دیکھا
التجا کرتا ہوں اللہ سے وصل بت کی
ہاتھ اُٹھائے ' جو محفل میں نے دعا کا دیکھا

فرقت میں تیری صبر نہیں ہونے کا مجھے
بوجھ اُٹھے گا سینے سے نہ اس سنگ گراں کا
تفتیش جو کرتے ہیں مری حالت دل کی
در پردہ پتا پوچھتے ہیں تیرے مکاں کا
کھودی گئی کوچے میں ترے ' قبر ہماری
دروازہ کھلا اپنے لئے باغ جناں کا
بے مثل ہے ' یکتا ہے ' جو تصویر ہے اس کی
کھینچا ہوا کس کا یہ مرقع ہے جہاں کا
پیری میں جوانی کے کہاں چہچہے ؟ ''آتش'' !
اب اپنی غزل خوانی ہے غل برگِ خزاں کا

انتہائے شوق ہے ' اب صبر کی طاقت کہاں
ابتدائے عشق میں چندے تحمل ہو گیا
بے تکلف بند کھولوں گا قبائے یار کے
جامے سے باہر جو شوق بے تامل ہو گیا

عاشق حسن بتاں سمجھی ہے برسوں سے مجھے
دق کرے گی خون تھکوا کر بنے گی سل ' قضا
بھیسِ قبض روح ' ''آتش'' ! حور بن کر آئے گی
عشق بازي میں اگر سمجھی تمھیں کامل قضا

سودائے زلف میں مجھے آیا خیال رخ — مشتاق روشنی کا شب تار نے کیا
حیرت سے پابگل ہوئے روزن کو دیکھ کر — دیوار ہم کو یار کی دیوار نے کیا
پتھر کے آگے سجدہ کیا تونے برہمن — کافر تجھے ترے بت پندار نے کیا
آنکھوں کو بند کر کے تصور میں باغ کے — گلشن قفس کو مرغ گرفتار نے کیا
لذت کو ترک کر تو ہو دنیا کا رنج دور — پرہیز بھی دوا ہے جو بیمار نے کیا

غیرت کا کوئے عشق و جنوں میں گذر نہیں
ہوتا ہے تنگ حوصلہ یاں عار و ننگ کا
وحدت پسند ہے تو زمانے سے کر گریز
یک رنگ آشنا نہیں ہوتا دو رنگ کا

قابو میں یار عشق کی تاثیر سے ہوا — کیا حسن اتفاق یہ تدبیر سے ہوا

آئینہ خیال کو منظور تو رہا — جب سامنا ہوا تری تصویر سے ہوا
پھرتا کیا مرقع عالم کے حسن پر — ہر روز عشق اک نئی تصویر سے ہوا

خریدار محبت آئے بھی بازار عالم میں
وہی سودا کیا ہم نے کہ جس میں درد سر دیکھا
نیا غمزہ کیا صیاد نے اپنے اسیروں سے
کیا آزاد اُسے جس مرغ کو بے بال و پر دیکھا
ہوئے ہیں کیا سمجھ کر پردۂ فانوس سے باہر
مگر شمعوں نے پروانوں کو ہے بے بال و پر دیکھا
خدا کی شان ! اے بت! جلوہ گر ہے حسن سے تیرے
تجلی طور پر دیکھی جو تجھ کو بام پر دیکھا

گفتگو بڑھ جائے گی تقریر عیسیٰ نے جو کی
وہ لب جاں بخش بھی دم بھرتے ہیں اعجاز کا

حیرت آنکھوں کو ھے نظارے میں اُس محبوب کے
یہ نہیں کھلتا کہ دل کشتہ ھے کس انداز کا
کاٹ کر پر، مطمئن صیاد بے پروا نہ ھو
روح بلبل کی ارادہ رکھتی ھے پرواز کا

بلائے جان مجھے ھر ایک خوش جمال ھوا
چھری جو تیز ھوئی پہلے میں حلال ھوا
کمی نہیں تری درگاہ میں کسی شے کی
وھی ملا ھے جو محتاج کا سوال ھوا
دکھا کے چہرۂ روشن وہ کہتے ھیں سرشام
وہ آفتاب نہیں ھے جسے زوال ھوا
بلند خاک نشینی نے قدر کی میری
عروج مجھ کو ھوا جب کہ پائمال ھوا
وھی ھے لوح شکست طلسم جسم "آتش"
جب اعتدال عناصر میں اختلال ھوا

وحشت نے ھمیں جب کہ گلستاں سے نکالا
غیرت نے قدم پھر نہ بیاباں سے نکالا
سوزن نے کیا خار کف پا سے جو باھر
گویا کہ وہ گل میرے گریباں سے نکالا
جھپکی نہ دم قتل جو قاتل سے مری آنکھ
کھنچوا کے مجھے گنج شہیداں سے نکالا
گردن مری اے دست جنوں تونے جھکائی
آزاد کیا، بند گریباں سے نکالا
وحشت نے کیا خانۂ زنجیر سے باھر
صحرا کی ھوا نے مجھے زنداں سے نکالا

ظلم سے اپنے پشیمان وہ ستمگر ھوگیا ۔ دل ھمارا صبر کرتے کرتے پتھر ھوگیا
سامنا جو پڑگیا ھوش اُڑ گئے بے خود ھوا ۔ جام چشم یار بےھوشی کا ساغر ھوگیا

ایک الف سے قد کے سودے میں ہوا "آتش" فقیر
چار ابرو کو صفا کرکے قلندر ہوگیا

———

موسم گل کی ہوا نے دور کی قید لباس زائل اعجاز جنوں سے عقل کا افسوس ہوا

———

خار آنکھوں میں ہیں گل باغ جہاں کے تجھ بغیر
دل نہیں لگتا کسی صورت ترے مانوس کا
مشت خاک اپنی غبار راہ ہوگی بعد مرگ
سر میں سودا لے چلے ہیں یار کے پابوس کا
چشم بینا چاہئے تو جلوہ گر ہے ہر طرف
پردہ ہے اے شمع رو پردہ تیرے فانوس کا

———

کون عالم میں ہے ایسا جو نہیں سر بہ سجود
کسی کی گردن کو جھکا تا نہیں احساں تیرا
جسم خاکی سے ہے دشوار رسائی تجھ تک
گرد اُڑ کر نہیں چھو سکتی ہے داماں تیرا
بانٹ چاہے جسے دولت دو جہاں کی اے دوست
چاہتا تیرے سوا کچھ نہیں خواہاں تیرا

———

ہو چکی تھی میرے نالوں سے قیامت آشکار
خواب سے سر فتنۂ محشر اُٹھا کر رہ گیا
کارواں یاروں کا پہونچا منزل مقصود میں
میں بگولے کی طرح سے خاک اُڑا کر رہ گیا
کر چکی تھی موسم گل کی ہوا نشتر طلب
خون جتنا تھا بدن میں جوش کھا کر رہ گیا
سامنا شوق شہادت نے کیا چھوٹا جو تیر
جب کھنچی شمشیر میں گردن جھکا کر رہ گیا

———

شب وصل تھی چاندنی کا سماں تھا
بغل میں صنم تھا خدا مہرباں تھا
حضوری نگاھوں کو دیدار سے تھی
کھلا تھا وہ پردہ کہ جو درمیاں تھا
بیان خواب کی طرح جو کر رہا ہے
یہ قصہ ہے جب کا کہ "آتش" جواں تھا

———

کیا بیان درد دل پیش اطبا کیجئے
کچھ کسی سے ہو نہیں سکتا ہے درماں مرگ کا
دانت ہلتے ہیں، ہوئے ہیں موئے سر، سارے سفید
گور ہستی میں سمجھ کر مجھ کو شایاں مرگ کا
شام ہوتی ہے شب فرقت میں آ نکلے اگر
صبح محشر تک رہے گا مجھ پر احساں مرگ کا

———

عاشق کے دل کو توڑ کے کعبے کو ڈھایا
کافر سے بھی نہ ہو، جو کیا ناز حسن نے
داغ جبیں کا ماہ کو دھبا لگا دیا
بے داغ ہونے نے رخ پر نور یار کے
پتھر تھے تم کو شیشے سے نازک بنا دیا
احسان مانو حسن خدا داد کا بتو

———

ساغر مے کا طلب گار نہیں اے ساقی
دونوں آنکھوں سے تری مست دو ساغر ہوتا
باغ عالم کے تماشے کا یہی حاصل ہے
لالہ تھا داغ محبت جو میسر ہوتا

———

ب

———

بعد مردن بھی نہ ہوں گے بند روزن کی طرح
میری آنکھوں سے بہت رکھتا ہے ننگ و عار خواب
زیست میں راحت کو کیا روؤں میں بعد مرگ بھی
گور میں آنے نہ دے گا وعدۂ دیدار خواب

وقت شب ہو، بادہ ہو، تنہا مکان یار ہو
کس کو دکھلاتا ہے ایسا طالع بیدار خواب

آئینہ لے کے صنعت اسکندری کو دیکھ
تصویر ہے کھنچی ہوئی تصویر کا جواب
خط دے کے کہیو اب کی زبانی یہ نامہ بر
تحریر کا جواب نہ تقریر کا جواب
زنداں میں شب کو ڈر کے جو اُس نے کیا ہے غل
میں نے دیا ہے نالۂ زنجیر کا جواب

منزل گور میں وصال ہوا گوشے میں چھپ کے ہوگیا مطلب

صورت سیل یہ خوش رو ستم ایجاد ہیں سب
خانہ بربادئی احباب کی بنیاد ہیں سب
مکتب عشق میں جو ہے سو فلاطوں حکمت
کوئی شاگرد کسی کا نہیں استاد ہیں سب
قطع ہوجائے اگر سلسلۂ مہروفا
پھر گرفتار نہیں ہے کوئی، آزاد ہیں سب
آئینہ لے کے حسینوں نے نہ زلفیں دیکھیں
دام میں اپنے اسیر آپ، یہ صیاد ہیں سب
صورتیں کشتوں کی اپنے نہیں بھولا قاتل
خواب دیکھے ہیں جو یوسف نے مرے، یاد ہیں سب
قامت یار ہے بانئی قیامت "آتش"
فتنہ پروازیاں اُس چشم کی ایجاد ہیں سب

غالبؔ

فریاد عاشقوں کی گوارا نہ کیجئے واقف نہیں ہیں آہ و فغاں کے اثر سے آپ

ت

کیا انتظار یار کی حالت بیاں کروں رہتی ہے جان، آنکھوں کے اندر تمام رات
گویا زبان شمع جو ہوتی تو پوچھتا کٹتی ہے ہجر یار میں کیوں کر تمام رات
تا صبح گفتگو تھی نگاہوں میں یار سے آنکھوں میں دشمنوں کے کیا گھر تمام رات
دیوانہ کون سے صنم با وفا کا ہوں زنداں میں میرے آتے ہیں پتھر تمام رات
دن کو تو چین لینے دے اے گردش فلک کافی ہے مجھ کو گردش ساغر تمام رات

حور کی تعریف گویا یار کی تعریف تھی
ذکر کو جنت کے میں سمجھا بیان کوئے دوست
ہم‌نشیں ! کہتے ہیں افسانے سے آجاتی ہے نیند
ہجر کی شب میں سنوں گا داستان کوئے دوست
نقش پائے غیر پاتا ہوں پس دیوار میں
آشنائے دزد نکلا پاسبان کوئے دوست
قاصدوں کے پاؤں توڑے بد گمانی نے مری
خط دیا لیکن نہ بتلایا نشان کوئے دوست

ہجر کی شب ہو چکی روز قیامت سے دراز
دوش سے نیچے نہیں اُترے ابھی گیسوئے دوست
داغ دل پر خیر گذری تو غنیمت جانئے
دشمن جاں ہیں جو آنکھیں دیکھتی ہیں سوئے دوست
اُس بلائے جاں سے "آتش" دیکھئے کیوں کر بنے
دل سوا شیشے سے نازک، دل سے نازک خوئے دوست

نظر آتا ہے مجھے اپنا سفر آج کی رات
نبض چل بسنے کی دیتی ہے خبر آج کی رات
صبح ہوتی نظر آتی نہیں ہرگز "آتش"
بڑھ گئی روز قیامت سے مگر آج کی رات

اچھا ہوں یا برا ہوں تمہارا ہوں جو کہ ہوں آگاہ ہیں غلام کے عیب و ہنر سے آپ

عشق میں تیرے ' رہیں اشکوں سے آنکھیں لبریز
یہی دو چشمے ہیں دنیا میں دو دریائے بہشت
حکم سے اپنے جہنم میں جسے تو بھیجے
پھر وہ کافر ہے جو اس کو رہے پروائے بہشت
تیرے کوچے کی ہوا اُس میں نہ چلتی ہوگی
مر کے بھی دیکھ لیں مشتاق تماشائے بہشت

منصور بھی جو ہوں تو اناالحق کہیں نہ ہم
اپنے طریق میں نہیں یہ ما و من درست

آئینہ رکھ کے سجدے میں اپنے جھکائے سر
بت کی طرح ترش کے جو ہو برہمن درست
غربت زدوں کے حال کا افسانہ چھیڑتے
ہوتی اگر طبیعت اہـل وطـن درست
طنز و کنایہ کی نہ رہے ہـم سے گفتگو
اپنے شکستہ حال سے کیجے سخن درست

حسن کے نظارہ سے ہوتی ہے کیفیت حصول
عشق رکھتا ہے ہمیں بے بادۂ گلنار مست
کون پوچھے بت کو کس سے ہوسکے یاد خدا
اپنے اپنے حال میں ہیں کافر و دیندار مست

آئینے کی طرف نہیں آتا خیال دوست قربان شان حسن عدیم المثال دوست
دل پر یقین ہوتا ہے مجھ کو امین کا جان عزیز کو میں سمجھتا ہوں مال دوست
رہتی ہیں آنکھیں بند تصور میں یار کے تار نگہ سے اپنے بندھا ہے خیال دوست
دل کو خیال یار کا ہر آن چاہئے آئینہ چاہئے نہ رہے بے مثال دوست

ت

قاضی کو عاشقوں کی عدالت میں حکم ہو
سچ سچ گواہی دے تو زبان گواہ کاٹ

تکرایا کرتے ہیں شب و روز اس سے متصل
سر ہے ہمارا اور ترے سنگ در کی چوٹ
مشتاق درد عشق جگر بھی ہے دل بھی ہے
کھاؤں کدھر کی چوٹ بچاؤں کدھر کی چوٹ
اے آسماں دکھائیں گے آیا جو بام پر
پیدا کیا ہے ہم نے بھی شمس و قمر کی چوٹ
مفلس کا کام یاں نہیں دولت کا کھیل ہے
دنیا قمار خانہ ہے چلتی ہے زر کی چوٹ

ث

دل میں گھر کرکے منہ آنکھوں سے چھپاتے ہو عبث
ناز و انداز سے باہر ہوئے جاتے ہو عبث
چوٹی ایڑی سے مری جان پڑھاتے ہو عبث
بوٹے سے قد کو یہ شاخ اور لگاتے ہو عبث
عاشقوں سے نہیں کیا سجدہ ادا ہو سکتا
داغ پیشانئی زاہد کو لگاتے ہو عبث

ج

اک دم رہے نہ باغ جہاں میں شگفتہ ہم پژمردہ غنچہ تھا کوئی اپنا رکا مزاج
صحت نہیں نوشتۂ بیمار عشق میں چھٹ جاتی ہے غذا نہیں پاتی دوا مزاج

ہم کو تو دل کی چاہ نے مجبور کردیا پھیرے مگر بتوں کی طرف سے خدا مزاج

نزع کی حالت ہے کوئی آشنا اپنا نہیں
دیکھئے جس کو نظر آتا ہے وہ بیگانہ آج
آمد آمد اُس سراپا نور کی ہے بزم میں
شمع اُڑ جاوے جو ہاتھ آویں پر پروانہ آج
ہم نشیں کہتے ہیں ذکر عیش نصف عیش ہے
میں کہوں تو سن جمال یار کا افسانہ آج

تلوے سہلاتی ہیں پریاں خانۂ زنجیر میں
وقت کا اپنے سلیماں ہے ترا دیوانہ آج
مجھ سے دریا نوش کو ساقی پلاتا ہے شراب
دیکھتا ہوں میں بھی طرف شیشۂ پیمانہ آج
نقش آسیب پری ہے صورت زیبا تری
ہوش میں آتا ہے تجھ کو دیکھ کر دیوانہ آج
میرے مرنے کی دعا مانگے وہ بت پڑھ کے نماز
کس طرف جا کر کروں میں سجدۂ شکرانہ آج

چ

حرص و ہوا الٰہی نہ دل میں مرے رہے
تیرے مقام خاص سے کر جائیں عام کوچ
اب ضبط آہ و نالہ کی طاقت نہیں مجھے
صبر و قرار و ہوش کا ہے صبح و شام کوچ
جب دیکھو رہروی میں ہوں ریگ رواں کی طرح
میرا مقام وہ ہے کہ جس کا ہے نام کوچ

ح

دیکھ کر آئینہ یار آنکھوں میں پھر جاتا ہے
یاد آتی ہے مجھے بھولی ہوئی صورت صبح
وصل میں ہجر کا دھڑکا جو لگا رہتا ہے
شام سے پھرتی ہے آنکھوں میں مری صورت صبح
نور کا نام سیہ خانۂ گردوں میں نہیں
گور میں ساتھ ہی لے جاؤں گا میں حسرت صبح

خ

اُس طفل نے بڑھا کے شفق سے ملا دیا
جس دن قریب شام اُڑایا پتنگ سرخ

تاکجا شرح کروں حسن کی اُس کے "آتش"
مہر ہے، ماہ ہے، جو کچھ ہے تماشا ہے رخ

د

قاتل اپنا جو کرے گنج شہیداں آباد
دہن زخم کہیں خانۂ احساں آباد
کون ہے جو تری دوری میں نہیں مرتا ہے
ایک گھر رہنے نہ دے گی شب ہجراں آباد
کثرت داغ محبت سے الٰہی بھر دے
منزل دل کو کریں آ کے یہ مہماں آباد
جس طرف دیکھئے آتا ہے نظر وہ محبوب
جلوۂ یار سے ہے عالم امکاں آباد

ساری رونق ہے یہ دیوانوں کے دم کی ''آتش''
طوق زنجیر سے ہوتا نہیں زنداں آباد

قطرۂ اشک میں سرخی کا کہیں نام نہیں
لہو تیرا بھی ہوا اے دل نا کام سفید

قبر پر یار نے قرآن پڑھا میرے بعد
شرط اُلفت کی ملی مجھ کو جزا میرے بعد
یاس و حرمان و غم و درد یہ بڑھ جائیں گے
بے کسی کا نہیں لگنے کا پتا میرے بعد
زندگی تک ہیں قیامت کے یہ سارے دھڑکے
مجھ کو کیا غم ہے اگر حشر ہوا میرے بعد
میں نہ ہوں گا تو نہ ہوگا یہ قمار اُلفت
کوئی بدلے گا نہیں شرط وفا میرے بعد
قبر پر فاتحہ کو آئے وہ شوخ اے ''آتش''
نیک توفیق دے اُس بت کو خدا میرے بعد

روز وصل آئے گا آخر شب ہجراں ہوگی
کام رہنے کا نہیں عالم اسباب میں بند ہے

منہ دیکھتا ہوں یار کا کچھ کہہ نہیں سکتا
آنکھیں تو کھلی ہیں مری لیکن ہے زباں بند
دکھلائے گا اللہ مجھے یار کا کوچہ
مومن ہوں' رہے گا نہ در باغ جناں بند
قسمت مجھے کیوں گنبد افلاک میں لائی
''آتش'' خفقانی کو قیامت ہے مکاں بند

کیا کہوں وعدہ خلافی سے تری احوال شب
کھول کر دروازے کو کرتا ہوں سو سو بار بند

دل میں آتا ہے کہ اک دن رو کے دھو ڈالوں انھیں
روز لکھتے ہیں کراماً کاتبیں دو چار بند
روح جب قالب میں آئی مجھ کو "آتش" کھل گیا
ہو چکا کنج قفس میں بلبل گلزار بند

ڈ

تقریر اپنی اور روش یار کی ہے خوب — گفتار پر ہمیں اُسے رفتار پر گھمنڈ
عیسیٰ مریض عشق سے اپنے نہ پھیر منھ — لازم نہیں ہے شربت دیدار پر گھمنڈ

ذ

نہیں ٹلتی کسی صورت سے بلائے مبرم — ڈھونڈھے کس واسطے "آتش" کوئی گنڈا تعویز

ر

شاخ گل پر سے کیا تھا بس کہ بلبل کو اسیر
ہاتھ پر صیاد نے بٹھلا لیا پر توڑ کر
پھوڑنا تیشہ سے اپنا سر نہ تھا اے کوہکن
چھیننا شیریں کو تھا پرویز کا سر توڑ کر
درد بازو میں رہے گا سخت جانی سے مری
خون عاشق کی قسم کھاؤگے خنجر توڑ کر

جلد ہو پھر سفر، اے! مہ کنعاں تیار
ہو چکا تیرے لئے مصر میں زنداں تیار
رنج اُٹھانے میں زبس میں نے مزا پایا ہے
زخم کے واسطے رکھتا ہوں نمک داں تیار
تو بھی اے گریہ دکھا چہرۂ رنگین حبیب
بارش ابر سے ہوتا ہے گلستاں تیار

عیسیٰ نے نسخے میں ترے بیمار کے لکھا
درد فـراق کـو کرے پروردگار دور
اے خضر راہ منـزل مقصود الغیاث
چھوٹتا ہے مجھ غریب کا مجھ سے دیار دور
بنتی ہے جان پر جو حرارت سے عشق کے
کـرتا ہوں آہ کھینچ کے دل کا بخار دور
تسکین کے لئے گئے منزل میں گـور کے
پہونچے تڑپ تڑپ کے ترے بے قرار دور
وصل حبیب حاصل عمر عزیز ہے
وہ گل ملے تو ہجر کا ہو خار خار دور
پیری میں ترک مے کا ارادہ نہ کیجیو
''آتش''صبوحی کرتی ہے شب کا خمار دور

قـصۂ سـلسلۂ زلف نـہ کہنا بہتـر
پیچ در پیچ ہے خاموش ہی رہنا بہتر
ٹیڑھے سیدھے سے غرض رکھتے نہیں اے ''آتش''
جو کہے یار ' ہمیں سن کے یہ کہنا بہتر

کعبۂ سـاں جائے ادب ہے چار دیوار لحد
یاں قدم رکھتا ہے تخت اپنا سلیماں چھوڑ کر
چاند سے رخسار پـر لہرا کے آنے دیجئے
کیجئے اندھیر زلفوں کو پریشاں چھوڑ کر
کار مردانہ کیا چاہے تـو اے دست جنوں
کھینچ دامان پـری میرا گریباں چھوڑ کر
باغ میں آکر کہاں جاتا ہے اے رشک بہار
گل کو خنداں چھوڑ کر بلبل کو نالاں چھوڑ کر
اے کماں کش ہے کشش سے دل کی اُمید قوی
تیر پہلو سے مرے نکلے تو پیکاں چھوڑ کر

دل تو کہتا تھا نکل چلنے کو پر چلتے وقت
پیشتر دل سے ہوئی جان ہماری تیـار
ہار پھولوں کے پہنتے ہو تو میری خاطر
بدھی زخموں کی کرے تیغ تمہاری تیار
تیرے دیوانے کی وحشت ہے زیادہ ہر سال
بیڑیاں ہوتی ہیں ہـر مرتبہ بھاری تیار

زلف سیاہ یار کمر تک نہیں گئی صیاد کا مرے ہے ابھی دام دوش پر
پیوند خاک ہونے کا اللہ رے اشتیاق آیا نہ گور تک مجھے آرام دوش پر
پھرتے ہیں اس بہار میں مستوں کے ساتھ ساتھ ساقی سبو کی طرح لئے جام دوش پر

ہم سے خلاف ناحق صیاد و باغباں ہے نالوں سے اپنے کس دن بجلی گری چمن پر

دم نکلتا ہے نگاہ چشم مست یار پر
نشہ کا ڈورا بلائے جاں ہے اس تلوار پر
شرم ہے وہ شرمگیں آنکھیں جھکی جاتی نہیں
رات بھاری ہوگئی ہے مردم بیمار پر
خوشنما ہے چہرۂ محبوب پر زلف سیاہ
عالم اک دکھلاتی ہے کالی گھٹا گلزار پر
کیا کروں پست و بلند و راہ الفت کا بیاں
چاہ میں اک پانوں ہے اک پانوں ہے دیوار پر
دوست کو لے کر بغل میں رات بھر سوتا ہوں میں
رشک ہے دشمن کو میرے طالع بیدار پر
یار کی فرقت میں رو کر قصر تن کو ڈھاؤں گا
پانی بھر جاوے گا اس گھر کے در و دیوار پر
دام میں لا کر کرے صیاد بے پروا حلال
بلبل بیتاب صدقے ہو چکی گلزار پر

نمازی کو شراب اُس نے پلائی جا کے مسجد میں
کلیسا میں گیا تو بت کو دے پٹکا برہمن پر
ادب آموز ہے ہر ایک ذرہ اپنی وادی کا
نہیں ممکن کہ گرد اُڑ کر پڑے رہ رو کے دامن پر
نہایت بلبل شیدا کا اس نے دل جلایا ہے
جو بس ہووے تو رکھ دوں آگ میں گلچیں کے دامن پر

کوچے سے یار کے نہ صبا دور پھینک اسے
مدت کے بعد آئی ہے خاک اپنی راہ پر

قسمت کی خوبی دیکھئیو اُس شاہ حسن کو
دھوکا ہوا فقیر کا مجھ داد خواہ پر

میں کشتی شکستۂ دریائے عشق ہوں
ہنستا ہے نا خدا مرے حال تباہ پر

مشتاق اہل میکدہ ہیں یاں کرم کرے
ابر سیہ کا لطف نہیں خانقاہ پر

کیا سمجھ کر روندتے ہیں مجھ کو سوار چمن
سبزۂ بیگانہ ہوں لیکن ہوں مہمان بہار

اس قدر تو سعی کرتا ہوں میں راہ عشق میں
پانوں کا میرے پسینا ہے رواں بالائے سر

تارے گنتے گنتے شب کو صبح کر دیتا ہوں میں
نیند اُڑا دیتا ہے اک رشک قمر کا انتظار

خود چلوں گا یار سے لینے جواب خط شوق
اور میں کرتا ہوں دو دن نامہ بر کا انتظار -

ڑ

مثل نسیم ہوں چمن روز گار میں
گل سے بناؤ ہے نہ مجھے خار سے بگاڑ

پاتا ہوں میں مزاج عناصر میں اختلاف
آپس میں ہوگا ایک دن ان چار سے بگاڑ

ز

کون کہتا ہے بسر ہوگئے ایام جنوں
اک گریباں نظر آتا نہیں بے چاک ہنوز

آنکھ بھر کر نہ کبھی چاند سی صورت دیکھی
نہیں آلودہ ہماری نگہ پاک ہنوز

انجام کار کا نہیں آتا خیال کچھ
غربت میں بھولے بیٹھے ہیں یاد وطن ہنوز

خلعت کی کیا امید رکھیں آسماں سے ہم اس نے تو داب رکھا ہے اپنا کفن ہنوز
عالم حجاب یار کا تا حال ہے وہی خلوت نشیں ہے روشنی انجمن ہنوز

س

کوچۂ یار میں سایہ کی طرح رہتا ہوں
در کے نزدیک کبھی ہوں کبھی دیوار کے پاس
مجھ کو دربانی کی خدمت ہو تو اے خانۂ یار
سائے کو آنے نہ دوں میں تری دیوار کے پاس
ایڑیاں شوق شہادت میں کہاں تک رگڑوں
اب تو جلاد کو بھجواؤ گنہگار کے پاس

ش

جلا میں شمع کے مانند عمر بھر خاموش
تمام عمر کٹی قصہ مختصر خاموش
نہیں قرار زمانہ کو ایک حالت پر
جو دو پہر ہوں میں نالاں تو دو پہر خاموش
جنوں میں بھی ہوئی زائل نہ مجھ سے دانائی
رہا میں عالم وحشت میں بیشتر خاموش

ص

طبع عالی باز رکھتی ہے تماشے سے مجھے بام پر گویا کہ میں ہوں اور زیر بام رقص
دل اسی پہلو میں ''آتش'' پیش ازیں بے تاب تھا
یہ وہی جا ہے جہاں ہوتا ہے صبح و شام رقص

فرش قالین و نمد کا آشنا ھوتا نہیں ''آتش'' درویش کوھے اپنے بستر سے غرض

ط

بے خبر ایک دن سفر ھے شرط
کہے رکھتے ھیں ھم خبر ھے شرط
یہ تمنا ھے بندگی تیری
اس قدر ھو کہ جس قدر ھے شرط
عشق میں صبر کار مشکل ھے
دل کے خوں کرنے کو جگر ھے شرط
طور سے کہا کیا تجلی نے
حسنِ بے پردہ سے حذر ھے شرط
عہد پیری میں دوے رنگیں دیکھ
سیر گلزار کو سحر ھے شرط
معرکہ عشق کا ھے یاں ''آتش''
پانؤں پر تیغ زن کے سر ھے شرط

ظ

نہ تو ھندو ھی میں ٹھہرا نہ مسلماں نکلا
مجھ سے رکھتے ھیں بجا کافر و دیندار لحاظ
یار ھے، باغ ھے، سبزۂ ھے، مئے گلگوں ھے
مجھ کو رھتا نظر آتا نہیں زنہار لحاظ

ع

شام کو آتی ھے وقت صبح کر جاتی ھے کوچ
منزل ھستی کو سمجھی ھے مسافر خانہ شمع
گریۂ مستانہ کرتے کرتے آخر ھو گئی
کر چکی معمور اپنے عمر کا پیمانہ شمع

غ

چاند سے مکھڑے کو دیکھا آنکھیں روشن ہوگئیں
پر تو مہتاب سے بن جاتے ہیں روزن چراغ
دن کو بیداری میں رہتا ہے خیال روے یار
رات بھر میں دیکھتا ہوں خواب میں روشن چراغ

تازہ ہو جاتا ہے یاد سے داغ دل
کاروان کرتا ہے اس ویرانے میں روشن چراغ

نور شمع طور ہے سینہ کے ہر اک داغ میں
دیکھ لے منھ ڈال کر میری گریباں میں چراغ

ف

اللہ ہووے بلبل ناشاد کی طرف — گلچیں جو بولتا ہے تو صیاد کی طرف
چلنے میں کی جو شوق شہادت نے رہ بری — گردن جھکائی کوچۂ جلاد کی طرف
لایا ہے عشق، حسن کا تیرے کہاں کشاں — آتا تھا کون عالم ایجاد کی طرف
عاشق ہے داد خواہ نہیں ورنہ روز و شب — فریاد رس کے کان ہیں فریاد کی طرف
عاشق ہیں محو حسن جو چاہو ستم کرو — کس کا خیال جاتا ہے بیداد کی طرف
دھوکا دیا ہے دام نے کس گل کی زلف کا — بلبل اشارے کرتے ہیں صیاد کی طرف

بعید کیا ہے مروت سے تیرے اے شہ حسن
نگاہ لطف سے دیکھے جو تو گدا کی طرف

خدا کرے نہ تمھیں میرے حال سے واقف — نہ ہو مزاج مبارک ملال سے واقف
فنا کے بعد کھلا دل کو عشق کا پردہ — تمام ہو کے ہوئے ہم کمال سے واقف
نہ چند روز جدائی بھی منقضی ہوں گے — کہاں فراق، ہوئے جب وصال سے واقف

ق

ایک دن تیری کمر کے طوق ہوں گے اُن کے ہاتھ
اے صنم تائید غیبی رکھتے ہیں مردان عشق

ک

کرور کوس سے میخانہ دور ہو ہر چند — کرم کرے تو ہے ابر بہار کے نزدیک
نہ ٹالیں آج کے وعدے کوکل کے اوپر آپ — یہ جبر ہے دل بے اختیار کے نزدیک
عجیب شہر غم آباد عشق بھی ہے کوئی — خوشی پھٹکتی نہیں اس دیار کے نزدیک
ہزار پست کیا ہے فلک نے اے "آتش"
بلند قدر ہیں ہم اعتبار کے نزدیک

گ

لاتی ہے ہر نگہہ میں نیا چشم یار رنگ — دکھلا رہی ہے گردش لیل و نہار رنگ
مستی عشق کیف مئے لالہ گوں نہیں — اِس رنگ پر جمانہیں سکتا خمار رنگ
رخسار زرد پر مرے بہتے ہیں اشک خوں — یکجا دکھا رہی ہے خزاں و بہار رنگ

نکل کے خانۂ زنداں سے میں کدھر جاؤں
جنوں کے جوش میں ہے دو جہاں کا میداں تنگ

ل

صاحل اُسے تو قلزم قدرت کا سمجھ لے — گوھر ہے علی، کون و مکاں ہے صدف اے دل

وعدہ وصال کا ہے اندھیرے میں گور کے — شمع حیات جلد کہیں ہو بجھ جائے دل
صیاد نالہ سن کے جو رویا تو لطف کیا — کنج قفس میں باغ سے اُڑ اُڑ کے آئے گل

درد دل کا جو کہا میں نے فسانہ شب وصل
نیند آنے کا ہوا اُس کو بہانہ شب وصل
حسرت جلوۂ دیدار بہت ہے مجھ کو
چاہئے میرے لئے آئینہ خانہ شب وصل
میں نے صندل کی طرح ماتھے کو رگڑا تا صبح
درد سر کا جو کیا اُس نے بہانہ شب وصل
دونوں مہمان دم چند ہیں دیکھوں پہلے
جان جاتی ہے کہ ہوتی ہے روانہ شب وصل

جس قدر سوئے غنیمت میں سمجھتا ہوں اس
بخت خفتہ کو ہے تا صبح جگانا شب وصل
عشق ہے آنکھوں کا تلووں سے مجھے ملنے کا
پائینتی یار کی ہے میرا سرہانا شب وصل
رخصت یار کے اُوپر میں گلا کاٹوں گا
آب شمشیر سے ہے مجھ کو نہانا شب وصل

درد دل پوچھنے والا کوئی میرا نہ رہا
ہوگئی صورت عنقا مرے غمخوار کی شکل
آنکھ بجلی کے چمکنے سے جھپک جاتی ہے
دیکھیں ہم بھی تو ترے طالب دیدار کی شکل

م

آنکھ وہ فتنۂ دوراں کسے دکھلاتا ہے اول
شعبدہ جانتے ہیں گردش ایام کو ہم دوح

سنتے ہیں گبر و مسلماں سے ترے نام کو ہم
فتنہ انگیزی بھی چھپتی ہے کہیں پردے میں

حسن میں آپ کے ہے شان خدا عشق بازوں کے سجدہ گاہ ہو تم
کیوں محبت بڑھائی تھی تم سے ہم گنہگار ' بے گناہ ہو تم
ہے تمہارا خیال پیش نظر جس طرف جائیں سد راہ ہو تم

نکلے تو پھر کے آئے نہ اپنے مکاں میں ہم
ساکن ہیں جوش اشک سے آب رواں میں ہم
ساقی ہے ' یار ماہ لقا ہے ' شراب ہے
اب بادشاہ وقت ہیں اپنے مکاں میں ہم
دنیا و آخرت میں طلبگار ہیں تیرے
حاصل تجھے سمجھتے ہیں دونوں جہاں میں ہم
آیا ہے یار فاتحہ پڑھنے کو قبر پر
بیدار ' بخت خفتہ ہے ' خواب گراں میں ہم
باغ جہاں کو یاد کریں گے عدم میں کیا
کنج قفس سے تنگ رہے آشیاں میں ہم
اللہ رے بے قراری دل هجر یار میں
گاہے زمیں میں تھے تو گہے آسماں میں ہم
" آتش " سخن کی قدر زمانے سے اُٹھ گئی
مقدور ہو تو قفل لگاویں دہاں میں ہم

اُٹھ گئے وصل کی شب پیش تر از یار قدم
آگے ہم عمر رواں سے بھی چلے چار قدم
کوچہ گردی یہ شب و روز کی بے وجہہ نہیں
ایڑیاں رگڑیں گے کس کے پس دیوار قدم

جوش وحشت میں جو ہوں مائل رفتار قدم
شہر ہستی سے ہے صحرائے عدم چار قدم

جوش وحشت میں نہ زنجیر کو توڑا اک دن
گور میں جائیں گے ان ہاتھوں سے بیزار قدم

سپرد کس کے مری بعد ہو امانت عشق
اُٹھائے کون یہ بار گراں نہیں معلوم
کھلی ہے خانۂ صیاد میں ہماری آنکھ
قفس کو جانتے ہیں، آشیاں نہیں معلوم

ن

داغ جگر مٹا نہ سکی آہ صبح گاہ — گل کرتی ہے چراغ نسیم سحر کہاں
آئینہ دیکھنے کا گزرتا نہیں خیال — اپنی خبر نہیں اُنھیں میری خبر کہاں
قید خودی سے چھوٹ کے جا کی ہے گور میں — "آتش" ملا ہے گنبد گرداں کا در کہاں

اے مراد دل، ترے کوچے میں رکھتے ہے قدم
حسرتیں جو کچھ کہ تھیں گرد پریشاں ہو گئیں
یہ کھلا "آتش"، عناصر سے دل دیوانہ کو
چار دیواریں اکٹھی ہو کے زنداں ہوگئیں

طوف کوئے یار کی حسرت نہیں نکلی ابھی
طے ہوئی ہے کعبۂ مقصود کی منزل کہاں

بدن سا شہر نہیں دل سا بادشاہ نہیں
حواس خمسہ سے بہتر کوئی سپاہ نہیں

دامن ہے اپنے ہاتھ میں اک رشک ماہ کا
پھر نظر ہلال گریباں ہے ان دنوں

کافر ہو اے صنم جو خریدیے نہ تو اُسے
مہندی کے مول ، خون مسلماں ہے اِن دنوں

موت کے آتے ہی ہم کو خود بہ خود نیند آگئی
کیا اسی کی یاد میں کرتے تھے شب بیداریاں
خوف خالق ہے وگرنہ محتسب کیا مال ہے
خانۂ قاضی میں جا کر کیجئے مے خواریاں

ہوا تھا اس کو ایسا لطف کیا حاصل گلستاں میں
قفس میں عندلیب خستہ‌جاں ہےدل گلستاں میں

کرتا ہے کیا یہ محتسب سنگ‌دل غضب
شیشوں کی طرح ساتھ دل نہ کہیں چور چور ہوں
ثابت جو یار کرتے ہیں مجھ پر خطائے عشق
انصاف ہو تو آپ سراپا قصور ہوں
عزم طواف کعبہ ہے اب کچھ غرض نہیں
'' آتش '' بتان ہند ، پری ہوں کہ حور ہوں

مری ضد سے ہوا ہے مہرباں دوست — مرے احساں ہیں دشمن پر ہزاروں
ہوا سر خم نہ زیر تیغ جلاد — رہے بوجھ اپنی گردن پر ہزاروں
نہیں اک مرد کو دنیا سے مطلب — مریں نامرد اُس زن پر ہزاروں
عجب کیا ہے اگر پروانے بے شمع — جلیں ''آتش'' کے مدفن پر ہزاروں

چلتی ہے دست جنوں کی طرح سے باد بہار
چاک تا دامن ہوا گل کا گریباں باغ میں

درد مند عشق جویائے دوا ہوتا نہیں
تندرستی سے یہ بیمار آشنا ہوتا نہیں

دیکھئے کب تک نہیں ہوتی قیامت آشکار
تا کجا دیدار کا وعدہ وفا ہوتا نہیں

نہ دو آنسو گرے یاد الٰہی میں ان آنکھوں سے
اُڑا کے خاک ہی میرے چمن کی آبشاروں میں

میں وہ غم دوست ہوں جب کوئی تازہ غم ہوا پیدا
نہ نکلا ایک بھی میرے سوا امید واروں میں
بدن میں جان تازہ آئی ہے سونگھے سے اے ''آتش''
عجب خوشبو ہے اُس گل پیرہن کے باسی ہاروں میں

وفائے وعدہ کا کس کو یقین یار سے ہے کلام بت ہے کچھ اللہ کا کلام نہیں

آنکھیں مری کرے جو منور جمال یار گھی کے چراغ طور کے اُوپر جلاؤں میں
مردے کی طرح سوتے ہیں کہ سے مرے نصیب ٹھوکر سے پائے یار کی ان کو جگاؤں میں
کانٹا سکھا کے ہجر نے ہر چند کردیا وہ گل بدن ملے تو نہ پھولا سماؤں میں

دیوانگی نے کیا کیا عالم دکھا دئے ہیں پریوں نے کھڑکیوں کے پردے اُٹھا دئے ہیں

پادشاہی سے فقیری کا ہے پایہ بالا بوریا چھوڑ کے کیا تخت سلیماں مانگوں

شام سے سویا ہے بالوں سے چھپا کر منھ کو یار
یہ شب غم، دیکھئے عاشق، سحر کیوں کر کریں
اپنے خوں کی بو ہمیں آتی ہی یاں کی خاک سے
زندگی میں کوے قاتل سے سفر کیوں کر کریں
درد سر کے واسطے صندل نہ رگڑا جائے گا
ہو سکے '' آتش '' نہ جو وہ درد سر کیوں کر کریں

آتش افروزئے گردوں ہے تماشا مجھ کو
حجرہ جز سایۂ دیوار مرے گھر میں نہیں
بال پرواز خط شوق ہے اپنا ورنہ
طاقت اُس بام تک اُڑنے کی کبوتر میں نہیں

سامنا اپنا کسی جنگل میں ہوگا موت سے
یاں کفن کے چور کا حصہ نہیں اسباب میں

ہونٹھ چٹواتی ہے اُس شیریں دہن کی گفتگو
سن لیا مصری کی ڈلیوں کا مزہ ہے بات میں

نہ تجھے دماغ نگاہ ہے نہ کسی کو تاب جمال ہے
اُنہیں کسطرح سے دکھاؤں میں وہ جو کہتے ہیں کہ خدا نہیں
یہ خلاف ہو گیا آسماں یہ ہوا زمانے کی پھر گئی
کہیں گل کھلے بھی تو بو نہ دے کہیں حسن ہے تو وفا نہیں
تصور سے کسی کے میں نے کی ہے گفتگو برسوں
رہی ہے ایک تصویر خیالی روبرو برسوں
بہار گل گئی پھر بھی نہ سودا جائے گا اپنا
ہمارا پیرہن پھٹ پھٹ کے ہوئے گا رفو برسوں

صورت خواب فراموش ہے یاں عشق صنم
اپنے اللہ کو ہم یاد کیا کرتے ہیں
لالہ و گل کا نشاں رکھتی نہیں گل چینی
باغباں باغ کو برباد کیا کرتے ہیں
غم شب ہجر میں اپنے نہیں در پیش آتا
ذکر سے وصل کے دل شاد کیا کرتے ہیں

شیریں زباں ہوئی ہی فرہاد کے دہن میں
لیلیٰ پکارتی ہے مجنوں کے پیرہن میں

میدان کیا گرا کر اشکوں نے گھر ہمارا
دکھلائی سیر غربت سیلاب نے وطن میں
بازار مصر میں چل یوسف کا سامنا کر
کھوتے کھرے کا پردہ کھل جائے گا چلن میں

پست و بلند شعر ہزاروں ہی ڈھل گئے
کیوں کر یہ آسمان و زمیں یاں سے دور ہوں

نزدیک آچکی ہے سواری بہار کی
برگ خزاں رسیدہ گلستاں سے دور ہوں
فصل بہار آئی ہے کپڑوں کو پھاڑئیے
دل کے بخار دست و گریباں سے دور ہوں
یہ تنگ کر رہا ہے تو اولجھا رہے ہیں وہ
دامن کے پاٹ پہلے گریباں سے دور ہوں
ممکن نہیں نجات اسیران عشق کو
قیدی یہ وہ نہیں ہیں کہ زنداں سے دور ہوں

معلوم کچھ نہیں کہ چلے جاتے ہیں کہاں
ریگ رواں سے کم مری عمر رواں نہیں

کس دشت میں کہا ہے قضا نے میرا گزر
گرد و غبار ہے اثر کارواں نہیں
ہر مہ جبیں کا عرش کے اوپر دماغ ہے
کس کا بلند بام سے یاں آستاں نہیں
آزاد ہو کے یاد گرفتار آئے گی
کنج قفس میں خار و خس آشیاں نہیں

نہ تو دشمن کوئی میرا ، نہ کوئی میرا دوست
بار خاطر نہ کسی کا نہ غبار کا دامن

ہوتے ہیں قتل طالب دیدار بے گناہ
عریانی تیغ کی ہے تمھارے حجاب میں

جان عزیز کرتے ہیں تم پر نثار ہم
دل کس شمار میں ہے جگر کس حساب میں
آجائے شام سے تو نہ جانے دوں صبح تک
اوس ماہ چار دہ کو شب ماہتاب میں
"آتش" صنم بھی کرنے لگے بے نیازیاں
ہیں لاکھ لاکھ شکر خدا کی جناب میں

مکیں ہر معنئی روشن مکاں ہر بیت موزوں ہے
غزل کہتے نہیں ہم چند گھر آباد کرتے ہیں
خدا جانے یہ آرائش کرے‌گی قتل کس کس کو
طلب ہوتا ہے شانہ آئینے کو یاد کرتے ہیں
زباں سے اپنے دیوانہ نہ کہہ ! اے ماہ‌رو مجھ کو
وہی ہوتا ہے جو صاحب کمال ارشاد کرتے ہیں
کوئی ذرہ تو اُس کا تابہ دامن اُڑ کے پہونچے‌گا
یہ مشت خاک تیری راہ میں برباد کرتے ہیں
عجب نعمت عطا کی ہے خدانے اہل غیرت کو
عجب یہ لوگ ہیں غم کھا کے دل‌کو شاد کرتے ہیں

تیرے دیوانوں کو نفرت ظاہر آرائی سے ہے
پانؤں میں بیڑی نہیں ہے طوق گردن میں نہیں
شکر کے سجدے کا میرے سر کو سودا چاہئے
محو یاد دوست میں ہوں فکر دشمن میں نہیں

بلبل نہ ہاتھ آئے الٰہی شکار میں
صیاد باغ باغ نہ ہووے بہار میں
جپتے ہیں اُس کے نام کو ہم سے ہزار ہا
تسبیح اپنے یار کی ہے کس شمار میں
جام شراب عشق سے دونوں ہیں بےخبر
بلبل چمن میں مست ہے ہم کوئے یار میں

پھرتا ہوں ، پھیرتا ہے وہ پردہ نشیں جدھر
پتلی کی طرح سے میں نہیں اختیار میں

وہ نگاہیں نہیں اگلی سی تمہاری ہم سے
حال پر اپنے وہ اشفاق وہ الطاف نہیں

چشم مستانہ کی گردش سے تہ و بالا ہوں دل
عشق بازوں کی صفیں اُلٹیں یہ ساغر سیکڑوں

یہ سعادت لکھی ہے قسمت میں کس کے دیکھئے
خوں گرفتہ ایک میں ہوں اور خنجر سیکڑوں
وہ رگ سودا ہوں میں فرقت جنوں کے درمیاں
ٹوٹ کر رہ رہ گئے ہیں جس میں نشتر سیکڑوں
بار ہا برپا قیامت کی خرام یار نے
جاگ اُٹھے فتنۂ خوابیدہ اکثر سیکڑوں
ہجر کی شب سے نہ ڈر اے طالب روز وصال
گنتے گنتے صبح کر دینے کو اختر سیکڑوں
دل دیا چاہے تو '' آتش '' دل ربا موجود ہیں
خوب تر سے خوب تر بہتر سے بہتر سیکڑوں

سینۂ صافی سے ہے آئینے کا رتبہ حاصل
جیسا ہو وے کوئی ویسا نظر آتا ہوں میں
نعمت عشق بھی ممکن نہیں بےفضل خدا
شکر کرتا ہوں اگر داغ بھی کھاتا ہوں میں
ساقیا جام کو اللہ سلامت رکھے
یہ قدح میرا ہے خیر اس کی مناتا ہوں میں
بےنقاب آتا ہے گلگشت کو وہ رشک بہار
بلبلوں کو چمنستاں سے اوڑاتا ہوں میں

ساقیٔ میکدہ نے مجھ کو یہ خدمت دی ہے
نشے میں مست جو کرتا ہے اُٹھاتا ہوں میں
شمع کی طرح سے جلنے لگے شعلہ ہو بلند
سوزش دل کو زباں پر نہیں لاتا ہوں میں
کوئے مقصود کے سودے میں شب و روز ''آتش''
جادو کی طرح تجھے راہ میں پاتا ہوں میں

اختیاری حرکت جان نہ مجبوروں کی
لئے جاتی ہے جدھر ہم کو قضا جاتے ہیں
اے صنم ان کو کمر تک بھی خدا پہونچا دے
دوش تک تو ترے گیسوئے رسا جاتے ہیں

تیرا نیاز مند جو اے نازنیں نہیں
دونوں جہاں میں اُس کا ٹھکانا کہیں نہیں
ہم بوسہ مانگیں اور کرے تو نہیں نہیں
انصاف چاہتا ہے یہ اے نازنیں نہیں
رخسار بادشاہ ہے دل مجھ فقیر کا
اتنا تفاوت اس میں ہے چین جبیں نہیں
عمر گذشتہ کا کہیں لگتا نہیں پتا
بالائے آسماں نہیں زیر زمیں نہیں
گل ہوتے ہیں بہار چمن سے چراغ عقل
کام آستیں کا کرتی ہے گو آستیں نہیں
آنکھوں کے سامنے سے نہ ہٹ اے خیال یار
تجھ سے کوئی عزیز دم واپسیں نہیں

راستی آئی پسند دل کو قد یار کی
لطف کجی کا ملا ابروئے خمدار میں
ہجر کی طاقت نہیں دل کو مرے بعد وصل
زہر ملا لیجئے شربت دیدار میں

تاب دیدار نہیں رکھتے ہیں یا کہتے ہیں
چشم بینا ترے مشتاق لقا رکھتے ہیں
سچ تو یہ ہے کہ نہیں دوسرا تجھ سا کوئی
اے صنم جھوٹ نہ بولیں گے خدا رکھتے ہیں
کون سے پارۂ دل پر نہیں اک عشق کا داغ
یہ نگیں وہ ہیں کہ جو نقش وفا رکھتے ہیں
جامہ زیبوں سے میں تشبیہ گلوں کو کیا دوں
جس میں ایک بند نہیں وہ یہ قبا رکھتے ہیں
بحر اُلفت میں تباہی کا ہے اندیشہ کسے
نا خدا جو نہیں رکھتے وہ خدا رکھتے ہیں
جسم خاکی کے تلے جسم مثالی بھی ہے
اک قبا اور بھی ہم زیر قبا رکھتے ہیں

دیدار یار برق تجلی سے کم نہیں
بند آنکھیں ہوں گی دیں گے دعائیں بصارتیں
آنکھوں میں اپنے دولت بیدار ہیں وہ خواب
ہوتی ہیں تیرے وصل کی جن میں بشارتیں
باقی رہے گا نام ہمارا نشاں کے ساتھ
اپنی بھی چند بیتیں ہیں اپنی عمارتیں
ایسی خلاف ہم سے ہوئی ہے ہوائے دہر
کافور کھائے تو ہوں پیدا حرارتیں
آتش یہ شش جہت ہے مگر کوچہ یار کا
چاروں طرف سے ہوتی ہیں ہم پر اشارتیں

اس شش جہت میں خوب تری جستجو کریں
کعبے میں چل کے سجدہ تجھے چار سو کریں
عاشق جو حسن پاک میں کچھ گفتگو کریں
دامن کا پہلے نام لیں پہلے وضو کریں

پیدا کریں جو تجھ کو اُنھیں کو ھے دسترس
پا مرد ھیں وھی جو تری جستجو کریں
دیوانگی کا سلسلہ جاوے نہ ھاتوں سے
دامن کو پھاڑئے جو گریباں رفو کریں
مستی میں مجھ سے بےادبی ھوگئی یار سے
مجھ کو گنہگار نہ جام و سبو کریں
موجود گو کہ تو ھے مگر چاھتا ھے شوق
آوارہ ھوں، تلاش تری چار سو کریں

آتی ھے کوہ سوختۂ طور سے صدا
نظارۂ جمال غضب ھے جلال میں
دور شراب حلقۂ بیرون در ھے یاں
اس بزم میں ھے مست ھر اک اپنے حال میں
آتی ھے باغ سے تو صبا سے ھوں پوچھتا
کتنے شگوفے آئے ھیں کس کس نہال میں
بھولیں گے عیش میں بھی نہ "آتش" غم و الم
یاد آئیں گے فراق کے صدمے وصال میں

گل کو نظر سے اشک خونیں اُتارتے ھیں
گلچیں ھمارے آگے دامن پسارتے ھیں
مردے وہ زندہ کرتے زندوں کو مارتے ھیں
اِس کو بگاڑتے ھیں اُس کو سنوارتے ھیں
رھتی ھے اک پریشاں حالی و بد دماغی
سودے میں گیسوؤں کے سر دے دے مارتے ھیں

کھلی ھے چاندنی مے پھینئے تو موقع ھے
طلوع ماہ ھے اور آفتاب شیشے میں
بتائے رکھتے ھیں ساقی اگر دیا چاھے
سوال کا ھے ھمارے جواب شیشے میں

یہ ہم سے نشے میں ہووے گی بے محل حرکت
شراب پی کے بھریں گے کباب شیشے میں

———

یہ کیفیت اُسے ملتی ہے جو جس کے مقدر میں
مئے اُلفت نہ خم میں ہے نہ شیشے میں نہ ساغر میں
قیامت تک یہی گردش رہے گی روز شب ان کو
مہ و خورشید حسن یار سے آئے ہیں چکر میں
جہاں چاہے بسر اوقات کر لے چار دن بلبل
چمن میں آشیانہ ہے قفس صیاد کے گھر میں
مآل کار کی صورت بھی آنکھوں کو نظر آتی
لگا دیتا تھا اک آئینہ بھی قبر سکندر میں
قناعت دی ہے مثل قبر مجھ کو خاکساری نے
رہوں گا باغ باغ "آتش" میں اک پہلو کی چادر میں

———

جنوں پردہ دری دکھلا رہا ہے داغ سینے کے
تماشائے چمن ہے کوچۂ چاک گریباں میں
یہ مجھ دیوانے کی زنجیر سے آواز آتی ہے
وہ کیچڑ میں پھنسا ہے جو ہے آب و گل کے زنداں میں
گرفتاری میں آزادی کی کیفیت رہے حاصل
رہا جامے سے باہر اپنے میں دیوانہ زنداں میں
بہار گل کی جو دیوانگی یاد آئی آنکھوں کو
بہت رویا میں منھ کو ڈال کر اپنے گریباں میں
کبھی تو دور ہوگا گھونگھٹ اُس رخسار رنگیں سے
کہاں تک غنچہ رکھے گا بہار گل گریباں میں
ہر اک عضو بدن بے مثل ہے اُس حور پیکر کا
جواب اپنا نہیں رکھتا ہے جو سورہ ہے قرآں میں
تباہی میں ہے لازم یاد حق اہل توکل کو
خدا پر چھوڑتا ہے نا خدا کشتی کو طوفاں میں

———

جاں بلب رکھتا ہے اک رشک مسیحا کا فراق
دم نکل جاوے یہ حالت ہے ہماری اِن دنوں
لو لگی ہے تیغ قاتل سے شہادت کا ہے شوق
خوں ہے زخموں کی طرح آنکھوں سے جاری اِن دنوں
سامنا رہتا ہے اشک سرخ و رنگ زرد کا
آشنائی درد سے ہے غم سے یاری ان دنوں
بستر غم پر پڑا رکھتی ہے مردے کی طرح
بے خودی ' بے طاقتی ' بے اختیاری ' ان دنوں

قید مذہب کی نہیں حسن پرستوں کے لئے
کافر عشق ہوں میں کوئی مرا کیش نہیں
غیر کے ہاتھ نہ بیچیں گے ہم آئینۂ دل
یار جو چاہے سو دے قید کم و بیش نہیں

ہمیں سے ہے جو ناز حسن کو دیدار کا پردہ
نقاب آپ اُلٹے ہم اپنی آنکھیں بند کرتے ہیں
ارادہ ہے گریباں پھاڑ کر لوں راہ صحرا کی
نصیحت سے مجھے دیوانہ دانشمند کرتے ہیں
محبت میں کمی آئی نہیں فضل الٰہی سے
نیاز اپنا وہی ہے ناز وہ ہرچند کرتے ہیں

حسینوں کا تکلف اُن کی آرائش نہیں رکھتی ہے
نظر آتی ہے میلی چاندنی جب وہ نکھرتے ہیں
لب جاں بخش کا بوسہ نہیں دیتے وہ عاشق کو
مسیحا ہیں مگر بیمار سے پرہیز کرتے ہیں

و

خار پیدا ہوں نہ جس جا گل شگفتہ ہوں وہیں
آسماں اُس کو بنادوں جو زمیں اُفتادہ ہو

چھٹ کر شمشیر قاتل سے رگڑتا ہوں گلو
جاں سے اپنی نہ تنگ اتنا کوئی دل دادہ ہو

———

مآل کار ہے دعویٰ باطل کا پشیمانی
خدا سے اے بتو سیکھو طریق کار سازی کو
فزوں کعبہ سے بھی سجدہ طلب محراب ابرو ہے
جھکانی پڑتی ہے گردن ، نمازی بے نمازی کو
بتوں نے کیچ ادائی کی تو کی ، شکوہ نہیں اُس کا
خدا بھی کام فرماتا ہے ہم سے بے نیازی کو

———

حسن بے پردہ کا عالم جلوہ‌گر پاتا ہوں میں
دم پھوک جاتا ہے عریاں دیکھ کر تلوار کو
روئے روشن سے مشابہ ہے نہایت آفتاب
دھوپ میں بٹھلائے گا مجھ تشنۂ دیدار کو
صبر کو کھو کر نہ ہوگا تو بھی اے دل باغ باغ
پھولتے پھلتے نہیں دیکھا غریب آزار کو

———

ہجر کی شب کی مصیبت کس طرح تحریر ہو
جمع کر سکتا نہیں کوئی پریشاں خواب کو

———

دوست ہی جب دشمن جاں ہو تو کیا معلوم ہو
آدمی کو کس طرح اپنی قضا معلوم ہو

———

خواب و بیداری یہ مرگ زیست ہے اے بے خبر
لوح دل پر سے مٹا نقش امید و بیم کو
ہمت مردانہ نے "آتش" کیا ہے بے نیاز
جانتا ہوں میں گدا سلطان ہفت اقلیم کو

———

فراق یار میں احوال کیا کہوں اپنا دل دو نیم نہ ہو جان بے قرار نہ ہو

نہ سنا تھا سو وہ کانوں نے سنایا مجھ کو
جو نہ دیکھا تھا اِن آنکھوں نے دکھایا مجھ کو
شکر صد شکر تعلق نہ ہوا دل کو کہیں
یار و اغیار کے جھگڑے سے چھڑایا مجھ کو
طور پر حضرت موسیٰ نے تجلی دیکھی
بام پر یار نے دیدار دکھایا مجھ کو
جاں بھی نکلی دم نزع تو آسانی سے
کار مشکل کوئی درپیش نہ آیا مجھ کو
شام سے پہلوئے خالی نے اک آفت ڈھائی
صبح تک طالع خفتہ نے جگایا مجھ کو

اے صنم ہو وے نہ خورشید قیامت طالع
دھوپ میں نہ بٹھا اپنے گنہگاروں کو
حسن یوسف کو ترے حسن سے نسبت کیا ہے
پھونک دے گرمی بازار خریداروں کو
عید قرباں ہے ہزاروں ہی گلے کٹتے ہیں
تو بھی آزاد کر اب اپنے گرفتاروں کو
جاکے اِس باغ سے کیا یاد کریں گے "آتش"
چشم تر ہم کو ملی خشک زباں خاروں کو

حسن تکلیف لب بام اُسے کرتا ہے
شرم سمجھاتی ہے سایہ پس دیوار نہ ہو
برھمن آنکھوں کو ملتا ہے جو پائے بت پر
رشک آتا ہے مجھے سنگ در یار نہ ہو
متصل نالوں کے آواز چلی آتی ہے
جسم خاکی قفس مرغ گرفتار نہ ہو

نام سنتا ہوں جو میں گور کی اندھیاری کا
دل دھڑکتا ہے جدائی کی شب تار نہ ہو
گور میں ساتھ لئے جائیں گے اپنی اُسے
نہیں ہوتا جو کوئی دل کا خریدار نہ ہو
بے طرح جوش میں سیلاب سرشک آیا ہے
چار دیوار عناصر کہیں سمار نہ ہو
ترک الفت کا ارادہ نہ کر "آتش" زنہار
دل سے بیزار تو ہے جان سے بیزار نہ ہو

خوں ہوا جاتا ہے دل کیا دیدۂ تر خشک ہو
روز ٹانکے ٹوٹتے ہیں زخم کیوں کر خشک ہو
کس توقع پر بھلا اس میکدے میں ہم رہیں
لب نہ تر ہوویں اگر سارا سمندر خشک ہو
سوز غم سے کیا کہوں میں حال دل اے ہمنشیں
آگ لگ جائے جو اک دم دیدۂ تر خشک ہو

ترے سوا کوئی ترکیب دل پسند نہ ہو جو برق طور بھی چمکے تو آنکھ بند نہ ہو
نکلتے ہی نہیں آئینہ خانہ سے باہر غرور حسن سے اتنا بھی خود پسند نہ ہو
لبوں سے جاں نکلنے دے ٹھہر جا قاتل ہماری روح سے آگے ترا سمند نہ ہو
برابر اُس کے کھڑا ہوکے سرو اکڑتا ہے الٰہی قد بھی کسی کا بہت بلند نہ ہو

روپ دکھلا کوئی تو ہم کو نیارے آسماں
یاد کیا آنکھیں کریں گی اس تماشا گاہ کو
دیکھئے دونوں میں کس کا ہو بہ خیر انجام کار
بت کو سجدہ برہمن کرتے ہیں ہم اللہ کو

صورت کوئی صفائی کی اب اے صنم نہیں
جب تک ہمارے تیرے خدا درمیاں نہ ہو
اے آسماں نمود نہیں ہم کو چاہئے
بعد فنا مزار کا اپنے نشاں نہ ہو

عاشق تری گلی میں بہت خاک اُڑاتے ہیں
اِس سر زمیں کے گرد کہیں آسماں نہ ہو

خاک میں مل کے بھی لپٹوں گا ترے دامن سے
اپنے کوچے کی سمجھ گرد پریشاں مجھ کو
دل مرا نعرۂ تکبیر ہلا دیتا ہے
جتنے کافر ہیں سمجھتے ہیں مسلماں مجھ کو
موسم گل نہیں آتا ہے اجل آتی ہے
گور سے تنگ ہوا جاتا ہے زنداں مجھ کو

روئے زیبا کا کسی محبوب سے مائل نہ ہو
دل تو دینا سہل ہے پھر جاں کنی مشکل نہ ہو
اے صنم کوئی نہیں محبوب تجسا دوسرا
سخت کافر ہے جو وحدت کا تری قائل نہ ہو
اُٹھ، چکا روز قیامت روئے قاتل سے نقاب
عرصۂ محشر نگہہ کے تیر کی منزل نہ ہو

کیا بادۂ گلگوں سے مسرور کیا دل کو
آباد رکھے داتا ساقی ترے محفل کو
مشتاق جو ہوتا ہوں کعبہ کی زیارت کا
آنکھیں پھری جاتی ہیں طوف حرم دل کو
تاخیر نہ کر کوئے محبوب کے چلنے میں
کھوتی نہیں کرتے ہیں فردوس کی منزل کو
جو چاہے سو مانگ ''آتش'' درگاہ الٰہی سے
محروم کبھی پھرتے دیکھا نہیں سائل کو

هدف تیر نگہ ہیں جگر و دل دونوں — دیکھئے ہووے کب آباد کدھر کا پہلو
شب تنہائی جہنم مجھے رکھتی ہے — داغ پہلو سے نہ ہو گرم بشر کا پہلو
دور سے کوچۂ دلبر کو کھڑا تکتا ہوں — نہ تو دیوار کا تکیہ نہ تو در کا پہلو
زخم کاری ہے مری جاں جدائی تیری — دم نکل جائے گا پہلو سے جو سرکا پہلو

خزاں نے پیشتر کار گل و بلبل کیا آخر
جزائے خیر دے اللہ صیاد اور گلچیں کو
ہزار افسوس ہے اے بے مروت تو نہیں آتا
غش آجاتا ہے اکثر تیرے بیمار کی تسکیں کو
تمہیں دیکھے تو مجنوں سے سوا لیلیٰ ہو دیوانی
تمہاری دل غریبی چھین لے خسرو سے شیریں کو
بشر کو بعد نعمت کے ہے ہوتی قدر نعمت کی
غنیمت جانتا ہے لنگ اپنے پائے چوبیں کو

سنیں ہیں کافران عشق کے منہ سے جو تعریفیں
مسلماں ڈھونڈتے پھرتے ہیں اُس غارتگرِ دیں کو
فراق یار میں سودائے آسائش نہیں تم پر
نہ آئی نیند توڑوں گا سر سے خشت بالیں کو

دل بیتاب کو فریاد و فغاں کرنے دو
پہلے غمازی ہی کو قصہ بیاں کرنے دو
میں تو شاعر نہیں عاشق ہوں مجھے کیا ڈر ہے
کاکل یار پر افعی کا گماں کرنے دو
انتظار ملک الموت میں بیدار ہوں میں
بخت خفتہ کو مرے خواب گراں کرنے دو
پھوٹ بہنے دو اُنہیں یار کے آگے ''آتش''
دل کا احوال بھی آنکھوں کو بیاں کرنے دو

شادی نہیں قبول مجھے غم قبول ہے
میری خوشی سے تنگ مرا پیرہن نہ ہو
رو اِس قدر کہ اَبروئے ابر تر رہے
اتنا نہ ہنس کہ برق کبھی خندہ زن نہ ہو
یہ رعب حسن یار سے محفل ہے دم بخود
ڈھونڈھو تو عرض حال کو پیدا دہن نہ ہو

کهکر هر ایک عضو سے روح چل بسی
اس طرح بے چراغ کوئی انجمن نہ هو
رنگینئی سخن رهے گی روز حشر تک
اُڑ جائے چار دن میں، یہ رنگ چمن نہ هو

آسماں پر حسن نے پهونچا دیا دلدار کو
دهوپ سایہ کو کیا سورج کیا رخسار کو
چیر کر پهلو، کیا قاتل کے خنجر نے کُرم
اپنے گهر میں آیا مهماں توڑ کر دیوار کو
چار هی دن میں نہ رکها بلبل و گل کا نشاں
کها گئی صیاد و گلچیں کی نظر گلزار کو
خواب میں بهی دیکهنے سے یار کے رکهتا هے باز
فتنۂ بیدار کهئے دیدۂ بیدار کو

دست قدرت نے بنایا حسن کا مجه، کو گدا
آنکهوں کے کاسے دئے در یوزۂ دیدار کو

چهرۂ رنگیں کی دکهلائی تصور نے بهار
بند آنکهیں کو کیا کهولا در گلزار کو
وقت آخر، عشق پنهاں یار پر ظاهر هوا
نزع میں عیسیٰ نے دکهایا ریسماں و دار کو

خدا جانے کہ هوگا حال کیا هم بادہ نوشوں کا
لڑ اکر جام سے توڑا هے بدمستی میں مینا کو

مری میراث هے خلد بریں فرزند آدم هوں
سرهانے جانتا هوں اپنے میں زانوئے حورا کو
تراشا تجه، کو جس بت ساز نے اے بت قیامت کی
بنایا شیشہ سے نازک مزاج سنگ خارا کو

یارب آغاز محبت کا بخیر انجام ہو
شیشہ میں اُترے پری پختہ جنوں خام ہو
مرغ دل کو کنج لب میں زلف پیچاں لے گئی
اُس طرح سے جس طرح رہبر قفس کا دام ہو
ابر دریا بار آ پہونچا قریب مے کدہ
نا خدائے کشتی مے ساقی گل فام ہو
حسن کا شہرہ ہو ہم کو خاک میں مل وائے عشق
کار مردانہ کرے کوئی کسی کا نام ہو

اِس کا جواب ہے نہ تو اُس کا جواب ہے
رخ یار کو ملا ہے نہ پشت آفتاب کو
قاصد کے ہاتھ آنے سے رشک آئے گا مجھے
لکھا ہے میں نے خط میں نہ لکھنا جواب کو
فرقت میں یار کے ہے بھرا پیس کر نمک
آنکھوں میں اپنے میں نے جو دیکھا ہے خواب کو
بے گنتی بوسہ لیں گے رخ دل پسند کے
عاشق ترے پڑھے نہیں علم حساب کو

بے قراری میں مری یارب اثر پیدا ہو
سر کو دیوار سے ٹکراؤں تو در پیدا ہو
مجھ مسافر کی تو صورت نہ کسی نے دیکھی
میں تو پوشیدہ رہا گرد سفر پیدا ہو
عہد پیری میں طبیعت کو جواں ہم بھی کریں
خوبصورت جو وفادار بشر پیدا ہو

بھاگ کر عاشق شیدا سے کہاں جاؤ گے
قدم آہستہ رکھو ٹھوکریں کھاتے نہ چلو
کوئے معشوق میں اے عاشقو جاتے ہو تو جاؤ
یہ شگوں نیک نہیں خاک اُڑاتے نہ چلو

تصور لالہ و گل کا رہا کرتا ہے آنکھوں میں
قفس میں بھی سلام شوق کر لیتے ہیں گلشن کو
دگر گوں رنگ رہتا ہے میرا شوق شہادت میں
گراں ہے دوش کو گردن تو بھاری سر ہے گردن کو
یہ قصر یار کو پیغام دینا اے صبا میرا
نگاہیں ڈھونڈتی ہیں تیری دیواروں کی روزن کو

کج رکھ کے وہ کلاہ جو چڑھتے ہیں اسپ پر
گردن پر اُن کے خوں ہمارا سوار ہو

مست شراب عشق کب آتے ہیں ہوش میں یہ نشہ وہ نہیں ہے کہ جس کو خمار ہو
دست جنوں سے زلف کے سودے چاہئے پیراہن حیات مرا تار تار ہو
کب سے دل و جگر ہیں نشانہ بنے ہوئے دیکھوں کدھر سے تیر نگہ کا گذار ہو
گلگشت کا خیال جو آجائے آپ کو تم آگے، پیچھے تمہارے بہار ہو
بیزار زندگی سے ہوں یہ شوق مرگ میں ڈھونڈوں چراغ لے کے جو پیدا مزار ہو

جلا دیتی ہے اپنی گرم رفتاری بیاباں کو کھٹکتے ہیں ہمارے آبلے خار مغیلاں کو
بہار آئی ہے دیوانو چلو سیر بیاباں کو گریباں پھاڑنے پر باندھو اپنے اپنے داماں کو
فراق یار میں گریہ کا ضبط ''آتش'' نہیں بہتر بخار دل نکلنے دو برس لینے دو باراں کو

خم ابروئے قاتل پھر گیا ہے اپنی آنکھوں میں
لیا ہے بوسہ دیکھا ہے جو ہم نے تیغ عریاں کو
خیال آتا ہے صحرا کا جو شب کو جوش وحشت میں
بناتا ہوں فتیلہ پھاڑ کر میں جیب و داماں کو
منور کر جمال و حسن کے نظارہ سے آنکھیں
الٰہی بھیج دے گھر میں مرے یوسف سے مہماں کو

اکسیر سے بہتر ہے در یار کی مٹی
منظور نہ چاندی ہے نہ سونا مرے دل کو

تا صبح تجھے یاد کیا مجھ کو جگا کر
بھولا نہ ترے ساتھ کا سونا مرے دل کو
بس ہو تو ابھی چیر کے پہلو کو نکل جائے
رکھتا ہے بہت تنگ یہ کونا مرے دل کو
کچھ خاک اُڑانے سے نہیں ملنے کا "آتش"
بے کار یہ مٹی کا ہے ڈھونا مرے دل کو

نکلتی کس طرح ہے جان مضطر دیکھتے جاؤ
ہمارے پاس سے جاؤ تو پھر کر دیکھتے جاؤ
قدم انداز سے باہر ہوئے جاتے ہیں صاحب کے
ستم رفتار میں کرتی ہے ٹھوکر دیکھتے جاؤ
خرام ناز میں عاشق سے ہو اس کا اشارہ بھی
کچھ اپنی تیغ ابرو کے بھی جوہر دیکھتے جاؤ
روش مستانہ چلتے ہو، قدم مستانہ پڑتے ہیں
خدا کے واسطے پھر پھر پیمبر دیکھتے جاؤ
نقاب اک دن اُلٹ تم نے یہ منھ سے نہ فرمایا
جمال آفتاب ذرہ پرور دیکھتے جاؤ

داغ غم عشق کو دل میں جگہ دیجئے ڈھونڈھئے لے کر چراغ شاہد مقصود کو
پردۂ غفلت اُٹھا پیش نظر یار ہے دیر و حرم میں نہ جا ڈھونڈھئے موجود کو

۷

ہے نرالی کشش عشق جفاکار کی راہ
چاہ کنعاں میں ملی مصر کے بازار کی راہ
کھینچ لی ہے تو لگانے میں تامل نہ کرو
کھوئی ہوتی ہے میاں آپ کی تلوار کی راہ
عید ہوگئی، رمضان جائے گا اے بادہ کشو
بند رہنے کی نہیں خانۂ خمار کی راہ

غیر حق کو میں سمجھتا ہوں خیال باطل
"آتش" اک دل میں نہیں ہوتی ہے دوچار کی راہ

دل و ہستی بت کا نہ پابند ہو یارب
دشمن کا بھی دب جائے نہ پتھر کے تلے ہاتھ
صحرا کو چلو چاک گریباں کرو "آتش"
لنگر میں نہ ہیں پانوں نہ پتھر کے تلے ہاتھ

آبرو اپنی ہے اب ابرو خمدار کے ہاتھ
نیم جاں دل ہے طلب گار سلوک شمشیر
پاؤں کی طرح سے زیبا نہیں رفتار کے ہاتھ
کام جس کا ہے اُسی سے ہے تعلق رکھنا

چاند سے مکھڑے کو دکھلا کر چھپانا قہر ہے
دوس خدا ناترس کو دکھلاؤں کیوں کر آئینہ

حسرت کی نگاہوں سے عیاں حال ہے میرا
گویا ہوں خموشی میں تکلم سے زیادہ
کہتا ہے وہ شوخ آئینہ میں عکس سے "آتش"
تم ہمسے زیادہ تو ہم تمسے زیادہ

منزل مقصود کا سودا ہے اپنے سر کے ساتھہ
گرد راہ کی طرح پٹے جاتے ہیں رہبر کے ساتھہ
پر کترتا ہے مرے صیاد تو کاٹ اس طرح
حسرت پرواز بھی اُڑ جائے بال و پر کے ساتھہ

دامن چھڑا کے جب سے گیا ہے وہ بے وفا
دانتوں سے کاٹتا ہوں میں بے اختیار ہاتھہ
دوں گا سزا میں تار گریباں سے باندہ کر
راز جنوں کریں گے اگر آشکار ہاتھہ
دیوانے منتظر ہیں نسیم بہار کے
کپڑوں کے پھاڑنے کے ہیں امیدوار ہاتھہ
کہتا ہوں دست قاتل بے رحم چوم کر
وقت عطائے رحمت پروردگار ہاتھہ
زنجیر کو بہار میں توڑا نہ طوق کو
گردن سے اور پانوں سے ہے شرمسار ہاتھہ

پونچھي کسي نے محکمۂ حشر میں نہ بات
تھہرے نہ ہم حساب میں روز شمار کچھ

ے

خدا یاد آ گیا مجھ کو بتوں کی بے نیازی سے
ملا بام حقیقت زینۂ عشق مجازی سے
رسائي مصرتک اِس کی تواُس کی عرش تک حدھے
مہ کنعاں کو کیا نسبت ھے خرشید حجازی سے
طرح داري کرے گی عاشقوں کو جامہ سے باھر
گریباں چاک ھوں گے یار کے دامن درازی سے
شب آدینہ بھي آتا نہیں گور غریباں پر
ھنوز آگہ نہیں وہ شمع و مسکیں نوازي سے

گیسو مشکیں رخ محبوب تک آنے لگے
چشمۂ خورشید میں بھی سانپ لہرانے لگے
تو بھی تو اے شعلہ رو اک شب اُلٹ منہ سے نقاب
گرد شمعوں کی مبہت رھتے ھیں پروانے لگے

نہ پھر اُور بدر اے دیدۂ معشوق طلب
دست ھمت کو ھے اب کاسۂ سائل بھاری

دل میں آتا ھے کہ اب اپنے گلے کو کاٹوں
نیم جاں چھوڑ کے قاتل کو ندامت کم ھے
دل کہیں، جاں کہیں، چشم کہیں، گوش کہیں
اپنے مجموعہ کا ھر ایک ورق برھم ھے
زندگانی سے جو تنگ آکے ھے دل گھبراتا
پوچھنے جاتا ھوں مردوں سے کہ کیا عالم ھے
کھینچ لاتا ھے۔جو چل جاتی ھے جزب دل کی
منتظر یار کا ھوں آنکھوں میں جب تک دم ھے

وعدۂ شربت دیدار ہے بیماروں سے
دم کے دینے کو مسیحا بھی مرا حاتم ہے

یقیں ہے آئے گی جان اپنی آکے گردن میں — سنا ہے جائے قریب رگ گلو تیری
شب فراق میں اک دم نہیں قرار آیا — خدا گواہ ہے شاہد ہے آرزو تیری
مری طرف سے صبا کہیو میرے یوسف سے — نکل چلی ہے مبہت پیرہن سے بو تیری
شراب شرم وحیاؤ حجاب کھو دے گی — دکھائے گا ہمیں کیفیتیں سبو تیری
شب فراق میں اے روز وصل تا دم صبح — چراغ ہاتھ میں ہے اور جستجو تیری
جو ابر گریہ زناں ہے تو برق خندہ زناں — کسی میں خو ہے ہماری کسی میں خو تیری
کسی طرف سے تو نکلے گا آخر اے شہۂ حسن — فقیر دیکھتے ہیں راہ کو بکو تیری

کوچۂ دل بر میں، بلبل چمن میں، مست ہے
ہر کوئی یاں اپنے اپنے پیرہن میں مست ہے
دور گردوں ہے خداوندا، کہ یہ دور شراب
دیکھتا ہوں جس کو میں اس انجمن میں مست ہے
ایک ساغر دو جہاں کے غم کو کرتا ہے غلط
اے خوشا طالع جو شیخ و برهمن میں مست ہے

خواب سے بیدار وہ خورشید رو آ کر کرے — ایسی اے آنکھوں دکھاؤ صبح نورانی مجھے
عشق میرا مہرباں ہے حسن بندہ یار کا — آئینہ سا رخ ملا ہے اُن کو حیرانی مجھے
خشک رہتا ہے بہت شوق شہادت سے گلا — ہو سکے تو ہمدموں خنجر کا دو پانی مجھے
اے خیال یار کرتا ہوں ریاضت سے صفا — خانۂ دل میں ہے کرنی تیری مہمانی مجھے
حسن کے جلوہ سے اُس رخ کا اشارہ ہے یہی — کافری زلفوں کو، زیبا ہے مسلمانی مجھے

زنجیر ہو گئیں ہیں بدن کو مری رگیں — کھینچی ہے ناتوانی نے تصویر اسیر کی
دیکھا مشیر کار نہ دیوانہ کا کوئی — اس بادشاہ کو نہیں حاجت وزیر کی

بیمار عشق مرتے ہیں اس اشتیاق میں — پی جائے جو شربت دیدار دیکھئے
رغبت کی آنکھ ڈالئے ذروں کی طرح سے — روشن جو آفتاب سا رخسار دیکھئے

آهسته پانۆں رکھئے قیامت نه کیجئے ٹھوکر سے فتنے هوتے هیں بیدار دیکھئے
عاشق مسیح بھی تمھیں کہتے هیں مہرباں حال اُس کا پوچھئے جسے بیمار دیکھئے
مشتاق دل هے جنبش ابروے یار کا چلتی هے کس طرح سے یه تلوار دیکھئے

اس خرابی میں تیرے صفحهٔ دل پر مجھ، کو
ایک تصویر اگر کھینچ دے مانی تیری
صبح تک شام سے کرتی هے ' زباں ذکر جمال
نیند آتی هے کسے سن کے کہانی تیری

طے کر چکوں کہیں میں نشیب و فراز دهر
تا چند ٹھوکریں یه بلند اور پست کھائیے

مسافر کی طرح ره خانه بردوش نہیں جائے اقامت دار فانی
تیرے کوچه کے مشتاقوں کے آگے جہنم هے بہشت آسمانی
نکلتی منھ، سے قاصد کے نہیں بات مگر لایا هے پیغام زبانی
یه مشت خاک هو مقبول درگاه صبا کی چاهتا هوں مہربانی
موئے جو پیشتر مرنے سے وه لوگ کفن سمجھے قبائے زندگانی

کریں گے یار کو عریاں شب وصل عیاں هو جائے گا راز نهانی
هوا کوئی نه حال دل سے آگاه رهی مشتاق گوش اپنی کہانی
بهیں گے مثل دریا دیدهٔ تر پھٹیں گے ابر اِن چشموں کا پانی
هماري قبر پر وه شمع رو آئے رهے روشن چراغ مہربانی
مرا دیوان هے اے " آتش " خزانه
هر اک بیت اس میں هے گنج معانی

هوش و خرد هے باعث تکلیف آدمی دیوانه آشنا نہیں دامن کے بوجھ، سے
راحت طلب کو' رنج کشوں کی خبر کہاں آگاه کیا سوار هے توسن کے بوجھ، سے
رندوں کو قید سبحهٔ و زنار کی نہیں واقف نہیں هیں شیخ و برهمن کے بوجھ، سے

بدگمانی سے عبث پھرتا ہے گلچین میرے ساتھ
ڈھونڈھنے آئے ہیں کانٹوں کو چمن میں آبلے
خار بھی میرے نصیبوں کا بیاباں میں نہیں
کیا شریک حال ہوں گے کفن میں آبلے

رہ گیا چاک سے وحشت میں گریباں خالی
لے چلے خار سے ہم گوشۂ داماں خالی
وقت فرصت کو غنیمت سمجھ آتا ہے تو آ
اے اجل عالم تنہائی ہے میدان خالی

بند نقاب عارض دلدار توڑئیے | باغ مراد عشق کی دیوار توڑئیے
بے پر مجھے فلک نے کیا تو بجا کیا | لازم ہے بال مرغ گرفتار توڑئیے
مرغ ترانہ سنج ہوں اُس بوستاں کا میں | خوں بہار ٹپکے اگر خار توڑئیے
اپنا کچھ اختیار شفا میں نہیں طبیب | پرہیز سے نہ خاطر بیمار توڑئیے
گردن ہی اپنی دوش پر اپنے وبال ہے | کیا چھین کر حریف کی تلوار توڑئیے
عاشق کی بے قراری سے اے بت پناہ مانگ | ٹکرائے جو سر کو تو کہسار توڑئیے
بوسے کس کے چہرۂ رنگیں کے لیجئے | اک دن تو پھول باغ سے دو چار توڑئیے

حسرت جلوۂ دیدار لئے پھرتی ہے | پیش روزن پس دیوار لئے پھرتی ہے
اس مشقت سے اسے خاک نہ ہوگا حاصل | جان عبث جسم کی بیگار لئے پھرتی ہے
مال مفلس مجھے سمجھا ہے جلوں نے شاید | وحشت دل سر بازار لئے پھرتی ہے
کعبہ و دیر میں وہ خانہ برانداز کہاں | گردش کافر و دیندار لئے پھرتی ہے
سایہ سان حسن کے ہمراہ ہے عشق بے باک | ساتھ یہ جنس خریدار لئے پھرتی ہے

کسی صورت سے نہیں جان کو قراری اے ''آتش''
طپش دل مجھے ناچار لئے پھرتی ہے

رات صحبت گل سے، دن کو ہم بغل خورشید سے
رشک گھر کیجئے تو رشک بخت شبنم کیجئے
دیدہ و دل کو دکھایا چاہئے دیدار یار
حسن کے عالم سے آئینوں کو محرم کیجئے

آپکی نازک کمر پر بوجھ پڑتا ہے بہت
بڑھ چلے ہیں حد سے گیسو کچھ انھیں کم کیجئے
اُٹھ گئیں ہیں سامنے سے کیسی کیسی صورتیں
روئیے کس کے لئے کس کا ماتم کیجئے

پسند طبعِ محبوباں دل عاشق نہیں ہوتا
نظر میں کب کسی کی چڑھتی ہے جو چیز سستی ہے
غم و شادی کی حالت دیکھ عالم کے مرقعے میں
کوئی تصویر روتی ہے کوئی تصویر ہنستی ہے
غنیمت جان یار آوے لحد پر جاں کھونے سے
مراد دل ملے کونین تک دے کر تو سستی ہے
ستارہ اپنا گردش میں ہے ''آتش'' اس کی گردش سے
فلک کی تنگ چشمی سے ہماری تنگ دستی ہے

منزل فقر و فنا جائے ادب ہے غافل
بادشہ تخت سے یاں اپنے اُتر لیتا ہے
روح و قالب کی جدائی ہے تیری
دم نکلتا ہے جو تو نام سفر لیتا ہے
ہجر میں وصل کا ملتا ہے مزا عاشق کو
شوق کا مرتبہ جب حد سے گذر لیتا ہے

ہستی چند روزہ نے تو تنگ ہے رکھا
خواب عدم میں دیکھیں گے صورت فراغ کی
بے اعتبار نقش و نگار زمانہ ہے
اک رنگ پر ہوا نہیں رہتی ہے باغ کی
گم ہوں گے ایسے ڈھونڈھے بھی پائے نہ جائیں گے
کھو دے گی فکر ہم کو تمہارے سراغ کی

مومن و کافر جگہ دیتے ہیں آنکھوں میں اُسے
طور کا سرمہ کسی نقش قدم کی خاک ہے
جوش گریہ سے رواں رہتا ہے دریا گرد و پیش
اب پہونچتا ہے وہ مجھ تک جو کوئی تیراک ہے

دست وحشت پنجۂ مژگاں اشک افشاں ہے یہاں
آستیں میری گریباں کی طرح سے چاک ہے
وہ گریباں گیر ہے تیرا میں دامن گیر یار
عشق یاں گستاخ ہے واں حسن اگر بےباک ہے
دور ساغر سے دگر گوں رنگ ہو جاتا ہے یہاں
مےکدہ میں لطف رکھتی گردش افلاک ہے

کوئی زمانہ سے جاتا ہے کوئی آتا ہے کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے
کمند شوق ہو درگاہ عشق کی رہبر یہ آستانہ بلندی میں بام ہوتا ہے

خدا کے واسطے اے آسماں حوالے کر دھرے دھرے نہ کہیں ہو مرا کفن مٹی

ناتوانی کا برا ، ہو گو اثر ہوتا نہ کچھ
آزمانے کو تو نالے ہم مقرر کھینچتے
بوالہوس عاشق کا جیتے جی نہیں شایان قتل
دوست تھے میرے تو دشمن پر نہ خنجر کھینچتے
ہجر کی شب میں ہے ، روز وصل کا آنکھوں کوشوق
دسترس ہوتا تو ہم دامان محشر کھینچتے

بے رخ یار مجھے جان سے بیزار تھی
چاندنی رات نہ تھی گور کی اندھیاری تھی
کام ہی ہو گیا اُمید شفا میں آخر
دل کی بیماری تھی یا چشم کی بیماری تھی
کیا مزا کالبد خاکی میں اے روح ملا
اب نکلتی ہی نہیں یا تو وہ بےزاری تھی
گاہ روتا ، کبھی ہنستا تھا نصیبوں پر میں
خواب بد میرے لئے حالت بیداری تھی
چھوٹ کرعشق کے پھندے سےہوں تنگ اے "آتش"
مجھ کو آزادی سے بہتر وہ گرفتاری تھی

ایڑیوں تک تری چوٹی کی رسائی ہوتی
کل جو آئی تھی بلا آج ھی آئی ہوتی
چھین کر دل کو لیا خوب کیا اے شہ حسن
مانگ کر ہم سے جو لیتا تو گدائی ہوتی
ذات باری کو کیا ظلم بتاں نے ثابت
عدل کرتے یہ اگر اُن کی خدائی ہوتی
گھر گرایا جو مرا سیل حوادث نے تو کیا
چار دیوار عناصر کی گرائی ہوتی

آرزوے دل رھے نا آشنائے گوش یار
صرف مطلب اپنے منھ تک آکے دنداں ہوگئے
منزل دل کی خرابی کا الم کیا کیجئے
کیسے کیسے خانۂ آباد و ویراں ہوگئے

کوئے جاناں چمن سے بہتر ھے
اس کا کتا ھرن سے بہتر ھے
گور میں بھاگ اھل دنیا سے
خلوت اس انجمن سے بہتر ھے
ھنسنے والا نہیں ھے رونے پر
ہم کو غربت وطن سے بہتر ھے

کون سی شب ھے جو رو رو کے نہیں کٹتی ھے
شام ہوتی ھے اِدھر چھاتی اُدھر پھٹتی ھے
صورت شمع ھوں ھر چند فروغ محفل
بات کرنے نہیں پاتا کہ زباں کٹتی ھے
عشق محبوب میں غم ھے کسے مر جانے کا
جان جاتی نہیں عاشق کی بلا کٹتی ھے

عالم اسباب سے حاصل ھوا آخر کفن
چلتے چلتے آسماں سے ہم بھی خلعت لے گئے
تیرہ بختی کے اثر نے شام سے گُل کر دیا
صبح کو کوّے اُٹھا کر تربت لے گئے
دیدہ و دل نے گھسیٹا کوچۂ محبوب میں
کھینچ کر مجھ کو فرشتے سوئے جنت لے گئے
دیکھ سکتے تھے کہاں کافر مسلماں کی نمود
کھود کر بت ساز ''آتش'' سنگ تربت لے گئے

شب کی شب میں ہوگئی اس مرتبہ دل بستگی
صبح کو روتی ہوئی شبنم گئی گلزار میں
غیر سے احوال پرسی یار کرتا ہے مری
گوش گل بلبل کی سنتا ہے زباں خار سے
حشر کی گرمی میں تو یاد آئےگا اے قصر یار
دھوپ بچ جاتی تھی تیری سایہ دیوار سے
نیند آتی ہے ''آتش'' فراق یار میں
خواب کو نفرت ہے اپنی دیدۂ بیدار سے

کوچۂ یار میں چلئے تو غزل خواں چلئے
بلبل مست کی صورت سے گلستاں چلئے
دن کو ملتا نہیں وہ ماہ ' نہیں تو کہتا
رات بھر کے لئے گھر میں مرے مہماں چلئے
پانوں میں تار ہے رفتار کی طاقت باقی
پیچھے پیچھے ترے اے عمر گریزاں چلئے
شوق صحرا جو ہوتا ہے تو کہتا ہے جنوں
تیغ کی طرح سے میداں میں عریاں چلئے

زمیں پر پانوں رکھ کر آسماں پر ناز کرتا ہے
مگر ٹھوکر سے چرخ پیر کی ہوگی کمر سیدھی
پس از مردن بھی حسرت باقی رہتی ہے جوانی کی
لحد میں کرتے ہیں پیران خم‌گشتہ کمر سیدھی

گرد رہتے ہیں ستارے رات بھر پروانہ وار　　ماہ تاباں کون سے دروازے کی قندیل ہے
منتظر ہے چشم روز وعدۂ دیدار کی　　گوش مشتاق صدائے صور اسرافیل ہے

سامنا ہوتا ہے بےترے جو اے آرام جاں　　مردم دیدہ چرا لیتےہیں آنکھیں خواب سے
دل نے ''آتش'' کیا داغ محبت کو پسند
ساتھ جاوے گی یہ شے اس عالم اسباب سے

همنشیں دل نہیں، اک آبلہ سا پکتا ہے جی میں آتا ہے بھروں چیر کے پہلو کانٹے
کام اک آبلہ کا اُن سے نہیں ہوتا ہے نہیں معلوم ہیں کس درد کے وارد کانٹے
پا خراشی ہے مری کوہ کنی سے افزوں پہلے پیدا تو کریں قوت بازو کانٹے
خار خارِ غمِ الفت، اثر کیا کہئے نکلے آخر مرے تن پر عوض مو کانٹے

شمع ایمن وہ سراپا نور پیراہن میں ہے
داغ سینہ یاں چراغ طور پیراہن میں ہے
جسم کے جامہ کو بھی دیکھا تو ہے زنداں تنگ
سخت دیوانہ ہے جو مسرور پیراہن میں ہے
نیش سی لگتی ہے تھمتی سانس ہجر یار میں
روح قالب میں نہیں زنبور پیراہن میں ہے

پسری میں آئے وہ رخ روشن نظر مجھے
دکھلائے آفتاب کی صورت سحر مجھے
جاتا ہوں اُڑ کے شہر سے، صحرا بہار میں
جوش جنوں پری کے لگاتا ہے پر مجھے
کانوں نے میرے یار میرے ہوش اُڑا دئے
تیری خبر سنا کے کیا بےخبر مجھے
دونوں جہاں کے کام کا رکھا نہ عشق نے
دنیا و آخرت سے کیا بے خبر مجھے
ملتا نہیں ہے دل سے بھی میرے مزاج
صحبت کا تیرے یار ہوا ہے اثر مجھے

شب تاریک مرقد دیکھتے ہی یار کو دیکھے
دم آخر ہمارا عاشقی کا روزا دل ہے
ہزاروں حسرتوں کے روز و شب ہوتے ہیں خوں اس میں
نہیں معلوم دل ہے یا میرے پہلو میں قاتل ہے
سوا تیرے کسی کا دھیان آتا ہو تو کافر ہوں
دوئی جس دل میں ہے وہ دل نہیں ہے چشم احوال ہے

جو عالم حسن دکھتا ھے تو حالت عشق غارتگر
کہیں زلف مسلسل ھے کہیں اشک مسلسل ھے
وھی عالم ھے اب تک خاکساران محبت کا
وھی نقش قدم کی خاک پیشانی کا صندل ھے

کشور خوباں میں مرگ و زیست دونوں ھیں جناب
بار خاطر زندہ ھے مردہ وبال دوش ھے
جان جاتی ھے و لیکن آہ دل کرتا نہیں
ناقۂ لیلی رواں ھے پر جرس خاموش ھے
کوچہ و بازار میں رسوا نہ کر عاشق کو تو
اے صنم اللہ کو سنتے ھیں پردہ پوش ھے
ناگوار "آتش" ھے اپنی ھمت مردانہ کو
باندھنا مضمون غیر اُتری ھوئی پاپوش ھے

پشت بر دیوار حیرت ھیں ھزاروں صورتیں
صاحب آئینہ خانہ آج تک روپوش ھے
کنج تنہائی میں بھی چلا کے رو سکتا نہیں
لوگ کہتے ھیں در و دیوار کے بھی گوش ھے

آہ کھینچوں جو پیالہ کو کبھی ٹھیس لگے
سر کو پھوڑوں میں صراحی کی جو گردن ٹوٹے
فکر درماں جو کروں درد دگر پیدا ھو
متفق خار سے ھو پانؤں میں سوزن ٹوٹے

چلی ھے ایسی زمانے میں کچھ ھوا اُلٹی — کہ سیدھی بات سمجھتے ھیں آشنا اُلٹی
بیان حالت دل پیش یار ھو نہ سکا — زباں کبھی نہ دم عرض مدعا اُلٹی
کسی طرح سے نہ ٹوٹا طلسم حسرت و یاس — در قبول سے ٹکرا کے سر دعا اُلٹی
گلہ ھے حشر کے دن ھم کو سخت جانی سے — ھزار بار پھری آن کر قضا اُلٹی

سر شمع ساں کٹائیے پر دم نہ ماریے — منزل ہزار سخت ہو ہمت نہ ہاریے
مقسوم کا جو ہے سو وہ پہونچےگا آپ سے — پھیلائیے نہ ہاتھ، نہ دامن پساریے
تنہائی ہے، غریبی ہے، صحرا ہے، خار ہے — کون آشنائے حال ہے کس کو پکاریے
تبدیل روز وصل سے فرقت کی شب ہوئی — آئی ہوئی بلا تلی صدقہ اُتاریے
تم فاتحہ بھی پڑھ چکے ہم دفن بھی ہوئے — بس خاک میں ملا چکے چلئے سدھاریے
نازک دلوں کو شرط ہے ''آتش'' خیال یار — شیشہ جو خدا دے تو پری کو اُتاریے

سر کو لےکر ہاتھ، پر، رکھ کر کوچۂ قاتل میں پاؤں
آسماں سے بھی سوا یاں کی زمیں خوں ریز ہے
کاتب قدرت سے اپنی گفتگو ہے روز حشر
خط پیشانی ہمارے پاس دست آویز ہے
زہر کھانا ہے تڑپنا اب شراب شوق کا
وصل کی شب ہے پیالہ ہجر کا لبریز ہے

فرصت وقت ہے تدبیر کے خاطر لازم
پھر سلجھتے نہیں جب آنسوؤں کے تار اُلجھے

منزل گور اب مجھے اے آسماں درکار ہے
مردم بیمار کو نقل مکاں درکار ہے
کچھ علاج وحشت عاشق نہیں خبر خواب مرگ
اپنے دیوانے کو زنجیر گراں درکار ہے
سیر بام عرش کی دکھلاتی ہے دل کی تڑپ
صاحب تاثیر کو کیا نردباں درکار ہے
خالی ہاتھ، آئے ہیں خالی ہاتھ، عاشق جائیں گے
واں نہ کچھ، منظور تھا ہم کو نہ یاں درکار ہے
شہر و صحرا میں پھرا کرتا ہوں اس اُمید پر
وہ جگہ دیکھوں مری مٹی جہاں درکار ہے

شب برات جو زلف سیاہ یار ہوئی — جبیں سے صبح مہ عید آشکار ہوئی

پیادہ پا جو چمن میں بہار کو دیکھا | ہوا کے گھوڑے کے اوپر خزاں سوار ہوئی
وفا سرشت ہوں شیوہ ہے دوستی میرا | نہ کی وہ بات جو دشمن کو ناگوار ہوئی

گردش چشم کہاں گردش ساغر بھی نہیں | نظر آیا یہ مجھے گنبد مینا خالی
شکر کس منھ سے کروں گوشۂ تنہائی کا | مجھ کو دل کھول کے رونے کو ملی جا خالی

موت مانگوں تو رہے آرزوے خواب مجھے
ڈوبنے جاؤں تو دریا ملے پایاب مجھے
اے فلک رہنے دے عریاں ہے پس از مرگ بھی تو
سونپنا کیا ہے کفن و زد کا اسباب مجھے
جوش سے اشکوں سے پھر جائے گا سر پر پانی
کھینچ لے جائے گا دریا میں یہ سیلاب مجھے
فرقت یار میں کرتی ہے قیامت برپا
روز محشر سے نہیں کم شب مہتاب مجھے
مرض عشق سے بچ جاؤں جو تم دلوا دو
صدقہ اپنے لب جاں بخش کا عناب مجھے
نہیں بھولا ہے جلوں میں وہ حواس اڑ جانا
یاد ہے برہمی صحبت احباب مجھے

ہونٹھ چٹواتا ہے تا حال محبت کا مزا | زخم دل پر وہی اب تک نمک افشانی ہے
تاب نظارہ کہاں اور کہاں دیدۂ شوق | صورت یار میں آئینہ کو حیرانی ہے
شام ہوتے ہی نہ معلوم ہوئی پھر شب وصل | عمر کوتہ سے وفا چاہنی نادانی ہے
ٹھوکریں رہ گذر یار میں کھاتا ہوں میں | عاشق نقش کف پا میری پیشانی ہے
نوجوانی میں غم عشق نہ بڑھنا معلوم | شب کوتاہ ہی افسانۂ طولانی ہے

کعبہ سے دیر، دیر سے کعبہ کو جا چکے | کیا کیا نہ اس دو راہے میں ہم پھیر کھا چکے
پہونچے تڑپ تڑپ کے بھی جلاد تک نہ ہم | طاقت سے ہاتھ پانوں زیادہ ہلا چکے
پیمانہ میری عمر کا لبریز ہو کہیں | ساقی مجھے بھی اب تو پیالہ پلا چکے

پوچھ ھردم آئنہ پوش نظر نہیں — سمجھے ہم آپ آنکھوں میں اپنے سما چکے
اُٹھا نقاب چھرۂ زیبائے یار سے — دیوار درمیاں جو تھی ہم اس کو ڈھا چکے
مجبور کردیا ہے محبت نے یار کے — باہر ہم اختیار سے ہیں اپنے جا چکے
صدموں نے عشق حسن کے دم کردیا فنا — "آتش" سزا گناہ محبت کی پا چکے

دور اتنا بھی بس اے منزل مقصود نہ کھینچ
تھک گیا لاکھ میں ہمت تو نہیں ہاری ہے
وصل میں ہجر کا دھڑکا ہے بجا عاشق کو
چار دن چاندنی ہے چار دن اندھیاری ہے
سایۂ دامن جلاد میں ٹھنڈا ہو لوں
منزل سخت ہے پشتارہ بہت بھاری ہے

اک نہ اک دن یار ہوگا مہرباں کام آئے گا
سو ہنر سے بہتر اک عیب محبت ہم میں ہے
دشمن جاں سنتے تھے مہرو محبت کا مزا
چکھ کے دیکھا تو حلاوت شہد کی اس سم میں ہے
کھینچ لائے یار کو بھردے مرا زخم فراق
وہ اثر ہو جذب دل میں جو اثر مرہم میں ہے
قالب خاکی کو تو سنتے ہیں "آتش" زیر خاک
کچھ نہیں معلوم ہم کو روح کس عالم میں ہے

برنگ غنچۂ پژمردہ دل گرفتہ چلے — شگفتہ ہو کے نہ دو دن بھی ہم نے یاں کاٹے
نکل چلا ہے حسینوں کے قد موزوں سے — درخت سرو کو تھوڑا سا باغباں کاٹے

عیب لگتا ہے کسے جامۂ عریانی سے — اے جنوں داغ نہیں اپنے گریباں کے تلے
دست یاران وطن سے نہیں مٹتی درکار — دب مروں گا میں کہیں ریگ بیاباں کے تلے

گرم جوشی نہ کر اے یار کسی سے یہ نہ ہو
آگ لگ کر مرے گھر غیر کے گھر تک پہونچے

موت ہے آئے جو آنسو نہیں تھمتے یارب
دامن خاک ہی اس دیدۂ تر تک پہونچے
آئینہ آپ نے دیکھا ہے تو توڑیں اُس کو
تم سے منھ پھیر کے ثابت نہ یہ گھر تک پہونچے

ہر لحظہ ہے یاں ورد زباں ذکر الٰہی
دم مارنے کی جا نہیں تقدیر میں میری
ہر لحظہ دگر گوں ہے حال پریشاں
صورت نہیں ملتی میری تصویر میں میری
پھر بھی چمکے شمشیر گلے پر کہیں "آتش"
جلاد کو شک آتا ہے تقصیر میں میری

ہر شب شب برات ہے ہر روز روز عید
سوتا ہوں ہاتھ گردن مینا میں ڈال کے
آئینہ کلام کو کیوں کر کیا ہے صاف
حیران کار ہم بھی ہیں "آتش" کے حال کے

رخصت یار کا جس وقت خیال آتا ہے
عمر رفتہ کو مجھے یاد دلا جاتا ہے
آتش گل سے کیا ہے مری طینت کو خمیر
دامن باد بہاری مجھے بھڑکاتا ہے
جان کھوتا ہے عبث عشق بتاں میں "آتش"
سر کو ناداں کوئی کہسار سے ٹکراتا ہے

آب شمشیر، دوا عشق کے بیمار کی تھی
چاشنی اس میں مگر شربت دیدار کی تھی
آرزو رہ گئی اُس کوچہ میں پامالی کی
دھوم ہی دھوم فقط چرخ جفاکار کی تھی
کیا بتاتا ہے شکستہ قفسوں کو صیاد
فکر لازم دل مرغاں گرفتاری کی تھی
پابگل بے خودی شوق سے میں رہتا تھا
کوچۂ یار میں حالت مری دیوار کی تھی
ایڑیاں راہ میں رگڑا کیئے ہم واماندے
پہونچے منزل میں وہ طاقت جنھیں رفتار کی تھی
تیغ اُبرو سے مجھے قتل کیا قاتل نے
وہ سزا دی جو محبت کے گنہگار کی تھی
مصلحت تھی وہی جو کچھ کہ کیا جس سے سلوک
دل جو تھا یار کا تھا جاں جو تھی یار کی تھی

راہ صحرا میں جنوں کیوں نہ رکھے سرگشتہ
جستجو آبلہ پایوں کو ترے خار کی تھی
شب جو تھی پیش نظر صورت زیبائے جیب
روشنی گھر میں مرے چاند سے رخسار کی تھی

دامان دوست کی ہے سکندر کو آرزو
باہر کفن سے ہاتھ نہیں بے سبب رہے
اللہ رے بے نیازی محبوب آفریں
دل سے قریب ہو کے کوئی دور جب رہے
معدوم جوش گریہ سے کیا ہوں بخار دل
کچھ گرد تو نہیں جو باراں سے دب رہے

قدرت اللہ کی اے بت ہے ترا حسن و جمال
کافر عشق عجب کیا مسلماں ہووے
کون سا بال ہے اُس زلف کا بکھرا جو نہیں
کوئی مجموعہ نہ اتنا بھی پریشاں ہووے

اشتیاق و صلت میں جاں لب تک آئی ہے
عشق نے ستایا ہے حسن کی دہائی ہے

دیر سے نہیں واقف بے خبر میں کعبہ سے
قصر یار کے در پر شوق جبہ سائی ہے
عرش سے بھی عالی ہے بام یار کا پایہ
آہ کی کمندوں کو عذر نارسائی ہے
مر بھی دیکھئے شاید گور پر وہ سوخ آئے
یہ بھی آخری اپنی قسمت آزمائی ہے
عشق ہے مرے دل کو حسن کے نظارہ کا
آنکھ کے پیالے سے حسرت گدائی ہے

ہے اتحاد مہرے ترے موج و آب کا
اے بحر حسن اپنا سمجھ آشناں مجھے
کیسے ہوں اشتیاق میں قاتل کی جاں بلب
یادش بخیر بھول گئی ہے قضا مجھے

صورت ضریں نصیب گلوئے بریدہ ہے
"آتش" حلال کرتی ہے بانگ درا مجھے

روز محشر تو بھلا سر کو جھکا کر میں چلوں
تیغ قاتل کا مری گردن پر احساں چاہئے
کچھ، سوا اس کے علاج وحشت عاشق نہیں
موت سی زنجیر یا مرقد سا داماں چاہئے
گل چراغ زندگی کرنے کا ہے دل کو خیال
جامہ زیبوں کی قبا سے باد داماں چاہئے
بادشاہ حسن بھی کہتے ہیں عاشق پیار سے
چیں جبیں پر آپ کی مانند سلطاں چاہئے

گریباں پھاڑ کر دیوانہ نے زنجیر کیوں پہنی
کرے کیا عقل دخل اس میں جنوں کا کارخانہ ہے
کبھی کچھ ہے تلون سے کبھی کچھ، ہے تلون سے
مزاج یار بھی نیرنگ سازی میں زمانہ ہے

گلے میں اپنی باہیں ہنستے ہنستے ڈال سکتے ہو
کوم ڈھونڈے تمہارا تو بہانہ ہی بہانہ ہے

خوب روئے حال پر اپنی وطن کا سن کے حال
کوئی غربت میں جو آ نکلا ہمارے شہر سے
موسم گل میں رہا زنداں میں اور آئی نہ موت
سامنے ہوتی نہیں ہے آنکھ سارے شہر سے
اک نظر للہ ہم کو صورت زیبا دکھاؤ
تشنۂ دیدار جاتے ہیں تمہارے شہر سے
دشت گردی کی نہیں دیوانہ کو کچھ، احتیاج
جامہ سے باہر جو ہے باہر ہے سارے شہر سے

اُس کے کوچے کے تصور میں غش آیا ہے مجھے
آستانِ یار کی مٹی سنگھایا چاہئے
وعدۂ دیدار آتا ہے اُلٹتا ہے نقاب
ٹکٹکی باندھے یہ آنکھوں کو سمجھایا چاہئے

عاشق ہوں میں نفرت ہے مرے رنگ کو رو سے
پیوند نہیں چاک گریباں کو رفو سے
دامن مرے قاتل کا نہ رنگیں ہو لہو سے
ہر چند کہ نزدیک ہو رگہائے گلو سے
منہ پھیرتے ہی یار کے صورت بھی گئی بھول
ہم چشم وفا رکھتے تھے اُس آئینہ رو سے
ہوں نزع کی حالت میں جو میں منتظر یار
رک رک کے مری جان نکلتی ہے گلو سے
کشتہ ہوں میں بیزارئی جلاد کا "آتش"
تلوار نہیں رنگ پکڑتی ہے لہو سے

اس تماشے کی ہیں مشتاق ہماری آنکھیں
کبک ٹیڑھا چلے سیدھا تیری پاپوش کرے
دشمن جاں بھی تغافل کا نہ ہووے کشتہ
خاطر دوست کسی کو نہ فراموش کرے
آرزو ہے یہی "آتش" کی خدا اے زاہد
تجھ کو خم نوش کرے مجھ کو قدح نوش کرے

یہ آرزو تھی تجھے گل کے روبرو کرتے
ہم اور بلبل بے تاب گفتگو کرتے
پیامبر نہ میسر ہوا تو خوب ہوا
زبان غیر سے کیا شرح آرزو کرتے
ہمیشہ میں نے گریباں کو چاک چاک کیا
تمام عمر رفوگر رہے رفو باقی کرتے
سکھاتے نالۂ شبگیر کو در اندازی
غم فراق کا اِس چرخ کو عدو کرتے
وہ جان جاناں نہیں آتا تو موت ہی آتی
دل و جگر کو کہاں تک بھلا لہو کرتے

نہ پوچھہ عالم برگشتہ طالعی ''آتش''
برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

خاک ہونے سے در دلدار نے جا دی مجھے
ہو گئی اقبال آخر میری بربادی مجھے
ترک کرنا جامۂ تن کا ہے یاں ترک لباس
روح کو قالب سے آزادی ہے آزادی مجھے

دل پر داغ کو مدفون بیاباں کرتے
کسی ویرانہ میں اس گنج کو پنہاں کرتے
بے وفائی کا اگر عیب نہ ہوتا تم میں
اے بتو سجدہ خدا کو نہ مسلماں کرتے
یار سے وعدۂ فردا ہی جو ممکن ہوتا
شام سے صبح کا ہم چاک گریباں کرتے

ظاہر ہے یہ اے یار تری کم سخنی سے
لب بند ہوئے جاتے ہیں شیریں دہنی سے
اخواں کی عداوت سے ہوا شہرۂ یوسف
کچھہ پیش نہیں جاتی ہے قسمت کے دھنی سے
روتا ہے اِدھر ابر اُدھر ہنس رہی ہے برق
گریہ سے کوئی خوش ہے کوئی خندہ زنی سے
کرتے ہیں عبث یار ملامت مجھے ''آتش''
مجبور ہے یہ خاک کا پتلا شدنی سے

دم شمشیر کی موج نفس میں یاں روانی ہے
گلے تک حسرت جلاد میں لوہے کا پانی ہے
چمن میں جا کے کن آنکھوں سے دیکھوں داغ لالہ کا
یہ میرا داغ دل بیداغ لالہ کی نشانی ہے
دل نازک نہیں تاب جمال یار لائیگا
مجھے پردے میں عزرائیل کو صورت دکھانی ہے

دھجیاں کر کے رہ دامن صحرا لوں گا
تنگ مجھہ کو نہ کرے دم نہ گریباں روکے

چار دن موسم گل میں تو رهوں دشت نورد
راه کهوتی نه کرے مجهه کو نه زنداں روکے

بخشے جاویں گے گنهگار محبت اے صنم — رحمت الله سے کافر هے جو مایوس هے
دیکهئے آغاز الفت کا هو کیا انجام کار — بےوفا محبوب سے خاطر مری مانوس هے
سر کو تیرے جیسے هے سودائے پابوسی یار
هاتهه ملتا هوں میں اے ''آتش'' کمال افسوس هے

تصویر کهینچی اُس کے رخ سرخ فام کی — اک صفحه میں قلم نے گلستاں تمام کی
ناساز هے یه انجمن دهر کی هوا — مطرب نے راه بهولی هے اپنے مقام کی
بلبل قفس میں عرش کے اوپر دماغ هے — حالت وهی هے نکهت گل سے مشام کی
الله رے پهڑکنا اسیران تازه کا — صیاد خیر مانگتا هے اپنے دام کی

گهر سے خدا کے ملتے هیں مضمون مجهے بلند
فکر رسا کمند هے کعبه کے بام کی
باغ جهاں میں گل کی قناعت هے جائے رشک
عمر دو روزه ایک قبا میں تمام کی
بیمار عشق هوں مجهے عیسیٰ جواب دے
کانوں کو آرزو هے اجل کے پیام کی
پیدا نه هوگا دوسرا مجهه سا شراب خوار
مٹی خراب هوگی مرے بعد جام کی

شب فرقت میں یار جانی کی — درد پہلو نے مهربانی کی
منهه دکهاؤ بهت رهی تکرار — ارنی اور لن ترانی کی
جس کو کهتے هیں چودهویں کا چاند — تیری تصویر هے جوانی کی
مجهه کو بٹهلا کے یار سوتا هے — عاشقی کی که پاسبانی کی
ره گیا شوق منزل مقصود — پائے خفته نے سر گرانی کی
راحت مرگ کو نه پوچهه ''آتش'' — نه رهی قدر زندگانی کی

بعد فنا وصال ہوا ہم کو یار سے ۔ توڑا طلسم ہجر کو لوح مزار سے
خاموش دیکھتا ہوں گل و سرو کی بہار ۔ حیرت میں ہوں زمانہ کے نقش و نگار سے
اوروں سے کیجئے وعدۂ دیدار حشر پر ۔ مرنا نہیں قبول ہمیں انتظار سے
رکھ دیں برہنہ گور میں اہل جہاں مجھے ۔ دس گز کفن قبول نہیں روزگار سے

خیال سینہ کب آتا ہے دل کو کعبہ رو میں
پھرا ہے کون جاکر آج تک اللہ کے گھر سے

فراق یار میں جس طرح سے مرتا تھا مرتا ہوں
وہ روح و تن کی بیزاری جو آگے تھی سو اب بھی ہے

ہوتا ہے گل کے سونگھنے سے دونا گرفتہ دل
مجھ سا بھی بد دماغ کم اس بوستاں میں ہے
دکھلا رہی ہے دل کی صفا دو جہاں کی سیر
کیا آئینہ لگا ہوا اپنے مکاں میں ہے
دیوانہ جو نہ عشق سے ہو آدمی نہیں
حسن پری کا جلوہ طلسم جہاں میں ہے
اُس دل ربا کے کوچہ میں آئے ہوا سے جائے
اتنی تو جان اب بھی تن ناتواں میں ہے

خانۂ صیاد کی ایسی ہوا نا ساز ہے ۔ روح بلبل کی قفس سے مائل پرواز ہے
اُڑتی پھرتی ہے ہماری خاک ہمراہ صبا ۔ بے پروبالی میں بھی اپنی وہی پرواز ہے

رنج دنیا میں زیادہ ہے تو راحت کم ہے ۔ وصل کا روز ہے کوتاہ شب ہجراں سے
سجدہ آدم کو فرشتوں نے کیا خوب کیا ۔ قدرت اللہ کی ظاہر ہوئی بس انساں سے

رگوں زنجیریں ہیں، میں روح ہوں، یہ قالب ہے
ملک الموت چھڑاوے گا مجھے زنداں سے

کلیجے تنہائی میں آگے خفقان ہوتا تھا
اپنی پرچھائیں کی صورت سے بھی نفرت اب ہے
عشق کامل ہے سبب حسن سے یک رنگی کا
شمع و پروانہ کا جل جانے میں اک مذہب ہے

حشر پر وعدۂ دیدار نہ کر عاشق سے کس کو معلوم ہے فردائے قیامت کب ہے
روح کی طرح سے مہمان رہا کرتا ہوں گھر کو اپنے یہ سمجھتا ہوں میرا قالب ہے

اے صنم جس نے تجھے چاند سی صورت دی ہے
اُسی اللہ نے مجھ کو بھی محبت دی ہے
فرقت یار میں رو رو کے بسر کرتا ہوں
زندگانی مجھے کیا دی ہے مصیبت دی ہے
لطف دل بستگئی عاشق شیدا کو نہ پوچھ
دو جہاں سے اس اسیری نے فراغت دی ہے

خالی زمانہ کو نہ سمجھ حسن و عشق سے
پروانہ اور شمع ہنوز انجمن میں ہے
زلفیں ہٹائے رخ روشن سے مہرباں
اختر شناس کہتے ہیں سورج گہن میں ہے
فرقت میں دل جلاتا ہے شوق وصال یار
اک آگ سی لگی ہوئی ''آتش'' بدن میں ہے

محشر کو بھی دیدار کا پردہ نہ کرے یار عاشق کو جو اندیشۂ فردا ہے تو یہ ہے
بیٹھا ہوں جو آنکھیں تو رخ یار کو دیکھیں نظارہ کے قابل جو تماشا ہے تو یہ ہے
معشوق و مے و خانۂ خالی و شب ماہ عاشق کے لئے حاصل دنیا ہے تو یہ ہے

ایذا میں روح ہے تن خانہ خراب سے پائے سمند الجھا ہوا ہے رکاب سے
سیر دروں سے کھلے حقیقت کھلی مجھے باہر نہیں کتاب کا مطلب کتاب سے
قاتل لہو کو دیکھ کے غش آئے گا تجھے تلوار کھینچ منھ کو چھپا لے نقاب سے

"آتش" وہ گنج حسن ملے تجھ کو چاہئے
ظاہر یہ ہوتا ہے ترے حال خراب سے

یوسف میں اور یار میں اتنا ہی فرق ہے
اُس کو چھپایا اِس کو نکالا نقاب سے
دیوانے روز حشر کو پوچھے نہ جائیں گے
خارج ہے سر نوشت ہمارے حساب سے
عمر دو روزہ ہو گئی اک حال پر بسر
خالی رہا زمانہ مرا انقلاب سے
"آتش" کو چن کے قتل کیا اُس نے اس لئے
ہوتی ہے قدر شعر بلند انتخاب سے

روز و شب کس لئے رہتا ہوں الٰہی بے تاب
نہ تو گوروں سے محبت نہ مجھے کالوں سے
دوجہاں حشر کے دن ہوویں گے باہم موجود
متفق ہوں گے اِدھر والے اُدھر والوں سے

جواب دوں ترے نالہ کا کیا میں اے بلبل
کراہنا مجھے تکلیف ہائے شاق سے ہے
مقام شکر ہے ایذا جو درد عشق سے ہو
غنیمت اس کو سمجھ، حسن اتفاق سے ہے
نہ بیٹھ پھول کے تو شاخ گل پر اے بلبل
خرابی ہی خس و آتش کے اتفاق سے ہے

بیداد کی محفل میں سزاوار ہمیں تھے
تقصیر کسی کی ہو گنہگار ہمیں تھے
سودا زدہ زلفوں کا نہ تھا اپنے سوا ایک
آزاد دو عالم تھا گرفتار ہمیں تھے
ہم سا نہ کوئی چاہنے والا تھا تمہارا
مرتے تھے ہمیں جان سے بیزار ہمیں تھے

یار نے پردہ کیا ہم سے بہت خوب کیا
حسن ہے وہ بھی کوئی جو کہ تماشا ہووے
روز و شب چرخ ہنڈولے کی طرح پھرتا ہے
کس طرح سے نہ زمانہ تہ و بالا ہووے
دل کو خوش رکھتی ہے نافہمی کم عمر "آتش"
کوئی دیوانہ ہو لڑکوں کو تماشا ہووے

سر کاٹ کے کر دیجئے قاتل کے حوالے
ہمت مری کہتی ہے کہ احسان بلا لے
ہستی کی اسیری سے شرر سے ہیں سوا تنگ
چھوٹتے تو اُدھر پھر کے نہیں دیکھنے والے
پیغام اجل ہوتے ہیں اس عشق کے صدمے
پالا نفس سرد سے اللہ نہ ڈالے

آبلے پانوں کے کیا تونے همارے توڑے خار صحرائے جنوں عرش کے تارے توڑے

یہ کس رشک مسیحا کا مکاں ہے زمیں جس کی چہارم آسماں ہے
خدا پنہاں ہے عالم آشکارا نہاں ہے گنج ویرانہ عیاں ہے
تکلف سے بری ہے حسن ذاتی قبائے گل میں گل بوتا کہاں ہے
شگفتہ رہتی ہے خاطر ہمیشہ قناعت بھی بہار بے خزاں ہے
بہت آتا ہے یاد اے صبر مسکین خدا خوش رکھے تجھ کو تو جہاں ہے
نہ کہہ رندوں کو حرفِ سخت واعظ درشت اہل جہنم کی زباں ہے

باتیں کرتا ہوں نگاہوں میں پری‌زادوں سے
دیدۂ شوق سے یاں کار زباں ہوتا ہے
حسن کو داغ لگا دیگی یہ سیر گلزار
آپ پر حور بہشتی کا گماں ہوتا ہے
جذبۂ دل سے اُلٹتا ہے نقاب رخ یار
پردۂ غیب کا احوال عیاں ہوتا ہے

خدا پر رکھ نظر طالب اگر ہے دین و دنیا کا
یقیں ہے دولت کونین حاصل ہو توکل سے

زیر زمیں بھی چین کی صورت نہیں کوئی
آسودگان خاک کی مٹی خراب ہے
تصویر یار دیکھی ہے فردائے حشر کو
اتنا تو ہم کہیں گے دہن لا جواب ہے
تلتے نہیں ہیں سامنے سے اشک ایک دام
"آتش" ہمارا تشنۂ دیدار آب ہے

حسن سے رتبہ ہے اپنے عشق کامل کا بلند
آستانہ پر پری ہے بام پر دیوانہ ہے
روز و شب اُس شمع‌رو کو بھیجتا ہوں خط شوق
نامہ بر دن کو ' کبوتر ' رات کو پروانہ ہے

حالت آئینہ رکھتا ہے صفا سے دل مرا
آشنا سے آشنا بیگانہ سے بیگانہ ہے

اب کی بہار میں تو مجھے پار اُتار دے | کشتیٔ مے دوآبۂ امید و بیم سے
اللہ رے ہوائے لب بام قصر یار | اُڑ کر کبوتر آگے گیا ہے نسیم سے

نشۂ مے کا اثر رکھتا ہے مطرب کا سماع
کچھ خبر رہتی نہیں صوفی کو اپنے حال سے

وہ ایسا کون سا معشوق ہے جس کو نہیں چاہا
یہ فردیں جتنی ہیں ان پر ہماری بھی نشانی ہے

نصیحت کرتے کرتے اس نے دیوانہ کیا مجھ کو
الٰہی پند ناصح ہے کہ پریوں کی کہانی ہے
جو روتا ہوں تو کہتا ہے وہ ہنس کر مجھ سے اے "آتش"
یہ کیا آزار ہے تجھ کو نہیں پچتا جو پانی ہے

وصال شاہد مقصود ہوگا بعد فنا | وہ دل ربا جو ملے گا تو جاں نثاری سے
ثنائے حسن میں اس کو خدا رواں رکھے | قلم نے پانوں نکالے ہیں سر گزاری سے

اپنی صورت دیکھنے سے ایک دن فرصت نہیں
توڑ کر آئینہ اُس خود بیں کو حیراں کیجئے
کم نہیں خورشید سے داغ جنوں میں روشنی
صبح ہو جائے جو چاک اپنا گریباں کیجئے

کس سر کو نہیں یار کی رفتار کا سودا | معراج وہ سمجھا ہے جو پامال ہوا ہے

آشنا معنی سے بھی ہو جائیں گے صورت پرست
دیکھ لیں گے تجھ کو بھی عاشق تیری تصویر کے

دولت دنیا سے "آتش" ہم نے جب پھیری نگاہ
جس طرف آنکھ اُٹھ گئی تو دے لگے اکسیر کے

فکر رنگین ہم کو دکھلاتی ہے گھر بیٹھے بہار
مثل بلبل نالہ کرنے کو چمن کیا چاہئے

ہم کیا کہیں کسی سے کیا ہے طریق اپنا
مذہب نہیں ہے کوئی ملت نہیں ہے کوئی
دل لے کے جان کے بھی سائل جو ہو تو حاضر
حاضر جو کچھ ہے اُس میں حجت نہیں ہے کوئی
جاں سے عزیز دل کو رکھتا ہوں آدمی ہوں
کیوں کر کہوں میں مجھ کو حسرت نہیں ہے کوئی
شہرو بتاں ہے "آتش" اللہ کو کرو یاد
کس کو پکارتے ہو حضرت، نہیں ہے کوئی

دکھلائے سحر آنکھوں کو بام مراد کی ایسی کوئی کمند کوئی نردباں نہ تھی
افسوس کیا جوانئی رفتہ کا کیجئے وہ کون سی بہار تھی جس کو خزاں نہ تھی
نالوں سے ایک دن نہ کئے گرم گوش یار "آتش" مگر تمہارے دہن میں زباں نہ تھی

لحد میں جا کے بزم دہر پھر ہم کو نہ یاد آئی
مزہ پایا یہ خلوت میں کہ لطف انجمن بھولے

التجا تجھسے کب اے قبلۂ حاجات نہ تھی
تیری درگاہ میں کس روز مناجات نہ تھی
غنچۂ گل کو نہ ہنسنا تھا تری صورت سے
چھوٹے سے منھ کی سزاوار بڑی بات نہ تھی
جن دنوں عشق رولاتا تھا ہمیں صورت ابر
کون سی فصل تھی وہ جس میں کہ برسات نہ تھی

عاشق ہوں ہر طرح سے گنہگار ہوں تیرا — حاجت قصور کی نہیں الزام کے لئے
طفلی کے گریہ کا یہ کھلا حال وقت مرگ — آغاز ہی میں روتے تھے انجام کے لئے

دل کو خیال یار نہ ہوے بعید ہے — جوہر ہے آئینہ میں تو صورت کی دید ہے
ہم کو بھی قید غم سے چھڑاؤ گلے لگو — زندانی چھوٹتے ہیں تصدق میں عید ہے

بے کار بنائے نہیں آنکھوں کے پیالے — دیدار کا سائل ہو جو یار ائے نظر ہے
قالب کی طرح روح دکھائی نہیں دیتی — پنہاں یہ مسافر ہے عیاں گرد سفر ہے
یہ صدمے اُٹھائے ہیں جدائی میں کسی کے — دو قطرۂ خوں ہیں نہ تو دل ہے نہ جگر ہے

توبہ کرنی ہے گناہوں سے تو کرلے غافل — ورنہ فرصت ہے دم باز پسیں تھوڑی سی

موت کو سمجھے رہیں گبر و مسلماں آئي
روح قالب میں ہے دو روز کو مہماں آئی
ڈھونڈیں اپنے لئے معشوق کوئی گرما گرم
فکر پہلو کی کریں فصل زمستاں آئی
عشق بلبل میں اثر ہے تو قفس میں "آتش"
بوئے گل پھاند کے دیوار گلستان آئی

بادباں کا کام کرتی ہے گھٹا برسات کی — کشتی مے سے موافق ہے ہوا برسات کی
جھومتی آتی ہے مستانہ گھٹا برسات کی — ساتھ کیفیت کے چلتی ہے ہوا برسات کی

میری تعظیم نے مجلس سے نکالا مجھ کو — اُٹھتے اُٹھتے نہ رہی بیٹھنے کی جا باقی
فرقت یار میں مردا سا پڑا رہتا ہوں — روح قالب میں نہیں جسم ہے تنہا باقی

کچھ نظر آیا نہ پھر جب تو نظر آیا مجھے
جس طرف دیکھا مقام ہو نظر آیا مجھے
دل شب فرقت رہا سینہ میں مردے کی طرح
گور کا پہلو مرا پہلو نظر آیا مجھے

وصل کی شب کر دیا بے کار رعب حسن نے
دست و پا ہر ایک بے قابو نظر آیا مجھے

کوشش کا ارادہ ہوئے وہ مہر و وفا میں
پھر کھل نہ سکے باندھئے کس کر کمر ایسی
مشکل ہوئی ہے روح کو قالب سے جدائی
چھٹتی ہی نہیں لپٹی ہے گرد سفر ایسی
دنیا کی نہ ہے فکر نہ عقبیٰ کا تردد
''آتش'' کہو آئی ہے طبیعت کدھر ایسی

''آتش'' یہ جان لے جو سر موسفید ہو　　شب ہے اخیر صبح کا تارا بلند ہے

موسم گل ہے جنوں خیز بہار گل ہے　　اُڑتے پھرتے ہیں گریباں کے ہوا پر ٹکڑے

ہم نے چوما دہن یار کو گستاخی سے
مانگتا بوسہ وہ جس سے کہ گدائی ہوتی
سہل چھٹتا نہیں اُس راحت جاں کا ''آتش''
روح و قالب میں ہے مشکل سے جدائی ہوتی

دن بسر ہوتا ہے یوں سودے میں کوے یار کے
دھوپ سے اُٹھے تو بیٹھے سایہ میں دیوار کے
چشم وحدت بیں سے لازم ہے تماشاے چمن
خار و گل دونوں بغل پروردہ ہیں گلزار کے

جو کوئی بیٹھا نہ اُٹھا پھر وہ پشتے کی طرح
ڈھیر ہو کر رہ گیا نیچے تری دیوار کے

نا فہمی اپنی پردہ ہے دیدار کے لئے　　ورنہ کوئی نقاب نہیں یار کے لئے
بے یار سر پٹکنے سے ہلتا ہے گھر مرا　　رہتا ہے زلزلہ در و دیوار کے لئے

احساں جو ابتدا سے ہے ''آتش'' وہی ہے آج
کچھ انتہا نہیں کرم یار کے لئے

تھہرے نہ پھر جو راہ میں تیری نکل چلے | شل ہو گئے جو پانؤں تو ہم سر کے بل چلے
طرفہ پری ہے کوئی نسیم بہار بھی | دیوانے اپنے جامہ سے باہر نکل چلے
آنکھیں تمہاری پھر گئیں آئینہ دیکھ کر | آخر غرور حسن سے تیور بدل چلے

جوہر نہیں ہمارے ہیں صیاد پر کھلے | لے کر قفس کو اُڑ گئے رکھا جو پر کھلے
شیشے شراب کے رہیں آٹھوں پہر کھلے | ایسا گھرے کہ پھر نہ کبھی ابر تر کھلے
انصاف کو ہیں دیدۂ اہل نظر کھلے | پردہ اُٹھا کہ پردۂ شمس و قمر کھلے
کوتہ ہے اس قدر مرے قد پر ردائے عیش | ڈھانکوں جو پانؤں کو تو یقیں ہے کہ سر کھلے

نگہت گل سے مجھے یار کی بو آتی ہے | خار سے یاد اُلجھ پڑنے کی خو آتی ہے
شرم تجھ کو بہت اے آئینہ رو آتی ہے | میری صورت سے مگر عشق کی بو آتی ہے
موسم گل کی ہوا نے کئے ساقی بے کار | بط مے اُڑ کے لب مست کو چھو آتی ہے

سر میں ہوائے کوچۂ دلدار لے چلے | باغ جہاں سے حسرت گلزار لے چلے
نیت کو عاشقوں کی کیا سیر حسن نے | آنکھوں کے جام شربت دیدار لے چلے
کرتے ہیں سیر چشم خریدار سے مدام | یوسف ملا تو لوٹ کے بازار لے چلے
مقصود دل ہے قلزم خوں میں شناوری | جس گھاٹ چاہے یار کی تلوار لے چلے
بولی یہ روح پھینک کے پشتارہ جسم کا | بھاری ہے بوجھ کون یہ بیگار لے چلے
ایسی رسائی کیجئے پیدا کہ کھینچ کر | خلوت میں انجمن سے ہمیں یار لے چلے
داغ فراق و حسرت دیدار ، شوق وصل | دنیا سے ہم یہ عاقبت کار لے چلے
تم سیر کر کے کیا پھرے اندھیر ہوگیا | بازار آ کے رونق بازار لے چلے

ہزار دعوی باطل کیا کریں یا رب
بتوں کی تیری طرح سے خدائی مشکل ہے
پھرایا سر کو تیری زمزموں نے اے بلبل
خفا نہ ہو تو کہوں خوش نوائی مشکل ہے
وہ اتحاد نہیں ہے کہ جس میں فرق پڑے
ہماری اور تمہاری جدائی مشکل ہے

کمر سے بڑھ چلے گیسوئے یار قہر کیا
عدم سے دو قدم آگے رسائی مشکل ہے
پھریں گے ہم نہ ہزار آپ ہم سے منھ پھریں
تمھیں ہے سہل ہمیں بے وفائی مشکل ہے
عنایت اس کو ہو بے مانگے بوسہ اے شہ حسن
فقیر مست کو تیری گدائی مشکل ہے
خلیل کا اسے کعبہ نہ جانیو "آتش"
خدا کا گھر ہے یہ دل تک رسائی مشکل ہے

ورد زباں جناب محمد کا نام ہے
قابل درود پڑھنے کے اپنا کلام ہے
مطلب ہے دفتر گل ولالہ میں مختصر
دو دن کی سیر میں یہ گلستاں تمام ہے
صبح بہار ہے مجھے ساقی پلا شراب
سب جانتے ہیں عید کا روزہ حرام ہے
عاشق نواز حسن کی تعریف کیا کروں
یوسف سے بھی عزیز اسے اپنا غلام ہے
اک سجدۂ نیاز میں ہے فرض عشق ادا
میں مقتدی ہوں اور مرا دل امام ہے
ہم چشم تر کو سامنے کرتے ہیں ابر کے
تم ہنس پڑو تو برق کا قصہ تمام ہے
بت خانہ کھود ڈالئے مسجد کو ڈھائیے
دل کو نہ توڑئیے یہ خدا کا مقام ہے

دیکھئے کرتا ہے کیوں کر یار سے گستاخیاں
شوق کے بھی حوصلہ کو آزمایا چاہئے
ہوگیا ہے ایک مدت سے دل نالاں خموش
باغ میں چل کر اسے بلبل بنانا چاہئے

دل بہت تنگ رہا کرتا ہے
رنگ بےرنگ رہا کرتا ہے
صلح کی دل سے ہوں یاں مصلحتوں
واں سر جنگ رہا کرتا ہے
گفتنی حال نہیں ہے اپنا
کچھ عجب ڈھنگ رہا کرتا ہے
عالم وجد ترے مستوں کو
بے دف و چنگ رہا کرتا ہے

زخم دل میں تیری فرقت سے، جگر میں داغ ہے
ایک گھر میں گل محبت، ایک گھر میں داغ ہے
واں تلاش ایذا ہے دیتی اور یہاں شوق وصال
زخم باہر اپنی قسمت کا ہے، گھر میں داغ ہے

خاک چھنوا رہی ہے کوچۂ قاتل کی تلاش
ساتھ ساتھ اپنے خراب اپنی قضا پھرتی ہے
کج نگہ تو نے تو کی ہم سے، کبھی رکھتے ہیں
آنکھ اپنی بھی صنم، سوئے خدا پھرتی ہے

ہٹتا نہیں ہے اک دم آئینہ سامنے سے
اپنی طرف ہو تم بھی اب تو خیال کرتے
تربت پر اپنی مشق رفتار چاہئے تھی
ہم پائمال ہوتے تم پائمال کرتے

یہی آواز آتی ہے در مہر و محبت سے
علاقہ اس سے ممکن ہو تو یہ سرکار بہتر ہے
اسیر عشق کو ہے فوق آزادان عالم پر
جہاں کے تندرستوں سے ترا بیمار بہتر ہے
چلے گا کبک کیا طوطی کرے گا کیا سخن سازی
تری گفتار بہتر ہے تری رفتار بہتر ہے
کہاں نظارۂ روزن رہا پردہ نہ جب ساقی
تمہارے اور میرے درمیاں دیوار بہتر ہے

عنایت لب کا اپنے مزا کچھ نہ پوچھئے
کس درد کے ہیں آپ دوا کچھ نہ پوچھئے
نا گفتنی ہے عشق بتاں کا معاملہ
ہر حال میں ہے شکر خدا کچھ نہ پوچھئے

خواہان مرگ دل ہے جدائی میں یار کے
بیزار روح جسم کے ہے ارتباط سے

دو دن سے پانؤں جو نہیں دبوائے یار نے
بیٹھے ہیں ہاتھ ہاتھ کے اوپر دھرے ہوئے
ناقوس میں سے آئی صدائے ھوالغفور
ہم بت کدہ گئے جو خدا سے ڈرے ہوئے

خوش حال ہیں مٹا کے مجھے ہفت آسماں
یوسف کو کھا کے ہوگئے ہیں شیر بھیڑیے
ساقی ہے، مے ہے، یار ہے، بزم نشاط ہے
چھیڑیے جواب نہ ساز تو مطرب کو چھیڑیے
تدبیر سے تو کام نہ تقدیر کا ہوا
تکیہ خدا پہ کیجئے دروازہ بھیڑیے
آئی بہار گل نے قبا اپنی چاک کی
بخیہ جو پیرہن میں ہے اس کو ادھیڑیے

گئی ہے دیر سے اب تک نہیں پھری شاید — در قبول کے اوپر دھئی دعا نے دی
دم اخیر تصور بندھا ترے رخ کا — طرف کو کعبہ کی کروٹ مجھے قضا نے دی

آج کل ہوتا ہے اپنا عشق پنہاں آشکار
پک چکا ہے خوب اب پھوٹے یہ پھوڑا چاہئے
مانگتا ہوں میں خدا سے اپنے دل سے داغ عشق
بادشاہ حسن کے سکے کو توڑا چاہئے
بادۂ گلگوں کے شیشہ کا ہوں سائل ساقیا
ساتھ کیفیت کے اُڑتا مجھ کو گھوڑا چاہئے
فصل گل میں بیڑیاں کاٹی ہیں میرے پانوں کی
باغباں بلبل کی بچا کر پھول توڑا چاہئے
عشق کی مشکل پسندی سے ہوا یہ آشکار
خوب‌صورت کو غرور حسن تھوڑا چاہئے

مگر اس کو فریب نرگس مستانہ آتا ہے
اُلٹتی ہیں صفیں گردش میں جب پیما نہ آتا ہے
خوشی سے اپنی رسوائی گوارا ہو نہیں سکتی
گریباں پھاڑتا ہے تنگ جب دیوانہ آتا ہے
طلب دنیا کو کرکے زن مریدی ہو نہیں سکتی
خیال آبروے ہمت مردانہ آتا ہے
ہمیشہ فکر سے یاں عاشقانہ شعر ڈھلتے ہیں
زباں کو اپنی بس اک حسن کا افسانہ آتا ہے
زیارت ہوگی کعبہ کی یہی تعبیر ہے اس کی
کئی شب سے ہمارے خواب میں بت‌خانہ آتا ہے

جاں بخش لب کے عشق میں اُتھائے — بیمار ہو کے ناز مسیحا اُتھائے
دکھلائے حسن‌یار کاجلوہ ہمیں جو عشق — کس کس طرح سے لطف تماشا اُتھائے
فصل بہار آئی پیو صوفیو شراب — بس ہو چکی نماز مصلا اُتھائے
جوش جنوں میں دیکھے پیچھے نہ مڑ کے — منھ جس طرف کو صورت دریا اُتھائے

دہن پڑھیں اُن کے بیاں کیسے کیسے کلام آتے ہیں درمیاں کیسے کیسے
زمین چمن گل کھلاتی ہے کیا کیا بدلتا ہے رنگ آسماں کیسے کیسے
نہ مڑ کر بھی بےدرد قاتل نے دیکھا تڑپتے رہے نیم جاں کیسے کیسے
نہ گور سکندر نہ ہے قبر دارا مٹے نامیوں کے نشاں کیسے کیسے
کرے جس قدر شکر نعمت وہ کم ہے مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے

چپ ہو کیوں کچھ منھ سے فرماؤ خدا کے واسطے
آدمی سے بت نہ بن جاؤ خدا کے واسطے
درد دل سے دم فدا ہوتا ہے جائے رحم ہے
جان جاتی ہے مری آؤ خدا کے واسطے

بہار گل میں ہیں دیوانے جامہ سے باہر پری کا بھیس ہے بدلے ہوئے بلا آئی
شراب ان کو پلا کر ہوئی پشیمانی وہ بےحجاب ہوئے تو مجھے حیا آئی
نہ روز حشر بھی فریاد ہو سکے مجھ سے جفائے یار کے آڑے مری وفا آئی

کشتہ ہم بھی تری نیرنگی کے ہیں یاد رہے
او زمانے کی طرح رنگ بدلنے والے
حسن نے روشنی خورشید کی پیدا کی ہے
شب کو باہر نہیں وہ گھر سے نکلنے والے
اُن سے کہہ دو نہیں آہستہ جو رکھتے دو گام
گر بھی پڑتے ہیں بہت دوڑ کے چلنے والے

بے نشۂ شراب محبت نہ جائیں گے ساقی کی در پراب تو ہیں ہم بھی اڑے ہوئے
ٹھیک آئی تن پر اپنے قبائے برہنگی باقی لباس چھوٹے ہوئے یا بڑے ہوئے

جاؤں کیوں کر بن بلائے اس بت دل خواہ کے
بے طلب کوئی نہیں پہونچا حضور اللہ کے

گدا نواز کوئی شہسوار راہ میں ہے بلند آج نہایت غبار راہ میں ہے

نہ بدرقہ ہے نہ کوئی رفیق ساتھ اپنے   فقط عنایت پروردگار راہ میں ہے

عدم سے جانب ہستی تلاش یار میں آئے
ہوائے گل میں ہم کس وادی پر خار میں آئے
خریداروں میں عاشق اپنے ناموں کو ہیں لکھواتے
تماشا ہے وہ یوسف بن کے ہیں بازار میں آئے

گل کھلے ، پرزے اُڑا پوشاک کے   پانؤں پھیلا' تا بدامن چاک کے

اسیر

مظفر علی نام ' اسیر تخلص ' میر مدد علی کے بیٹے ' امیٹھی ضلع لکھنؤ کے رہنے والے تھے -

فارسی اپنے چچا سے اور عربی کی کتابیں علمائے فرنگی محل سے پڑھیں اور اس میں استعداد پیدا کی - مصحفی کی شاگردی کی لیکن ان کا وقت آخیر تھا ' اس لئے اسیر کا رنگ مصحفی سے بالکل جدا ہے -

نصیرالدین شاہ اودہ کے زمانے میں صدر امین رہے - جب واجد علی شاہ کا زمانہ آیا تو ان کی تنخواہ مقرر ہوگئی اور تدبیرالدولہ مدبرالملک بہادر جنگ کے خطاب سے سرفراز کئے گئے -

واجد علی شاہ کا نیر اقبال جب غروب ہونے لگا تو یہ رام پور چلے گئے - اُس وقت نواب یوسف علی خاں ' نواب کلب علی خاں کے والد سریر آرائے حکومت تھے ' یہ پہونچے تو نواب صاحب ان سے مشورہ سخن کرنے لگے -

نواب کلب علی خاں کا زمانہ آیا تو انھوں نے بھی ان کی قدر دانی میں کچھ اُٹھا نہ رکھا - اس طرح فارغ البالی سے زندگی بسر کرکے سنہ ۱۲۹۹ھ میں وفات پائی -

ان کے تلامذہ میں منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی و احمد علی شوق بہت مشہور اور ایک دور کے موجد ہوئے ہیں -

کلام میں آورد بہت زیادہ آمد کم ہے ' اس لئے تاثیر برائے نام ہے -

ترکیب اور بندشوں سے مضمون آفرینی اُن کا امتیاز ہے - اپنے رنگ کے اُستاد مسلم الثبوت ہیں -

حمیّت کا خاص اہتمام کرتے ہیں - کلام سے صاف نمایاں ہے کہ '' اسیر '' کلام عربیہ کے ماہر تھے -

ا

خشک جس دم روغن حسن جوانی ہو گیا
ہم یہ سمجھے گل چراغ زندگانی ہو گیا
سن کے باتیں اُس کی پردہ سے ہمیں غش آگیا
شعلۂ آواز برق لن‌ترانی ہو گیا

نبی کے بعد یہ قرآں کو دیکھ کر سمجھے
کہ نامہ دے کے ہمیں نامہ بر روانہ ہوا
شباب تھا کہ الہی نسیم کا جھوکا
کہ دفعتاً اِدھر آیا اُدھر روانہ ہوا

پیش نگاہ خال ہے روے حبیب کا
تارا چمک رہا ہے ہمارے نصیب کا
ہر صبح اُٹھ کے پیتے ہیں ہم ساقیا شراب
اختر ہے آفتاب ہمارے نصیب کا
خالی نہیں ہے فیض سے تکلیف اغنیا
منعم مریض ہو تو مقدر طبیب کا
ہم کو غم فراق ' رقیبوں کو عیش وصل
کوئی نہیں شریک کسی کے نصیب کا

مردہ کچھ سنتا نہیں چلا کے روتے ہیں عزیز
دم میں اتنا فاصلہ اللہ اکبر ہو گیا

نوجوانی کا نہ پیری میں کبھی ہوش ہوا
خواب دیکھا تھا جو شب ' صبح فراموش ہوا

دے جا جام بھر بھر کر شراب ارغوانی کا
یہی ہے ساقیا روغن چراغ زندگانی کا

جواں تھے جب تلک پیری تصور میں نہ آئی تھی
نظر آتا نہیں اب خواب میں عالم جوانی کا

تلاش مزرعِ اُمید ہے دو ایک پانی کا
کہو ابر کرم سے وقت ہے یہ مہربانی کا

اُٹھا سکتے نہیں دل بھی کسی صورت حسینوں سے
یہاں تک حال پہونچا ہے ہماری ناتوانی کا

ازل کے روز ہم کو خدا نے مست کیا
خراب بادۂ مے خانۂ الست کیا
فلک کا قصد تھا پائے جگہہ زمیں کے تلے
اجل نے حوصلہ کیا سرکشوں کا پست کیا
زمیں پہ میں ہوں تو تحت الثریٰ میں اس کی جگہہ
زیادہ مجھ سے بھی طالع کو میرے پست کیا

مصرع ہو کیوں نہ گرم مری آہ سرد کا
مضمون بندہ گیا نئے پہلو سے درد کا
کیجے سوال بھی تو در مے فروش پر
احسان کیجئے جو گوارا تو مرد کا

ہر خاک سار صاحب توقیر ہو گیا
پارہ ہوا جو خاک تو اکسیر ہو گیا
سیر چمن نہ کی تھی کہ نخچیر ہو گیا
نکلے جو بال و پر هدف تیر ہو گیا
حیرت ہوئی یہ اُس کے نظارے سے خلق کو
عالم تمام عالم تصویر ہو گیا
غازہ ملا تو اُس نے کیا اور قتل عام
چہرہ چمک کے صورت شمشیر ہو گیا

بیٹھے ہیں جا کے پہلوئے قاضی میں تیرے مست
مسجد کے پاس میکدہ تعمیر ہو گیا

تدبیر جب کوئی نہ چلی وصل یار کی
انجام کار قائل تقدیر ہو گیا
جائیں گے اُٹھ کے صحبت احباب سے کہاں
اُلفت کا سلسلہ ہمیں زنجیر ہو گیا
کی یار نے جو غیر کی جانب نگاہ لطف
اپنے جگر سے پار یہاں تیر ہو گیا

جا سکا پھر نہ مرے گھر جو وہ جانی آیا
رحمت اللہ کی آئی کہ یہ پانی آیا
جان اب دم شمشیر سے بچنے کی نہیں
ڈوبتا ہوں کہ گلے تک مرے پانی آیا

پھولتا پھلتا مرا نخل تمنا کس طرح
بچ رہا بجلی سے تو پانی سے جل کر رہ گیا
قصد اُٹھنے کا تو تھا اُس کو ہمارے پاس سے
چار آنکھیں ہوگئیں زانوں بدل کر رہ گیا
کیسی کیسی گل خزاں کی جور سے مرجھا گئے
پتا پتا اِس چمن کا ہاتھ مل کر رہ گیا

سپید ایسا ہوا خوں خوف کے مارے مرے تن کا
کہ پردہ حشر کے دن رہ گیا قاتل کے دامن کا
نہ کیوں کر اہل دنیا ہوں مطیع نفس امارہ
لباس دوست میں پہچاننا مشکل ہے دشمن کا

بیڑیاں پانوں کی موجیں ہیں تو گرداب ہے طوق
اب کے ایام بہاراں میں ہے دریا سودا

اُس کی زنجیر سے بھاری ہے ہماری زنجیر
وحشت قیس سے بڑھ کر ہے ہمارا سودا

مانی سے کار قاتل خوں خوار ہو گیا
نقشہ ترا کھینچا مجھے تلوار ہو گیا
ہلنا گلی سے یار کے دشوار ہو گیا
اُس در تلک پہونچ کے میں دیوار ہو گیا
اُس چشم سرمگیں سے محبت ہوئی "اسیر"
کاجل کی کوٹھری میں گرفتار ہو گیا

اللہ رے شوق، خط بھی نہ ہم نے کیا تمام
قاصد کمر کو باندھ کے تیار ہو گیا
کوچے میں اُس پری کے جو پہونچا جنوں ہوا
آسیب مجھ کو سایۂ دیوار ہو گیا

حزیں تیرا سوائے خلعت ماتم نہیں لیتا
گدا تیرا خطاب خسرو عالم نہیں لیتا
کمی کا نام میرا دیدۂ پر نم نہیں لیتا
خط اُس کو کس طرح لکھوں کہ پانی دم نہیں لیتا

بلبل کی اب قفس سے رہائی ہوئی تو کیا — وہ بوے گل رہی نہ وہ رنگ چمن رہا
اہل وطن سے شوق ملاقات رہ گیا — موت آئی جب قریب ہمارا وطن رہا

بتوں کا شوق سوے کعبہ لے چلا ہے مجھے
یہی جو حج ہے تو حاصل ثواب کیا ہوگا
گھڑی گھڑی کی خبر ہم کو دل سے ملتی ہے
جو خط کا وہ نہ لکھیں گے جواب کیا ہوگا
تڑپ کے بعد فنا ہوں گے خلد میں داخل
لحد میں ہم تڑپیں گے عذاب کیا ہوگا

بوے خوش دیتا ہے محفل میں پسینا یار کا
عطر کھینچا خوب گرمی نے گل رخسار کا

گھٹا کے بدر کو ہر ماہ میں ہلال کیا
تمہارے چاند سے چہرے نے بھی کمال کیا
کہوں گا حشر میں آے اگر وہ زلف نظر
اسی نے مجھ کو گنہگار بال بال کیا
گدا ہوے تو گداے در کریم ہوئے
کیا سوال تو اللہ سے سوال کیا

شب وصلت کی کوتاہی سے دل کو سخت ایذا ہے
یہ بڑھ جاتی جو روز ہجر کچھ کوتاہ ہو جاتا

سجدہ بھی دہشت درباں سے نہ کرنے پائے
لے چلے داغ ترے در سے جبیں سائی کا
ہوں وہ عاشق مجھے سوز غم فرقت ہے پسند
دل ہے پروانہ چراغ شب تنہائی کا
چاک کر مرے گریباں کو نہ اے دست جنوں
نظر آتا ہے یہ کوچہ مجھے رسوائی کا

پاؤں کیا بلکہ پھرا سر ترے سودائی کا
مرحلہ طے نہ ہوا بادیہ پیمائی کا
دل مضطر کہیں عاشق کا ٹھہر سکتا ہے
نام ہے نام ہے بس صبر و شکیبائی کا
واہ اے دور فلک خانۂ احساں آباد
چتر تخشا سر منصور کو انگڑائی کا

کس خرابی سے میں اُس در تک گیا
راہ میں گر گر پڑا تھک تھک گیا
ہوگئے ایسے جنوں میں ہم ضعیف
ہاتھ مشکل سے گریباں تک گیا
ضعف پیری کا سبب ہے طول عمر
دور منزل ہے مسافر تھک گیا

کب ملی فرصت تڑپنے سے ترے بیمار کو
کچھ کمی درد جگر نے کی تو درد دل اُٹھا

جب تک جئے جہان میں مر مر کے ہم جئے
جس خوبرو پر آنکھ پڑی دم نکل گیا

سیر فردوس جو حاصل نہ ہوئی تو نہ ہوئی
شکر کرتا ہوں میں دوزخ میں خدایا نہ گیا
بت تو بت ضعف نے اللہ سے رکھا ہمیں دور
بتکدہ کیا کبھی مسجد میں بھی جایا نہ گیا

کیا زاھد نے ساماں جوش گل میں بادہ خواري کا
وہ موج اُٹھی کہ دامن تر ہوا پرھیزگاري کا

روز کرتا ھے گراں قیمت مے بادہ فروش
کیجئے خاک سے گنجینۂ قاروں پیدا

پیام مرگ تماشائے روئے یار ھوا　　چمک کے بخت چراغ سرمزار ھوا

جذب دل اللہ رے صید افگن ترے نخچیر کا
تیر نکلا ' رہ گیا سینے میں پیکاں تیر کا

سجدے کرتا میں چلوں گا در جاناں کی طرف
سایہ میرا مجھے ھر گام مصلا ھو گا
نگہت گل سے چمکتا ھے سوا رنگ جنوں
کوئي مجھ سا بھی نہ آمادۂ سودا ھو گا
وصل معشوق میں پھر ھستی عاشق کیسی
قطرہ مل جائے گا دریا سے تو دریا ھو گا

جھکا جو سرو قد مسجد کو تاکا   مثل سچ ہے کہ سجدہ گھر خدا کا
مرے بالیں سے اُٹھو جاؤ طبیبو   دوا کیسی کہ ہے وقت اب دعا کا
بتا دے راہ میخانے کی ہم کو   کوئی ایسا بھی بندہ ہے خدا کا
گئی جاں ابتدائے عاشقی میں   اُٹھایا ہم نے صدمہ انتہا کا
نہ باندھو دل کو گیسو میں نہ باندھو   حسینوں واسطہ مشکل کشا کا

قاصد خراب پھرتا ہے ملتا نہیں پتا
اُس حور کا مکاں نہ ہوا لا مکاں ہوا
میں اس چمن میں طائر نکہت ہوں اے صبا
جو گل ہوا شگفتہ مرا آشیاں ہوا

بت کدے کی میں سیر کر آیا   وہاں خدا ہی خدا نظر آیا
ہوں وہ بسمل کہ ہوں میں عاشق درد   دل بھر آیا جو زخم بھر آیا

نگاہ چشم عنایت اُدھر سے ہو کہ نہ ہو   ہمیں تو سجدہ اُسے پانچ وقت کر لینا
ذرا سی بات میں ہوئے ہیں اپنے بیگانے   بڑا کمال ہے کسی کو اپنا کر لینا

قبول فیض میں حاصل نہیں ہے کچھ جز داغ
سمجھ کے مہر کا احسان اے قمر لینا
حال کہئے کس سے فرقت کی شب تاریک کا
آدمی ہم کو نظر آتا نہیں نزدیک کا

شوخیاں تھیں جو حسینوں میں وہ حوروں میں کہاں
مر کے ہم نے خلد میں نعم البدل پایا تو کیا
صبح کو خالی وہی بستر، وہی ہم بے قرار
خواب میں شب بھر جو اُن کو ہم بغل پایا تو کیا

اللہ رے بدگمانی ساقی کہ پیاس سے   کانٹے مری زباں پہ پڑے وہ کھٹک گیا

بحمداللہ کہ وقت ذبح نکلا حوصلہ دل کا
گلے پر تیغ دست ' شوق میں دامن ہے قاتل کا
اگر بجلی کبھی ابر سیہ سے نجد میں چمکی
کہا مجنوں نے پردہ اُٹھ گیا لیلی کی محمل کا

جو ظاہر میں عداوت ہو تو باطن میں محبت ہو
''اسیر'' آنکھیں لڑیں پر دل سے نہ چاہئے دل کا

میں داغ اُٹھانے کے لئے دل نہیں رکھتا — پروا تری اے مہ کامل نہیں رکھتا
وہ کون سا دریا ہے جو ساحل نہیں رکھتا — لائی اجل آخر مجھے ہستی سے لب گور

ہوں دیر سے منتظر طلب کا — دنیا سے اُداس دل ہے کب کا
تھم جا کہ مقام ہے ادب کا — اے آہ نہ عرش سے بڑھ آگے

گردش بخت زبوں ' جور فلک ' رنجش یار
درد لاکھوں تھے میں کس کس کا مداوا کرتا
مرض غم کا کہاں پاس طبیبوں کے علاج
رحم اللہ نہ کرتا تو کوئی کیا کرتا
بچ گئی جان ہوا آج ہے دیدار نصیب
تھی قیامت وہ اگر وعدۂ فردا کرتا

مطلب دل بے طلب ہو جائے گا — جب خدا چاہے گا سب ہو جائے گا
تم پکاروگے مجھے جس نام سے — بس وہی میرا لقب ہو جائے گا
بے ادب کہئے نہ مجھ کو بار بار — مجھ سے ترک ادب ہو جائے گا

کس کو کرتی نہیں یہ گردش ایام جدا — ماہ سے مہر جدا صبح سے ہے شام جدا
مثل تصویر ہے کیا غم ہمیں عریانی کا — کب ہے اندام سے پیراہن اندام جدا
وصل کیسا کہ وہ بت میں ہوں خدا کا بندہ — کفر اسلام سے ہے کفر سے اسلام جدا
طبع جاناں دو رنگی نہیں جاتی اب تک — ہم سے پیغام جدا غیر سے پیغام جدا

قبر پر قبر ہوئی گور غریباں میں ''اسیر'' نہ ملا زیر زمیں گوشۂ آرام جدا

دیدۂ بیدار ہے اپنی لحد مرنے کے بعد ظاہرا در پر پڑا رہتا ہے پردہ خواب کا

گر پڑی دیوار میری پستئی تقدیر سے
ہو جو مجھ کو اُس کے سایہ میں ارادہ خواب کا

کیجئے سرفراز یا پامال اب تو میں حاضر حضور ہوا
آدمی تھے خطا ہوئی ہم سے دور تم کو کہا قصور ہوا
تو جو خورشید ہے تو میں شبنم میں کہاں جب ترا ظہور ہوا
تم کو نافہموں نے کیا بدنام تار پر شبہ غرور ہوا

ذکر محشر، سن کے واعظ، سے رہے خاموش ہم
فہم میں آیا نہ مطلب دور کی آواز کا
طائر بے بال و پر ہوں کیسی پرواز چمن
نام ہے بےتابئی دل شوخئی پرواز کا
خواب غفلت سے نہ چونکیں گے کہاں تک مردہ دل
منتظر بیٹھا ہوں میں بھی صور کی آواز کا

ہم ترے عشق میں بےگانے ہوئے عالم سے لیکن اے فتنۂ عالم نہ ہوا تو اپنا
جام اگر ٹوٹ گیا کیا ہے تردد ساقی حاجت جام نہیں جام ہے چلّو اپنا

کبھی تونے نہ بت ہجر کا نسخہ لکھا یہ بھی تقدیر کا اے رشک مسیحا لکھا
پرزے نامے کے کئے یار نے دیکھوں قاصد ابھی آئے مری تقدیر میں ہے کیا لکھا

سپیدی آگئی بالوں میں جاگو غافلو اُٹھو
ملو آنکھیں ہوا روشن ستارہ صبح پیری کا

گھر سے اب تک نہ نکلا تھا مگر اب نکلا   بعد مدت دل مشتاق کا مطلب نکلا
منھہ چھپا کر وہ عیادت کو ہمارے آئے   ہم تو محروم رہے غیر کا مطلب نکلا

شیریں ہیں نیشکر کی طرح اُن کی اُنگلیاں   پوچھو ہمارے دل سے مزہ پور پور کا

وادئی عشق ہے یہ عرصہ شطرنج نہیں
نقد جاں ہار گیا چال جو انساں بھولا
ولولے سارے جوانی کے مٹے پیری میں
صبح ہوتے ہی مجھے خواب پریشاں بھولا
مشعل داغ اُسی شب کو دکھائی ہم نے
کوئی پروانہ اگر راہ چراغاں بھولا
بخت کوتہ نے اِدھر کا نہ اُدھر کا رکھا
دام سے چھوٹ کے میں راہ گلستاں بھولا
سہو و نسیاں سے خمیر گل آدم ہے "اسیر"
آدمیت کا کیا کام جو انساں بھولا

ٹھہرا نہ یہاں قدم کسی کا   مشکل ہے مقام دوستی کا
اے جوش جنوں عدم کو لے چل   جنگل ہے یہ شہر آدمی کا
دریا میں عیاں ہے حال امواج   عالم ہے یہاں دوا دوی کا
کیا ترک ہو شراب بادہ ساقی   روغن ہے چراغ زندگی کا

گرا جو ہاتھ سے جام اختیار کیا ساقی   تجھے ملال مجھے انفعال ہونا تھا
دعا وصال صنم کی ضرور تھی اے دل   خدا سے طالب امر محال ہونا تھا

بدن ہے لاغر، جگر افسردہ، دماغ ہے خشک، دل ہے مردہ
الٰہی آجائے کوئی جھوکا کسی نسیم مسیح دم کا
پکارتا ہوں یہ بت کدے میں خدا ہے واحد خدا ہے واحد
جواب دے مجھ کو اے برہمن یہ منھہ ہے تیرے کسی صنم کا
پڑا ہوں پیر مغاں کے در پر یہاں سے جاؤں کہاں میں اُٹھ کر
ملے کوئی خم کہ کوئی ساغر خیال کس کو ہے بیش و کم ہے

جس راہ سے گئے ہو اُسی راہ سے پھرو اے رفتگان باد فراموش نقش پا
شکوہ کرو سختی منزل کار ہردو سمجھو اشارۂ لب خاموش نقش پا
ریزش ہے مے کی یار کی مستانہ چال ہے شاہد ہے جام بادہ سر جوش نقش پا

چشم پوشی اقربا سے تھی بجا ہنگام نزع
بات کی مہلت نہ تھی کس کس سے رخصت مانگتا
افسر شاہی سے بہتر تھا مرا کجکول فقر
ہوکے میں تیرا گدا کیا بادشاہت مانگتا
طالع وارشوں سے دکھلاتی دعا اُلٹا اثر
برق گرتی میں اگر باران رحمت مانگتا
مرتے مرتے بھی مجھے معلوم تھا یاروں کا حال
زہر دیتا جس سے وقت نزع شربت مانگتا

حباب وار جو سرمیں بھرے سفر کی ہوا اُسی طرف کو چلے جدھر کی ہوا
خدا کے واسطے سر خواب سے اُٹھا ساقی پیام بادہ کشی دیتی ہے سحر کی ہوا

ہے اہل زمیں پر جو ستم چرخ بریں کا
در پردہ اشارہ ہے کسی پردہ نشیں کا
کس دھوم سے گلشن میں بہار آتی ہے ساقی
اللہ رہے اب زاہد سجادہ نشیں کا
قاصد مجھے ہرگز نہیں خط لکھنے کی حاجت
سر کاٹ کے بھیجوں کہ پڑھے خط وہ جبیں کا
کہدو کہ وہ دیدار دکھا جائیں دم نزع
ہے حوصلہ باقی نگہہ باز پسیں کا

نامہ بھیجا ہے اُس نے بے معنی بدلے یوسف کے پیرہن آیا
رفتہ رفتہ لحد میں پہونچے ہم راہ غربت کٹی وطن آیا

نالہ فلک کو توڑ کے تا لامکاں گیا
گستاخ رفتہ رفتہ کہاں سے کہاں گیا
پرتو کی طرح ساتھ نہ چھوڑا کسی طرح
جس جس جگہ وہ مہر گیا میں وہاں گیا
روتے هیں کہہ کے یہ تن بے جان پہ مرے لوگ
برباد قید خانہ هے یوسف کہاں گیا
پیری میں ابتو آہ کی طاقت نہیں رهی
وہ ولولہ وہ جوش جوانی کہاں گیا

دل مرا دیر کو یا کعبہ کو راهی هوگا   وهی هونا هے جو منظور الهی هوگا

سر کٹے تو حرص دنیا دل سے جائے   صدقہ دیجئے گھر سے هو باهر بلا

بدلے گا عیش و غم میں حال زار کیا   افسردہ خاطر دن کو خزاں بہار کیا
مثل حباب آب هے دم بھر کی زندگی   هم کیا هماری هستی نا پائدار کیا
برسوں میں بھی نہ آئی جو نوبت سلام کی   توهی بتا کریں تری اُمیدوار کیا

اے جنوں نوبت بدلنے کی کبھی آتی نہیں   کیا همارا پیرهن هے پیرهن تصویر کا

جل جائے گا داغ دل بیتاب کا پھاھا   بالفرض هو خورشید جہاں تاب کا پھاھا

کسی کو حکم خدا و رسول یاد نہیں   زباں پہ خلق کے قانون هے فرنگی کا

ب

اُس کو نہ هے ثبات نہ اُس کو قیام هے
هے عمر پیر جیسے لب بام آفتاب

کیوں کر نصیب ہوتا ہے دیدار دیکھئے ہے دور ہم سے کوچۂ جاناں اجل قریب

ت

ایسا رفیق کوئی ہے آفاق میں کہاں ہم سے کبھی جدا نہیں ہوتا خیال دوست
آئی نہ تاب حضرت موسیٰ کو غش ہوئے آساں نہیں نظارۂ برق جمال دوست

اُن کا رہا مزاج جو برہم تمام رات کچھ عرض حال کر نہ سکے ہم تمام رات

سنا جو کچھ وہ ہم نے یاد رکھا گڑی دل میں جو کانوں میں پڑی بات
سر واعظ نہ بے دستار دیکھا حقیقت میں بڑوں کی ہے بڑی بات

جان کر باطل نہ آئے ہم فریب دہر میں صورت ساحر تماشے اُس نے دکھائے بہت

ث

پس فنا بھی نہیں ہے مجھے مزار میں چین تڑپ رہا ہوں دل بے قرار کے باعث
شب وصال نہ ہم بات کرسکے اُن سے وفور گریۂ بے اختیار کے باعث

ظلمت بخت نہ جائے گی کبھی رونے سے
کہ سیاہی کا پر زاغ سے دھونا ہے عبث

ج

جب تلک طبیب آئے ہوا حال کچھ کا کچھ
ہے درد دل بھی تو چلو ہو چکا علاج

ح

وصل کی شب کٹ گئی وہ مہرو‌ش گھر کو چلا
لے کے آئی ہے ہماری موت کا پیغام صبح

خ

کیا لال زمانے کو کیا موسم گل نے   شال امرا سرخ گلیم فقرا سرخ
اس کو بھی ہے شاید کہ غم شپر و شپیر   ظاہر میں جو ہے سبز تو باطن میں حنا سرخ

کرتی ہے جدا مجھ سے سیہ بخت کو قسمت
شادی سے نہ کیوں کو ہو رخ اہل وطن سرخ

صاحب کوئی تو عرض ہماری قبول ہو   ہر بات میں نہ آپ نکالیں نہیں کی شاخ

د

ہوں وہ کشتۂ قتل ہوکر اس قدر ممنون ہوں میں
روح پھرتی ہے کبھی قاتل کبھی خنجر کے گرد
تشنگی کا خوف کیا روز قیامت میں ہمیں
سیکڑوں ساغر دھرے ہیں چشمۂ کوثر کے گرد

دعا ہوتی نہیں مقبول یارب   مگر باب اجابت ہوگیا بند
اولجھ کر دم نکل جائیگا صیاد   قفس کا در نہ کر بھرے خدا بند

خط تو لکھتے نہیں پیغام زبانی ہی سہی   بڑہ کے تحریر سے ہے آپکی تقریر پسند
کرچکا خوب میں نظارۂ قاتل نہ تیغ   اے اجل اب نہیں آتی تری تاخیر پسند

عقل کی خانہ خرابی ہے جو منظور نظر جز خرابات نہیں ہے کوئی تعمیر پسند

بعد عصیاں گریۂ خجلت نہ ضائع جائے گا خط عصیاں کو کریں گے رو کے یہ آنسو سفید

ذ

اسی سے ہوتا ہے افلاس کا مرض زائل جو اس زمانہ میں پوچھو ہے نقش زر تعویذ

ر

رہائی کی اوسی کو فکر ہے جو قید کرتا ہے
ورود کارواں تھا بھر یوسف چاہ کنعاں پر
الٰہی حشر پیدا ہو کہیں تربت سے اٹھوں میں
نہایت شاق ہے خانہ نشینی مرد میداں پر

نہ خنجر یہ وحشت تھی کہ میرا ہاتھ پڑتا تھا
کبھی قاتل کے دامن پر کبھی اپنے گریباں پر
تمنا ہے جو موت آنے کی نہت میں نے پائی ہے
جلاؤں کیوں نہ شمع داغ دل گور غریباں پر
فقیری میں مزا حاصل ہے بڑھ کر بادشاہی سے
قدم رکھتے نہیں تیرے گدا تخت سلیماں پر
''اسیر'' آنسو بہانا فرض ہے غم میں عزیزوں کے
چھڑکنا چاہئے پانی کبھی گور غریباں پر

درد دل، زخم جگر، کاہش جاں، درد فراق
بے تکلف ہیں یہ احباب ہمارے دو چار

مرے گھر میں جو لائی دوڑ ظلمت شام فرقت کی
چراغ خانہ بھاگا بیٹھ کر صرصر کے توسن پر

چھڑایا زیست کے جھگڑوں سے مجھ کو تیغ قاتل نے
رہا یہ بار احساں تا قیامت میری گردن پر

جوش جنوں میں جائے صحرا کو کس لئے
میدان گھر کو کیجئے دیوار توڑ کر
کیوں کر اُٹھیں کہ ہے کسی یوسف کا انتظار
بیٹھے ہیں پانوں ہم سر بازار توڑ کر

مرغان دام کیسے ہیں مشتاق بوئے گل
یارب کرے اُدھر بھی نسیم سحر گذر

بحمداللہ کس سامان سے پھر میفروش آیا
کف جمشید میں ساغر ہے خم دوش فلاطوں پر

خدا ہے عالم الغیب ایسی باتوں کو سمجھتا ہے
شکایت کرتے ہیں نافہم کیا رکھا ہے گردوں پر

الٰہی ہجر کی شب تیرۂ و تاریک ہے کیسی
نظر آتا نہیں ہے ایک تارا ہم کو گردوں پر

ہے جوش بادہ تو بھی ذرا آکے دھوم کر
اے ابر نو بہار برس جھوم جھوم کر
کس کام کا وہ گنج جو آئے نہ صرف میں
مدنظر عمل ہو تو کسب علوم کر

ذکر خدا میں دھیان بتوں کا بھی آگیا
کعبے سے دیر کو میں گیا راہ بھول کر
حاصل اگر وصال نہیں ہجر ہی سہی
جنت نہ ہاتھ آئے تو دوزخ قبول کر

خون ناحق کا میں اہل شرع سے لوں انتقام
جی میں ہے منصور ساں واعظ کو کھینچوں دار پر

ہوں وہ دیوانہ جو رکھا کوئے جاناں میں قدم
ڈر گیا ایسا کہ سایہ چڑھ گیا دیوار پر

نرگس مجھے دکھلانے لگی باغ میں آنکھیں
آیا تھا عیادت کو میں بیمار سمجھ کر
بخشا مجھے خالق نے فرشتوں سے یہ کہہ کر
جرم اس نے کئے ہیں مجھے غفار سمجھ کر

مرتبہ حسن کا تکلیف میں گھٹتا ہے کوئی
خوش نما لگتی وہ زلفیں ہیں پریشانی پر

دید صورت بھی نہیں نظارۂ معنی سے کم
شوق لیلی بڑھ گیا مجنوں کو محمل دیکھ کر
تیغ تو رکھی گلے پر کیجئے لیکن رواں
اک ذرا طرز نگاہ یاس بسمل دیکھ کر

پیری میں مو سپید جوانی میں ہیں سیاہ
رہتا نہیں زمانہ کبھی ایک رنگ پر

شدت گریہ میں یہ ڈرتا ہوں کہیں خوں ہو کے بہ نہ جائے جگر
مت کے پائی نجات صدموں سے اب جگر ہے نہ داغ ہائے جگر

ذراسی بات پر اہل تکبر پہاڑ کھاتے ہیں
درندے ہیں یہاں کچھ بھی نہیں موقوف جنگل پر

اگرچہ آئی ہے عاشق کی جان ہونٹھوں پر
مگر ہے اب بھی تری داستان ہونٹوں پر
گیا نہ تیغ کے نیچے بھی شوق نظارہ
نگاہ ہے رخ قاتل پہ جان ہونٹوں پر

اے تیغ یار کاٹ مرے سر کو پیشتر
اے تیر یار پہلے مجھی کو نشانہ کر
بلبل جو تجھ سے اُٹھ نہ سکیں باغباں کے ناز
لاکھوں چمن ہیں اور کہیں اشیانہ کر
رازق خدائے پاک ہے اے طائر قفس
صیاد سے نہ تو طلب آب و دانہ کر
اللہ نے عطا تجھے کی ہے جبیں "اسیر"
تجویز پھر سجدہ کوئی آستانہ کر

اذان دیکر چڑھاؤ اہل مسجد کا نہ خوں سر پر
چھری چلنے لگے گی نعرۂ اللہ و اکبر پر

بغیر غم نہیں عالم میں قدر عشرت کی
خزاں کے بعد بہاراں سے ہے چمن کی بہار
خزان وادئی غربت میں دل ہے افسردہ
کھلائے غنچۂ خاطر کہیں وطن کی بہار
نہ پوچھو عالم پیری میں کچھ شباب کا حال
خزاں کا دور ہوا لٹ گئی چمن کی بہار
لباس سرخ پہن کر حسیں جو آئے ہیں
چمن سے آج زیادہ ہے انجمن کی بہار

مرقد احباب کو رویا میں مضطر دیکھ کر
داغ کھائے سیکڑوں پھولوں کی چادر دیکھ کر
محفل محبوب میں ہیں یار بھی اغیار بھی
اک ذرا آنسو بہا اے دیدۂ تر دیکھ کر

گور سے اُٹھتے ہی یاد آئے جلوں کے ولولے
کھل گیا دل وسعت صحرائے محشر دیکھ کر

واہ آہ کیجئے کہ پسیجیں رقیب بھی
شبنم چمن میں روتی ہے بلبل کے حال پر

کہدو کہ اب حساب ہمارا بھی پاک ہو
آیا ہے آفتاب قیامت زوال پر

قاتل ہے تری زلف گرہ گیر کی زنجیر
شمشیر کی شمشیر ہے زنجیر کی زنجیر
دیوانہ تو میں ہوں کف مشاطہ میں وہ زلف
غیروں کو ملی ہے مری تقدیر کی زنجیر

اُمید زندگی کی ہو کس اعتماد پر
آمادہ چار خلط ہیں ہردم فساد پر

قتل کرتی ہے اُس قمر کی نظر
تیغ کی تیغ ہے نظر کی نظر
آنکھ کیا بند ہوگئی اپنی
پھر گئی ہم سے سارے گھر کی نظر
آنکھیں دیکھیں تری دماغ ہوا
کیا ملے ہم سے نامہ‌بر کی نظر
دوست دشمن کی ہم سے پھر گئی آنکھ
ہے اِدھر کی نہ اب اُدھر کی نظر

کثرت عصیاں سے دل تاریک موئے سر سفید
ہے عجب گھر میں اندھیرا چاندنی ہے بام پر

کیا بے سایہ پیدا قامت پر نور احمد کو
یہی ہے حجت روشن خدا کی بیمثالی پر
"اسیر" اُس کا کرم درکار ہے بخشے جسے چاہے
نہ زاہد پر نہ ہے موقوف رند لا ابالی پر

میں آپ جا کے لیٹ رہا قبر میں "اسیر"
چندے اجل کے آنے میں تاخیر دیکھ کر

راحت ہے غم جو فضل خدا ہو شریک حال
آتش میں گر کے آنچ نہ آئی خلیل پر

مانی نے کیا شکار عنقا کھینچی جو تری دہن کی تصویر

آیا مہ صیام نمازی ہوا وہ ترک تیغ و گلو کی اب ہے ملاقات عید پر
تابع کو اپنے اور ستاتا ہے آسماں یہ پیر مہرباں نہیں ہوتا مرید پر

ز

اے شمع ہو خموش نہ کر سوز دل بیاں کوتاہ شب ہے اور تری داستاں دراز

س

تھوڑی سی عمر اور ہو یارب مجھے عطا رہ جائے آسماں کو نہ بیداد کی ہوس

کیوں نہ ہو پیری میں اپنا دل اُداس صبح کو ہوجاتی ہے محفل اُداس
کل طبیعت کو تو کچھ تسکین بھی تھی آج کل سے ہے زیادہ دل اُداس

ش

کچھ انتہائے نصیحت بھی حضرت ناصح
دماغ کیجئے خالی نہ مہرباں، خاموش
بیاں میں درد جگر کیا کروں طبیبوں سے
صدا یہ دل کی ہے ہردم کہ اے زباں خاموش

زمانے کی ہے یہ طاقت کہ کوئی دم ٹھہرے
پھرا وہی ہے یہ تیری نگاہ کی گردش

ط

پڑھ سکے کیا وہ بت بےپیر خط   نامہ‌بر ہے نامۂ تقدیر خط

ظ

اس قدر ہم کو نہ تعزیر معاصی سے ڈرا   ہم تو ہیں اپنے گناہوں سے پشیماں واعظ

غ

ملتا نہیں اگر نہ ملے یار کا دماغ   اُس سے سوا ہے اپنے دل زار کا دماغ

ف

ساقی یہ ہوش میں کہے رکھتے ہیں تجھ سے ہم
مستی میں کچھ کہیں تو ہماری خطا معاف

ق

جس کا مرض ہے نام جسے کہتے ہیں اجل
وہ ابتدائے عشق یہ انتہائے عشق
بندہ تو کیا خدا بھی ہے عاشق رسول کا
دیکھا تو دو جہاں میں نہیں کچھ سوائے عشق

جھکتے ہیں کب کسی سے جو ہیں سرفراز عشق
حاجت رکوع کی نہیں رکھتی نماز عشق
اُترے کبھی نظر سے کبھی اُس کے منہ چڑھے
ہم آزما چکے ہیں نشیب و فراز عشق

روشن اُسی سے محفل آفاق ہے تمام
رکھتا ہے مثل شمع جو سوز و گداز عشق

ک

مزاج وہ نہ رہا وصل یار کے نزدیک
جنوں ہوا جو دن آئے بہار کے نزدیک

ابھی ہے اتنی محبت کہ راہ چلتے ہیں
ٹھہر ٹھہر کہ ہمارے مزار کے نزدیک

دونوں نے مجھے ایک نہ تاثیر دکھائی
اے دل گلۂ آہ کروں یا گلۂ اشک

دکھایا جب سے منھہ پیری نے مٹی ہے خراب اپنی
زمانہ خوب تھا کچھہ نوجوانی کے زمانے تک

ل

دل سے اک دل کو راہ ہوتی ہے
دیکھتے تھے فقط تمہارا دل

جان تک آپ سے عزیز نہیں
آزماتے ہو کیا ہمارا دل

م

یار سے کام ہے کیا خوئے بد یار سے کام
گل کے مشتاق ہیں رکھتے نہیں ہم خار سے کام

فصل گل میں بھی جو آزاد نہیں کرتا ہے
کچھہ تو صیاد کو ہے مرغ گرفتار سے کام

بساں شمع ہیں اک شب کے مہماں
کہاں اس بزم میں وقت سحر ہم

زمانے کی خبر سے ہم کو کیا کام
"اسیر" اپنی نہیں رکھتے خبر ہم

ن

فرقت میں شوق وصل تو وصلت میں خوف ہجر
راحت فراق میں ہے نہ ہم کو وصال میں

دکھلا کے منھ مرا مجھے گرد ملال میں
آئینہ غرق ہے عرق انفعال میں

در پیر مغاں ہے اور میں ہوں
مرا بخت جواں ہے اور میں ہوں
زمین کوئے جاناں کہہ رہی ہے
بلند اک آسماں ہے اور میں ہوں
نہ کعبہ سے نہ بتخانہ سے مطلب
وہ سنگ آستاں ہے اور میں ہوں

نہ جاؤں دعوت حاتم میں وہ مقیم ہوں میں
گدا ترے در دولت کا یا کریم ہوں میں
ملی ازل سے مجھے آبروئے یکتائی
نہ آسماں میں صدف گوہر یتیم ہوں میں

ہماری کشتی مے بھی کہاں سے کس جگہ پہونچی
کہ ڈوبی قلزم عصیاں میں نکلی جاکے کوثر میں

دلا گھبرا نہ فرقت میں میسر وصل بھی ہو گا
زمانہ منقلب ہے کچھ کا کچھ ہوتا ہے دم بھر میں

آکے دنیا میں فرشتے بھی گنہگار ہوئے
ہم تو انساں تھے نہ کیوں ہم سے خطائیں ہوتیں

تمام سال تو دشوار ترک مئے ہے ''اسیر''
ہر ایک ماہ کو کیوں کر مہ صیام کریں

کیا غل کر کے ایسا بلبلوں نے اُس کو دیوانہ
کہ جائے گل بھرے گل چیں نے کانٹے اپنے دامن میں
نہ پہچانا مجھے دشمن نے بالوں کی سفیدی سے
غبار کارواں نے خاک جھونکی چشم رھزن میں

چاھوں ابھی تو ساتھ صدا کے نکل چلوں
زنجیر پا مري مجھے زنجیر پا نہیں

سجدہ خدا کا کیجئے کیا خلق کو حضور
مقبول وہ نماز ھے جس میں ریا نہیں

مزہ عشق جوانی کا کوئی جاتا ھے پیری میں
جو زخم اچھا بھی ھوتا ھے تو رھتا ھے نشاں برسوں
رھے جاری ھمیشہ اشک بے تاثیر آنکھوں سے
نہ پہونچا منزل مقصود تک یہ کارواں برسوں

مرگ کے بعد خیالات جہاں سے کیا کام
یہ وہ ھے خواب کہ جس کي کوئی تعبیر نہیں

اُلفت قید نکلنے نہیں دیتی باھر
تیرے دیوانے کو کچھ حاجت زنجیر نہیں

فرقت میں ایک ھے مري ھستی و نیستی
ثابت یہ خود مجھے ھے کہ گویا نہیں ھوں میں

کعبے چلتا ھوں پر اتنا تو بتا میکدہ کوئی ھے زاھد راہ میں

بري گناہ سے کیوں کر رھیں یہ دولت مند
شراب خانہ میں دامن کسی کا پاک نہیں

کام کیا تنگی عالم سے فقیروں کو ترے
جھونپڑے میں بھی فراغت سے بسر کرتے ہیں

دنیا میں لٹا کے ہم گھر اپنا عقبیٰ کا ثـواب لوٹتے ہیں

کوچہ یار میں مجھ سے یہ ادب کا ہے کلام دیکھ پامال نہ ہو سایۂ دیوار کہیں

درکار خشت خـم کے سوا نـردباں نہیں
کچھ پیر سے فروش کی اونچی دکاں نہیں
دیر و حـرم پہ کچھ نہیں موقوف واعظو
دل صاف ہو تو یار کا جلوہ کہاں نہیں
احباب کی نظر میں سبک ہوں تو ہوں "اسیر"
کرتا ہوں شکر، دل پہ کسی کے گراں نہیں

آب حیات خضر کے مانند کیوں پیوں میں طول عمر حشر تلک چاہتا نہیں

کی کمی عالم وحشت میں نہ طاقت نے کہاں
ہاتھ چھوٹا جو گریباں سے پھنسا داماں میں

کرم کس دن کیا پیاسوں پہ ابر تیغ قاتل نے
چمک کر رہ گئی سینے میں برق آرزو برسوں

یہ کس کے نقش قدم سے ملا ہے تاج شرف
زمیں پکار رہی ہے کـہ آسماں ہوں میں
نہ تاب جنبش پـر ضعف سے نہ طاقت آہ
قفس سے بڑھ کے گرفتار آشیاں ہوں میں
اسے جواب سے نفرت مجھے سوال سے ننگ
وہ بے دہن ہے خموشی سے بے زباں ہوں میں

قفس میں ہے نہ ٹھکانا مرا نہ گلشن میں
وبال خاطر صیاد و باغباں ہوں میں

کب فرق ساٹلوں میں کرتے ہیں اہل ہمت
ذرے ہیں سب برابر خورشید کی نظر میں

ہے جدائی اُس سے، کھانا ہے نہ پینا، ان دنوں
اے فلک شاید ہے روزوں کا مہینا ان دنوں

عنایت بعد مرگ اتنی تو یہ جلاد کرتے ہیں
کسی کو ذبح کرتے ہیں تو ہم کو یاد کرتے ہیں

جلا دینا قفس کا بات کیا ہے ہم اسیروں کو
نہیں کرتے جو نالے خاطر صیاد کرتے ہیں

پیتا ہوں مدتوں سے میں اس بزم میں شراب
اب تک مگر تمیز نہیں درد و صاف میں

جس زمیں پر بارش باراں ہو، کب رہتی ہے گرد
نام کو ساقی کدورت بادہ خواروں میں نہیں

بلبل نہ کر اس طرح فغاں گل کی ہوس میں
صیاد نہ چن دے تجھے دیوار قفس میں
گلزار کسے کہتے ہیں، گل نام ہے کس کا
صیاد ہماری تو کھلی آنکھ قفس میں
پوچھا بھی کسی نے نہ مجھے روز قیامت
دوزخ بھی گئی ہاتھ سے جنت کی ہوس میں

تم رنگ ہو سخن میں، تم پھول ہو چمن میں
تم روح ہو بدن میں، تم شمع انجمن میں

دل لیا، جان لی، مگر اے عشق   تجھ سے اب تک مجھے نجات نہیں

اس قدر پھرتے ہیں کیوں خواہش دولت میں حریص
نہ ملے گا نہ ملے گا جو مقدر میں نہیں

ہوئی محفل کی محفل سیر ساقی فیض سے تیرے
ادھر بھی کوئی ساغر ہم بھی ہیں امیدواروں میں

مغفرت کی نظر آتی ہے بس اتنی صورت
ہم گناہوں سے پشیمان رہا کرتے ہیں
گالیوں کی ہے سماعت ہمیں آنکھوں سے قبول
تیرے ہونٹوں کے طرف کان رہا کرتے ہیں

شہید عشق مجھے جانتے ہیں کاتب بھی
یہی سبب ہے جو سرخی سے نام لکھتے ہیں

و

واجب التعظیم تو، کوچہ ترا جائے ادب   بیٹھ جائے تو اٹھانا چاہئے دیوار کو

اک نظر دکھلا دے اپنے جلوۂ رخسار کو
دیر سے آنکھیں ترستی ہیں ترے دیدار کو

نظر آتا ہے ترا چہرۂ زیبا کس کو
حسن بےپردہ ہے، پر تاب تماشا کس کو
سارے عالم سے مرا گوشۂ عزلت ہے جدا
گردش چرخ کرے گی تہ و بالا کس کو
ہوں تو بیمار محبت مگر اتنا نہیں ہوش
درد کیا چیز ہے، کہتے ہیں مداوا کس کو

زور جلوں میں بام فلک پھاندتے ہیں ہم   اُنچی مکان یار کی دیوار ہے تو ہو
هم تو قسم خدا کی نہ سجدہ کریں کبھی
کعبہ ''اسیر'' سنگ در یار ہے تو ہو

دل میں آتا ہے چلوں دیر و حرم میں وہ طریق
برہمن شیخ کہے ' شیخ برہمن مجھ کو
ہے گراں زاد سفر بوجھ نہیں اُتھ سکتا
کاش مل جائے کوئی مراہ میں رہ زن مجھ کو

طاقت ستم اتھانے کی باقی نہیں رہی
چلئے اب اُس زمیں پہ جہاں آسماں نہ ہو
موجود هم هیں خاک میں گرنے کو اے اجل
لیکن یہ شرط ہے کہ وہاں آسماں نہ ہو

بجز رهبر نہ پہنچا رہ رو منزل کوئی حد کو
وهی اللہ کو جانے جو پہچانے محمد ص کو

تم کو خالق نے بنایا ہے جہاں میں آفتاب
ذرے ذرے پر عنایت کی نظر کیوں کر نہ هو
هو گئی دیدار روئے یار سے قطع امید
خواب مرگ ' آنکھوں کو منظور نظر ' کیوں کر نہ هو

جاتا هوں سوئے کعبہ میں پھر پھر کے دیر سے
اس واسطے کہ شیخ و برهمن میں راہ هو

آسماں زیر قدم آے تو سمجھوں میں زمیں
میرے اللہ نے دی همت عالی مجھ کو
اُڑنیکا هو کے رہا بھی نہ گلستاں کی طرف
دام صیاد هوئی بے پرو بالی مجھ کو

کمال دل کی جدائی سے جل رہا ہے جگر کسی عزیز کا یارب کسی کو داغ نہ ہو
وہ دل ہے کیا کہ جو ہو داغ عشق سے خالی
"اسیر" خانۂ دشمن بھی بے چراغ نہ ہو

نہ لیں گے نام بھی پیر مغاں کا بے تعظیم ہمیں تو پاس ہے زاہد کو پاس ہو کہ نہ ہو
دیا جواب طبیبوں نے کر چکے تدبیر ترے مریض کو جینے سے یاس ہو کہ نہ ہو
لحد میں ساتھ ہمارے ہیں حشر تک اعمال
"اسیر" اور کوئی آس پاس ہو کہ نہ ہو

نہ بھولے زخم کھانے کا جو اُٹھا تھا مزہ دل کو
ہجوم حشر میں ہم ڈھونڈ لیں گے اپنے قاتل کو

عمر کا پیمانہ ہے لبریز اے ساقی مگر اب تلک ہے دل میں اس پیمان شکن کی آرزو

اسی منھ پر تمھیں دعوی ہے مسیحائی کا اپنے بیمار کا احوال تو چل کر دیکھو

جام مے کا مزہ بیاں کیا ہو ساقیا تو ہو اور دنیا ہو
قدر باقی نہیں رفاقت کی کیا سمجھ کر کوئی کسی کا ہو
حال دل قابل تماشا ہے تم جو دیکھو نیا تماشا ہو

کیا آراستہ لیلی نے اپنی زلف شبگوں کو
کھو وحشت سے زنجیروں میں جکڑے اور مجنوں کو

مر گیا کیا کہ میں غربت سے وطن کو پہونچا
لوگ پہونچا کے چلے آئے مرے گھر مجھ کو
شوق نظارہ نے آئینہ بنایا ہے مجھے
حسرت دید لئے پھرتی ہے گھر گھر مجھ کو

اس قدر شور نہ کر مغز پریشاں واعظ   جھیلنا ہے ابھی ہنگامۂ محشر مجھ کو

آئینہ کو اس نے توڑا چشم عاشق جان کر
اب خدا کے ہاتھ ہے اہل نظر کی آبرو
آ کے مے خانہ میں زاہد نے کیا مے سے وضو
خاک میں کیسی ملائی عمر بھر کی آبرو

نہ سنا جائے گا احوال مرا کہتا ہوں   دیکھو میرے لب خاموش کو گویا نہ کرو
ڈر ہے تم کو کہیں واعظ نہ کہے تر دامن
دامن اشکوں سے ''اسیر'' اپنا بھگویا نہ کرو

گھر سے نکلے وہ مہ پردہ نشیں گھبرا کر   کوئی ہنگامہ تو اے چرخ کہن ایسا ہو
میں غزل خواں ہوں ''اسیر'' اور ثنا خواں مرا دل
سخن ایسا ہو شنا سائے سخن ایسا ہو

عشاق اور تاب تماشائے روئے یار   چمکی جو برق طور عشق آیا کلیم کو

کیا مے کدے میں نذر کریں مے فروش کو   چھوڑ آئے خانقاہ میں ہم نقد ہوش کو

آخر فریب زاہد مکار کھل گیا   گندم نمائیاں نہ پھلیں جَو فروش کو

دو گھڑی تو گھر سے بستی کے کنارے چل ''اسیر''
دیکھ کر گور غریباں دل کو عبرت ہو تو ہو

کہتی ہے قیامت میں، یہ وحشت دل مجھ سے
دوزخ کو چلو جب تک آراستہ جنت ہو

کل میں ترے بیمار کی بالیں پہ گیا تھا   اس طرح کراہا کہ ہلایا مرے دل کو

ہ

انکار دید جرم بتاں چل سکے گا کیا کیا روز باز پرس نہ ہوگی گواہ آنکھ

ہجر میں خوف اجل ہے غم جاںکاہ کے ساتھ
دل نکل جائے الٰہی نہ کہیں آہ کے ساتھ

ایک قطرہ مے جو پی تو بہائے ہزار اشک آئندہ آبرو ہے ہماری خدا کے ہاتھ

چھپتی نہیں ہے اُس سے کبھی پیار کی نگاہ
پہچانتا ہے طالب دیدار کی نگاہ

ے

ہر جگہ ہم کو ہوائے جلوۂ جانانہ ہے
باغ میں بلبل، دل اپنا بزم میں پروانہ ہے
سحر میں ہے روح وقت خواب، دل سینے میں قید
شمع اُڑتی پھرتی ہے، فانوس میں پروانہ ہے
حسن کے طالب نہیں رکھتے تمیز کفر و دیں
ایک پروانے کو ہو شمع کعبۂ و بت‌خانہ ہے

عالم ہو مے کشان عشق کا مے خانہ ہے شور محشر ایک ان کا نعرہ مستانہ ہے
کھینچ کر تلوار قاتل مجھ کو دھمکاتا ہے کیا کھیل سر دینا حضور ہمت مردانہ ہے

باعث جلوۂ خورشید ہیں آثار سحر داغ سینے کا چھپے گا نہ گریباں کے تلے

اعمال زشت اشک ندامت سے دھو گئے شکر خدا کہ نامۂ اعمال سادہ ہے

کرتا ہوں قطرہ ہو کے میں دریا کا سامنا
مقدور کم ہے پر مری ہمت زیادہ ہے

احساں کسی دنی کا اُٹھاؤں نہ بعد مرگ — یارب ملے کفن بھی تو دست کریم سے

اپنا تو آستاں پہ جھکا ہے سر سجود — مقبول تم کرو نہ کرو اختیار ہے
دنیا میں ہے ہوائے حوادث اگر یہی — برباد ایک روز یہ مشت غبار ہے

ٹھوکر لگا کے چلتے ہیں میرے مزار کو — میں خاک ہوگیا اُنہیں اب تک غبار ہے

چال اُلٹے، تری تلوار چلے یاروں سے — بےگنہ قتل ہوئے پہلے گنہگاروں سے
پھر مرغان قفس حاجت مقراض نہیں — اپنے پر آپ کترتے ہیں یہ منقاروں سے
ہے نئی طرح کا سودا کہ اکیلے گھر میں — پہروں ہم باتیں کیا کرتے ہیں دیواروں سے

ایک دو روز میں گھبرا گئے فصاد و طبیب
عمر سودا ابھی دو چار برس باقی ہے

وائے تقدیر کہ ہم قتل سے محروم رہے — غصہ اُس ترک کو آیا تو حیا بھی آئی

دیکھی ہے وقت زیب جو اپنی سی اور شکل — آئینہ کی طرف نظر اشتیاق ہے

خط لے چلے ہیں اُس بت سفاک کی طرف
گھر سے خدا کے نامہ بروں کو جواب ہے
تم حسن میں ہو فرد تو میں عشق میں ہوں فرد
میرا جواب ہے نہ تمہارا جواب ہے

خالی جو خلق سے ہے وہ کس کام کا بشر
کانٹا مری نظر میں ہے جب پھول بو نہ دے
اب تو یہ میرے دل کی ہے اللہ سے دعا
جو چاہے دے پر ایک مجھے آرزو نہ دے

تو جس کو دے مجال ہے اُس کو نہ دے کوئی
کیا کوئی دے سکے اُسے جس کو کہ تو نہ دے

سر وہی سر ہے کہ ہو عشق کا جس میں سودا
دل وہی دل ہے کہ جو درد محبت رکھے

حشر میں مستوجب رحمت ہوئی تقصیر سے
فکر دوزخ کی، گئے جنت میں ہم تقدیر سے

خواب میں حاصل ہوا وصل اس بت بےپیر سے
دولت بیدار ہاتھ آئی ہمیں تقدیر سے
سر سے جائےگا نہ اُس گیسو کا سودا عمر بھر
مردہ نکلے گا ہمارا خانۂ زنجیر سے

کیا ہے مردہ فلک نے مگر ہے دل زندہ   وہی اُمنگ ہے پیری میں نوجوانی کی
ہزار رنج سے چھوٹے ہزار داغ مٹے   اجل نے آ کے بڑی ہم پہ مہربانی کی

بلبل کو گل فروش بھی صیاد بن گیا   پھولوں کی ٹوکری ہوئی ٹٹی شکار کی

طرف بتوں کے نہ چھوڑے خدا پرستی میں
چلے حرم کو رہ بت کدہ دبائے ہوئے

محفل میں شمع باغ میں آب رواں رہے   راحت رسان خلق رہے ہم جہاں رہے
دونوں ہیں گھر ہمارے حرم ہو کہ دیر ہو   برسوں یہاں رہے تو مہینوں وہاں رہے
پروا ہے کس کو مدرسہ و خانقاہ کی   آباد مے فروش کی یارب دکاں رہے

نظر آتی نہیں آرام کی جا ساری دنیا میں
نکالوں اے جنوں کیوں کر قدم زنجیر کے گھر سے

زیادہ کوہ کن سے عشق میں رتبہ ملا ہم کو
سر شوریدہ توڑا اُس کے دروازے کے پتھر سے

تن صد چاک میں اپنے قیام روح مشکل ہے
شکستہ دام ہو جائے تو کب طائر ٹھہرتا ہے
فراق یار میں ہم کو تو مرنا زندگانی ہے
بشر وہ کون ہے یارب کہ جو جینے پہ مرتا ہے

ادب سے طور پر جاتا نہیں یہ ڈر ہے مجھے
کہیں نہ حضرت موسیٰ سے گفتگو ہو جائے

پروانہ جل کے شمع پہ برباد ہو گیا — مٹی خراب دہر میں ہے زن مرید کی
اے برہمن بتوں سے کروں کیا میں اختلاط — ان کو کہاں مجال ہے گفت وشنید کی

بک رہا ہے تو میں بیٹھا ہوں خموش — تجھ کو اے ناصح ہے یا سودا مجھے
کب شب غم میں ہے اُمید سحر — کیا ہو اے ناصح غم فردا مجھے
شوق اُڑا لے جائے گا سوئے چمن — بے پرو بالی کی کیا پروا مجھے

رہنے والے تمہارے کوچے کے — قصد دیر و حرم نہیں رکھتے
تیری سی شکل تیری سی صورت — بت خدا کی قسم نہیں رکھتے
ہے وہ خورشید رو تو بے پردہ — تاب نظارہ ہم نہیں رکھتے

خودی جو آج تک کچھ کچھ تھی وہ بھی ترک کی ہم نے
نہیں ہے اب ہمارے اُن کے پردہ درمیاں کوئی

شیخ حرم و برہمن دیر سے کیا کام — مے کش ہیں ارادت ہے ہمیں پیر مغاں سے

زہاد کا مشکل سے چکا حشر میں قصہ — سچ ہے جو بڑے لوگ ہیں بات اُن کی بڑی ہے

کچھ تو الفت کی ترے کوچے سے بو آتی ہے
گرد اُٹھ کر میرے دامن سے لپٹ جاتی ہے

———

سرور کا مجھے اس غم کدے میں حال کھلا
ہنسی جو گریۂ بے اختیار میں آئی

———

چراغ خوب ہوا اپنی قبر پر نہ جلا   ادھر اُدھر کے پتنگے غریب جل جاتے

———

شوق سے تیغ لگاؤ ہدف تیر کرو   سینہ کس کا ہے مری جان جگر کس کا ہے

———

شہرہ جو سنا ہے کرم پیر مغاں کا   زاہد بھی ملاقات کا مشتاق ہوا ہے

———

دیکھنے والوں کا ہے چاروں طرف اک اژدہام
یار کی تصویر محفل میں تماشا ہوگئی
جب تلک تھیں بند آنکھیں سب کچھ آتا تھا نظر
کچھ نظر آیا نہ ہم کو آنکھ جب وا ہو گئی

———

باغ عالم میں قفس ہے مجھ کو میرا آشیاں
طائر تصویر ہوں واقف نہیں پرواز سے

———

ساقی عزیز بادہ کشوں سے نہ کر شراب
تھوڑی تو اور دے کہ ابھی ان کو ہوش ہے

———

مدت کے بعد سمجھے وہ گھر میں ہے ہمارے
ہم جس کے جستجو میں آوارۂ جہاں تھے
بزم سخن میں کیا ہے اب لطف نکتہ سنجی
خاموش ہو رہے سب جو اپنے ہم زباں تھے

———

قصہ فیصل ہو جو ہو دونوں طرف سے جد و جہد
میں کمر مرنے پہ باندھوں آپ خنجر باندھئے

ہیں ہر جگہ زمیں میں خزانے گڑے ہوئے دولت قدم قدم پہ ہے تقدیر چاہئے

کبھی تونے نہ دیا بادۂ عشرت اے چرخ ہم نے تکلیف ترے دور میں کیا کیا پائی

ممکن نہیں خورشید جہاں تاب ہو ذرہ
تو جس کو بڑھاتا ہے گھٹاتا نہیں کوئی
در کھولے ہوئے دیر سے مشتاق ہے رضواں
جنت میں ترے کوچہ سے جاتا نہیں کوئی

گلشن سے نکالا ہمیں چوکا چمن آرا ہم ہوتے تو رنگ اور ہی گلزار کے ہوتے

زندگی ہجر میں مرمر کے بسر کرتا ہوں روز ہنگامۂ محشر مرے گھر رہتا ہے

روح آئی تھی عدم سے کہ کرے سیر جہاں چار دیوار عناصر میں گرفتار ہوئی

غیر کے ساتھ وہاں یار نے کی بادہ کشی
جام پر جام یہاں خون تمنا کے چلے
شب کو تا صبح جو درباں نے نہ کھولا در یار
سر کو عاشق در و دیوار سے ٹکرا کے چلے

خانۂ گور ہوا فرقت محبوب میں گھر کیوں نہ حسرت در و دیوار سے پیہم برسے

ذائقہ موت کا چکھا تو یہ لذت پائی کہ ذرا ہم کو مزے یاد نہ دنیا کہ رہے

موے پہ مرتے ہیں اخفائے عشق پر عاشق غم فراق نے مارا اجل پہ بہتاں ہے

اب اگر توبہ کریں مے سے ہمیں مانع نہ ہو
ساقیا ساغر ہماری عمر کا لبریز ہے

———

سودا مرا گیا نہ کسی روز سال بھر　　اب کی تمام سال رہے دن بہار کے

———

خرمی ہو لاکھ پھریں میں ہنسی آتی نہیں
جی میں ہے دل کھول کر روؤں جوانی کے لئے
ساقیا ہر شب پلایا کر مجھے تھوڑی سی مے
چاہئے روغن چراغ زندگانی کے لئے

———

ذرہ مجھے خدا نے کیا تم کو آفتاب　　رونق فروز آپ کہاں تھے کہ ہم نہ تھے

———

یار جاتا ہے گھر اپنے ہم سوئے ملک عدم
صبح کی نوبت ہماری کوچ کا نقارہ ہے

———

صورت جا وہ فرش راہ ہوں میں　　پاے مالی کا کچھ مزا ہے مجھے

———

تو نہ دیکھے صنم تو کیا پروا　　میرا اللہ دیکھتا ہے مجھے

———

جو عدو اُس کا ہے شیطاں کی طرح مردود ہے
خاک ہے انساں ملائک کا مگر مسجود ہے

———

اہل دنیا کے وہ ہیں کام کہ کافر نہ کرے
اس شقاوت پہ بھی دعوائے مسلمانی ہے

———

موسیٰ سے کوئی جا کے یہ کہہ دے کہ ہم بھی ہیں　　نظارہ باز حسن عدیم المثال کے

———

جو دن کو تخت پہ بیٹھے تو خاک پر شب کو
چلے وہ چال کہ راضی گدا و شاہ رہے

———

ہوئی ہے زندگی مشکل فقط اس برخلافی سے
نہ دل کہنے میں ہے اپنے نہ ہم کہنے میں ہیں دل کے

قید ہوکر ایسی راتوں کو سنائی داستاں
چار دن میں ہم مصاحب ہوگئے صیاد کے

تھی قفس میں اس قدر میری خوش آوازی پسند
پر ادھر نکلے اُدھر ہوش اُڑ گئے صیاد کے

تسلیم کیا کرتے ہیں درباں کو ادب سے
ہم تو نہیں کہتے سگ جاناں کو ادب سے

باغ میں بلبل و گل بزم میں پروانہ و شمع
بھیس بدلے ہوئے پھرتی ہے محبت تیری

داغ کھا کر غم جدائی سے دل ہوا مہر آشنائی سے

کانٹے ہیں اس چمن کے نہایت دراز دست
دامن ذرا بچا کے نسیم چمن چلے

خدا جانے یہ کس کی جلوہ گاہ ناز ہے دنیا
ہزاروں اٹھ گئے کثرت وہی باقی ہے محفل کی

ہزاروں آرزوئیں تھیں تجھے جب تک نہ دیکھا تھا
تجھے دیکھا نہیں باقی کوئی اب آرزو دل کی
"اسیر" آیا نہ وقت نزع وہ عیسیٰ عیادت کو
بدن سے جان نکلی آرزو دل میں رہی دل کی

تنگئ غم دل کو آخر باعث راحت ہوئی
اس قدر سمٹی پریشانی کہ جمعیت ہوئی

عشق چمکا حسن سے کی عشق نے تائید حسن
آپ کی مجھ سے تو میری آپ سے شہرت ہوئی

اے چرخ کہاں تلک یہ بیداد ہر چیز کی آخر ایک حد ہے
محشر میں کریں گے دعوی عفو تحریر خط جبیں سند ہے

کچھ حال عمر و خواہش دنیا نہ پوچھئے
تھوڑی ہے رات طول بہت یہ فسانہ ہے

آیا ہے جو عدم سے عدم کو روانہ ہے
دو دن کی زندگی کا عجب کارخانہ ہے

آئے مقتل میں بھر طور تمھارے جاں باز
تھک گئے پاؤں تو آنکھوں سے بدستور چلے

بے ہوش میں آیا تھا گیا دھر سے بے ہوش
آنے کی خبر مجھ کو نہ جانے کی خبر ہے

ہے مثل سچ دل سے دل کو راہ ہے مجھ کو اُن کی اُن کو میری چاہ ہے

ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں حداد تمام
اے جنوں موسم گل آئے تو کچھ کام چلے

نظر میں ایک سے ہے پستی و بلندی دھر
فلک ہوئے تو ہوئے ہم زمیں ہوئے تو ہوئے

در بند کیا شام سے تم یہ بھی نہ سمجھے
ٹکرائے گا سر راتوں کو دیوار سے کوئی

حال ظاہر ہے گواہی رنگ روئے زرد ہے ‏ ہاتھ رکھ سینہ پر آہستہ کہ دل میں درد ہے

در پہ جو ترے لحد بنی ہے ‏ بے شمع و چراغ روشنی ہے
محفل ہے جہاں چراغ ہو تم ‏ ساری یہ تمہاری روشنی ہے
ہم وحشیوں کا مکاں نہ پوچھو ‏ صحرائے جنوں میں چھاونی ہے

شکر اللہ کہ اُٹھا چہرۂ جاناں سے نقاب ‏ آج ارمان دل اہل نظر کے نکلے

لب پر اے دل گلۂ یار نہ آنے پائے ‏ بات میں فرق خبر دار نہ آنے پائے

بزم جہاں میں ایسی قسمت تھی ہی اپنی ‏ ممکن نہیں کہ ہم تک لبریز جام پہونچے

آپ ہیں لطف و قہر کے مختار ‏ لب ہلاؤں مری مجال بھی ہے
ترک مطلب کی کر خدا سے دعا ‏ اس سے بہتر کوئی سوال بھی ہے

باقی نہیں دل میں کوئی حسرت ‏ حسرت ہے تو ترک آرزو کی

جوانی دی اگر تونے تو یہ بھی اے خدا سن لے
شباب اتنا ٹھہر جائے کہ دل کا حوصلہ نکلے
شمیم برگ گل لا بھی کہیں صحن گلستاں سے
تمنائے دل بلبل قفس میں اے صبا نکلے

ہجر میں عیش کہاں بادہ ، لہو جام میں ہے
جام بھی میری طرح گردش ایام میں ہے

کیا کہیں ہم عدم سے کیا لائے ‏ اک دل درد آشنا لائے
بت کدے میں بہل گیا دل زار ‏ اب حرم میں ہمیں خدا لائے

مہر بھی دکھتے ہیں الفت بھی وفا بھی عاشق
صبر کا نام نہیں ان میں کمی ہے تو یہ ہے
فقرا سے ہے یہ سیدھا امرا سے تیرھا
راستی ہے تو یہ ہے دل کی کجی ہے تو یہ ہے

لیجئے دل اگر ارادہ ہے کیا کوئی آپ سے زیادہ ہے
منہ نہ شیشے کا بند کر ساقی در توبہ ابھی کشادہ ہے

باغ میں اکر جو شبنم رو گئی بلبلوں کے حق میں کانٹے بو گئی
وصل کی شب بھی نہ نکلا کام دل جاگ اٹھے وہ میری قسمت سو گئی

جو مزے جینے کے تھے سب جا چکے جان بھی جائے کہیں جھگڑا چکے
ترک الفت دل نہیں کرتا قبول حق جو سمجھانے کا تھا سمجھا چکے

اے غم ہمارے گھر سے نہ جا دیکھ کہتے ہیں
ایسا وسیع گھر نہ ملے گا کہیں تجھے

نہ چھیڑ اے صور محشر شور کر کے ابھی سوئے ہیں جاگے رات بھر کے
بڑھا یہ شوق خط تحریر کر کے چلے ہم پیچھے پیچھے نامہ بر کے

مقدر استراحت کا مکاں دیتا تو ہم لیتے
زمین کوئے جاناں آسماں دیتا تو ہم لیتے

شاید اُس قاتل خوں ریز کا کوچہ ہے یہی
راہ چلنا مجھے مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

نظارۂ قاتل نے کیا محو یہ ہم کو گردن پہ چمکتی ہوئی شمشیر نہ سوجھی

مرض عشق کا علاج نہیں فائدہ کیا کوئی دوا بخشے

رشک

علی اوسط نام ، مہر مسلمان کے بیٹے فیض آباد کے رہنے والے تھے -

لکھنؤ میں پرورش پائی ، یہیں ہوش سنبھالا ، والا جاہ کے لقب سے مشہور تھے ، رشک کے والد ذی استعداد تھے اُن سے کتابیں پڑھیں اور مشہور علماء کی صحبت میں رہنے سے قابلوں میں شمار تھا -

ناسخ کے شاگرد تھے ، اکثر تذکرہ نویسوں کا اس پر اتفاق ہے کہ ناسخ کے شاگردوں میں تحقیق سخن میں اُن کا پایہ بلند تر ہے -

زبان کی اصلاح میں ان کی کوشش بہت ممتاز ہے - تاریخ گوئی میں کافی مہارت تھی - بہ قول گل رعنا '' ناسخ تو اُستاد تھے مگر واضع ان قوانین کے رشک تھے '' -

ان کے نزدیک - وہاں کا قافیہ '' جاں '' درست نہیں بلکہ '' جہاں '' ہونا چاہئے - '' پہ '' کی جگہ '' پر '' ہونا چاہئے - '' رکھا '' کی جگہ '' رکّھا '' -

دریا کا قافیہ شعلہ ، وعدہ نا درست ہے ، لیکن رشک نے خود اس کی پابندی نہیں کی ہے -

سنہ ۱۲۸۴ھ میں کربلائے معلیٰ میں وفات پائی - ان کے تین دواوین میں سے دو چھپے ہیں ایک ضائع ہوگیا -

زبان ، صحت ، تحقیق کی دھن نے کلام کی رہی سہی دلچسپی پر پانی پھیر دیا -

ایک لغت نفس اللغۃ کے نام سے لکھی تھی - عربی کے اشعار ، محاورے میں ان کے کلام بھی بہت ہیں - تاہم جہاں کہیں سوز و گداز کا رنگ آگیا ہے بےساختہ ہے اور اثر انداز ہوتا ہے - مناقب اور مخمسات میں بھی وہی رنگ ہے -

ا

ہم اُسی رات کو سمجھیں گے شب ماہِ تمام
اپنی آغوش میں جب وہ مہِ تاباں ہوگا
پاسِ اخفائے محبت رہے اے دیدۂ تر
ایک قطرے میں یہاں عالمِ طوفاں ہوگا

قاصد کا مزاج ہے فلک پر — اُس ماہ نے خط پڑھا ہمارا
اکسیر ہیں نگاہِ حسرت آگیں — دیکھا کرو دیکھنا ہمارا
خط لے کے جو نامہ بر پھر آیا — ملنے کا نہیں پتا ہمارا

ہوگا ہم پلہ روئے دل بر کا — منھ کوئی دیکھے ماہِ انور کا
گردشِ چشم ادھر بھی اے ساقی — نہ کروں گا سوال ساغر کا

یاد ایامیکہ میلانِ مزاجِ یار تھا
یاس میں اُمید تھی انکار میں اقرار تھا
میری حیرت سے ہوئی تھی بند راہِ کوئے یار
اپنے درپر یار تھا میں صورتِ دیوار تھا
اب نہیں فرصت گھڑی بھر کارِ چاکِ جیب سے
ہاتھ میرا قبلِ ایامِ جنوں بیکار تھا
بیچ دریا میں پہونچ کر کوتہی قسمت نے کی
بحرِ غم سے پار اُتر جاتی تو بیڑا پار تھا

طالبِ حسن تجھ سے ہے ہر پھول — شاخِ گلبن ہے ہاتھ سائل کا
ہے بلانا بگاڑنا آسان — گھر ہمارا ہے نقش عامل کا
قیس کو تھا حجاب ہم نہ ہوے — کہ اُٹھا دیتے پردہ محمل کا
سنگِ اسود نہیں سویدا ہے — کعبہ کونا ہے خانۂ دل کا

عرش سے بھی بلند ہے مرتبہ خاکسار کا
چشم ملائکہ میں ہے سرمہ مری غبار کا
اُس سے گریز تھا مجھے اب ہے اُسی کا اشتیاق
کام لیا ہے عشق نے جبر سے اختیار کا
کشتۂ زلف یار ہوں یعنی سیاہ کار ہوں
تیرہ نہیں ہے بے سبب رنگ مرے غبار کا
دیکھا جو چشم غور سے دونوں کا حال ایک ہے
گردش چشم یار کا گردش روز گار کا
کلبج لحد قبول ہے کلبۂ غم نہیں قبول
خوف ہے موت سے سوا صدمۂ انتظار کا

چاک جو ہے قبائے گل کیا کہیں ماجرائے گل
دیکھنے تجھ کو آئے گل نام ہوا بہار کا
عرصہ زیست تنگ ہے عقل اسی میں دنگ ہے
نام بھی عار و ننگ ہے ہستئی مستعار کا
چین اب ایک دم نہیں غم ہے یہی تو ہم نہیں
رنج لحد سے کم نہیں صدمہ فراق یار کا
روتے ہیں ہجر یار میں کڑھتے ہیں انتظار میں
اب دل بے قرار میں نام نہیں قرار کا
جب سے تری بہار ہے شاخ کو میوہ بار ہے
سرو کا نام دار ہے گل کو لقب ہے خار کا

دیدہ سمندر سے سوا ہوگیا دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہوگیا
دیکھئے اللہ کی یہ قدرتیں سنگ سے بت، بت سے خدا ہوگیا
مرکے چھٹا ہوں مرض عشق سے زہر مرے حق میں دوا ہوگیا
اب تو برہمن بھی ہے دل کا مرید دیر نما قبلہ نما ہوگیا
میرے گلے پڑ گئی کیوں زندگی موت کو، حیران ہوں کیا ہوگیا

نہ دیر سے ہے علاقہ مجھے نہ کعبے سے ملی ہے راہ، رہ شیخ و برہمن سے جدا

هجر میں تاب و تواں ہوش و حواس سب گئے دھیان تمہارا نہ گیا
میں نے وحشت میں وہ جنگل دیکھا جس میں کوئی کبھی آیا نہ گیا

شب ہجراں کا جانا روز عیش وصل کا آنا
مجھے یہ کار مشکل تھا تجھے یہ کار آساں تھا

بحر غم میں ڈبو دیا ہم کو دل نے بیڑا ہمارا پار کیا
حد سے گذرا جب انتظار ترا موت کا ہم نے انتظار کیا

کنار گور سے اب ہمکنار ہوتا ہے کہو اجل سے کہ وقت وداع یار آیا

حرص دنیا سے ہوگئی آخر طلب عزو جاہ نے مارا

عاشق ہوں ایک خسرو اقلیم ناز کا یوسف کا ہوں غلام نہ بندہ ایاز کا
حاصل ہے بندگی سے تماشائے روئے دوست اکثر ہوں وقت صبح مقید نماز کا

اے عشق تیری بندہ نوازی کا ہوں غلام محمود کو غلام بنایا ایاز کا

یہ حسینان چمن میں رنگ ہے بیداد کا
مرغ گلشن ڈھونڈھتی پھرتی ہیں گھر صیاد کا
دل میں پھرتا ہے وہ بت جس نے بھلایا ہے مجھے
ذکر کیا بندے کی کعبے میں خدا کی یاد کا

رحم اے بیکسی مناسب ہے آج کوئی نہیں یہاں میرا
کروں سجدے جو تری چوکھٹ پر پہونچے سر تا بہ آسماں میرا

اے مقدر اور بخت خفتہ کہتے ہیں کسے
خواب میں بھی منہ نہ دیکھا طالع بیدار کا

سنا رہا ہوں نکیرین کو فسانۂ ہجر   سوال ان کے جدا ہیں مرے جواب جدا

رتبہ کم و بالا نہیں محتاج و غنی کا   آباد رہے ملک غریب الوطنی کا

پھر ہوا دشوار جانا مجھ کو بیت اللہ کا
سدّہ پھر ہو گیا ایک ایک پتھر راہ کا

رکھا چراغ برق سر گور ابر نے
پھر بوندیوں کو پھولوں کی چادر بنا دیا

ناتوانوں کو نہ تکلیف ہو اے اسرافیل
ہم جہاں بیٹھ گئے پھر نہ اٹھا جائے گا
آگ بھڑکا کے دکھانا اسے اے نامہ برو
حال جاں سوز زبانی نہ کہا جائے گا
مر گیا رشک رہ عشق میں چلتے چلتے
حشر تک یوں ہی مرا نام چلا جائے گا

ہیں وصف گلستان جہاں کہنے کی باتیں
دل کوچۂ جاناں سے اٹھایا نہیں جاتا

مرا صحرائے جنوں بے حد و پایاں بڑھ گیا
جس قدر وحشت بڑھی طول بیاباں بڑھ گیا
اب اجازت ہو تو فکر دامن محشر کروں
اے جنوں دامن سے تو چاک گریباں بڑھ گیا
آخر روز قیامت تک رہے گا نا تمام
اس قدر افسانۂ شب ہائے ہجراں بڑھ گیا

لکھی ہے سر گذشت ہجر سرنامے تک اے قاصد
بجائے نامۂ مہتا منہ کل فام لیتا جا

پند ناصح کی اُسے نذر کیا اے گل رو
بچ رہا تھا ترے داغوں سے جگر تھوڑا سا
ہاتھ، منھ، دھوئے ہیں جس پانی سے بھجوادے وہی
چاہئے عطر مجھے اے گل تر! تھوڑا سا

عمر کیا دونوں برابر کی لکھا لائے تھے
یار جب تک رہا عشرت کا زمانا ٹھہرا

جلتا ہوں تری شرارتوں سے تونے دم سوختن نہ دیکھا

پیمانہ چیز کیا ہے، پیماں شکن ہے ساقی
اے ''رشک'' ہم نے ایسا خاطر شکن نہ دیکھا

بنائے مدفن عجیب گھر ہے کہ انہدام مکاں کا ڈر ہے
رہ فنا راہ بے خطر ہے یہاں غم راہ زن نہ دیکھا

اُس گل کے ساتھ غیر کا کھٹکا لگا رہا
داماں دل سے حیف یہ کانٹا لگا رہا
زخمی نہیں جو منت مرہم اُٹھائے
تلوار کب وہ کھائے کہ تسمہ لگا رہا
دھلوایا آب کوثر و تسنیم سے لباس
پر کیا کروں شراب کا دھبا لگا رہا

ہو گیا جس طرح بے وہم و گماں سامان ہجر
وصل بھی اک روز بے وہم و گماں ہو جائے گا
حال جو میرا ہے وہ تجھ پر نہاں رہتا نہیں
حال جو تیرا ہے مجھ پر بھی عیاں ہو جائے گا
جو زمیں آباد کی اُس نے، ہمیں بھی ہو نصیب
اس میں کیا نقصان دور آسماں ہو جائے گا

روز رفتار بھی تھا وقفہ ہستی کی طرح
یہ دم چند رہا وہ قدم چند رہا
دم نکلتا مرے حق میں دم عیسیٰ ٹھہرا
دم بخود یار مرے غم میں دم چند رہا

دل و دیدہ پر کیا اجارا ہمارا — نہ صحرا ہمارا نہ دریا ہمارا
فلک بھی جو چاہے تو اچھے نہ ہوں گے — ہمارا عدو ہے مسیحا ہمارا
گریبان ' وحشت نے پھاڑا تو کیا غم — خدا رکھنے والا ہے پردا ہمارا
محبت نبھے بت کہ ہو خانۂ دل — ہمارا تمہارا تمہارا ہمارا
ہم اے "رشک" مٹتے رہے آبرو پر — رہا نقش بر آب نقشا ہمارا

مارا نہیں مجھے تری آمد کے شوق نے
مشتاق آمد ملک‌الموت مر گیا
احسان چرخ و منت منعم عذاب ہے
ناکام جو یہاں سے گیا کام کر گیا
رہتے ہو کس کے جانے سے کھوئے گئے سے تم
اے "رشک" اب خیال تمہارا کدھر گیا

دم ناک میں ہے سونگھنے کا کس کو ہے دماغ
پھولوں میں تم نے کپڑے بسائے تو کیا ہوا

منصور کو جناب نے کھنچوا کے دار پر
غفلت کی نیند سے ہمیں بیدار کر دیا
آئے مکان یار میں کی سیر دید یار
آنکھوں کو چشم روزن دیوار کر دیا

اے "رشک" اگر سمجھئے اسے مطلق‌العناں
پھر چلتے چلتے کیوں فرس عمر رہ گیا

نشہ آنکھوں میں چڑھا اعجاز جادو ہو گیا
بےخبر جام شراب حسن سے تو ہو گیا
اُٹھ گیا پہلو سے قاتل جب مرا سر کاٹ کر
درد سر جاتے ہی جاتے درد پہلو ہو گیا
کر کے زندہ اُس نے دیوانہ بنا ڈالا مجھے
معجزے کا معجزہ جادو کا جادو ہو گیا

صحت مری پندار میں جو تھی وہ ہوئی موت
قاتل مری قسمت نے مسیحا کو بنایا
میخانۂ دنیا میں ہے افراط مئے عجز
جھکنے کے لئے گردن مینا کو بنایا

وہ غرق یم عشق ہوں ہرگز نہیں معلوم
دریا بہت اچھا ہے کہ ساحل بہت اچھا

میں مر گیا تو یوں خبر جاں گزا اُڑی
مرغ اجل نے چن کے یہ دانہ اُٹھا لیا
اے ''رشک'' کوہ عشق بتاں جب نہ اُٹھ سکا
ہم نے جہان سے دل شیدا اُٹھا لیا

خاک سر پر ڈالتا ہوں عشق زلف یار میں　　یوں زمانہ زندگانی کا بسر ہونے لگا

کھے ہر بحر میں اشعار روانی کے ساتھ
میرا بیڑا کسی دریا میں چڑھا پار ہوا
کار احسان خلائق کبھی درکار نہیں
میرے رازق نے دیا جو مجھے درکار ہوا

عشق میں دل سے مرے سینہ کو بھی کاوش ہے
وائے تقدیر کہ دلدار دل آزار ہوا
نہیں موقوف کچھ اے عیسیِٰ دوراں مجھ پر
جس سے پرہیز کیا تونے وہ بیمار ہوا

رشتۂ عمر کی وابستہ ہوں ملنے سے امید وائے تقدیر کہ اتنا بھی سہارا ٹوٹا

قیس کي دشت نوردی کو نہ پہونچوں گا کبھی
کیوں مجھے کانٹوں میں اے دامن صحرا کھینچا
دل کي تصویر مصور نے بنائي ہوتي
نقشہ کھینچا جو ترے گھر کا تو بےجا کھینچا
کشش عشق جو ہو شکوۂ غم بےجا ہے
ہم نے جو رنج تری راہ میں کھینچا کھینچا

خشک و تر میں جس نے مجھسے فیض پایا بڑھ گیا
دل سے صحرا بڑھ گیا آنکھوں سے دریا بڑھ گیا

سر کش رہا حرم میں حضور بتاں جھکا
افسوس ہے کہاں نہ جھکا میں کہاں جھکا
مرغاں خوش نوا ہیں عجب سوختہ نصیب
شعلہ جدھر اُٹھا طرف آشیاں جھکا

تقدیر بھلی ہو تو غم بے ہنری کیا ناقص کو دیا اُس نے کمال اور طرح کا

تنتے پھرتے تھے جوانی میں جھکے پیری میں ہم
جب ارادہ اور تھا اب اور ارادہ ہو گیا

ہر جواب خط میں فرمان عتاب آیا کیا روز ہم کو زندگانی کا جواب آیا کیا

جو مکافات ہر عمل دے گا عیش کو رنج سے بدل دے گا

جلوۂ یار سے روشن ہے زمانہ دن رات کہیں خورشید کہیں شمع شبستاں نکلا

ضعف پیری کے برابر نہیں کوئی توبہ وہ تمنا نہ رہی وہ دل شیدا نہ رہا

ہم آپ میں آئیں گے تو وہ آئیں گے آپہی
دل ہی سے سراغ در دل دار ملے گا
سمجھو گے جبھی حضرت موسیٰ کی تمنا
ہم سا جو تمہیں طالب دیدار ملے گا

تری خموشی سے کیا کوئی گفتگو کرتا سکوت کا سخن لا جواب رکھتا تھا

وضع داری کا تقاضا نہیں رسوا ہونا اے مرے راز غم عشق نہ افشا ہونا

ان بتوں سے جو رہ و رسم ہے' جاری رکھنا
اے خداوند جہاں' بات ہماری رکھنا
گلشن حسن بتاں پھولے پھلے یا اللہ
اس چمن میں اثر باد بہاری رکھنا
لاکھ احباب ستائیں اب شکوہ نہ کھلیں
مدد اے حوصلہ تو بات ہماری رکھنا

اے "رشک" اہل ظرف کو ادنیٰ کی قدر ہے
دریا وہ ہے جو قطرے کو دریا سمجھ گیا

سر پٹکنے سے خیال زلف میں آرام ہے اب تو میں اوقات اپنی یوں بسر کرنے لگا

ب

خضر و الیاس رہے زندۂ جاوید تو کیا
دو اگر شاد ہیں دنیا میں تو ناشاد ہیں سب
کون ہے جس سے کروں شکوۂ یاران عدم
کہ وہ سب بھول گئے مجھ کو مجھے یاد ہیں سب

خود سراپا داغ ہوں سیر چمن سے فایدہ
آشنا میرے نہیں ہیں آشنائے عندلیب

ہزار بار دعا دی ہے تجھ کو اے ساقی — خدا کے واسطے دے مجھ کو ایک بار شراب
شراب کھول دے اے محتسب مجھے کر قید — گناہ گار ہوں میں یا گناہ گار شراب

ہے ایک حال زمانے کے بادہ خواروں کا — کوئی ہو شیشہ بگڑتا نہیں مزاج شراب

ت

غرور قلزم ہستی عبث ہے اے غافل — بنا حباب کی تجھ سے ہے پائدار بہت
تمام اہل وفا طالب عنایت ہیں — امید ایک ہے، اس پر امیدوار بہت

سایہ داروں کو عجز پھلتا ہے — کیوں نہ جھک جائیں میوہ دار درخت

کرے نگاہ، بصارت کی کیا حقیقت ہے — وہ بت ہے قدرت پروردگار کی صورت

مجھ کو بھاتے ہیں وہ الفاظ جو ہوں پہلو دار
تازہ مضمون ہے وہ، نکلے اگر بات میں بات

ث

نہ ملا دامن جاناں ، نہ ملا دامن دل — اے صبا خاک ہماری ہوئی برباد عبث
مہر پر نام کے بدلے یہی کھدواؤں گا — ہستی عارضی عالم ایجاد عبث

تصور کی بدولت صورت تصویر حیرت ہے
خیال وصل ہے رنج فراق یار کا باعث

کس میں تاب نظارہ باقی ہے — رکھتے ہو چہرے پر نقاب عبث
کون سنتا ہے نالہ و فریاد — رنج بے جا ہے اضطراب عبث
کچھ مرے آنسوؤں کی قدر نہ کی — اُترے ہے موتیوں کی آب عبث
یاد تری اسی میں رہتی ہے — خانۂ دل نہ کر خراب عبث
لب میگوں کی یاد کافی تھی
"رشک" پینے لگا شراب عبث

ج

صبح سے ہیں قائل تاثیر وحشت اہل ہوش
بکتے بکتے مجھ سے ناصح بن گیا دیوانہ آج
کل تو ہم سے وعدۂ جام شراب ناب تھا
توڑنے آیا بت پیماں شکن پیمانہ آج

خون دل پینے میں غم کھانے میں کل پڑنے لگی
اٹھ گیا دنیا سے شاید میرا آب و دانہ آج

آمد شب فراق کی معلوم ہوتی ہے — کچھ گفتگو فراق کی ہے جان وتن میں آج
جنگل سے لے چلی مجھے وحشت پہاڑ پر — کل سے عروج ہے مرے دیوانہ پن میں آج

کس سے متوقع ہو کوئی بحر جہاں میں
جاتی ہے تو لیتی نہیں دریا کی خبر موج
کچھ کم نہیں دریا سے وہ دریائے لطافت
غصے میں اِدھر چین جبیں ہے تو اُدھر موج

اغیار کا مزاج ہوا یار کا مزاج اب پوچھنا پڑا ہمیں اغیار کا مزاج

سمجھا ہے چارۂ مرض عشق موت کو اپنا طبیب ہے ترے بیمار کا مزاج

ح

آپ بکتا ہے سمجھتا نہیں میری کوئی بات
خوش نصیبی سے ملا مجھ کو وہ جاہل ناصح

شام وصل آئی ہوا چاک گریبان سحر
عشق در پردہ مگر رکھتی ہے اس شام سے صبح

دم فراق کہاں جاؤں کس سے باتیں کروں
نہ اختیار میں تن ہے نہ اختیار میں روح
بتوں کے ہجر میں چاہوں تو جبر مرگ سہوں
خدا کے فضل سے رکھتا ہوں اختیار میں روح

کھینچی یہاں ہزار طرح آہ آتشیں اے "رشک" دل بتوں کا نہ پگھلا کسی طرح

روح سمجھا ہے لطافت سے وہ اپنی جسم کو
جان کس میں ہے جو اس کے سامنے لے نام روح

کس کس طرح گلے نہ جھکے شوق ذبح میں
خنجر ترا مگر نہ پسیجا کسی طرح

خ

ساری بنا فساد کی ہے اُس کی ذات سے
اے ''رشک'' اب گرانی پڑی سب بنائے چرخ

د

جب تصور کیا وہیں پہونچے قصد نظارہ ہے یہاں قاصد
اب ٹھکانا کسی جگہہ کا نہیں بھیجئے سوئے لامکاں قاصد

کان ہے پند پسند، آنکھہ ہے دیدار پسند
ایک ہے سہل پسند ایک ہے دشوار پسند

جہل خانہ ہے اُس کا یا جنت اُس کو کرتے ہیں بےگناہ آباد

غفلت کا سبب ہے نفس سرد ہمارا
نیند آتی ہے البتہ جو چلتی ہے ہوا سرد

ر

بستر اپنا ہے در شوخ ستم ایجاد پر
ہے بنائے زندگانی نالہ و فریاد پر
بت‌کدے کی راہ سے جاتا ہوں اکثر کعبے کو
تری یاد اے بت مقدم ہے خدا کی یاد پر
وقفۂ ہستی ہے دم بھر، آرزو کی حد نہیں
کس قدر انسان کو غفلت ہے اس میعاد پر

کر دیا اک نگہہ سے مالا مال اس کو کہتے ہیں کیمیائے نظر

کس کی آنکھوں میں گھر بنایا تھا بعد مدت جو آپ آئے نظر
دیکھتے ہی کھلا ہمیں انجام انتہا لائی ابتدائے نظر
لے گیا دل چرا کے آنکھوں میں وہ ' بجا ہے اگر چرائے نظر
دیکھ ڈالا تمام دنیا کو دیکھو اے ''رشک'' ابتدائے نظر

کیا دم جوش جنوں ہوش و خرد کو ڈھونڈھوں
عقل سے بات ہے یہ اے دل مضطر باہر

کلام یار کی تعریف کس زباں سے ہو ہے خوش بیانئی جاناں بیاں سے باہر
ہوا ہے تنگ جہاں اب کی وحشت دل میں کدھر میں جاؤں زمیں آسماں سے باہر
ہمارے ساتھ ہے پیمانہ دل کا اے خمار نکال شیشہ و ساغر دکاں سے باہر
کرے گا چرخ مری گور سے بھی کج بازی کوئی زمیں ہے نہیں آسماں سے باہر

حرم میں یاد بت اے ریائی ' عبادتیں کر تو بے ریا کر
خدا کے پردے میں بت پرستی خدا خدا کر خدا خدا کر

مجھ سے سو سو بار کہتا ہے یہی عشق بتاں
کعبے کو بت خانہ کر تسبیح کو زنار کر

طاقت سے گفتگو نے زیادہ دیا جواب وحشت مری ہے نام خدا زور شور پر
لیلیٰ کے اشتیاق میں ہے انتشار روح زلفیں سنوارنے چلو مجنوں کے گور پر

س

درد فرقت ہو گیا عارض سوائے درد عشق
ایک پھوڑا اور بھی نکلا دل مضطر کے پاس

دھجیاں دامن محشر کی اُڑیں یہ ہے اس چاک گریباں کی ہوس
کوئے جاناں کی ہوا کیا آئی اُڑ گئی سیر گلستاں کی ہوس

ض

نہ ہو مسیح سے تشخیص، وہ مرا ہے مرض
مریض جس کا ہوں، وہ پوچھتا ہے، کیا ہے مرض؟

کھل گیا خاص و عام پر یک دست میرا دست طلب تمہارا فیض

ط

نسخہ کہاں تھا اور جو ہوتا مقابلہ یہ دفتر زمانہ رہا جا بجا غلط
شامل ہوا جو میری غلط فہمیوں کا حال انشاے کائنات ہوئی جا بجا غلط

اُس بت کی بدی عبث نہیں ہے تقدیر کی ہے بدی ہوئی شرط

ظ

تار نظر و رشتۂ جاں توڑ تو جاؤں حیران ہوں کیوں دشمن زنار ہے واعظ

ع

مقبول خداے دو جہاں کیوں نہ ہو واعظ صورت جو مقطع ہے تو تقریر مرصع

غ

نہ ہو غافل شب جوانی میں زندگی کا ہے مستعار چراغ

سینۂ فضاے دہر ہے ایک ایک داغ باغ دل اس بہار تازہ سے رہتا ہے باغ باغ

اس دور میں قریب سے غفلت نہیں بعید
دیکھو کہ آنکھوں کو نہیں آتا نظر دماغ
سر نذر تیغ ناز جفا کار کر چکے
کس پر کرے گا قاتل بیداد گر دماغ

منظور ہے تعریف مجھے لالہ رخوں کی اے چرخ کہن آج لگاتا ہوں نیا باغ

ف

قائل ہے میری گردش تقدیر کا جہاں ایسا نہیں ہے گردش دوراں میں اختلاف

صحبت ہم جنس سے ہر اک کو ہوتی ہے شگفت
تو ہے گلشن کی طرف میں ہوں عنادل کی طرف

ق

اول عشق سے ہوں ہجر نصیب مدتوں کا ہوں آشنائے فراق

ک

قابو میں ہے مزاج بت بد مزاج تک میری اگر خدا نے نباہی ہے آج تک

گ

عشق و فراق سے نہیں بچنے کی جان زار
کوہ گراں الگ ہے یہ بار گراں الگ

ل

دل پاس ہے تو دیر و حرم دونوں پاس ہیں
قرب صنم محال نہ قرب خدا محال
جیتا ہوں وصل یار سے مرتا ہوں ہجر سے
جینا مرا محال نہ مرنا مرا محال
اُس کو نہ چاہتے تو نہ ہوتے کبھی تمام
اے "رشک" انتہا تو ہے ابتدا محال

وہ چراغ طور جب یاد آگیا
وادیٔ ایمن بنا صحرائے دل

وہ بت جب نہ ہو، ساری دنیا عبث ہے
الٰہی ترے کارخانے سے حاصل
میں ہوں مرغ تصویر باغ جہاں میں
نہ پانی سے حاصل نہ دانے سے حاصل
وہ آنے میں آفت ہے جانے میں آندھی
نہ آنے سے حاصل نہ جانے سے حاصل

پہلو سے تو اُٹھا تو ہمارا بھی کوچ ہے
دل سے وداع عیش ہے غم سے وداع دل
دل میں غم حسین ہے اے "رشک" روئیے
آنکھوں کو چاہئے کہ کریں اتباع دل

م

کام پامردی کا لیتے ہیں خیال و وہم سے
گھر میں بیٹھے پھاندتے ہیں باغ کی دیوار ہم

تم جور و جفا سے آشنا ہو
ہیں مہر و وفا سے آشنا ہم
رہتی ہے ہوائے کوئے جاناں
کیوں باغ میں جائیں اے صبا ہم
جب سے بگڑا وہ باعث زیست
اپنے جینے سے ہیں خفا ہم
ساقی ہمیں منہہ نہیں لگاتا
ساغر منہہ سے لگائیں کیا ہم

سر کاٹ کے قاتل نے بڑا بوجھ اُتارا
جیسے تھے گرانبار، سبک بار ہوئے ہم
دنیا میں نہ آتے تو جہنم میں نہ جاتے
دو دن کے لئے آکے گنہگار ہوئے ہم

ن

سب مجھے بے سروپا کہتے ہیں
اے محبت اسے کیا کہتے ہیں
جو کچھ، اُس بت کو برہمن نے کہا
ہم کہیں اُس سے سوا کہتے ہیں
جھک کے قاتل کو مناسب ہے سلام
اس کو تسلیم و رضا کہتے ہیں
کیا ہوا؟ کہئے جو اُس بت کو خدا
لوگ بندوں کو خدا کہتے ہیں
کاتب آ جائے تو قاصد نہ ملے
اسے قسمت کا لکھا کہتے ہیں
سجدۂ شکر جفا پر کرنا
اس کو ہم لوگ وفا کہتے ہیں

اس قدر ہستئی موہوم سے شرماتا ہوں
ذکر جینے کا جو آتا ہے تو مر جاتا ہوں
موت نے کتنے بکھیڑوں سے چھڑایا مجھ کو
نہ تڑپتا ہوں نہ روتا ہوں نہ چلاتا ہوں
کام مجھ سے نہیں ہوتا کوئی جز جرم و گناہ
منت کاتب اعمال سے شرماتا ہوں
ایک خط یار کو لکھتا ہوں جو بے تابی میں
دوسرا کاتب اعمال سے لکھواتا ہوں
ایک ہمدرد نہیں عالم تنہائی میں
مجھ کو سمجھاتا ہے دل، دل کو میں سمجھاتا ہوں

بے تعلق رہا نہیں جاتا
ناتوانی میں خار دامن ہوں

آتی ہے اُڑ اُڑ کے خاک عاشقاں بے قرار
ذرے اے خورشید تیرے گھر کے روزن میں نہیں
دل نے غارت کر دیا آنکھوں نے رسوا کر دیا
جو عداوت دوستوں میں ہے وہ دشمن میں نہیں

دھوپ سے بھی ہے زیادہ پرہیز
سایۂ دامن احساں سے ہمیں

تمنا خانہ بربادوں کی آخر بے محل ٹھہری
نہ تو آئے مرے گھر میں نہ میں جاؤں ترے گھر میں
ترے حیرانوں کواے خود نما خوف قیامت کیا
کھڑے منہ دیکھیں گے آئینہ خورشید محشر میں

ناصحو! عشق میں رکھو معذور
جانتا ہوں کہ برا کرتا ہوں
تیرے ہاتھوں سے گلا بندھوا کر
دم رقیبوں کا خفا کرتا ہوں
شیخ پکڑے کہ برہمن پکڑے
میں ترا نام لیا کرتا ہوں

وصل بتاں میں شام سے موجود ہے سحر
فرقت میں غیر صبح قیامت سحر نہیں

اقرار کا یقین نہ انکار کا یقیں
تیری زباں پر ہے اِدھر ہاں اُدھر نہیں
جو چیز جس کے واسطے ہے اُس کے ساتھ ہے
جب سر نہیں، دماغ نہیں، درد سر نہیں
کیا پوچھتا ہے "رشک" سیہ مست کی خبر
تیری خبر ہے اور کسی کی خبر نہیں

اب کی احسان یہ کر اے صیاد
بھول جا، کرکے گرفتار ہمیں
عشق نے بار ستم رکھ رکھ کر
آزمایا ہے کئی بار ہمیں

محبت وہ بلائے فتنہ گر ہے جس نے یوسف کو
نکالا شہر کنعاں سے گرایا چاہ کنعاں میں

قاضی و محتسب سے کام نہیں
مے عشق بتاں حرام نہیں
پختہ کاری ہے غفلت عاشق
خواب میں بھی خیال خام نہیں

کھینچا ہاتھ لگی مرنے سے
مشت خاک در جاناں ہم ہیں

غنچہ دہنوں نے مار ڈالا کلیاں رکھ دیں مرے کفن میں
یوں ہے تن داغدار میں روح بلبل ہو جس طرح چمن میں

جو لکھا ہے مری قسمت میں عیاں ہے حال سے
شرح مضمون خط تقدیر کی حاجت نہیں
بھر دیا ہے نغمہ گویا تیری اک اک بات میں
اس میں کچھ تقریر کی تحریر کی حاجت نہیں

زلف و رخ ساقی کا تماشہ، آنکھوں کے آگے پھرتا ہے
مدت سے وہ دور نہیں وہ صبح نہیں وہ شام نہیں
جو آیا ہے قصر جہاں میں ، جانا اُس کو لازم ہے
آنے میں تقصیر نہیں مر جانے میں الزام نہیں
مشرب زنداں میں اے زاہد حکم حلال و حرام یہ ہے
ہجر میں پانی ناجائز، دم وصل شراب حرام نہیں

غور اگر ہو تو عبث گردش افلاک نہیں
آپ سے آپ گریباں سحر چاک نہیں
بحر جلمت ہے مری طبع رواں کا عالم
یہ وہ دریا ہے کہ جس میں خس و خاشاک نہیں
کھیلنے کے واسطے ہیں آب و ہوا آتش و خاک
غور سے دیکھئے انساں میں تو خاک نہیں

اب وہ سفاک جو تلوار نکالے اے "رشک" سر جھکانے کے برابر کوئی تدبیر نہیں

مرتبہ پایا محقق کا مقلد نے کہاں عدل کرنے سے کوئی نوشیرواں ہوتا نہیں

ہر قدم صحرائے وحشت زا میں پاتا ہوں مزا
صورت مجنوں بیابانوں کی پیمائش نہیں

آدمی کرتے ہیں جسم و روح دل پر کیوں غرور
ایک دن ناقہ کہاں، لیلیٰ کہاں، محمل کہاں
دین و دنیا کا مزا رکھتی ہے دولت وصل کی
مال کا سائل کہاں، دیدار کا سائل کہاں

رندی شراب ہے دل زاہد کباب ہے — جب تک نہ ہو کباب مزا کیا شراب میں

سینے میں ہیں دل، چمن میں بلبل — عاشق تیرے کہاں کہاں ہیں
افسانہ مرگ سچ ہے اے ''رشک'' — باقی قصہ کہانیاں ہیں

احسان پردہ پوشئ غربت تو پوچھئے — لپٹا ہوا ہوں دامن گردو غبار میں

کیا جان ہے تڑپ سکے بسمل نگاہ کا — دل توڑ کر لگا ہے ترا تیر جان میں
قول مسیح نام خدا ہے ترا کلام — جان آ گئی ہے اے بت بے پیر، جان میں

بانگ ناقوس ہے آواز مؤذن کا جواب
بت کدے میں بھی ہے جو کچھ ہے خدا کے گھر میں

مشرب و مذہب میں پایا کثرت و وحدت کا فرق
ہم بتوں کی یاد میں، زاہد خدا کی یاد میں

ہردم مجھے بقائے فنا کا خیال ہے — ثابت قدم ہوں زندگی بے ثبات میں

ٹوٹ جاتا ہے جو ہر تار نفس اے عہد شکن
یہ بھی پیمان ہے شاید ترے پیمانوں میں

ہے جائے عجب نشۂ ہستی کا طلسمات
چھوٹا سا تو میخانہ ہے میخوار بہت ہیں

رخت کفنی کو مجھے منت نہیں درکار
اتنے کے لئے آنسوؤں کے تار بہت ہیں

تھام لیتے ہو تم جو دست رقیب   دل کو ہم تھام تھام رکھتے ہیں

وہ صحرا ہوں کہ ہر دل سے عیاں ہوں   وہ دریا ہوں کہ آنکھوں سے رواں ہوں

ہجر رشک گل ہے فصل گل نہ چھوڑے گی مجھے
میری موت آئی ہے ان روزوں ' بہار آئی نہیں

ہم ہی عدم کو چلیں ' جبر اختیار کریں
کہاں تک آپ کے آنے کا انتظار کریں

بگڑ کر آپ کا پہلو سے اُٹھنا کس طرح باندھوں
کہ اس مضمون کے بگڑے ہوئے پہلو نکلتے ہیں

کعبہ کہاں ' کنشت کہاں ' لامکاں کہاں   جانا ہے تیرے گھر کا تصور کہاں کہاں
پیری سے پوچھتا ہوں جوانی کی یاد میں   وہ دن کہاں وہ شور کہاں وہ فغاں کہاں
پائے نگہ ہوں وحشت چشمان یار میں   اے عشق میرے پاؤں کہاں بیڑیاں کہاں

و

ایذائے دل بیان کروں کس زبان سے   یارب کبھی کسی کو یہ درد نہاں نہ ہو

مشام جاں میں جب پایا شمیم زلف پیچاں کو
ہماری آرزو رہ رہ گئی خواب پریشاں کو

یہ ایک بات منتخب روزگار ہے   دنیا کے عیب کرتے رہو بے خبر نہ ہو
منظور اگر یہ ہے کہ ملے فیض کا عوض   دے اِس طرح کہ دست کرم کو خبر نہ ہو

تیری آنکھوں نے کہا ایک یہ جادو ہم کو بڑھ کے آنکھوں سے ہے منظور نظر تو ہم کو

سختی و سنگدلی سے نہیں ڈرنے والے
اے بتو عشق نے پتھر کا بنایا ہم کو
نہ ہو قسمت میں ملاقات تو کیا اس کا علاج
جب عیادت کو وہ آیا تو غش آیا ہم کو

ہم اپنی نیستی، ہستی میں دو چیزوں کے طالب ہیں
فنائے حرص دنیا ہو، بقائے زندگانی ہو

اتنے سجدوں کی تمنا ہے ترے چوکھٹ پر
گھل کے سب جسم حزیں داغ جبیں سائی ہو

۷

خالی کیا اِدھر تو اُدھر غم سے بھر کیا رکھا ہمارے دل نے ہمیں عمر بھر تباہ
بحر جہاں میں اہل ستم کو نہیں ثبات ہوتی ہے جلد کشتئ بیداد گر تباہ
کیا اور بددعا کریں دربان یار کو یہ بھی پھرے ہماری طرح دربدر تباہ

سب شسدروں کو اے صنم پر غرور دیکھ آئینہ دیکھ لے تو اِدھر بھی ضرور دیکھ
گھر میں بلا کے قتل غریباں بجا نہیں تعزیر دیکھ اور ہمارا قصور دیکھ

نہ پہونچا ایک ذرہ کوئی رشک مہر تاباں میں
رہا باقی ہوا سے میری مشت خاک کا شکوہ

اے رشک پاس وضع سے نوع بشر میں رہ
دل کوئے یار میں رہے تو اپنے گھر میں رہ

یہاں کام ہے تیغ چیں جبیں سے
ہماری قضا ہے تمہارا ارادہ
تکبر ہے کیوں پوچھنے سے بتوں کو
خدا جانے کیا ہے ہمارا ارادہ

ی

اک بت بدگماں سے ملنے پر
سارے عالم کی بدگمانی ہے
اب تو باتیں بھی ہوگئیں موقوف
ارنی ہے نہ لن ترانی ہے

آج اللہ کرے صبح نمودار نہ ہو
عمر بھر جس کی تمنا تھی یہی وہ شب ہے
لب جاں بخش سے اعجاز مسیحا فرما
آج بیمار ترا کہتے ہیں جاں برلب ہے

جسے کہتا ہے عالم صبح صادق
غبار خاطر اہل نظر ہے
ازل سے چاک ہے میرا گریباں
یہ در پردہ گریبانِ سحر ہے

کوئی بھی پرسش حال دل محزوں نہ کرے
میرا اللہ مجھے نادم و ممنوں نہ کرے

چپکے سنتا ہوں بات ناصح کی
کہ خموشی جواب جاہل ہے
نہیں اُٹھتے ترے گلی سے قدم
نقش پا ہے کہ نقش عامل ہے
لال ہے فرط داغ سے سینا
یہ چمن دیکھنے کے قابل ہے
ہے شب ماہ، یار ہے لب بام
چاند اک چاند کے مقابل ہے
ضعف نے پاؤں یہ نکالے ہیں
جو قدم ہے ہزار منزل ہے
آج پھولے نہیں سماتے داغ
درد مہمان خانۂ دل ہے
زندگی میں عذاب موت میں رنج
ہر طرح آدمی کو مشکل ہے

عیش ممکن نہیں مجھ، کو چمن ہستی میں
جب بہار آتی ہے تشویش خزاں رہتی ہے
دم بدم وادئی الفت میں جنوں کہتا ہے
فہم کہتے ہیں کسے عقل کہاں رہتی ہے

صدمۂ ہجر سے فراغت ہے
موت عاشق کو خواب راحت ہے
منہ دکھانا بھی یار نے چھوڑا
کون سی زندگی کی صورت ہے
پوچھتا کیا ہے حال دل اے جان!
رنج ہے، درد ہے، مصیبت ہے

غنیمت جان ہم کو چار دن میں کچھ نہیں رہتا
برائے نام دونوں ہیں نہ لیلیٰ ہے نہ مجنوں ہے

کس جگہ پائے کوئی تنہا تجھے
گھیرے رہتا ہے ترا جلوا تجھے
کوئی بت کوئی خدا سمجھا تجھے
عقل ہے حیران کہئے کیا تجھے
ہر بلندی کے تصور سے ہے دور
کیا کہیں ہم نے کہاں پایا تجھے
صاف بے جا ہے مرے دل سے غبار
دیکھتا تھا ایسا آئینا تجھے
صحت کلی ہے اے دل موت میں
عارضہ ہے عشق کا اچھا تجھے
رونے نے اے ''رشک'' کھوئی آبرو
مری آنکھوں نے کیا رسوا تجھے

میرے رہنے سے رہا نام وطن کا بدنام
نام میرا کبھی یاران وطن کیوں لیتے

جو سمجھے کوئی تو مضمون خط موج یہ ہے
وہ اتنی دیر کہ جتنا حباب رہتا ہے
کمال لطف سے خالی نہیں ہے کار جہاں
فقیر منتظر انقلاب رہتا ہے
بتوں میں عادت رد سوال یوں ہی نہیں
ہمیں خدا کی طرف سے جواب رہتا ہے

دل نہ قابو میں ہے نہ دلبر ہے
موت اس زندگی سے بہتر ہے
آئیے جب مزاج میں آئے
خانۂ دل حضور کا گھر ہے

یہ خون دل پیا کہ ہوئی زندگی حرام
جب تک جیا کئے یہی ہم کو حلال ہے
ہم بادہ خوار جانتے ہیں ایک مسئلہ
زاہد جسے حرام کہے وہ حلال ہے

رنج ہستی سے ہوئی قدرِ اجل   زندگی پر موت کا احسان ہے
میرے زانو پر جو رکھا اُس نے سر   سب نے جانا رحل پر قرآن ہے

وہ کون بات ہے جو مصلحت سے ہو خالی   کہ داغ ہجر چراغ مزار ہوتا ہے

حیرت سے آنکھیں بند ہوئی جاتی ہیں یہاں
در بند ہے نہ روزن دیوار بند ہے
پیران قد خمیدہ نہیں مورد عتاب
بندے ہیں جس کے اُس کو تواضع پسند ہے

سبب ہستئی موہوم نہ پوچھ   وعدہ اپنا یہ وفا کرتی ہے
وہی ہوتا ہے جو تقدیر کرے   فکر تدبیر کیا کرتی ہے

شب فرقت کی آمد پاکے آغوش لحد پھیلی
قضا کی مہربانی ہے اجل سرگرم احساں ہے

رہیں منت برق بلا ہوں   کہ یہ شمع مزار بےکساں ہے
نہیں ہے وصل سے بہتر کوئی دوست   سو یہ دولت نصیب دشمناں ہے
اُٹھے فرقت میں بار زندگانی   مجھے اتنی توانائی کہاں ہے
مبارک تجھ کو زنار اے برہمن   یہاں تار نفس بار گراں ہے

جادۂ راہ عدم کو شرط کامل ہے وجود   خانہ بربادی کو بھی پہلے کہیں گھر چاہئے

بادشاہی ہے فقیری کوچۂ دلدار کی   دھوپ ہم کو سایۂ بال ہما ہوجائےگی
خواہش تقدیر کی تابع کا بیڑا پار ہے   موج طوفان حوادث ناخدا ہوجائےگی

محو کلام یار ہوں اے منکر و نکیر   فرصت یہاں کسے ہے سوال و جواب کی
شیشوں کو محتسب نے جو توڑا تو کیا ہوا   دل ہائے مےکشاں میں جگہ ہے شراب کی

کمال تنگ ہوا ہوں جہان فانی سے
دیا خدا نے عجب خانۂ خراب مجھے
میں ایک بات کا رکھتا ہوں دل میں لاکھ جواب
وہ ایک بات میں کرتا ہے لاجواب مجھے
نصیب خفتہ اُسی وقت جاگ اُٹھیں اے ''رشک''
جو ہجر یار میں دے زندگی جواب مجھے

کون سا دن ہے کہ عاشق بھول جاتے ہیں تجھے
اے اجل کیوں ہوگئی غافل ہماری یاد سے

آنے کا پیام آیا، نامہ، مرے نام آیا / اُٹھ سرہانے سے اے موت آمد مسیحا ہے
باغ میں گل تر پر، عندلیب مضطر پر / مجھ کو تیرا دھوکا ہے تجھ کو میرا دھوکا ہے

کیا کہوں رنج غریب الوطنی کی لذت
شام غم دیکھتے ہی صبح وطن بھول گئے
خاک میں سونپتے ہی بات نہ پوچھی افسوس
ایک ہی روز میں یاران وطن بھول گئے

فرصت اک دم متصور نہیں خوں باری سے / موت بہتر ہے غم ہجر کی بیماری سے
پاتے کب قالب خاکی جو نہ بنتیں روحیں / ہم گراں بار ہوئے اپنے سبک باری سے
موت کا غم ہے وہ بے شبہہ و شک آئے گی / کام ہے بے خبری سے نہ خبرداری سے

کمال قدرت صانع کا ہے خیال مجھے / دیا کمال مجھے یا دیا زوال مجھے
وہ سرو مجھ سے جدا ہو کے باغ میں نہ گیا / چمن اُجاڑ دیا کردیا نہال مجھے
خدا ہی جانے کہ اے ''رشک'' انتہا کیا ہو / ہے ابتدائے محبت غم مآل مجھے

شب فرقت شب تنہائی گور غریباں ہے
ہم آغوش لحد ہوتا ہوں اُٹھ کر تیرے پہلو سے

غارت کرے گا طاقت و تاب و تواں کو عشق اسباب اپنے پاس ہے رہزن کے واسطے
رشتہ محبت بت کافر کا ان دنوں زنار بن گیا مری گردن کے واسطے

قدر دان عاشقان با وفا میں لطف ہے چاہنے والا کوئی معشوق اے دل چاہئے

جادۂ کوئے بتاں، مسجود خاص و عام ہے
مسجدوں میں اور کعبہ میں خدا کا نام ہے
آج عزرائیل گویا نامہ بر کا نام ہے
نامۂ جاناں کے بدلے موت کا پیغام ہے
عاشق کامل ہوں ناکامی سے مجھ کو کام ہے
درد میں آسودگی ہے رنج میں آرام ہے
آدمی ہے قلزم ہستی میں مانند حباب
انتہا آغاز ہے اور ابتدا انجام ہے
تم کرو ہم پر جفائیں ہم کریں تم سے وفا
وہ تمھارا کام ہے یہ تو ہمارا کام ہے

کس نے دیکھا ہے خدا کو دیکھتے ہیں تم کو سب
طور موسیٰ اور ہے کوٹھا تمھارا اور ہے

لے گئے یار کو اغیار دعائیں پڑھ کر
اے اجل آج مرے گھر میں ہے دعوت تیری

مرگئے پر در قفس نہ کھلا آرزو دیکھئے رہائی کی
زندگی قتل کرتی ہے اے "وشک"
موت نے سخت بے وفائی کی

اللہ اللہ اوج دشت جنوں جو بگولا ہے چرخ گرداں ہے

سو طرح فکر زمانہ کرے بے ہوش مجھے

یاد تیری نہیں ہونے کی فراموش مجھے

واہ اے خوبی انجام کہ مشتاقانہ

گور نے پیار کیا کھول کے آغوش مجھے

* * *

پھر شکل وصلت بت بے پیر ہو گئی — تقدیر پھر موافق تدبیر ہو گئی

* * *

یہ ہے تحقیق کہ تقلید سے کیا ہوتا ہے — پوجنے سے کہیں پتھر بھی خدا ہوتا ہے

اے شب ہجر مری جان اسی قابل تھی — رنج جس طرح کا ہوتا ہے بجا ہوتا ہے

* * *

فرقت جاناں میں غیروں کا گلہ کیا کیجئے

بھاگتی ہے روح لاکھوں کوس تن کے نام سے

* * *

ہجر میں نالۂ شبگیر سے کیا ہوتا ہے

آگے تقدیر کے تدبیر سے کیا ہوتا ہے

دم وحشت بھی ٹھکانا نہیں دم لینے کا

قید میں خانۂ زنجیر سے کیا ہوتا ہے

* * *

مرنے کے ساتھ دغدغہ مرگ مٹ گیا — تعویذ زندگی مجھے بخشا مزار نے

* * *

نا توانی نے کیا مغرور اے بار گناہ — شرم عصیاں سے جھکا لینے کو گردن چاہئے

* * *

آپ سے کیا ترے گھر آتا ہوں اے گل پیرہن

عشق دامن گیر ہے وحشت گریباں گیر ہے

بیڑیوں سے ٹپکی پڑتی ہے مری دیوانگی

دانۂ انگور تر، یا دانۂ زنجیر ہے

* * *

نہ چاہیں اگر شیخ و زاہد نہ چاہیں — بتوں کی ترقی خدا چاہتا ہے

خدا سے ملائے گا عشق مجازی — جدائی کا پردہ اٹھا چاہتا ہے

* * *

وہ مسجود دنیا ہوا چاہتا ہے خدا ایک بندہ ہوا چاہتا ہے
اُسے کام غیروں سے رہتا ہے اکثر یہاں کام اپنا ہوا چاہتا ہے

نام لیتے نہیں تم نام سے کیا حاصل ہے
قاصد و نامہ و پیغام سے کیا حاصل ہے
آپ جاگیں مجھے آرام دے بے بیدارئی بخت
شام سے صبح تک آرام سے کیا حاصل ہے

مجھ کو بھولے سے کسی نے نہ کیا یاد کبھی
ھچکی آئی تو فقط موت کی ھچکی آئی

دست سوال سیکڑوں عیبوں کا عیب ہے
جس ھاتھ میں یہ عیب نہیں دست غیب ہے
وصف دھاں حور جناں کیوں نہ کیجئے
طبع بلند واقف اسرار غیب ہے

مری زندگی حیف تم نے نہ پائی مجھے موت ہے ہے نہ آئی تمھاری
غم و داغ فرقت نے بیداد کی ہے دھائی تمھاری دھائی تمھاری

شراب عشق میں حیران ہیں نماز گزار حلال چیز کو کیوں کر کوئی حرام کرے
جو حکم دیجئے زاہد کو بادہ پیائی کا نماز شکر کی پڑھ کر تمھیں سلام کرے

جو دے تو حاتم طے ہے ، نہ دے تو ہے قارون
طرح طرح سے زمانے میں نام ہوتا ہے
ذرا سے رنج میں ہم کو حلال کرتے ہو
اسی سے کہتے ہیں غصہ حرام ہوتا ہے

گھٹ گھٹ کے مرکے فکر کاھش کی زیست نے موت سے سفارش کی

کسی کو چاہ کر اے دل کنارہ کر تو بہتر ہے
عبث ہے بے گنہ سامان استغفار پہلے سے

گھر بیٹھے ہم کو دولت سعی و طواف ہے   حاجی ہیں کعبہ دل خانہ خراب کے

ملال راہ اُٹھانے کو کون کہتا ہے   مجھے بلا ! تجھے آنے کو کون کہتا ہے
جلا کے خاک بھی کر ڈال ایک بار اے عشق   یہ بار بار جلانے کو کون کہتا ہے
جلا جلا کے نہ دے ہم کو آبرو اے عشق   لگا کے آگ بجھانے کو کون کہتا ہے

ایجاد رسم و راہ وفا ہو خدا کرے   تم بھی کبھی مجھے یوں ہی چاہو خدا کرے

حقیقی کو مجازی کردیا بے امتیازی نے
تماشے کے دکھائے کھیل مجھ کو عشق بازی نے

ازل سے بندگی حاصل ہے تیرے نام نامی سے
خط تقدیر عاشق کم نہیں خط غلامی سے
نکالا نام گم ناموں نے عشق نام نامی سے
کسی نے صاحبی پائی تو صاحب کی غلامی سے

ننگ ہے مال و زر دنیا، خدا سے مانگئے   مانگئے کچھ بھی تو استغنا خدا سے مانگئے

ہو وصل بتاں خواہش تقدیر نہیں ہے   تقدیر کی تسخیر کی تدبیر نہیں ہے
غیروں کو جلاتا ہے مرا رشک مسیحا   مرنے کے برابر کوئی تدبیر نہیں ہے

مے کشو ! آئے قدم ساقی کے ، چلنے دو شراب
زندگی کی راہ کیفیت سے طے ہو جائے گی

بزم میں بیٹھتا ہے تو جب تک   شمع آنسو کھڑی بہاتی ہے

بازار علم و فضل و هنر کا یه حال هے
خود جنس بول اُٹھے جو خریدار چپ رهے

صد شکر محبت نے کہا تم کو بھی بے رنگ — تصویر هماری هوئی تصویر تمهاری
آنا تمهیں بھولا همیں یاد آنے لگی موت — آخر کرے گی هم کو یه تاخیر تمهاری

دل مطمئن نه هو تو کسی میں مزه نهیں — عیش جهاں مسرت خاطر کے ساتھ هے

خود رفتگی اپنی چاهتا هوں — دهن وصف خرام کی نهیں هے

کهیں گے چشمهٔ آب بقا ترے منهه کو — هم اور اس کے سوا منهه سے کیا نکالیں گے

دوزخ هو یا بهشت هو یا گهر هو یا مزار — منت کش عمل هوں یه پورا شریک هے

جستجو علقا کی هے ناوک اٹھانے کے لئے — ڈهونڈهتا هے بے نشانوں کو نشانے کے لئے
شمع کی تعریف کرتا هے کبھی پروانے کی — گرمیاں ساری یه هیں میرے جلانے کے لئے
احتیاج اسباب کی هے عالم اسباب میں — پاؤں کی حاجت نهیں دنیا سے جانے کے لئے
جو تهے دستی میں کام آئے غنیمت جانئے — هاتھ سے بهتر نهیں تکیه سرهانے کے لئے
شمع بزم و شمع روے یار میں یه فرق هے — ایک جلنے کے لئے هے اک جلانے کے لئے
اور کس پتهر پر اس کو جاکے رگڑوں اے خدا — پائی پیشانی بتوں کے آستانے کے لئے

اوصاف میں کچھ بت کے سوا کهه نهیں سکتے
مجبور هیں بندے کو خدا کهه نهیں سکتے
تکلیف نه دی اپنی پرستش کی کسی کو
خوبی تری اے بت بخدا کهه نهیں سکتے
دل سایهٔ گیسو میں نه ظل هما هے
ایسے کو گرفتار بلا کهه نهیں سکتے

صنم پرست ملیں یا خدا شناس مجھے
دعائے وصل کی رهتی هے التماس مجھے

خدا سمجھ کے جو اُس بت کو سجدے کرتا ہوں
سمجھ گئے ہیں برہمن خدا شناس مجھے

ہے خدائی کی خدائی زیر حکم   بات جو اس بت نے چاہی ہو گئی

خط میں پڑھ لینا مرا انجام حال   نامۂ تقدیر بھی ملفوف ہے

اکتفا چاک گریباں پر ہو کیوں کر اے جنوں
ٹکڑے کرنا ہے ابھی تو دامن محشر مجھے

موت ہے تیرے ہی دروازے کا جویا ہونا   یا در یار ملے یا در مرقد مل جائے

متاع زندگی اے موت بار ہونے دے   حصول جبر میں بے اختیار ہونے دے

تم ابھی آؤ ابھی مطرب و ساقی آئیں   صحبت عیش کے بن جانے میں بگڑا کیا ہے
پھول ہیں داغ ہمارے دل نالاں بلبل   سیر گلشن کا ارادہ ہے تو کھٹکا کیا ہے

یہ بھی ہے انقلاب چرخ اے ''رشک''   غیر آباد ہم خراب ہوئے

دل ہو بے چین تو مر جاؤں جو خوش ہو تو جیوں
میرا قاتل ہے یہی میرا مسیحا ہے یہی

یار من من کے بگڑ جاتا ہے   کام بن بن کے بگڑ جاتا ہے
سرکشی دشمن سرسبزی ہے   سرو تن تن کے بگڑ جاتا ہے

کچھ ان دنوں اے ''رشک'' زمانہ یہ پھرا ہے
آئندہ کی جب فکر کروں حال بدل جائے

رباعیات

ہے دست آلہ ہاتھ ترا یاشاہ
اب غیر کے ہاتھ پر نہ رکھ میری نگاہ
ترا ہو غلام غیر کا دست نگر
لاحول ولا قوۃ الا باللہ

حیدر کو نبی، نبی کو حیدر سمجھو
ان دونوں کو ایک نور داور سمجھو
اے اہل نظر کھول دو چشم انصاف
دونوں آنکھوں کو تم برابر سمجھو

مخمس

کہاں ہے کون سے عالم میں ہے ہمنام احمد کا
ظہور پاک دیکھوں اس مؤیّد کا مجدد کا
سنوں اس کا کلام پاک شہرہ ہے جس ارشد کا
دکھا اس کو جہاں میں غل ہے جس کی آمد آمد کا
الٰہی ہوں بہت مشتاق دیدار محمد کا

چلی ہے ہر طرف ادیان باطل کی ہوا یارب
سنوں کس کان سے زاغ و زغن کا بولنا یارب
دعا میری، سن! اُنھوں جنتوں کا واسطا یارب
بہار گلشن دین محمد اب دکھا یارب
ترصّد بلبل دل کو ہے فصل گل کی آمد کا

عنایت میں، سخاوت میں، محبت میں، مروت میں
غضب میں، قہر میں، تہدید میں، ہیبت میں، صولت میں
رضا میں، صبر میں، تقویٰ میں، طاقت میں، عبادت میں
شجاعت میں، کرم میں، عدل میں، صورت میں، سیرت میں
امام آخری ہے مثل اپنے جد امجد کا

تصرف آسمانوں پر، زمینوں پر، معادن پر
شجر پر، بحر پر، انسان پر، حیوان پر، جن پر

نہیں اس عالم کامل کو علم ظاہری ان پر
عبور اللہ نے اس کو دیا ہے علم باطن پر
لیا ہرچند ظاہر میں نہ درس اک حرف ابجد کا

چھپائے دوست دشمن دوستی و دشمنی کیوں کر
زر قلب و زر خالص کو ہو پوشیدگی کیوں کر
نہ ہو مہر و وفا و بغض و کین اس پر جلی کیوں کر
نفاق اس سے نہاں کیا ہو چھپے شرک خفی کیوں کر
محک ہے اس کا سنگ آستانہ نیک کا بد کا

دکھائے گا وہ ہادی جب طریق قربت حق کو
کریں گے یاد وہ پیمانے باطل قدرت حق کو
قبول اس دم کریں گے اہل دعوی دعوئے حق کو
کرے گا جب کہ وہ اتمام آکر حجت حق کو
زمانے میں رہے گا نام ملحد کا نہ مرتد کا

جب اس انصاف فرمائے جہاں کا دور آئے گا
بلا تشبیہ بس نوشیرواں کا دور آئے گا
عداوت دور ہوگی حفظ جاں کا دور آئے گا
جو نزدیک اس سلیماں زماں کا دور آئے گا
بیابانوں میں ہوگا ایک مسکن دام کا دد کا

ترا انصاف پر حق جانتے ہیں جتنے منصف ہیں
فلک کیا حاملان عرش اعظم تجھ سے خائف ہیں
وہ بندے لات و عزیٰ کے ہیں جو تیرے مخالف ہیں
خدا ترا معرف ہے ملک تیرے موصف ہیں
نہیں حد بشر کہنا تیرے اوصاف بے حد کا

اندھیرا چھا گیا اے ماہ کامل تیرے چھپنے سے
منور کر زمانے کو نکل غیبت کے پردے سے
جواہر خانہ کر حیرت کدے کو شیشہ خانے سے
بنا اے مہر تاباں قصر یاقوت اپنے جلوے سے
سیہ خانہ نظر آتا ہے یہ گنبد زبرجد کا

خدا کا نام دل میں یہ لیا نقش و نگیں تو نے
کیا الفقر فخری اختیار اے حق گزیں تو نے
کبھی مضمون استغنا بھی فرمایا نہیں تو نے
نہ سوئے جاہ دنیا منھ کیا اے شاہ دیں تو نے
سر پر سلطنت تکیہ ہے گویا تری مسند کا

ستاتے ساری خلقت کو تصرف کرتے اشیا میں
نہ رہتا شہر میں آرام سے کوئی نہ صحرا میں
اُٹھاتے شر فساد و فتنہ کرتے کوہ و غبرا میں
گراتے رکن دیں یاجوج و ماجوج آ کے دنیا میں
نہ ہوتا تو جو پشتیبان ذوالقرنین کی سد کا

ہوا جو احمد مرسل سے تجھ سے بھی وہی ہوگا
جہادوں میں ترا یاور جناب ایزدی ہوگا
خدا کا گھر عبادت‌گاہ تیری اے ولی ہوگا
نمازوں میں مسیحا سا پیمبر مقتدی ہوگا
وہی رتبہ ہے تیرا بھی جو رتبہ تھا ترے جد کا

تر و خشک جہاں کا تو ہوا عالم خدا اعلم
ترا حافظ ہے خالق اور تو حرز بنی آدم
نظر کرنا تجھے خالی عبادت سے نہیں ہے کم
بھرا تجھ میں یہ حق نے علم رطب و یابس عالم
کہ جلد و جسم کو رتبہ ہے قرآن مجلد کا

زہے فکر بلند مقتدا اے شاعراں ناسخ
سوائے شاعری اے ''رشک'' ہیں تفسیر داں ناسخ
نبی کی صورت اخلاص کہتی ہے یہاں ناسخ
معانی قل ھو اللہ احد کے ہیں عیاں ناسخ
برائے قافیہ ہے صرف اشارہ میم احمد کا

مہر

نام مرزا حاتم علی ، لکھنؤ کے رهنے والے تھے ، مرزا فیض علی کے بیٹے ، اکبر آباد میں وکالت کی وجه سے مقیم تھے -

ناسخ کے ارشد تلامذہ تھے - صاحب دیوان هیں ، دیوان کمیاب ہے ، رسالہ " پنجۂ مہر " کے بھی مصنف هیں ، کلام میں استادی کا رنگ ہے ، صحت اور پابندی کا خیال بہت کرتے هیں ، لیکن اُن کی غزلیں کیف اور رنگینی سے خالی هیں - زیادہ تر آورد کا اهتمام ہے -

مضامین پیدا کرتے هیں ، اس لئے نظر کو خیرہ کرتے هیں لیکن دل پر ان کا اثر کچھ نہیں هوتا -

ا

دل میں رفو ہوا ہے تو اشکوں کے تار کا کرتا ہوں ضبط گریۂ بے اختیار کا

خدا کے واسطے ناصح نہ بک بک کر تو کیا جانے
بتوں پر ہم جو مرتے ہیں مزا ہے زندگانی کا

آنکھیں جو ڈبڈبائیں تو میں ضبط کر گیا
چڑھنے نہ پایا تھا کہ یہ دریا اُتر گیا
اُس کی گلی میں کون نہ دل تھام کر گیا
مجھ سا نہ کوئی سینہ سپر بے جگر گیا

اے مرغ اب اُٹھے گا مرا آب و دانہ کیا رونے سے منع مجھ کو صیاد نے کیا

محتاج ہے ہر کافر و دیندار کفن کا اس عالم اسباب میں سب کا رہے پردہ
سامان کرے گی تری تلوار کفن کا قاتل مجھے کافی ہے فقط زخم کا دامن

وحشت قیس نے کی پردہ دری لیلیٰ کی
چاک یوں پردۂ محمل نہ ہوا تھا سو ہوا
ایک اُنگلی کے اشارے نے کئے دو اے مہر
حسن نقص مہ کامل نہ ہوا تھا سو ہوا

کہیں ملتا نہیں پتا دل کا کوئی پہلو تلاش کا نہ رہا
کون ہے آپ کے سوا دل کا اُس کو اس جاں نثار سے کیا کام

ہم تو گرد کارواں تھے سب سے پیچھے رہ گئے
قافلہ ریگ رواں کا بھی روانہ ہو چکا
غل اُٹھا زنجیر سے پریوں کا دیوانہ ہے یہ
عشق میں بدنام میں خانہ بہ خانہ ہو چکا

ہم فقیروں کے بھی گھر لائی تھی ان کو سادگی
اب وہ للّٰہی بتوں کا کارخانہ ہو چکا

طوفان بپا ہے دیدۂ نم تونے کیا کیا
مجھ کو ڈبو دیا یہ ستم تونے کیا کیا

پروانہ کو ہے شمع سے کام انجمن سے کیا
تم سے غرض ہے غیروں کے بیہودہ پن سے کیا

ظلم سے بھی ظالموں کو آسرا ہو جائے گا
پیر گردوں کو مرا نالہ عصا ہو جائے گا
تنگ ہے تیرا سہارا مجھ کو اے کشتی عمر
یہ فقیر اب غرق موج بوریا ہو جائے گا
میکدہ میں محتسب تو شیشۂ و ساغر نہ توڑ
دشمن جانی ترا چھوٹا بڑا ہو جائے گا

آستان یار پر کب جبہہ سا ہو جائے گا
کب رسا اپنا یہ بخت نا رسا ہو جائے گا
کب کھلیں گے جوہر اپنی چشم حیراں کے انھیں
دیکھئے کب آئینے کا سامنا ہو جائے گا

ایسے جمے کہ ہم نے بھی نقشہ جما لیا
اٹھوا دیا رقیب کو واں بیٹھ بیٹھ کے

دل صد چاک مرا شانہ بنایا ہوتا
قابل گیسوئے جاناں نہ بنایا ہوتا

محتاج نہیں فقیر زر کا
بنتا تو ہے خاک سے بھی سونا

مرے دست جنوں کو مشغلا اچھا نکل آیا
گریباں پھٹ گیا تو دامن صحرا نکل آیا
ترے رخسار تاباں سے میں دیتا چاند کو نسبت
مگر کیا کیجئے مہتاب میں دھبا نکل آیا

تری تلاش سے باقی کوئی مکاں نہ رہا
حرم میں ' دیر میں ' بندہ کہاں کہاں نہ رہا
خوشی کو دل سے تعلق کبھی یہاں نہ رہا
سوائے غم کوئی اس گھر میں میہماں نہ رہا
ھنوز میان میں تھی وہ کہ ہم شہید ہوئے
ہمارے تیغ کے کچھ فرق درمیاں نہ رہا

شکل آئینۂ دل صاف جو پیدا کرتا وہ مجھے دیکھتا اور میں اُسے دیکھا کرتا

لےجا کے مجھے میرے مسیحا سے یہ کہہ دو
یہ ہے وہی بیمار جو اچھا نہیں ہوتا
یہ ہند ہے اے ''مہر'' یہاں پوچ بتوں کو
کیوں برہمن دیر و کلیسا نہیں ہوتا

عیب حسیں ہر اک کے نظر میں ہنر ہوا دھبا کوئی لگا تو وہ داغ قمر ہوا

کیا جانے بتو! اس میں ہے منظور خدا کیا
تم دیر میں آ بیٹھے تو کعبے میں رہا کیا
کیا مجھ پہ یہ بت' ظلم و جفا یوں ہی کریں گے
منظور ہے حق میں مرے اے بار خدا کیا

ایک صورت کبھی طالع کی نہ دیکھی ہم نے
خط تقدیر لکھا ہے عجب اُلٹا سیدھا

آنسو آتے ہیں جو آنکھوں میں تو پی جاتا ہوں
کیا تماشا ہے کہ بہتا ہے یہ دریا اُلٹا
اُن کا پردے کا اُلٹنا جو مجھے یاد آیا
دست وحشت نے مرے دامن صحرا اُلٹا

کوئی مجنوں سا نہ ہوگا کہیں برگشتہ نصیب
نجد میں جا کے پھرا ناقۂ لیلیٰ اُلٹا

آفتاب اب نہیں نکلنے کا — دور آیا شراب ڈھلنے کا
ہم بھی کھیلا کریں گے جان پر اب — شغل اچھا ہے دل بہلنے کا

پوچھے گا جو وہ رشک قمر حال ہمارا — اے مہر چمک جائے گا اقبال ہمارا
تم عرش ہلاتے ہو قدم رکھ کے زمیں پر — اس چال سے دل ہو گیا پامال ہمارا

آنکھیں نہ کیوں چرائے ابر بہار سے — افسوس جوش دیدۂ پر نم نہیں رہا

اس زیست سے اب موت بدل جائے تو اچھا
بے چین ہے دل جان نکل جائے تو اچھا
ممکن ہی نہیں یہ کہ بچے جان سلامت
اُس کوچے میں مشتاق اجل جائے تو اچھا

مر گئے ہم مسیح کے دم میں — یہ بھی اک واقعہ عجیب ہوا
میرا سر ہوگا اور اُن کے پاؤں — یہ اور اپنا اگر نصیب ہوا

مجھ کو ہے فقط اک در دولت کا سہارا
شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدا را

بیقراری روز و شب کرنے لگا — مہر اب تو دل غضب کرنے لگا

مایوس پھری آتی ہیں کیوں میری دعائیں
کیا باب اجابت پہ بھی دربان نظر آیا

عبث ہے زندگی بے سرور کیوں اے خضر
ملے تو آب بقا میں بھی تو شراب ملا

آلہی خیر ہو کیسا جواب ہے کیسا ہے
یہی سنا ہے کہ قاصد کو واں جواب ملا

رات دن سجدے کیا کرتا ہے حوروں کے لئے
کوئی زاہد کی نمازوں میں تو نیت دیکھتا

تیرگی قبر کی آنکھوں میں مرے پھرتی ہے
اور اندھیر کرے گی شب ہجراں کیا کیا
کس مزے کی دل مجروح سے شورش ہے انھیں
توڑتے ہیں مرے زخموں پہ نمک داں کیا کیا
آنکھ دی دیکھنے کو تم سے صنم دکھلائیے
اپنے بندوں پہ ہے اللہ کا احساں کیا کیا

اپنا ویرانۂ دل نور کا ویرانہ ہے
اے جنوں ذرہ ہے اک وادی ایمن اس کا
دل پر داغ پر اپنے ہے بہار تازہ
دیکھ عالم تو ذرہ بلبل گلشن اس کا

نامہ بر بیٹھ رہے تھک کے کہاں تک دوڑیں
اب تو اے باد سحر
ایک مدت ہوئی کچھ نامہ و پیغام نہیں
ہائے قسمت کا لکھا

ستم کیجئے گا جفا کیجئے گا
یہی ہوگا اور آپ کیا کیجئے گا
پھڑک کر نکل جائے گا دم ہمارا
قفس سے جو ہم کو رہا کیجئے گا
قیامت میں دیدار کا کب یقیں ہے
یوں ہی لن ترانی سنا کیجئے گا
بہت ناز پروردہ ہے دل ہمارا
ذرا لطف اس پر کیا کیجئے گا
بتو! برق ہیں دردمندوں کی آہیں
خدا کے غضب سے ڈرا کیجئے گا

احباب ہنس رہے ہیں، میں روتا ہوں زار زار
دریا کی سیر دیکھ رہے ہیں سب آشنا

ہر دم دل پر درد کا ہے اب یہی نالا
اللہ نہ ڈالے کسی بے درد سے پالا

آنکھیں بھی تجھے ڈھونڈتی ہیں دل بھی ہے مشتاق
تو آنکھ کا تارا ہے تو ہے گھر کا اُجالا
سونگھی ہے وہ خوشبو کہ دماغ اب نہیں ملتا
ان گیسوؤں والوں نے بلا میں مجھے ڈالا
آغوش میں ہو شوخ حسیں چاندنی شب ہو
اللہ کرے ''مہر'' بنے چاند کا ہالا

محبت کا جو پتلا ہے مرا دل ہے مرا دل ہے
مبارک ہو تمھیں صاحب غلام با وفا پایا
یہ شان بے نیازی ہے کہ وارستہ کیا مجھ کو
طبیعت بے غرض پائی دل بے مدعا پایا
نمک چھڑکا نہ آخر اے دل مجروح ظالم نے
ستم کا ذائقہ چکھا محبت کا مزا پایا
چراغ دیر میں شمع حرم میں تیرا جلوہ ہے
تجھی کو ہر جگہ دیکھا تجھی کو جا بجا پایا
جلاؤں طور پر گھی کے چراغ اے حضرت موسیٰ
لب بام آج دیکھا اُن کو دل کا مدعا پایا

وہ تو کہتے ہیں صبر کر چندے — اور یہاں صبر کر نہیں آتا
رنگ لایا نہیں ابھی رونا — ابھی لخت جگر نہیں آتا
یار کوٹھے پہ اپنے چڑھتا ہے — مہ فلک سے اُتر نہیں آتا

پڑےگا داغ کہاں دل کے پڑ گئے لالے
ہوئی بہار سے پہلے یہاں خزاں پیدا
بت فراق میں ایذائے درد سر ہے مجھے
کروں کہاں سے ترا سنگ آستاں پیدا
بچیں نہ دست جنوں سے جو پانؤں میں باندھوں
کروں کہاں سے گریباں کی دھجیاں پیدا

بگڑ نہ ہم سے ' نہ منھہ شوخ بے حجاب بنا
ہماری آنکھہ کے پردے کو اب نقاب بنا

بہت برہم ہوا صیاد سن کر نالۂ و افغاں
غضب ہے ہم صفیرو یاد بھی کرنا وطن اپنا

ہوتا ہے کوئی کام نہ دنیا کا نہ دیں کا
اللہ بتوں نے ہمیں رکھا نہ کہیں کا

کیا کہوں تجھہ سے حال زار اپنا — ناصحا ! دل ہے بے قرار اپنا
شب تار فراق صورت صبح — ہے گریبان تار تار اپنا
ہائے دامن نہ اُس کا ہاتھہ آئے — ہو گریبان تار تار اپنا

اس اُمید پہ اک عمر رہا تھا عریاں — کاش مجنوں کا کفن پردۂ محمل ہوتا

خاک پر آپ کے کوچے کے تڑپتا ہوں میں — دیکھنے آکے لب بام تماشا میرا
جی بھر آیا ہے جو دیکھا کبھی پہلو خالی — نہیں معلوم کہاں ہے دل شیدا میرا
اے صنم تکیۂ زانو ہو ترا مجھہ کو نصیب — رکھے اللہ جہاں میں یہ سہارا میرا
چلتے چلتے یہ قیامت تھا اشارا اُن کا — یاد رکھئے گا ذرا وعدۂ فردا میرا

ایک صورت پہ نہ دیکھا فلک پیر کا حال — رنگ ہر روز بدلتا ہے یہ کیّاد نیا

کچھہ کفن کی مجھہ بیاباں مرگ کو حاجت نہیں
مجھہ کو کافی اے جنوں دامان صحرا ہوگیا
آسماں پر تھا دماغ آفتاب صبح حشر
داغ سینے کا مرے چمکا کہ تڑکا ہوگیا

ہم تو تب جانیں گے ہم سے اب ہوا راضی خدا
وہ بت نا مہرباں جب مہرباں ہوجائے گا

دشت پیمائی کا زمانہ گیا — پاؤں میں کوئی آبلہ نہ رہا

آپ سر کاٹ کے قدموں پہ ترے رکھ دیتا — میری گردن پہ نہ تلوار کا احساں ہوتا

بھلا قابل قتل ہم تھے کہ غیر — ترا ہاتھ قاتل برا پڑ گیا

نذر سنگ کو دکاں وحشت میں اپنا سر ہوا — درد سر جاتا رہا اچھا ہوا بہتر ہوا
اپنے سر پر کاہے کو احسان لوں فصاد کا — خار صحرا ہر رگ پا کو مرے نشتر ہوا

اُسے اے جذب دل لایا تو ہوتا — ہمارے کام بھی آیا تو ہوتا
جگر پھٹتا ہے جب کہتا ہے ناصح — گریبان تم سے سلوایا تو ہوتا
نہ آیا پوچھنے تو مرگئے ہم — ارے کچھ دل میں شرمایا تو ہوتا

شکر خدا کہ ہجر کی شب آئی بے طلب
مدت سے ہمنشیں ! میں تلاش اجل میں تھا
واللہ سچ یہ ہے کہ بتوں کا نہیں قصور
دل ہی ہمارا دشمن جانی بغل میں تھا

گردش میں بھی اعلیٰ کو ہے ادنیٰ سے ترقی — ہم مرتبۂ چرخ بگولا نہیں ہوتا
یاں دخل کدورت نہیں ویرانۂ دل میں — پیدا مرے صحرا میں بگولا نہیں ہوتا

مجھ کو کاوش میں جنوں کے رہی ثابت قدمی
پاؤں ٹھہرا تو سر خار مغیلاں ٹھہرا

چشم بد دور اب ترقی پر ہے حسن
تیر مژگاں بڑھ کے برچھی ہو گیا

کیا غضب درد اِدھر اور اُدھر سے اُٹھا — دل پہ رکھا جو کبھی ہاتھ جگر سے اُٹھا
دیر میں اُس کا ٹھکانا ہے نہ کعبے میں جگہ — وہ کہیں کا نہ رہا جو ترے در سے اُٹھا

ہم کو سمجھائیں نہ آکر ناصح | یہ کسی نے اُنھیں سمجھا نہ دیا
شمع رویوں نے جلایا کیا کیا | دل دیا تو دل پروانہ دیا

ایک سے ہے ایک بڑھ کر داغ کیا ناسور کیا
میں کروں تیرا علاج اب اے دل رنجور کیا
اک خرام ناز سے ہے دو قدم چلنے کی دیر
آپ کے نزدیک ہے روز قیامت دور کیا

دیکھنا محتسب آیا تھا سوئے مے خانہ
شیشے ٹوٹے ہیں تو دل بھی کوئی ٹوٹا ہوگا
کوئی تقدیر کے لکھے کو نہیں پڑھ سکتا
ہو رہےگا مری قسمت میں جو ہونا ہوگا
چین سے یار کے جلسوں میں گزرتی ہوگی
کچھ خدا تو نہیں وہ بت ہے جو تنہا ہوگا

مجبور کردیا مجھے معذور کردیا | کیا عشق کر کے اے دل رنجور کردیا
دل لے گئے بتو، ہمیں مجبور کردیا | تم کو خدا نے صاحب مقدور کردیا
پہونچاکے خلد کوچۂ جاناں میں عشق نے | ہم کو شہید ناز اُسے حور کردیا

وہ بس گالیاں مجھ کو دیتا رہا | بہت ذکر خیر آج میرا رہا
ستم جان پر دل لگی کا رہا | میں جیتا رہا تو بھی مرتا رہا
جگر خوں ہوا دل ہوا پاش پاش | غم عشق مجھ میں بس اب کیا رہا
طلسمات آنکھوں سے دیکھا کیا | یہ دنیا کا عالم تماشا رہا

جاتے ہیں آپ اور برا حال ہے مرا | آتے جو اب تو موت کو اچھا بہانہ تھا
کعبے کا احترام خدا ساز ہوگیا | اُس وقت میں کہاں یہ ترا آستانہ تھا
دیر و حرم میں کیا تھا اگر ہم سے پوچھئے | شایان سجدہ یار ترا آستانہ تھا
کنج قفس میں شکوۂ صیاد کیا کروں | اُس کا قصور کیا ہے مرا آب و دانہ تھا

آستان یار ٹھہرا جبہہ سائی کے لئے
شکر کے سجدے کریں مطلب ہمارا ہوگیا

ب

بدلی جو آنکھ، آپ کی اس کا عجب نہیں
اک طور پر ہے گردش لیل و نہار کب

اے شیخ میں کافر ہوں نہ کافر دل بے تاب
رکھتا ہے شرف قبلہ نما پر دل بے تاب

آپ کا افسانہ ہے ورد زبان عندلیب
پھول جھڑتے ہیں ذرا سنئے بیان عندلیب

دن ڈھلے تو شام کو آئے نظر وہ ماہ رو
کب تلے گا ہوگیا چھاتی کا پتھر آفتاب

خط لے کے واں گیا بھی پھر آیا بھی نامہ بر
لکھا مرے نصیب کا اُس نے لکھا جواب
لکھنے کے قابل ایک یہ شوخی ہے یار کی
جو خط کوئی نہ پڑھ سکے اُس میں لکھا جواب
قاصد کے آتے آتے یہاں موت آگئی
اپنا جواب نامہ ہوا نامے کا جواب
پروا اُنہیں نہیں تو ہمیں بھی نہیں غرض
بے اعتنا کا ہے دل بے مدعا جواب

پ

قیس کچھ، خیر تو ہے اپنی طرف دیکھ ذرا
دم نکل جائے گا یوں دیکھ کے محمل نہ تڑپ

ت

آج پھر ہجر کا دن آیا کہ بے چین ہے دل
کل تو ٹھہرا تھا ذرا دردجگر رات کی رات

دل لیں یہ بتاں بے وفا کی قدرت
اللہ کی شان ہے خدا کی قدرت

اے "مہر" تپ ہجر میں ہے قہر شب ہجر
مشہور ہے بیمار پہ ہوتی ہے کڑی رات

دونوں اُسی کے بندے ھیں یکتا ھے وہ کریم
کوئی ھے بت پرست کوئی ھے خدا پرست
اُن کی طبیعت اور ھمارا مزاج اور
وہ ھیں جفا پرست تو ھم ھیں وفا پرست

یہ نامہ ، نامہ بر ! یہ زبانی پیام ھے رھئیے نہ میرے حال سے یوں بےخبر بہت
چبھنے لگیں نگاہ میں چلمن کی تیلیاں دیدار کو ترس گئی صاحب نظر بہت

شب فرقت کا گلہ وصل میں کیا حضرت دل
خون گھٹتا ھے مرا رنج بڑھاتے ھو عبث
لب جاں بخش سے لو کام مسیحائی کا
ٹھوکریں مار کے مردوں کو جلاتے ھو عبث

ج

قرآن اپنے عشق پہ اُٹھوایا یار نے
ضامن خدا ھوا ھے بت و برھمن میں آج
کل اس میں ھوگا فرق زمیں آسمان کا
اللہ اتفاق ھے کیا جان و تن میں آج
میں دل برشتہ " مہر " ھوں تم رشک ماہ ھو
حاجت نہیں ھے شمع کی کچھ انجمن میں آج

ح

جہاں نہ ھو کوئی باتوں کو جی لگے کہاں خاک
رھی سوال نکیرین تک مزار میں روح

خ

تن بے روح میں روح آتی ہے دیکھے سے اُسے
ملنھ پہ عیسیٰ کے میں کہہ دوں کہ مسیحا ہے وہ رخ

ر

اپنا تو ہے ازل سے ابد تک یہی کلام
ہم مطمئن نہیں کبھی اس بود و باش پر
صیاد ذبح کرنے سے پہلے تراش پر
بھولوں گا میں نہ یاد چمن بعد مرگ بھی

نہ سمجھیں اپنے کو بے مثل یوسف کنعان
خدا کے فضل سے ہیں آپ انتخاب نظر

''مہر'' اُس بت کے نہیں دل میں ذرا خوف خدا
نزع میں جاتا ہے مجھ کو دشمن دیں چھوڑ کر

نکلے جو یہ حرم سے تو دل چھین لے گئے
اللہ ان بتوں میں بھی قدرت ہے کس قدر
صدمہ ہے دل پہ جان ہے اپنی عذاب میں
ناصح کی ناگوار نصیحت ہے کس قدر
اک جام کے لئے ہے یہ کیفیت ابر کی
اُس کے گناہ گاروں پہ رحمت ہے کس قدر
دیتے ہیں طول قصہ گیسوئے یار کو
ہم کو شب وصال کی حسرت ہے کس قدر

دل میں مرے جگہ ہے تمہاری جناب عشق
ٹھہرو زمین پر نہ کہیں آسمان پر
پھیلکی ہے بام یار پر مجھ زار نے کمند
ہے کہکشاں کا سب کو یقین آسمان پر
ذی رفعتوں کا بار اُٹھاتے ہیں سر بلند
قائم ہوا ہے عرش بریں آسمان پر

کرسی جو بام پر ہے تو کرسی پہ یار ہے وہ عرش پر ہے عرش بریں آسمان پر

کیا کہوں میں کہ وہ کیا ہوگئے ہیں کیا ہوکر
''مہر'' کی جان کے دشمن ہیں مسیحا ہو کر

میں وہ نہیں جو صدمۂ فرقت اُٹھا سکوں
ہاں دل ستائیے تو ذرا دل کو دیکھ کر

ز

صبح محشر بھی ہوچکی اے ''مہر'' شمع تربت ہے اشک بار ہنوز

ش

مبارک پادشاہوں کو رہے تخت گدا بھی ہیں بچھائے بوریا خوش
اگر ایمان کی پوچھو تو یہ ہے بتو میں تم سے خوش میرا خدا خوش

ط

ممکن نہیں کہ دیر و حرم میں یہ سر جھکے
ہے سجدہ گاہ آپ کا نقش قدم فقط
مذکور سوز دل میں ہیں آتش زبانیاں
روشن ہے اپنے بزم میں شمع حرم فقط

غ

آباد ہوگئے مرے پہلو اِدھر اُدھر ہے یار کی عوض مرے دل میں مقام داغ

ق

بوسۂ لب کے ہیں مشتاق تمہارے عاشق
اب تو جیتے ہیں مسیحا کے سہارے عاشق

ک

اقرار یہ ہو——قرار کب تک جبر اب کریں اختیار——کب تک

ذرا سننے تو دو فصل بہاری کی خبر ہم کو
قفس اُڑتا ہوا جائے گا صیاد و گلستاں تک
لئے پھرتا ہے کیوں صحرا بہ صحرا اے جنوں مجھ کو
میں دیوانہ حسینوں کا ہوں چل یوسف کے زنداں تک

ل

تیز ہے تیغ نگہ کا اُن کے خنجر آج کل ذبح لاکھوں ہوگئے اللہ اکبر آج کل

صدقے کیا تھا کیا کوئی تم سے چھپائے دل
حاضر ہے میری جاں اگر کام آئے دل
یہ کون سا مرض ہے مجھے اے مرے مسیح
سارے قوا صحیح ہیں اپنے' سوائے دل
گھٹ گھٹ کے رنج ہجر سے پہلو میں خوں ہوا
اُس بے وفا نے ہائے نہ دیکھی وفائے دل
صحت اگر ہوئی تو وہیں ہوگی اے مسیح
دولت سرائے یار ہے دارلشفائے دل

تجھ سا مرے پہلو میں بلا دشمن جاں ہے
میں اُف نہیں کرتا یہ ہے میرا جگر اے دل

چھٹوا نہ ارے خاک ہمیں دیر و حرم کی
کاہے کو پھراتا ہے عبث در بدر اے دل

م

زاہد برا نہ مانیں گے اس بد دعا سے ہم
ہوں بت پرست چاہتے ہیں یہ خدا سے ہم
تیغ نگہ نہ تیر مژہ نے کیا ہلاک
ہاں مرگئے ہیں آپ ہی اپنی قضا سے ہم

تدبیر میں تقدیر کی صورت نظر آئی مختار کو آئینہ ہے مجبور کا عالم

یہ دعا کعبے میں کرتے ہیں کہ اُس بت سے
تیرے دروازے پر آکر اے خدا بیٹھے ہیں ہم

درد ہم کو ہوا دوا ہمدم ! اور للہ دل دکھا ہمدم

چھوڑیں گے گریباں کا نہ اک تار کبھی ہم
بیٹھیں گے جنوں میں تو نہ بیکار کبھی ہم

ن

مجھے پامال کرنے کی قیامت ہے خوشی اُن کو
وہ ٹھکراتے ہیں میرا سر، قدم جس دم اُٹھاتے ہیں

اُسی کوچے میں جا بیٹھیں گے کیسا دیر، کعبہ کیا
دل اب دونوں سے اے ہندو مسلماں ہم اُٹھاتے ہیں
رفو کے واسطے کب تک قدم رنجہ کریں ناصح
تجھی سے ہاتھ آخر اے گریباں ہم اُٹھاتے ہیں

دل کا نیرنگ ہے اک قطرہ خوں کا پھیلاؤ
اسی ویرانے میں ہم لطف چمن رکھتے ہیں

ہم پیار کی نظروں سے اِدھر دیکھ رہے ہیں
وہ قہر کی آنکھوں سے اِدھر دیکھ رہے ہیں
کیوں مجھ کو وہ بھر بھر کے نظر دیکھ رہے ہیں
دل تاک رہے ہیں کہ جگر دیکھ رہے ہیں
وہ جھانکتے ہیں چاک در بام سے اپنے
دیوانے گریبان سحر دیکھ رہے ہیں
اُس بت کی ہمیں دید کا کیا لپکا ہے اللہ
پتھرائی ہوئی آنکھیں ہیں پر دیکھ رہے ہیں
زلفیں رخ پُر نور کی لے لیتے ہیں بوسے
منھہ تیرا ہم اے رشک قمر دیکھ رہے ہیں

ملا کروں کف افسوس اور سر پیٹوں
جو پانؤں تک ترے پہونچے وہ اپنا ھاتھ نہیں

خدا کریم ہے اُس سے تو ہے اُمید نجات
زبان واعظ مغرور سے نجات نہیں

اور مصروف و تماشا کوئی دم بھر میں ہوں
محو نظارہ قاتل تہ خنجر میں ہوں
رونق بزم جفا کار و ستمگر میں ہوں
سر بہ‌کف شمع کے مانند سرا سر میں ہوں
دل پر خوں سے ہے کیفیت چشم پر خوں
ہر گھڑی پاس لئے شیشہ و ساغر میں ہوں

قبائے گل ، تر کلاہ شگوفہ یہ کپڑے اُنھیں کے اُتارے ہوئے ہیں

نگاہ لطف کے اُمید وار ہم بھی ہیں کبھی ملاؤ تو ہم سے بھی مہرباں آنکھیں

اِک خدائی ہے تمہارے جانب اے بتو! نام خدا دیکھتے ہیں
دیکھ لیں نبض ٗ جناب عیسیٰ ہم کہاں روئے شفا دیکھتے ہیں

یہاں آکر کریں کیا یاس و اُمید دل بے مدعا ہے اور میں ہوں
ملا جو خاک میں قدموں سے چھٹ کے وہ تیرا نقش پا ہے اور میں ہوں
ذرا آنے تو دے روز قیامت صنم تو ہے ٗ خدا ہے ٗ اور میں ہوں
ستم ہے ٗ ظلم ہے ٗ اُن کی طرف سے محبت ہے ٗ وفا ہے ٗ اور میں ہوں

لازم تھا عشق ہم کو ٗ نہ تھا گو سرشت میں
عنوان رہ گیا تھا خط سر نوشت میں

اُن کی گلی سے اُٹھا تو جاؤں گا دیر کو
ناصح کرے گا مجھ کو نصیحت کہاں کہاں
دیر و حرم میں ٗ میکدے میں ٗ کوئے یار میں
سمجھے ہیں رند ٗ فرض عبادت کہاں کہاں

ہم تو مہمان کوئی دم کے ہیں دم ٹوٹ چکا
آ! تجھے دیکھ لیں اے وعدہ شکن ٗ جاتے ہیں
ہم بھی دیوانے ہیں ٗ دامان بیاباں مددے
ترے ہوتے ہوئے محتاج کفن جاتے ہیں
"مہر" اس وادیٔ غربت کا عجب عالم ہے
منہہ چھپائے ہوئے یاران وطن جاتے ہیں

اے کوہکن! تجھی کو مبارک ہو ٗ بے ستوں سر پھوڑیں خاک ہم کہ وہ دیوار ہی نہیں
سچ بات میں بھی لوث تعلی نہ چاہئے حق گوئی کا مدار سر دار ہی نہیں

جی نہیں لگنے کا اپنا خلد کے گلزار میں
نعش مدفن میں رہے گی ٗ روح کوئے یار میں

حسن آفت خیز کی ، فرہاد کے ماتھے گئی
خون کا دھبا لگایا دامن کہسار میں

آپ سر کاٹ کے قاتل کے قدم پر رکھ دوں
پانؤں گر معرکہ عشق سے ٹل جائے کہیں

گو اِدھر کی اُدھر خدائی ہو بت نہ بولیں کبھی ، نہ بولے ہیں

جس کا گھر دل میں ہے ، وہ آتا ہے فرش کر دیجئے ہر سو آنکھیں

چوم لیتے ہیں وہ آئینے میں آنکھیں اپنی
لب مسیحائی کریں گے کہ ہیں بیمار آنکھیں

غریق بحر غم ہوں شعر تر اے "مہر" کیا کہنا
کرے کیا خاک کوئی ڈوب کر تقریر پانی میں

دل میں ہونے لگا حضور کا گھر آپ سانچے میں ڈھلتے جاتے ہیں

آپ اپنے واسطے کیوں رنج و غم جانا کریں
آپ چاہیں غیر کو ، صاحب کو ہم چاہا کریں

نام کو باقی ہے بس میرا نشاں ہم صفیرو تم میں عنقا میں بھی ہوں
اب کہاں جاؤں یہ دامن چھوڑ کر ضعف سے اک خار صحرا میں بھی ہوں

آج کل سے کچھ وبال دوش پیراہن نہ تھا
ناصحا ! ہم کو ازل سے فکر عریانی نہیں

صبر ہم بے قرار کرتے ہیں جبر یہ اختیار کرتے ہیں

اُس کو چاہیں گے جو چاہے گا ہمیں   جم گئی ہے یہ ہمارے دل میں
بدگماں ہم سے عبث رہتے ہو   ڈالیں دل کیسے تمہارے دل میں

جنت کا ذکر جانے جہنم میں واعظو   یہ تو بتاؤ پاؤں گا اُن کا مکاں کہاں

اُن ہونٹوں کے بوسے کا مزا پائے ہوئے ہیں   پیار آیا ہے، منہ تکتے ہیں، للچائے ہوئے ہیں

کچھ مسیحا کی احتیاج نہیں   درد دل قابل علاج نہیں
دن بہ دن ہے کمی محبت میں   جو طبیعت تھی کل، وہ آج نہیں
درد سر جتنا کم ہو بہتر ہے   مجھے پروا نہیں جو تاج نہیں

تیرے دیوار سے سر پھوڑتے ہیں، اے ستم پیشہ
کبھی تو رحم آجائے گا، قسمت آزماتے ہیں

تم ذرا چشم نمائی کر دو   شوخیاں ہم سے ہرن کرتے ہیں

اُنہیں کیوں کر یقیں آئے مرے دل کے دھڑکنے کا
ٹھہر جاتا ہے دل جب ہاتھ، وہ سینے پر دھرتے ہیں
تمہارا دم سلامت ہے تو کچھ، پروا نہیں ہم کو
مسیحا کیا ہیں؟ تم جیتے رہو ہم تم پہ مرتے ہیں

رنگ اب جمائیں گے چمن کوئے یار میں   اے عندلیب ایک ہیں ہم بھی ہزار میں

بات بگڑی ہوئی بناتے ہیں   اُن کو رو رو کے ہم ہنساتے ہیں

پردہ دار گریۂ بے اختیاری فقر ہے   برق ہے ابر سیہ میں اور میں کمل میں ہوں

مٹی مری ٹھکانے لگے کوئے یار میں   اے زاہدو! نصیب ہو باغ ارم تمہیں

کون ہے جو نہیں بتوں کی طرف　　اب ہماری طرف خدا بھی نہیں

دیر و حرم کی سنگ میں ہے جلوۂ سراب
کیوں کر کہوں وہ بت ہی خدا ہے خدا نہیں

و

خدا کے واسطے صاحب نہ پہلو سے مرے سرکو
مرا دل بیٹھ جاتا ہے جو تم اُٹھتے ہو دم بھر کو

ضبط رونے کا کروں ہنستے ہیں غیر　　چشم پر نم اب تو جو کچھ ہو سو ہو

صدقے کیا تھا خلد بریں کی بہار کو　　آباد رکھے "مہر" خدا کوئی یار کو
تاروں سے اپنی آنکھ نہ جھپکے گی حشر تک　　آنکھوں میں کاٹ دوں گا شب انتظار کو

وحدہ لاشریک کی ہے قسم　　اے صنم! تم بتوں میں یکتا ہو
صبح اُٹھ کر اُنہیں کا منھ دیکھوں　　شب فرقت کا جلد تڑکا ہو

موسیٰ کا تو احوال زمانے کو ہے معلوم　　دیدار کا وعدہ ہے مگر دیکھئے کیا ہو

کعبہ چھوڑا بتوں نے دل کے لئے　　بہ خدا سچ ہے کیا مکاں ہے یہ

ے

جان دی آخر دل بیمار نے　　مار ڈالا اشتیاق یار نے
میں بھی اک کافر کے پھندے میں پھنسا　　ڈورے ڈالے رشتۂ زنار نے
اُس مسیحا سے چلو پوچھوا دیں ہم　　کس کو چھوڑا عشق کے آزار نے
حضرت منصور سے کاوش نہ تھی　　حق یہ ہے رتبہ بڑھایا دار نے

کچھ علاقہ نہیں اب حضرت دل سے ہم کو
تم سے کیا کام تھا ان کو جو ہمارے ہوتے

عشاق میں فروغ نہ تھا اس قدر مجھے چمکا رہا ہے ''مہر''! یہ داغ جگر مجھے

کرتے ہیں بے وفاؤں کے بھی ساتھ ہم وفا
گو ہم میں سارے عیب ہیں' پر یہ ہنر بھی ہے

ہم تو دکھ درد کو ہیں جھیل ہی جانے والے
خوش رہیں' شاد رہیں' دل کے دکھانے والے

صورت ہو دل لگی کی وہ تدبیر چاہئے آنکھوں کے سامنے تری تصویر چاہئے

کوچے میں جو اُس شوخ حسیں کے نہ رہیں گے
تو دیر و حرم کیا ہے؟ کہیں کے نہ رہیں گے
ہم ڈھونڈھتے پھرتے ہیں تجھے دیر و حرم میں
گر ہے یہ تمنا تو کہیں کے نہ رہیں گے

ہو گیا سوکھ کے کانٹا تنِ زار پیرھن جسم پہ کیوں کر ٹھہرے

زرد ہے عشق سے رنجور نظر آتا ہے توبھی اے ''مہر'' بہت دور نظر آتا ہے

ہم دکھا دیں گے لالہ زار ابھی دل تو ہونے دو داغ دار ابھی

دست سبو کو تھام کے کہتے ہیں بادہ نوش
بس اپنی آبرو فقط اب تیرے ہاتھ ہے

وہ پادشاہ حسن ہے جوہر نمائے فکر اسکندر آئینہ ہے' ارسطو کے واسطے

اک ہوا ہی بندھی رہے ہمدم　　کیوں عبث آہ بے اثر کیجے

———

کہتے ہیں مریضوں کو ترے دیکھ کے عیسیٰ
مرتے ہیں نہ جیتے ہیں یہ بیمار ہیں کیسے

———

منہ پیٹ رہا ہوں اپنا اے جان　　جیسے کہ تو روبرو نہیں ہے

———

فکر کیفیت ہستی ہو توخم خانے میں　　جام جم ' کاسۂ زانوے فلاطوں ہو جائے

———

حرم سے دیر میں جانا ہے ناگوار مجھے
بتوں کا اب نہیں واللہ اعتبار مجھے
بھلا میں جبر کروں کس طرح سے اے ناصح
کہ اپنے دل پہ نہیں کچھ بھی اختیار مجھے

———

ان دنوں کچھ تاب و طاقت صاف زائل ہوگئی
بستر غم پر مجھے کروٹ بھی مشکل ہوگئی

———

ساقی وہ آج ہے ' نہ وہ پیمانہ آج ہے
جو کل کا ماجرا تھا سو افسانہ آج ہے
دیکھا تھا جن کو بزم میں کل ہم نے ہمنشیں !
وہ شمع آج ہے ' نہ وہ پروانہ آج ہے

———

ذکر جاناں کر ! جو تجھ سے ہو سکے　　واعظ ! احساں کر ' جو تجھ سے ہو سکے

———

بس یہ سمجھے کہ نہ سمجھا کچھ تو　　تجھ سے ناصح ! ہمیں بہتر سمجھے
اس تڑپنے سے ہوا کیا حاصل　　کاش اب بھی دل مضطر سمجھے

———

زندگی چاہے تو چندے عشق سے پرہیز کر
ماں ! کہنا ' گر دل بیمار تجھ سے ہو سکے

ان کو آزردہ کیا غیر سے لڑوا کے ہمیں
سوجھی اے چرخ کہیں تجھ کو یہ تدبیر نئی

خو کردۂ چمن ہوں بس اب جی رہے کہ جائے
گلزار اپنے خوں سے ہے کرنا قفس مجھے

مجھ سے آباد ہے صحرائے عدم دیکھ اے قیس یہ بن اپنا ہے

ہاتھ سینے پر ذرا رکھو جگر میں درد ہے
پاؤں پڑ لینے دو صاحب مرے سر میں درد ہے

ہے ثبات اس کو تپ غم جو چھپی رہتی ہے
خوب رہتی ہے اگر آگ دبی رہتی ہے
"مہر" سب کھیل زمانے کا بگڑ جاتا ہے
شاعروں کی فقط اک بات بنی رہتی ہے

آیا نہ یار، موت مرا کام کر گئی ناکام ہی رہا میں قضا کام کر گئی
زاہد نے بھی نماز کو اپنی قضا کیا واللہ ان بتوں کی ادا کام کر گئی
زاہد کی آنکھ میں تو برہمن کے دل میں ہے تصویر بت بھی نام خدا کام کر گئی

دل پک گیا مرا، تری باتوں سے ناصحا! منصف ہو تو ہی اب کسے سودائے خام ہے

محشر میں کہوں گا میں بتو! اپنے خدا سے دنیا میں مرے درپے آزار یہی تھے

آج وہ آتش زبانی کیا ہوئی آہ شمع بزم بھی خاموش ہے

چشم مے گوں نے مار ہی ڈالا زہر تھا ساقیا! شراب میں ہائے

یاد آتا ہے دل پر خوں بہت اپنا مجھے
ساقیا ! بس اب نہ دکھلا صورت مینا مجھے

اے دل ! اب نالۂ جاں کاہ نہ منھ سے نکلے
دم نکل جائے مگر آہ نہ منھ سے نکلے
یا خدا یاد نہ آئے مجھے بت خانہ کی
نام بت اب کبھی اللہ نہ منھ سے نکلے
مجھ کو افشا نہیں منظور ' خبر دار ! کہیں
راز پنہاں دل اگاہ نہ منھ سے نکلے

موج صبا کے ساتھ ہے زنجیر اے جنوں　　فصل بہار آئی ہے کس اہتمام سے

سب سے کہہ دیں گے ہم کہ عشق صنم　　اب کوئی بندۂ خدا نہ کرے
تابکے اشک سرخ و چہرۂ زرد　　عشق نیرنگیاں کیا نہ کرے
زیر ابرو ہے پنجۂ مژگاں　　کیوں حرم میں کوئی دعا نہ کرے

سب سے بیاں کرے نہ مزے دل کی ٹیس کے
بھردوں دہاں زخم ' نمک پیس پیس کے

آنکھیں کھلیں ہیں راہ میں تکتا ہوں میں اسے
صورت ہے پتلیوں میں شب انتظار کی
کلیاں نکل چکیں تو ہوے دام میں اسیر
دل میں ہمارے رہ گئی حسرت بہار کی

بے درد ! عبث ' شیشۂ مے ' سنگ سے توڑا
کیا فائدہ ؟ اے محتسب ! اس دل شکنی سے

شور بلبل سے گل کے کان کھلے　　نالہ ' اک بے اثر ہمارا ہے
داغ لیتے ہیں دل کو دیتے ہیں　　دیکھئے کیا جگر ہمارا ہے
کیا عجب ہے جو سنگ اسود کو　　بت کہیں سنگ در ہمارا ہے

حضرت عشق کیا کیا دل کو قبلہ کعبہ کدھر ہمارا ہے

جو حال ہے اپنا انہیں کیا اُس کی خبر ہے
نالوں میں ہے تاثیر نہ آہوں میں اثر ہے
پہلو میں ہمارے ، وہ اِدھر ہے نہ اُدھر ہے
دل میں ہے اُدھر درد اِدھر درد جگر ہے

دکھلا رہے ہیں خار بیاباں، زبان خشک نادم ہوں اپنے آبلۂ پا کو پھوڑ کے

انسان سے مطلب ہے ہمیں، حور سے کیا کام واعظ یہ طبیعت جدھر آئی ادھر آئی
دل ٹوٹ گیا شیشۂ مے کو جو لگی ٹھیس خالی جو ہوا جام مری چشم بھر آئی
اک شہر خموشاں کبھی ویراں نہیں ہوتا آباد ہمیشہ یہی بستی نظر آئی

تا قیامت یوں ہی محروم رہوں گا میں بھی
جانتا ہوں یہ ترا وعدۂ فردا میں بھی
آمد آمد ہے گلستاں میں بہار آتی ہے
اے جنوں چلنے کو ہوں جانب صحرا میں بھی

صاحب ! حجابِ چہرۂ روشن ، اٹھائیے بے پردہ منہ دکھائیے چلمن اٹھائیے

کفر سے قائم ہے اے زاھد بِنا اسلام کی سب حرم والے ہیں واقف دیر کی بنیاد سے
بارہا پھونکا ہے ہم نے آپ اپنا آشیاں گرمئی صحبت رہی ہے مدتوں صیاد سے

فرہاد میں نہیں ہوں جو تدبیر چاہئے سر پھوڑنے سے فائدہ ؟ تقدیر چاہئے
عرش خدا ملے وہ بت سنگ دل ہے کیا البتہ آہ و نالہ میں تاثیر چاہئے
دیوانگی کی قید ہے پابندئی جنوں رہنے کو اپنے خانہ زنجیر چاہئے

آنکھیں دکھا کے نزع میں مسرور کیجئے پیمانۂ حیات کو ساغر بنائیے

آجائے کبھی مرے ویرانے کی طرف   دشت جنوں کو وادئی ایمن بنائے
اے ''مہر'' کیجئے فلک دوں سے کیا گلہ
کیوں چھیڑ کر کمینے کو دشمن بنائے

یوسف کی خریداری میں پڑ جائیں گے رخنے
اس شوخ نے گھر کی سر بازار نکالی

اب تو ہر بات میں اک بات ہے سبحان اللہ
گفتگو میرے مقابل کبھی ایسی تو نہ تھی

حوروں کی تجلی ہے، حسینوں کا تصور   ہر دل پر داغ میں جنت کا مزا ہے

جذب دل! یار کو مضطر کر دے   مجھ کو اور اس کو برابر کر دے
جبہ سائی تو ہو اُس در پہ نصیب   کاش ایسا ہی مقدر کر دیے
سامنا ہے بت سنگیں دل کا   یا خدا دل مرا پتھر کر دیے

گھر میں بیٹھا ہوں مگر دل ہے کسی کے ہمراہ
کس طرح کا یہ سفر ہے؟ یہ حضر کیسا ہے؟

میں کشور عدم میں پہنچا ہوں ہو کے بسمل
طے کی ہے میں نے اول منزل تڑپ تڑپ کے
اللہ رے بےقراری، اللہ رے بےقراری
کیا جانے کیا کرے گا اب دل تڑپ تڑپ کے

مجھ کو ہر ذرے پہ دھوکا ہوگیا خورشید کا
جزو میں جو دیکھا وہی کل میں نظر آیا مجھے

اپنے دل کا ہے مجھے درد جناب ناصح   آپ خاموش رہیں آپ کا کیا جاتا ہے
یا تو آنا ہے وہی یا ہمیں دنیا سے چلے   آج ہی کل میں جو ہونا ہے ہوا جاتا ہے

ان حسینوں کے خریداروں میں ہیں سب خاص و عام
انجمن میں شمع ہے ' یوسف سر بازار ہے
بندہ پرور ! ہم تو سنتے تھے مسیحا آپ کو
تم نے تو یوں بھی نہ پوچھا یاں کوئی بیمار ہے

وہ آئیں تو آئیں ' جو مسیحا ہوں تو کہہ دو
عاشق ہے یہ بندہ ' کوئی بیمار نہیں ہے
پہلو تہی اب دل بھی کیا کرتا ہے مجھ سے
اے جان ! مرا کوئی طرف دار نہیں ہے
مجھ سے تو نہ ہو دل شکنی جان بھی جائے
وہ سہل نہیں مجھ کو یہ دشوار نہیں ہے

آنکھوں سے ابرؤوں سے اشارے ہیں یار کے
پی لو شراب طاق سے شیشہ اُتار کے
ہوں اب شب وصال کی گستاخیاں معاف
مجبور ہیں کہ ہم نہ رہے اختیار کے

ان بتوں سے کسے اُمید ہی ہونا کیا ہے
مرا اللہ تو ہے پھر مجھے پروا کیا ہے
خط بھی ان کا کوئی قاصد نہیں لایا اب تک
مری تقدیر میں کیا جانئے لکھا کیا ہے

مرے گھر میں قدم رنجہ کیا تو سرفرازی کی
نوازش ہے ' کرم ہے ' مہربانی ہے ' عنایت ہے

زندگی ہے محال عاشق کی
لاکھ میں شاید ایک جی نکلے

غیر کی لاش نکلتی ہوئی دیکھوں یارب
پھول قبروں پہ چڑھاؤں تو یہ کانٹا نکلے

جو ظاہر میں خموشی ہے تو دل میں خاک اُڑتی ہے
خداوندا ! وہ بت پتھر کا یا تصویر ہے گل کی

دل میں ترے جگہ صنم خوب رو رہے
کعبہ وہ ہے خدا کی قسم جس میں تو رہے

کدھر کا چاند ہوا '' مہر '' کے جو گھر آئے
تم آج بھول پڑے ' کس طرف ؟ کدھر آئے
وہ قتل عام پہ لو آستین چڑھاتے ہیں
مسیح چرخ چہارم سے اب اُتر آئے

ستانہ ! بلبل نالاں کو باغ میں صیاد   حصول کیا جو ترے ہاتھ مشت پر آئے

———

پرانا گھر حرم ٹھہرے کہ بت‌خانہ نیا ٹھہرے
مقام فخر تو یہ ہے بتوں کے گھر خدا ٹھہرے
چہ‌رائے کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی
بھلا کیوں ہم کو سمجھائے جو تو ناصح برا ٹھہرے

———

تزئین زلف و گیسوئے جانا نہ کیجئے   دل چاک چاک کیجئے تو شانہ کیجئے

———

یار کیوں تجھ کو بھلا سمجھے تھے   اب یہ سمجھے کہ برا سمجھے تھے

———

دل کہیں رہ گیا تو جان کہیں   یار ہم سا ہے بے‌خبر کوئی

———

جی کی اماں ملے تو میں قاتل سے یہ کہوں   اُمیدوار آج تک اُمیدوار ہے
عاشق سکھا رہے ہیں خودآرائیاں انھیں   حسن ان کا آئینہ ہے دل آئینہ دار ہے

———

آتا ہے میرا نام تو اُس کی زبان پر   مری شکایتیں تو وہ کرتا ہے شکر ہے

———

چھانا پڑا ہے مشرق و مغرب تمام "مہر"   پایا نہ اس کو جس کے طلب‌گار ہم رہے

———

اُن کے سبب سے عشق کو دل میں جگہ ملی
گھر میرا موت کو وہ مسیحا دکھا گئے

———

دیکھوں گا روئے یار تو سجدے کروں گا میں   مجھ سے قضا نہ ہوگی نماز سحر کبھی

———

دیوانے ہوشیار ہیں او بت بکار خود   کی جیب تار تار تو زنار کے لئے
تیرا چلن کچھ اور ہے اُس کا چلن کچھ اور   محشر نے بھی قدم تری رفتار کے لئے

———

کیا جانتی ہے یار کا اداب بزم ' شمع   جلتا ہے دل وہاں پہ مرا بے‌دھواں ہوئے

———

اُٹھے وحشت میں گھبرا کر پھر آئے گئے بیٹھے وہاں دم بھر پھر آئے
گلہ کیا چرخ کا سر گشتگی میں ہمیں جب پانوں کا چکر پھر آئے

خدا کے سامنے بت بن کے بیٹھے گا تو دیکھیں گے
قیامت بھی کبھی او کافر بیداد گر ہوگی
تمہارے واسطے دل سے مکاں کوئی نہیں بہتر
جو آنکھوں میں تمہیں رکھوں تو ڈرتا ہوں نظر ہوگی

ایک عالم ہے تڑپنے کا برابر دن رات فرقت یار میں بےتابئی دل کیا کہئے
اُن کے دم سے کوئی جیتا ہے کوئی مرتا ہے ملک الموت سمجھئے کہ مسیحا کہئے

کیا خبر تھی کہ مرے دل میں جگہ آپ کی ہے
آپ بیٹھے ہوئے پہلو کے برابر نکلے

خدا کے عدل کا قائل ہوں اے بت کافر ضرور داد رسی داد خواہ کی ہوگی

پوری میں کلنک کا ہے ٹیکا اور اس کے سوا خضاب کیا ہے
لکھی کسی مرے کھلی حقیقت قاصد خط کا جواب کیا ہے

سنتا ہی نہیں کوئی کسی کی کس سے کہیں "مہر" اپنے جی کی
جنت میں جو بعد مرگ پہونچے یاد آگئی یار کی گلی کی
جان آگئی جان میں ہماری آئی جو ہوا تری گلی کی

تمہاری نہ یہ آج کل جائے گی مری جان گھٹ کے نکل جائے گی
کہاں جاؤں کوچہ ترا چھوڑ کر کہاں ڈھونڈھنے پھر اجل جائے گی

سجدے میں کروں گا، مجھے انکار کہاں ہے بتلاؤ تو نقش قدم یار کہاں ہے
محسوس نہ ہو گا کبھی محسوس نہ ہو گا اک واہمہ ہے اپنا تن زار کہاں ہے

سمجھتے اونچ نیچ اتنی، کہاں تھے ؟ جہاں ہم تھے زمیں تھی، آسماں تھے
فلک تھا خوشہ پرویں پہ نازاں ہم ایسے دانہ زد کے میہماں تھے
ہمیں یاد خدا سے باز رکھا یہ بت اللہ کتنے بد گماں تھے

———

مجھ کو کچھ اور عطا درد محبت ہو جائے
اے خدا اُس بت بے درد کو صحت ہو جائے

———

بندہ نواز قید تعلق سے چھٹ گئے بندے تمام آپ کے آزاد ہو گئے
کل کائنات ''کُن'' سے ہوئی ایک کائنات دو حرف کیا زباں سے ارشاد ہو گئے

———

چھوڑا ہے نہ چھوڑے گا کبھی مشغلۂ عشق
اب جان ہی لے گا دل ناشاد ہماری
ہم سنگ در یار سے سر پھوڑ رہے ہیں
قسمت تری اچھی ہے کہ فرہاد ہماری

———

تم نہیں چاہتے تو ہم تمہیں کیوں چاہیں گے
دل کے مختار ہو تم جبر کریں گے ہم بھی

———

صبا جو بڑی باغ والی ہوئی ہے تمہاری گلی کی نکالی ہوئی ہے
سمایا ہے دل میں تصور تمہارا یہ تصویر سانچے میں ڈھالی ہوئی ہے

———

چھوڑے نہ دل تو میں تمہیں کس طرح چھوڑ دوں
صاحب یہ جاں نثار بھی اب دل کے ساتھ ہے

———

دل دے کے تم کو چاہ کی حسرت نکل گئی
اس دل لگی میں اپنی طبیعت بہل گئی

———

کعبے کا پتا ہم کو چلا عشق بتاں سے اے ''مہر''! ملے راہ خدا سنگ نشاں سے

———

پتلی کو کہوں نور کی پتلی تو بجا ہے
پھرتی ہے مری آنکھ میں تصویر کسی کی

———

مقتل کو ذرا مشفق من دیکھتے چلئے   اپنے شہدا کا تو چمن دیکھتے چلئے

———

چھپ گئے مرے حال کے اخبار   تجھ کو او بے خبر! خبر نہ ہوئی

———

بجا ہے یہ کہ ہے دنیا اُمید پر قائم   شب فراق ترے انتظار میں گذری

———

یاد دلوائے گی اُس کو مری فریاد مجھے
میں نہ صیاد کو بھولوں گا نہ صیاد مجھے
حشر میں داور محشر سے کہوں گا قاتل
میں تو ہوں کشتۂ بیداد نہ دے داد مجھے
یا تو بت خانہ ہے یا رندوں کا میخانہ ہے
یہی دو گھر نظر آئے یہاں آباد مجھے

———

ہر رنج سے ہے راحت عاشق کو عاشقی میں
ہم کو تو اے مسیحا جو درد ہے دوا ہے

———

یہ مشہور ہے دل کو ہے دل سے راہ   سب اُس بے خبر کو خبر ہو گئی
نہ اُٹھی نہ اُٹھی کبھی   ہماری جبیں سنگ در ہو گئی

———

کوئے جاناں، سایۂ دیوار یار   سب مہیا عیش کا سامان ہے

———

شمع کی تقریر پروانوں سے یہ محفل میں ہے
وہ زباں پر ہے ہماری، جو تمہارے دل میں ہے

———

ہر وقت مے سے میکدے میں شست و شو تو ہے
زاہد اگر نماز نہیں ہے وضو تو ہے

اُن کی جو بات ہے نرالی ہے غیر پر لطف ہے ستم ہم پر
اس میں عاشق کی پائمالی ہے کیوں قیامت کی چال چلتے ہو
عاشق شاہد خیالی ہے دل تصور میں محو رہتا ہے
اب طبیبوں سے شہر خالی ہے دم غنیمت ہے اُس مسیحا کا
ہم نے اک راہ یہ نکالی ہے اُن کے کوچے میں خاک ہو جائیں

قسمت سے ملا کرتی ہے اس طرح کی قسمت
گھس جائے جو اُس در پہ وہ پیشانی بھی اچھی

بعد مدت کے قدم رنجہ کیا شکر کیجئے کہ شکایت کیجئے

محشر قدم قدم پہ بپا ہے چلو چلو
کیا کیا جہاں میں دھوم تمہارے چلن کی ہے

مطلب نہیں جہاں کے سیاہ و سفید سے
یکساں ہے شام غربت و صبح وطن مجھے

جگہ "مہر" کی دل میں ہونے نہ پائی
ترے دل میں یہ کیا سمائی ہوئی ہے

جبہ سائی کرتے کرتے گھس گئی لوح جبیں
میری قسمت کی جو تھی تحریر آدھی رہ گئی

سحر

(شیخ) امان علی نام ، لکھنؤ کے رہنے والے ، شیخ امین علی کے بیٹے تھے ، ناسخ کی شاگردی کے ساتھ برق شاگرد ناسخ سے بھی مشورۂ سخن کیا تھا لیکن ناسخ کے شاگردی پر فخر کرتے تھے -

شہرت نے واجد علی شاہ کے دربار تک رسائی کردی تھی سلیقہ کے ساتھ کپڑے پہننے کا شوق تھا ، خود بھی سجیلے تھے ، کپڑا اور زیادہ سجیلا بنا دیتا تھا - کچھ دنوں تک غدر کی آندھی نے ان کو وطن سے دور کردیا تھا ، مختلف مقامات فرخ آباد ، بلگرام ، کاکوری وغیرہ میں رہے لیکن بالآخر خاک لکھنؤ کھینچ لائی ، کچھ دنوں بعد وفات پائی -

لفظی صنائع و بدائع کی پابندی کبھی کبھی ضلع جگت تک پہونچ جاتی ہے ، باوجود اس کے محاورہ بندی ، زبان ، سلاست کا رنگ بھی گہرا ہے -

اس وقت لکھنؤ کا جو رنگ تھا ان کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے - اکثر اصناف میں طبع آزمائی کی ہے اور کامیاب ہوئے ہیں -

ان کی واسوخت نے شہرت حاصل کی ، اگرچہ اس قسم کی شاعری متانت کے سفید دامن پر داغ ہے -

ا

ہر خشک و تر میں تو ہے سب ہے ظہور تیرا
دل میں جگہ ہے تیری آنکھوں میں نور تیرا

بیٹھا فقیر ہوکر بھٹی پہ رند تیرا
سب مغبچوں نے مل کر پیر مغاں بنایا

حور بھی خلد میں ہوگی تو بس ایسی ہوگی
آج ان پریوں میں دیکھا ہے اک انسان نیا
وادئی نجد کو مجنوں کی طرح کیوں دوڑیں
وسعت دل سے ہے موجود بیابان نیا

تمہارے آتے ہی کھویا گیا ہوں محفل میں
مجھے تو دیکھئے اس وقت میں کہاں پہونچا

ننگ ہے پیوند سے کپڑے کی اے منعم تجھے
یہ نہیں معلوم خود پیوند ہوگا خاک کا

اُس کوچے میں بیٹھے تھے کہ بس مر کے اُٹھیں گے
اب لاش پڑی ہے وہیں، مردا نہیں اُٹھتا

تڑپا فراق میں دل بےتاب اس قدر سینے پہ ہر جگہ سے گریباں نکل گیا
پیہم جو تازیانۂ تار نفس لگے کوسوں سمند عمر گریزاں نکل گیا

دوڑ کر ابروئے قاتل کی بلائیں لے لیں بیٹھے بٹھلائے اُٹھے ہاتھ میں چرکا کھایا

عجب لطف تھا کچھ ابتدائے وحشت میں
وہ ولولہ وہ جنوں اب کے سال بھی نہ ہوا

جو کچھ کہو بجا ہے بےشک مری خطا ہے
بندہ اگر نہ ہوتا جبر اختیار ہوتا

خاک پر بیٹھ ننگے سر غافل — نہیں سودائے تخت و تاج اچھا

تولہ ماشہ مزاج عالی ہے — خوب نظروں میں ہم نے تول لیا

چلے نہ کہنے پہ نادان دوست کے کوئی — ہماری جان گئی مفت، کیا گیا دل کا

لے چلے یہ غبار گور میں ہم — صاف ہو کر یہ بدگماں نہ ملا
جو ہوا اُس زمین سے حاصل — غیر تائید آسماں نہ ملا
دیکھنے دے بہار دو دن کی — آنکھ نرگس سے باغباں نہ ملا

مکدر جسم خاکی میں ہوئی روح لطیف آکر
بہ ہر صورت غبار خاطر ناشاد ہوتا تھا
کھلے باب اجابت، عرش تک آہ رسا پہونچے
تجھے کیا سد باب اے چرخ بے بنیاد ہونا تھا
گل انداموں کے نقشے، نقش دل پر ہوتے جاتے ہیں
اسی صورت میں اس ویرانے کو آباد ہونا تھا
عجب تاثیر ہے دور فلک کی کیا زمانہ ہے
مزاج یار کو بھی بیداد بیداد ہونا تھا

رابطہ تھا ازل سے روحوں میں — وہ تو مدت کا آشنا نکلا
دل نے پھر دل سے راہ پیدا کی — چھپ کے جانے کا راستا نکلا
راہ دکھلائی خوب وقت آخیر — آنکھوں کی راہ دم مرا نکلا

آزاد ہیں ہم لوگ خوشامد نہیں آتی — معشوق بھی روٹھے تو منایا نہیں جاتا
گیسو کی طرح کس نے نہیں پیچ اُٹھایا — صحبت میں تری کون بنایا نہیں جاتا
تھے عالم ارواح میں ہم آپ سے باہر — اب آپ میں آئے ہیں تو جایا نہیں جاتا

نشے میں آج مجھکو ساقی سنبھالتا ہے
دوش صبا پہ ہوگا اک دن غبار میرا

جوش وحشت کی ترقی ہے تنزل اپنا
جس قدر خون بڑھا اور تن زار گھٹا

ماہرو آنکھیں بچھاتے ہیں جہاں جاتا ہوں
پانوں رکھا جو زمیں پر تو فلک یاد آیا

پاس آ بیٹھے تو دل اُٹھ گیا اک عالم سے
اب جو اُٹھ جاؤ گے اے رشک قمر کیا ہوگا

گو کہ آہو کی بھی آنکھیں ہیں بڑی
ہائے یہ چتون کہاں سے لائے گا
خط جام جم میں لکھا تھا یہی
کاسۂ سر ٹھوکریں بھی کھائے گا
آنکھیں دیں ہیں دیکھنے کے واسطے
دیکھیں گے جو کچھ خدا دکھلائے گا

وصال یار ہے مرنے پہ موقوف
جو یہ سچ ہے تو کچھ مشکل نہ ٹھہرا
چلا کے رات دن آہوں کی آندھی
چراغ داغ بھی اے دل نہ ٹھہرا

آسماں کو غبار ہے ہم سے
ایک دن خاک میں ملا دے گا
اُس کے دینے کے ہیں ہزاروں ہاتھ
وہی دیتا ہے کوئی کیا دے گا
مے کدے سے اُٹھا ہے ابر بہار
میرے دل کی لگی بجھا دے گا
اپنے مٹنے کا غم نہیں ہم کو
جو بگاڑے گا وہ بنا دے گا

کسی کی گور میں سونا نہیں ہے
ہمیں کیا یار کے مذہب سے مطلب

میرا مزار، اور بنے کوئے یار میں
یہ بھی ہیں اس زمین کے اے آسماں نصیب

عاشق کبھی بےکار نہیں بیٹھتے گھر میں
یا طاعت معشوق ہے یا خدمت احباب

بہت پچتائے تم کو پیار کر کے گناہ عشق کی پائی سزا خوب

ت

یہ تو اُس غیرت یوسف کا سخن تکیہ ہے
تم سلامت رہو بندے کے خریدار بہت

میں پھروں تختۂ نرگس کو دیکھتا ہوں سحر
بندھی ہوئی ہے عجب انتظار کی صورت

فقط مقسوم سے اپنے گلا ہے کسی سے کچھ نہیں شکوا شکایت

د

عاشق سے پوچھئے لب شیریں کا ذائقہ دل لطف اُٹھا رہا ہے مزا ہے زباں پر

فرقت نصیبوں کو بھی اُمید وصال ہے یہ قاعدہ نہیں کہ کٹے ایک حال پر
کیا وحشیوں کو قصد کی حاجت بہار میں خود ہے مزاج آب و ہوا اعتدال پر

یہی اُمید تھی اے رشک مسیحا تم سے میرے خواہاں نہ ہوے جان کے خواہاں ہوکر

نزدیک ہیں دلوں سے بہ ظاہر ہیں سب سے دور
بیٹھے ہیں بزم یار میں پاس ادب سے دور

چشم مےگوں نے اُنہیں نادم کیا محتسب دوڑے شرابی جان کر

بوتل میں بھی شیشے کی طرح بند پڑی ہے
عامل کا عمل ور ہے رندوں کا عمل اور

س

ھڈی ھڈی میں ھے حرارت عشق — جان ھی لے گا یہ نجار افسوس
مر گئے ھم شروع وحشت میں — نہ کٹی ایک بھی بہار افسوس
دل لگی ابتدائے عشق میں ھے — عاقبت ھے مال کار افسوس

خار کی مانند کب کا کر چکے ترک لباس
مثل گل کس کو یہاں ھے جیب و داماں کی ھوس

ش

ھماری آنکھوں میں دل میں، جگہ تمہاری ھے
یہ آج غیر محلے میں کیوں ھے گھر کی تلاش

کھو دیا روز کے آنے نے ملاقات کا لطف
گفتگو بڑھ گئی باقی نہ رھا بات کا لطف
مے اگر شیشہ و ساغر میں نہیں ھے نہ سہی
رھے ساقی کا کرم پیر خرابات کا لطف

جو اُٹھا تعظیم کو برخاستہ خاطر ھوا
ایک میرا بیٹھنا ھے سارے صحبت کے خلاف

دل کا آئینہ اگر ھم نہ دکھاتے تم کو
آنکھ ھوتی نہ محبت کی نظر سے واقف

ق

طوق سو من کا ھے، زنجیر ھے لاکھوں من کی
ایک سے ایک یہ بھاری ھے غرض زیور عشق
شور و غل کون مچائے گا در جاناں پر
لے چلا شہر خموشاں کی طرف رھبر عشق

سکۂ داغ سے ھیں خانۂ دل مالا مال تاقیامت رھے آباد در دولت عشق

ک

رلائےگا کہاں تک عاشقوں کو زمیں بس ھو چکی اے آسماں پاک

گ

در پہ آئے تو بن گئے دیوار غیر کے سد باب ھیں ھم لوگ

ل

بہت بلبل دل نے شاخیں نکالیں نہ پائی جگہ آشیانے کے قابل
''سحر'' ھر کہیں شعر پڑھتے نہ پھرئے یہ دولت نہیں یوں لٹانے کے قابل

م

قیدوں نے اھل شرع کی دیوانہ کر دیا کیسے گنہگار بنے بے قصور ھم
موسیٰ کي طرح کون چڑھےگا پہاڑ پر کوٹھے سے دیکھ لیں گے تجلئی طور ھم

مزہ کباب کا ملتا ھے دل کے جلنے میں
کسی کو لذت سوز جگر نہیں معلوم

ن

کوہ وصحرا کے بھی وحشت میں نہیں کچھ پابند
کر دیا عشق نے ھر قید سے آزاد ھمیں

گرد رهتا هے حلقۂ احبـاب فکر کونین آس پـاس نهیں

جیتے جی انسان آتے هیں ، فرشتے بعد مرگ
گهر پہ کیا هے گور میں بهی کنج تنهائی نهیں

تو خدا هو تو کبهی تیری عبادت نہ کریں
گر هو کعبہ هی تو سجدہ کسی صورت نہ کریں
ایک معشوق هیں وہ اور زمـانـہ عـاشق
کیا کریں ؛ وعدۂ فردائے قیامت نہ کریں

صدمے سے روح کی هے ایذا بدن کی بہتر
اس دل کے بدلے پهوڑا هوتا کوئی بغل میں

کوہ پر فرهاد پهونچا دشت کو مجنوں گیا
هم کہاں هیں کچه همیں اپنی خبر ملتی نهیں

بعد از فنا بهی چین ملے یہ یقیں نهیں
کیا گـردش آسمان کی زیر زمیں نهیں
تقدیر اُلجهی اُلجهی هے ٹیـڑهی هے گفتگو
ان گیسووں کے بیچ میں تم تو کہیں نهیں
خوش قطع کس قدر هے قبائے برهنگی
دامن نهیں هے ، جیب نهیں ، آستیں نهیں

کمال کیا کرے حاصل سرائے فانی میں وہ دن هیں کوچ کے جو اعتبار کے دن هیں

جہاں دست رنگیں کو دهونے لگے هر اُنگلی هوئی پهلجڑی هاته میں

و

اب نئی دنیا پـرانی هـو گئی عالم ایجـاد اور ایجـاد هـو

صاحب خانہ ہم ہیں کہنے کو آئے ہیں چار دن کے رہنے کو
آئے ہیں ہم جہان فانی میں داغ اُٹھانے کو، رنج سہنے کو

یا خدا کیسی بتوں کی بھی سمجھ اُلٹی ہے
شکر کرتا ہوں تو کہتے ہیں گلا کرتے ہو

ے

دل دیا اللہ نے صدمے اُٹھانے کے لئے ہم فقط پیدا ہوئے تھے آزمانے کے لئے
عشق ہے کیا چیز چاہت کس مرض کا نام ہے میں تو روتا تھا فقط اُن کے ہنسانے کے لئے

داغ سینے کے اُبھرتے ہی چلے آتے ہیں
جیب کی طرح ٹھہرتا نہیں پھاہا کوئی
آج جو کچھ کہ ہوا کل بھی یہی ہونا ہے
کب یہاں مانتا ہے وعدۂ فردا کوئی

کھفت ابر اور ہے اس کو نہیں کہتا
رونے کو تو اندھے ہیں مرے دیدۂ تر بھی

بے تمہارے بت غم میں نہیں پینے کے دوا
جان گو جاتی رہے بات نہ جانے پائے

راحت کی خوشی رنج کا کچھ غم نہیں رکھتے
طالب ہو کسی شے کا وہ دل ہم نہیں رکھتے
عقبیٰ کی نہ کچھ فکر، نہ دنیا کا تردد
بے فکر وہ ہیں فکر دو عالم نہیں رکھتے

یوں نہیں کرتے اشارے سامنے بیمار کے مار ڈالا نرگس شہلا کو آنکھیں مار کے

غم کھانے میں ملا ہے ہمیں کچھ عجب مزا
وہ خوش رہے ہمیشہ الٰہی جہاں رہے
عاشق سب ایک سے ہیں طبیعت میں فرق ہے
اتنا تمہیں خیال دم امتحاں رہے

پڑے ہیں نقش پا کی طرح اُس کوچے کے وارفتہ
کوئی پرساں نہیں اپنا مٹائے جس کا جی چاہے
بگڑنا بھی ہمارا عین بننا ہے جو سچ پوچھو
پریشاں مثل گیسو ہیں بنائے جس کا جی چاہے

چلے تھے تو مڑ کر اِدھر دیکھ لیتے — کہ ہم اور بھی اک نظر دیکھ لیتے

خط جبیں کو پڑھ کے پکارو ہمارا نام — یہ عاشقوں کے اِسم نویسی کا بند ہے

ہمیں کیا جو تربت پہ میلے رہے — یہ سب کچھ ہوا ہم اکیلے رہے

گو ادا کی نماز پانچوں وقت — نہ ملا یار وقت پر بھی گئے

غریبوں کا کیسا مزاج مبارک — یہ پوچھو کہ تھی طبیعت تمہاری

گو زار و ناتواں تھے لیکن اُنہیں گراں تھے
اک مشت استخواں تھے اور لاکھ امتحاں تھے

دنیا کو چھوڑے بیٹھے ہیں کوچے میں آپ کے
آکر کبھی تو سیر لب بام کیجئے

صدمے فرقت کے نہ اُٹھے ہیں نہ اُٹھیں گے "سحر"
صبح کے ہوتے ہی اپنا خاتمہ بالخیر ہے

طمع زمانے میں کرتی ہے ظالموں کو خراب
گھرا ہے کانٹوں میں صیاد ' مشت پر کے لئے

گردش چرخ سے تنگ آیا ہوں دم گھٹتا ہے
آخر اس گنبد بے در کی کہیں راہ بھی ہے

تڑپا کیا ہے دل شب فرقت میں رات بھر
سو مرتبہ اُچھل کے گرا ہوں پلنگ سے

اے بتو! کم نہیں ہے پتھر سے بات کوئی گراں اگر گذرے

ہر حال میں نوشتہ تقدیر پاس ہے فرمان خسروی کی سند کیا ضرور ہے

بے اس کے نبھےگی نہ ملاقات ہماری دن آپ کا اے رشک قمر رات ہماری

ہم بے بلائے تو نہیں جاتے خدا کے گھر جانا کہیں بغیر طلب کیا ضرور ہے

تپ فرقت میں اُتھائی ہے وہ ایذا ہم نے
شکر کرتے ہیں تو ہوتی ہے شکایت تیری

ہے سامنے مرقع ' یاران رفتگان کا
روؤں بھلا "سحر" میں کس کس کو یاد کرکے

زندگی ہے تو بھر طور گذر جاےگی
کٹ چکی ہجر کی شب صبح بھی اب ہوتی ہے

کوچۂ یار کے جانے کا یہاں کس کو دماغ
ضعف سے آپ میں آنا بھی ہے دشوار مجھے

دم نزع میں یہ اشاروں میں باتیں
دکھا دو اُنھیں اب تو آنکھوں میں دم ہے

دوپہر کو میں کہوں تارے نظر آتے ہیں
آپ اے رشکِ قمر دن کو اگر شب کہیئے

وہ منھ نہیں رہا ہے جو صورت دکھائیے سو رہئیے منھ لپیٹ کے کنجِ مزار میں

سامانِ عیش سب ہیں بس ایک شئے نہیں ہے
کیوں کر نہ دل بھر آئے شیشے میں مے نہیں ہے
دیکھو کہیں "سحر" سے بےجا ہنسی نہ کرنا
انساں کی طبیعت قابو میں ہے نہیں ہے

جستجو جس کی ہے وہ ہے رگِ گردن سے قریب
دور کیوں جانے لگے کعبے میں کیا رکھا ہے
حشر میں حشر قیامت میں قیامت ہوگی
فیصلہ اپنا اُسی دن پہ اُٹھا رکھا ہے

جب آنکھ سے گرے تو پھر اشکوں کا رنج کیا
پاپوش میں ٹنکیں کہ وہ موتی ہوں تاج کے

کچھ زمانے سے طبیعت ہی ہٹی جاتی ہے
زندگی موت کے دھڑکوں میں کٹی جاتی ہے

غم کھاتے کھاتے ہجر میں بس روح بھر گئی
اب زہر کھائیں گے یہی دل میں ٹھہر گئی

رباعیات

نافہم امیروں سے پڑا ہے پالا ہردم کی خوشامد نے غضب میں ڈالا
یہ آپ تو کھالیں تمھیں کیا دیں گے "سحر" رازق کوئی اور ہے دینے والا

خمسۂ منقبت علی مرتضیٰ

بزم آرا ہیں محب شیر خدائے پاک کے
آدمی کیا آتے ہیں سارے ملک افلاک کے
اطلس گردوں بچھے بدلے بساط خاک کے
وصف کرتا ہوں وزیرِ خسرو لولاک کے
نردباں عرش کا محفل میں ممبر چاہئے

تیری الفت بھی پیمبر کے برابر چاہئے
قلب میں اہل صفا کے نور داور چاہئے
اے وصئی مصطفیٰ تجھ کو نہ کیوں کر چاہئے
دل میں ہر مومن کے یا مولا ترا گھر چاہئے
یہ جو کعبہ ہے تو اسمیں جاے حیدر چاہئے

کعبۂ مقصود ہے بےشک علی مرتضیٰ
رات دن اپنا سخن تکیہ ہے یا مشکل کشا
دولت ایماں کے آگے حشمت دنیا ہے کیا
بادشاہوں کو مبارک سایۂ بال ہما
اپنے سر کو سایۂ داماں حیدر چاہئے

ہیں وزیر بادشاہ انبیا کے ہم گدا
جم سے، کیخسرو سے، دارا سے، سوا ہے مرتبا
تخت شاہی سے ہمیں بہتر ہے اپنا بوریا
بادشاہوں کو مبارک سایۂ بال ہما
اپنے سر پر سایۂ داماں حیدر چاہئے

بادشاہوں سے گدائی شاہ والا کم نہیں
جز غم شاہ شہیداں اور کوئی غم نہیں
بادۂ عشرت کے جو طالب ہوں ان میں ہم نہیں
احتیاج ساغر فغفور و جام جم نہیں
جام کوثر مجھ کو یا ساقئی کوثر چاھئے

تیرے رتبوں سے کوئی جز ذات حق محرم نہیں
عرش اعلیٰ سے زمیں قبر والا کم نہیں
تشنگئی حشر کی دھشت سے دم میں نہیں
احتیاج ساغر فغفور جام جم نہیں
جام کوثر مجھ کو یا ساقئی کوثر چاھئے

حب حیدر ھے وہ شئے جس سے کہ بیڑا پار ھے
آشنائے مردماں دھر سے بے کار ھے
غیر سے طالب مدد کا ھوں مجھے انکار ھے
بار احسان علئی مرتضیٰ در کار ھے
بحر عالم میں مری کشتی کو لنگر چاھئے

ھم ''سحر'' کی طرح ھیں بارہ اماموں کے غلام
رات دن ورد زباں رھتے ھیں آقاؤں کے نام
عشق بازی سے محب پنجتن کو کیا ھے کام
الفت معشوق سے لازم ھے نفرت اے حسام
مومنوں کو الفت آل پیمبر چاھئے

واسوخت

اب دل میں رنج اُٹھانے کی طاقت نہیں رھی تحلیل روح ھوگئی حالت نہیں رھی
وہ ولولے وہ جوش وہ وحشت نہیں رھی وہ دل نہیں رھا وہ طبیعت نہیں رھی
آھیں بھی کھینچتے تو یہاں کچھ اثر نہیں
آگے جو پیار کرتے تھے اب وہ ''سحر'' نہیں

شکر خدا کہ اب تو ذرا جی بحال ھے برھم مزاج ھے نہ طبیعت نڈھال ھے
وا رفتگی کی ایک یہ ادنیٰ سی چال ھے غیروں سے رنج ھے نہ انہیں سے ملال ھے

خود بیں نہیں ہیں ان کی طرح خود نما نہیں
موجود سب ہے اس کی عنایت سے کیا نہیں

اچھا ہوا جو ترک ملاقات ہوگئی   دو چار روز خوب مدارات ہوگئی
اپنی تو ہر طرح بسر اوقات ہو گئی   وہ بات کی کہ شہر میں اک بات ہوگئی
باتیں سنائیں آپ نے ہم چپ سنا کئے
پٹی کے نیچے بیٹھے ہوئے سر دھنا کئے

ان روزوں نام عشق سے کچھ جی ہی ہٹ گیا   صدمے فراق کے نہ اُٹھے جی اُلٹ گیا
اُچھلا کلیجا زخم کا انگور پھٹ گیا   گیسو کی یاد میں تن زار اور لٹ گیا
ہم اور عشق وہم ہیں بےجا گمان ہیں
دل ہو چکا ضعیف بظاہر جوان ہیں

بیٹھے بٹھائے مفت میں بدنام کون ہو   یوں بےقصور مورد الزام کون ہو
کب پوچھتا ہے یار گل اندام کون ہو   جانے بلا، سحر ہو کہ تم شام کون ہو
شاعر ہو لاجواب اگر اپنے واسطے
علم اپنے واسطے ہے ہنر اپنے واسطے

بے مثل بے نظیر جو تم ہو کسی کو کیا   پہونچے ہوئے فقیر جو تم ہو کسی کو کیا
اپنے لئے امیر جو تم ہو کسی کو کیا   اک زلف کے اسیر جو تم ہو کسی کو کیا
اُلجھوگے آپ، پیچ میں تم آپ آؤگے
بوسہ جو لوگے گیسوؤں کا مار کھاؤگے

قصیدہ ششم

اے ہوا جا کے بنارس سے اُڑا لا بادل
چاہئے ہندوی سوسن کے لئے گنگا جل
کام کرنے میں ہو بدلی کے اندھیرے میں خلل
باغبانوں کو جو بجلی نہ دکھا دے مشعل
صحن گلزار ہے پھولوں سے معطر ایسا
شرم سے عطر میں ڈوبی ہے زمیں صندل
قمریاں کہتی ہیں مستی میں جو چلتی ہے ہوا
ٹوٹ جائے نہ کہیں سرو چمن کی بوتل

اے فلک باغ میں دم بھر جو کبھی ابر نہ آئے
جوشش مے سے نہیں پنبۂ مینا بادل

باغ میں آکے نہالوں پہ جھکے ہیں بادل
بارہا نہروں سے پی لیتے ہیں پانی بادل

مِنہ برسنے میں جو دونی نظر آتی ہے بہار
چشم نرگس یہ سمجھتی ہے کہ میں ہوں احول

دوسری قطع کرے ابر بہاری فوراً
باغ میں پانی کی چادر ہو اگر مستعمل

روشیں صاف ہیں ایسی کہ پھسلتی ہے ہوا
پھول ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں سنبھل دیکھ سنبھل

آنکھیں نرگس کی بھی ہر وقت تکا کرتی ہیں
آتش گل سے اگر گرم ہے بلبل کی بغل

اب نہ آئے گی خزاں اور نہ جائے گی بہار
باغ کو گھیرے ہوئے چار طرف ہیں بادل

دم بہ دم رعد کی آواز چلی آتی ہے
شیشہ جام سے خالی نہ رہے دست و بغل

آج تو خوب سا جی کھول کے پی لو یارو
فکر فردا نہ کرو دیکھ لیا جائے گا کل

وجد کرتے ہیں فلک ساز کی آوازوں پر
دل زہرہ بھی یہ کہتا ہے کہ دو پاؤں تو چل

قہقہے رندوں کے تا عرش بریں جاتے ہیں
آ گیا اب تو فرشتوں کی عبادت میں خلل

ہوگئی عابد و زاہد کو بھی تاثیر نشاط
کر دیا بلبل آواز نے دل کو بے کل

مدرسوں سے نکل آئے ہیں مدرس سارے
دوڑے حجروں سے وہ عمال جو پڑھتے تھے عمل

مل گئے آن کے رندوں میں لگے پینے شراب
عقل جاتی رہی نشے نے بنایا مختل

واہ کیا شعر "سحر" ہیں کہ بقول عزمی
بلبل آمد ہر بلبل بہ تمنائے غزل

قطعہ

آب و تاب ایسی ہے سبزی میں ٹھہرتی نہیں آنکھ
نہر ہر اک نظر آتی ہے زمرد کی کھرل
عکس گلنار و سمن پان میں یوں ہیں جیسے
ورق سیم و طلا کٹورے میں ہوتے ہیں حل
آن کر پیڑوں کے تھالوں میں نہاتے ہیں لال
سوکھتے سوکھتے ہوجاتی ہیں بالکل ہریل
اثر باد بہاری سے بنے ابر بہار
منہ برسنے میں اگر اوڑھ کے نکلو سمل
اس قدر شوق تماشائے چمن ہے سب کو
نیم رخ کھینچئے تصویر تو ہو مستقبل
صندلی رنگ ہوا میں جو چڑھائی تیوری
بڑھے ہر چین جبیں صورت شاخ صندل
قوت نامیہ ایسی ہے کہ پڑھتے پڑھتے
کسی میں پھول لگیں پھوٹنے کسی سے کونپل
کس قدر کیاریوں میں جمع ہیں گل ہائے فرنگ
یہ بڑے دن کے لئے ہوتی ہیں شاید کونپل
کیوں نہ دیوانے ہوں انسان ہوا سے اس کے
دامن باد بہاری ہے پری کا آنچل
اب تو بازوں میں نکلتی ہیں ہزاروں شاخیں
باغبانوں میں جو ہوتی ہے کبھی رد و بدل

مناجات

غش کرگیا کلیم کی صورت حضور میں   کھو بیٹھا نور آنکھوں کا اے برق طور میں

کس جرم کی سزا ہے کہ ہوں بے قصور میں طالب ترے کرم کا ہوں اب یا غفور میں
پاؤں ترے جناب سے آنکھوں کا نور میں
دیکھوں امام مہدی دیں کا ظہور میں

یا رب نبی کے نور منور کے واسطے یا رب جناب فاطمہ اطہر کے واسطے
اور نور چشم ساقی کوثر کے واسطے تسکین کچھ تو ہو دل مضطر کے واسطے
پاؤں ترے جناب سے آنکھوں کا نور میں
دیکھوں امام مہدی دیں ظہور میں

یا رب جناب حضرت شبر کے لئے اور تشنگی اصغر بے شیر کے لئے
رنج و ملال عابد دلگیر کے لئے لازم ہے عفو اب مری تقصیر کے لئے
پاؤں ترے جناب سے آنکھوں کا نور میں
دیکھوں امام مہدی دیں کا ظہور میں

تجھ کو قسم ہے اپنے ہی جاہ و جلال کی تجھ کو قسم نبی فرشتہ خصال کی
تجھ کو قسم ہے اپنے پیمبر کے آل کی دیوار ہوگیا ہوں میں گرد ملال کی
پاؤں ترے جناب سے آنکھوں کا نور میں
دیکھوں امام مہدی دیں کا ظہور میں

اپنے حبیب کے گل رخسار کی قسم یا رب اُسی کی نرگس بیمار کی قسم
یعقوب کے بھی دیدۂ خوں بار کی قسم ایوب کے بھی صبر دل زار کی قسم
پاؤں ترے جناب سے آنکھوں کا نور میں
دیکھوں امام مہدی دیں کا ظہور میں

مثنوی سحر

گلستاں پہ عالم ہے کیا آج کل زہے قسمت باغبان ازل
نگاہوں میں سارا جہاں سبز ہے زمیں سبز ہے آسماں سبز ہے
چمن میں ظہور اس کی قدرت کا ہے کہ ہر گل الگ اپنی صورت کا ہے
کہیں زلف لیلیٰ کی تصویر ہے کہیں پائے مجنوں کی زنجیر ہے
گھٹا ہے کہ زہرہ نے کھولے ہیں بال دھنک ہے کہ موباف ہے لال لال

متفرقات

سیہ ابر مغرب سے ایسا اُٹھا / میں سمجھا کہ کعبے کا پردا اُٹھا
گھٹا کالی کالی دھنک لال لال / کہنا کے ابرو پہ جیسے گلال
اسی باغ میں نرگس یار ہے / اسی کی ہوا آہ بیمار ہے
اسی باغ کا حوض ہے چشم تر / اسی کے ہیں گلبرگ لخت جگر
وہ طوفاں ہے عزت ، ڈوبوتا ہے عشق / خدا کا غضب ہو تو ہوتا ہے عشق
مکانوں کے بر جوں پہ کیا نور ہے / جو ہر کوٹھے پر جلوۂ طور ہے
بھڑک ہے سوا آتش طور سے / غش آجائے موسیٰ کو بھی دور سے
سمندر کی تھی بات، آواز میں / وہ موجیں تھیں یا تار تھے ساز میں
اگر ویسی تان ایک لیتے یہاں / لہو تھوکا کرتے میاں پان خاں

وزیر

خواجہ محمد وزیر نام، لکھنؤ کے رہنے والے، خواجہ محمد فقیر کے بیٹے تھے -

خاندان کے اعتبار سے نجیب الطرفین تھے -

فارسی میں پوری مہارت اور عربی میں قدرے واقفیت تھی - کبھی کسی کی ملازمت نہیں کی - تمام عمر گوشہ خلوت و آزادی میں رہے -

فن شعر میں پورا دخل تھا -

ناسخ کے ایسے شاگردوں میں تھے کہ استاد کو ان پر فخر تھا -

ابتدا میں آتش کی شاگردی کی لیکن پھر ناسخ کے خوشہ میں بن گئے - شاید اس لئے کہ آتش کا انداز نباہ نہ سکتے تھے - ناسخ کے رنگ میں تو ایسا کہلنے لگے کہ شاگرد اور استاد میں فرق مشکل ہوگیا - اسی وجہ سے ناسخ اپنے اکثر تلامذہ کو خواجہ وزیر کے پاس اصلاح کے لئے بھیج دیتے تھے -

سنہ ۱۲۷۰ھ میں وفات پائی -

اُردو میں جتنی خوبیاں ہو سکتی ہیں ان کے کلام میں موجود ہیں - مضامین بلند، تلاش انوکھی، بندش چست، زبان درست، سب کچھ، لیکن اس جسم میں تاثیر کی روح برائے نام ہے -

ا

عرض مطلع کے کھنچوائیں گے نقشہ روے جاناں کا
بنے تا مطلع خورشید مطلع اپنے دیواں کا
دل دیوانہ کی چندے جو زلفوں میں بسر ہوگی
لقب ہو جائے گا صبح وطن شام غریباں کا

حیرت افزائے جہاں جسم مصفا ہوگیا
چار جوہر مل کے اک آئینہ پیدا ہوگیا
ہم بغل ہونے کی ہے اب تو سراپا آرزو
ضعف سے قد جھک کے آغوش تمنا ہوگیا
قبلۂ دنیا و دیں مدفوں ہوا ہے اے ''وزیر''
شوق سے سجدہ کرو کعبہ مدینا ہوگیا

تصور یہ رہا آنکھوں میں اُس لیلی شمائل کا
کہ اپنی آنکھ کا پردہ بنا ہے پردہ محمل کا
''وزیر'' اب سینے میں دل کے عوض کیا درد رہتا ہے
کہ رویا کرتے ہو پڑہ پڑہ کے تم دیوان بے دل کا

کہے دیتے ہیں اس کو عرش کی زنجیر سے باندھو
فلک پر ہے دماغ اِن روزوں اپنی وحشت دل کا

پس مردن بھی مشکل ہے پہونچنا یار تک دل کا
لحد ہے نام ملک عاشقی میں پہلی منزل کا

خودی بھولا وہ بت دیکھے تماشے جب خدائی کے
دھرا رہتا ہے آگے اب تو آئینہ مرے دل کا
فقیری میں ''وزیر'' آ آ کے پریاں پانؤں پڑتی ہیں
یہ نقش بوریا اپنے لئے ہے نقش عامل کا

یار جائے گا اِدھر دل سے اُدھر صبر و قرار
صبح کے ساتھ مرا چاک گریباں ہوگا
چاک ہر روز جو ہوتا ہے گریبان سحر
کوئی اس میں بھی مرا تار گریباں ہوگا
آہ سے عرش کی زنجیر ہلا دیں گے ہم
یو نہیں گر جوش جنوں سلسلہ جنباں ہوگا

اپنے گناہ آ نہیں سکتے حساب میں
زاہد کو خوف چاہئے روز حساب کا
چہرے سے آفتاب قیامت مراد ہے
دامان حشرت نام ہے اُس کے نقاب کا

روز افزوں ہے ترا حسن اے ماہ　　ایک ہفتے میں دو چنداں دیکھا

کب خبر تھی انقلاب آسماں ہو جائے گا
دوست کا ملنا نصیب دشمناں ہو جائے گا
خواب میں بھی اُس کو دیکھوں گا نہ میں فرقت نصیب
پردۂ غفلت یقیں ہے درمیاں ہو جائے گا
کعبے سے بت خانے کو جاؤں گا اُس دم اے ''وزیر''
مجھ میں اُس بت میں خدا جب درمیاں ہو جائے گا

سر مرا کاٹ کے پچھتائے گا　　کس کی پھر جھوٹی قسم کھائے گا
تھام لوں دل کو ذرا ہاتھوں سے　　ابھی پہلو سے نہ اُٹھ جائے گا
آپ کہتے ہیں کہ جا، جاتا ہوں　　پھر اکیلے بھی تو گھبرائے گا
کہئے یاراں عدم کیا گزری　　کچھ لب گور سے فرمائے گا
کیا گریباں نے گلا گھونٹا ہے　　ادھر اے دست جنوں آئے گا

یہ مجھ کو شیوۂ اُفتادگی پسند ہوا　　غبار بھی نہ صبا سے مرا بلند ہوا

فروتنی سے نہ دست دعا بلند ہوا
دعا بھی سجدے میں کی عجز یہ پسند ہوا
تجھے جو بام پر اے ماہ رو کھڑے دیکھا
فلک سے آج ستارہ مرا بلند ہوا
کرے غرور نہ طاعت پہ کہہ دو زاھد سے
مرے کریم کو عذر گنہ پسند ہوا

گل کھلائے ہیں مری وحشت نے دیکھ اے عندلیب
سنگ جو آکر لگا وہ خون سے گلگوں ہوا

خواب میں تجھ سے ہم کنار رہا عین غفلت میں ہوشیار رہا
اُٹھ گیا یار میرے پہلو سے درد پہلو میں یادگار رہا

بزم میں کس مست کی ہے آرزو دست سبو دست دعا ہو گیا

آنکھیں لڑائیں تونے میں بیمار ہوگیا اچھا ہوا کہ دید کا آزار ہو گیا
مستی میں پائے ساقی مے نوش پر گرا بےہوش کیا ہوا کہ میں ہشیار ہوگیا

آنکھ سے رومال سوکھا بعد مرگ چشم تر کا آج پردا کھل گیا

کچھ خبر ایسی سنی، دل بے خبر ہونے لگا
خط کے پرزے دیکھ کر ٹکڑے جگر ہونے لگا

نماز شکر پڑھی کعبے کو سلام کیا جو حکم سجدے کا عاشق کو چار سو آیا
اگر زمین کی پوچھی، فلک کی اُس نے کہا یہ اُن کا آدمی اچھا فرشتہ خو آیا

خدا نے جسموں کو جانیں عطا جو کیں اے بت
بجائے روح ہمارے بدن میں تو آیا

صدمہ شب فرقت کا اُٹھانا نہیں اچھا ‌ ‌ اے بےخبری آپ میں آنا نہیں اچھا

چھپ گیا دوستی کے پردے میں ‌ ‌ دشمن جاں نے کیا حجاب کیا

جلادیا نہ ہو گلشن میں آتش گل نے ‌ ‌ دھواں سا آج جو بلبل کے آشیاں سے اُٹھا

ب

آج مجھ سے بات اگر کرتے نہیں ‌ ‌ دیں گے یہ بت کل خدا کو کیا جواب

دل یار سے لگاتے ہی نظروں سے گر گئے ‌ ‌ کیا اپنے عشق کی ہے یہ افتاد یانصیب

ت

نہیں ذوق گلو گیری؛ گریباں پھٹ چکا اپنا
ہوئے بےکار اب دست جنوں کو ہو گئی فرصت

ث

کس مسلماں کو بتو قتل کیا ‌ ‌ کرتے ہو شکر خدا کیا باعث

ج

باغ کو جائےگا ابر سیہ مست اُٹھا ‌ ‌ پیش خیمہ تو روانہ ہوا سرکار کا آج

ح

کوئی تو جان جہاں مہماں سرائے دل میں ہے
دم بہ‌دم پہونچاتے ہیں پیک نفس پیغام روح

ن

تمہارے دل میں خدا جانے ہو اثر کہ نہ ہو
پتو کہو تو کروں پھر امتحاں فریاد

دل میں رفتار معشوقانہ دکھلاتی ہے نیند
آج کن اٹکھیلوں سے آنکھوں میں آتی ہے نیند

کروٹیں لے لے کے کہتے ہیں شب فرقت میں ہم
کس طرح اے خفتگاں خاک آجاتی ہے نیند
گرمئی سوز جگر بےتاب کر دیتی ہے جب
ٹھنڈی سانس ایسی میں بھرتا ہوں کہ آجاتی ہے نیند
ہجر میں سونے کی ایسی ہے تمنا اے "وزیر"
دیکھتا ہوں اُس کو حسرت سے جسے آتی ہے نیند

بخشش میں وہ مصروف ' یہ سر گرم شفاعت
اللہ سے ملتی ہوئی ہے خوئے محمد
کرتی ہے گنہ خلق ' خدا کچھ نہیں کہتا
واقف ہے کہ نازک ہے بہت خوئے محمد

و

ذرا تو دیکھ لے وہ ہم کو آکر
کوئی دم اور بھی اے دم وفا کر
اگر پوچھے وہ بربادی ہماری
صبا کہہ دیجیو کچھ خاک اُڑا کر
نہیں اُٹھنے کے قاتل کی گلی سے
کہ ہم بیٹھے ہیں سر سے ہاتھ اُٹھاکر
میں یہ سمجھا دعا دیتا ہے مجھ کو
لگا جب کوسنے وہ ہاتھ اُٹھا کر

چلا ہے او دل راحت طلب کیا شادماں ہو کر
زمین کوے جاناں رنج دیے کے آسماں ہو کر

اسی خاطر تو قتل عاشقاں سے منع کرتے تھے
اکیلے پھر رہے ہو یوسف بے کارواں ہو کر
جواب نامہ کیا لایا تن بےجاں میں جان آئی
گیا یاں سے کبوتر واں سے آیا مرغ جاں ہو کر
کیا غیروں کو قتل اُس نے موئے ہم رشک کے مارے
اجل بھی دوستو آئی نصیب دشمناں ہو کر
یہی کہہ کہہ کے شب بھر یار کو پیش نظر رکھا
دکھائیں گی تماشا تم کو آنکھیں، پتلیاں ہو کر

خطاب شاہ شہیداں عطا کر او ظالم ہمائے تیغ کا سایہ پڑا مرے سر پر
خداپرست سے کہہ دو! ہوا میں سنگ پرست نشان پائے نبی پڑ گئے ہیں پتھر پر
یہی سمجھ کے گلے کاٹو سخت جانوں کے ہم اپنی تیغ کو کرتے ہیں تیز پتھر پر

منھ آئے نظر صاف وہ ہے یار کی تلوار آئینے کا آئینہ ہے، تلوار کی تلوار

ز

جانے نہیں دیتا مجھے دربان در انداز ہاں لھجوائے اشک مرے خانہ بر انداز

ض

ساقیا بھول گیا کیا مری دریا نوشی
خم لگا دے مرے منھ سے کوئی ساغر کے عوض

ابروئے یار پہ قطرے یہ پسینے کے نہیں
گوہر اس تیغ میں پیدا ہوئے جوہر کے عوض
خواہش اسباب کی بس عالم اسباب میں تھی
سو رہے بعد فنا خاک پہ بستر کے عوض

ظ

ہے بہت زود رنج دل میرا یار ہے تند خو خدا حافظ

ف

ہو کے غافل اس ادب سے ہم نہ سوئے اے ''وزیر''
پاؤں ہو جائیں نہ اپنے کوئے جاناں کی طرف

ق

خدا نما ہے بت سنگ آستانۂ عشق چلوں گا پائے نگہ بن کے سوئے خانۂ عشق
جو شوق دیدھے موسیٰ کی طرح ایک نہ سن کہ لن ترانئی محبوب ہے ترانۂ عشق
وہ دل لگا کے اسمیں داستاں کی صورت بیاں کیجئے اس حسن سے فسانۂ عشق

ک

دیکھنے دیتا نہیں اس کو حجاب عشق ہائے
ہوں میں وہ محروم جس کو وصل اور ہجراں ہے ایک

گذرا فلک کے پار گیا لا مکاں تلک او تیر آہ ! بے ادبی اب کہاں تلک

گ

دیکھو بے بادہ کیا ہے اپنا رنگ رحم اے آسمان میںا رنگ

ل

کیوں کر نہ جھڑیں منھ سے ترے وقت سخن پھول
چپ رہنے میں غنچہ ہے تو ہنسنے میں دہن پھول
اے حب وطن ! کہتے ہیں غربت میں یہ رو کر
نظروں میں ہیں خار چمنستان وطن پھول

نہ کیا ذبح گیا چھوڑ کے بسمل قاتل — دہن زخم پکارا کئے قاتل قاتل

ہے بہت سہل شہیداں وفا سے ملنا — خون لگالے تو شہیدوں میں ہو داخل قاتل
عید قربان ہے یہی دن تو ہے قربانی کا — آج تلوار کے مانند گلے مل قاتل
چار آئینہ عناصر کا اُتاروں پھینکوں — زخم کھانا مجھے ہوجائے گا مشکل قاتل

حاضر ہے لیجئے یہ اگر کام آئے دل — کچھ اور پاس ہم نہیں رکھتے سوائے دل
جانا پری رخوں میں بلا کا ہے سامنا — قاصد ٹھہر! کہ ساتھ کروں میں دعائے دل

کیوں کر کہوں نہ قبلۂ حاجت روا اُسے — کعبے کا ہو غلاف جو اُترے قبائے دل
جانا ہے سہل کوچۂ گیسوئے یار میں — دست دعائے عاشق مضطر ہے پائے دل
آنکھیں لہو بہائیں جو ساغر سے مے گرے — شیشہ جو گر پڑے تو مرا ٹوٹ جائے دل

ن

میں جو کافر ہوا تو ضد سے مسلمان ہوا
اب تو کافر ہو تو پھر ضد سے مسلماں ہوں میں
اپنے جامے سے ہوں باہر دم جوش گریہ
یہ نہ ہو مجھ سے کہ منت کش داماں ہوں میں
اے فلک اب تو شب وصل کا ہونا معلوم
صبح محشر کی طرح چاک گریباں ہوں میں

کیا ھی برگشتہ وہ بت مجھ سے ہے اللہ اللہ
اتنی تقصیر ہوئی ہے کہ مسلماں ہوں میں
کیوں ہوا ہوں میں ترے ہاتھ سے ٹکڑے ٹکڑے
نہ تو دامن ہوں میں قاتل نہ گریباں ہوں میں

ذبح کرنا تو ہمیں اے صیاد یہ نہ کہنا رہا کرتے ہیں
اپنے گلزار محبت میں صبا ہوش بلبل کے اُڑا کرتے ہیں
کھول دیتا ہے تصور در یار آنکھ جب بند کیا کرتے ہیں

جو ترے کوچے سے آ جاتا ہے پانوں ہم چوم لیا کرتے ہیں
دیکھنے پاتے نہ تھے جن کو "وزیر"
اب وہ آنکھوں میں رہا کرتے ہیں

کس قدر ہے فرق یوسف میں اور اپنے یار میں
گھر خریدار اس کے آئیں وہ بکے بازار میں
سلسلہ رکھتا ہے میرا کفر کچھ اسلام سے
ہیں کسی تسبیح کے دانے مری زنار میں
یار کی جانب جو دیکھیں، یہ وصیت ہے صبا
خاک میری ڈال دینا دیدۂ اغیار میں

بجائے تاج تو رکھ اپنے سر پہ داغ جنوں وزیر آج تجھے بادشاہ کرتے ہیں

بغل میں یار ہے اور جام مے بھر بھر کے پیتے ہیں
ہمارے ہاتھ میں ہے آفتاب اور ماہ پہلو میں

قتل ہوں گا میں تری تیغ سے یہ لکھا ہے
خط تقدیر ہے یہ جوہر شمشیر نہیں
گالیاں دے کے وہ قائل ہوئے، میں چپ جو رہا
خامشی سے کبھی بہتر کوئی تقریر نہیں

چاک چاک اپنا گریباں ہوچکا ان دنوں دست جنوں بے کار ہیں
سایۂ خنجر میں آیا خواب مرگ واہ کیا طالع مرے بیدار ہیں
کون ہے بیزار ان روزوں "وزیر" ہم جو اپنی زیست سے بیزار ہیں

———

بے دماغ ایسا ہوں بزم مے میں بھی خرم نہیں
دور ساغر ساقیا دوران سر سے کم نہیں
کھاتے کھاتے غم بھی ہو جائےگی راحت اے "وزیر"
سم اگر کھانے کی عادت ہو گئی تو سم نہیں

———

شکل آئینہ اُن سے صاف ہیں ہم جو ہمیں خاک میں ملاتے ہیں

———

بھری ہے تونے جو ساقی شراب شیشے میں
پری اتاری ہے اپنے حساب شیشے میں

———

کس طرف جاؤں دکھا دو یا محمد راہ حق
یاں ہر اک گمراہ کہتا ہے میں خضر راہ ہوں

———

بیٹھنا کیسا، اِدھر آیا اُدھر راہی ہوا
دن جو ہوں تو مختصر ہوں، شب جو ہوں کوتاہ ہوں

———

گوہر اشک سے لبریز ہے سارا دامن آج کل دامن دولت ہے ہمارا دامن

———

یہ سر جھکانا 'یہ منہ پھیرنا' ہے مانع دید
مری نماز میں سجدہ نہیں سلام نہیں

———

رو بہ رو رہتی ہے تصویر تصور' شب و روز
اب تو بے منت خلق آپ کے نظارے ہیں

———

و

اس پتے سے پوچھنا قاصد مکان یار کو　　چاندنی کہتے ہیں کس کی سایۂ دیوار کو

غبار دل عوض اشکوں کے آنکھوں سے جو گرتا ہے
جنوں نے دامن صحرا بنایا میرے دامن کو

بعد از فنا زمیں سے نہ اُٹھا مرا غبار　　ایسا کوئی کسی کی نظر سے گرا نہ ہو

قطعہ

کھینچی تھی تیغ پر نہ نزاکت سے کھنچ سکی
قاتل کا کیا قصور جو مری قضا نہ ہو
ہے درمیاں میں تفرقہ پرداز گفتگو
خاموش ہو تو لب سے کبھی لب جدا نہ ہو
بے چین ہو نہ جائیں سب آسودگان خاک
وہ چال چل کہ جس سے قیامت بپا نہ ہو

تونے دکھا کے ہمیں غیر کو ساغر جو دیا
ساقیا پی گئے ہم آنکھ میں بھر کر آنسو
پوچھتے پھرتے ہیں ہر ایک سے ہم فرقت میں
ضبط کہتے ہیں کسے؟ رکتے ہیں کیوں کر آنسو

۸

دیکھا جسے بسمل کیا، تاکا جسے مارا
اُس آنکھ سے ڈرے جو خدا سے نہ ڈرے آنکھ

اس خجالت نے ابد تک مجھے سونے نہ دیا
ہجر میں لگ گئی تھی ایک گھڑی میری آنکھ

جیتے جی، بس وہ بت رہا ہمراہ | اب تو بندے کے ہے خدا ہمراہ
رنج تنہائی لحد نہ رہا | یار کے غم کو لے لیا ہمراہ

ہم خاک ہوگئے نہ ہوا ختم خط شوق
آخر ہمیں چلے گئے باد صبا کے ساتھ

محشر میں میرا ہاتھ، گریباں ہے آپ کا
دامن سے اب تو جاتے ہو میرے چھڑا کے ہاتھ
میں بادہ کش فقیر ہوں محروم خم کی خیر
ساقی! ادھر بھی ایک پیالہ بڑھا کے ہاتھ

ے

وہ پری زاد منانے سے خفا ہوتا ہے | اب سلیماں بھی اگر آئیں تو کیا ہوتا ہے
آنکھیں وہ دیکھ کے دم اپنا فنا ہوتا ہے | آج بیمار سے بیمار جدا ہوتا ہے
ترک مطلب سے جو مطلب ہے مرا ہوتا ہے | ہاتھ اُٹھانا بھی مجھے دست دعا ہوتا ہے
رات دن سجدۂ شکرانہ ہے واجب منعم! | کہ خدا دیتا ہے اور نام ترا ہوتا ہے

جو کہ طائر ترے صدقے میں رہا ہوتا ہے
اے شہ حسن وہ اُڑتے ہی ہما ہوتا ہے

میری مشت خاک پر آئے جو وہ جانے نہ پائے
آرزو اتنی ہے اپنی خاک دامن گیر سے

قصہ فرھاد کے دھوکے میں حال اُس نے سنا
سرگذشت اپنی کہی ھم نے بھی کس تدبیر سے

نگہہ دز دیدہ سوئے غیر یوں کرتے ھیں وہ آنکھیں
نہاں جس طرح سے بد پرھیزیاں بیمار کرتا ھے

جنت میں جائیں یا کہیں دوزخ نصیب ھو
یہ پرسش عمل تو ھمیں اک عذاب ھے

بغل میں یار ھے، دیوانے! کیا پھرتا ھے صحرا میں؟
صدا یہ آ رھی ھے اپنی زنجیر در دل سے

سلائے قصہ خواں فرقت کی شب، سو یہ کہانی ھے
ترے زانو ھی کے تکئے پہ مجھ کو نیند آنی ھے
مسی ھے رات اگر تو ھیں ستارے دانت سب شیرے
جو مکھڑا چاند سا تو دوپٹا آسمانی ھے

مری تربت پہ شور بلبلاں ھے — چراغ قبر شاید گل فشاں ھے
جہاں اے ماہ تو ھے جلوہ فرما — زمیں کاھے کو ھے وہ آسماں ھے
چمن میں نوچے ھیں صیاد نے پر — بہار گل ھے اور اپنی خزاں ھے
عجیب انداز سے بیٹھا ھے وہ ماہ — کہ کرسی پر گماں آسماں ھے

بعد مردن قبر میں بھی لائی بوئے زلف یار
ایک دو روزن بنا دینا صبا کے واسطے
پیرھن بھی گر رنگے اپنا تو مٹی میں رنگے
خاک ساری چاھئے اتنی گدا کے واسطے

کعبۂ ابرو دکھا او بت خدا کے واسطے
شکل مژگاں ھاتھ اُٹھائے ھوں دعا کے واسطے

سر پٹکتا ہوں ' پلا دے مے سر جوش مجھے
ساقیا دور کہ پھر آنے لگا ہوش مجھے
آج یہ ہجر کی شب رنج وہ دکھلاتی ہے
غم فردائے قیامت ہے فراموشی مجھے
آ گئی لغزش مستانہ کسی مست کی یاد
دور ساغر نے کیا بزم میں بےہوش مجھے

ایسا اک جام دے اے ساقی مےنوش مجھے
دونوں عالم نظر آنے لگیں بےہوش مجھے
میرے چپ رہنے سےظاہر ہوا عشق پنہاں
لب اظہار ہوئے ہیں لب خاموش مجھے

برق و باراں جس کو کہتے ہیں مرا افسانہ ہے
کچھ حقیقت رونے کی کچھ حال بےتابانہ ہے

آنکھیں کھلی ہوئی ہیں عجب خواب ناز ہے
فتنہ تو سو گیا ہے در فتنہ باز ہے
دل خانۂ خدا ہے نہ دے ان بتوں کو جا
او بے تمیز کچھ بھی تجھے امتیاز ہے

ابروئے یار کعبۂ اہل نیاز ہے آنکھیں کھلی نہیں ہیں در توبہ باز ہے
جاکر چمن میں سرو کو آزاد کر دیا کیوں‌کر نہ کہئے یار کو بندہ نواز ہے

ہمارا حال خفیہ لکھ کے پہونچاتا ہے جاناں کو
رقیب روسیہ اب ان دنوں قاصد ہارا ہے

شکر ہے ان بتوں کے کوچے میں پہونچے ہیں ہم خدا خدا کر کے
سر کو ٹکراتے ہیں لحد میں ہم لطف بھولے نہیں ہیں ٹھوکر کے

ایک عالم نے جبہہ سائی کی   اے بتو! تم نے بھی خدائی کی
مرغ بے بال و پر ہوں اے صیاد   آرزو ہے کسے رہائی کی
کوئے قاتل کی راہ بھولا تھا   اے اجل تونے رہ نمائی کی
بال و پر بھی گئے بہار کے ساتھ   اب توقع نہیں رہائی کی

جب سے آغوش سے جدا تو ہے   میرے پہلو میں درد پہلو ہے
چھان ڈالا تمام کعبہ و دیر   اے ہمارے خدا کہاں تو ہے

ہاری اس وفا پر بھی دغا کی   قسم کھائی تھی او کافر خدا کی
نہ آیا منتوں سے یار جس دم   تو پھر کیا کیا اجل کی التجا کی

چھانتا ہے خاک کیا تو گھر بنانے کے لئے
فکر رہنے کی نہ کر آیا ہے جانے کے لئے
اُٹھ گئی بعد اپنے رسم نامہ و پیغام بھی
رہ گئی باد صبا یاں خاک اُڑانے کے لئے

پڑا ہے تفرقہ بے تابیوں سے   ''وزیر'' اب میں کہیں ہوں دل کہیں ہے

باتیں کرتا ہوں کوئی سنتا نہیں   خامشی بہتر ہے اس تقریر سے

گھر کیا دل میں ترے، پر غم دوری نہ گیا   اب بھی کہتے ہیں کہ ہم جاکے کہاں دور رہے

توبہ کا نہ در ہو بند یارب   جب تک در میکدہ کھلا ہے
ہے شیشۂ بزم گرم قلقل   طوطی مستوں کا بولتا ہے
کیا جسم ہے صاف اُس پری کا   گویا قد آدم آئینا ہے

لذت درد سراپا مجھے حاصل ہو جائے
آرزو ہے کہ ہر اک عضو بدن، دل ہو جائے

وہی بےتابی ، وہی درد ، اُسے حاصل ہو جائے
ہاتھ جس عضو پہ رکھ دو وہ ابھی دل ہو جائے

دیوار گرد کھینچی ہے دل کے غبار نے
پردہ کدورتوں سے کیا آج یار نے

دامن لیا سمیٹ شب ہجر یار نے
پھینکا جو میں نے اپنا گریبان پھاڑ کے

مے دے کہ نہ دے بادۂ اطہر تو نہیں ہے
کچھ پیر مغاں ساقی کوثر تو نہیں ہے
ہے سرمے کا دنبالہ تری آنکھ میں ساقی
ساغر سے ترے موج یہ باہر تو نہیں ہے

دیکھنے والوں میں تیرے وہ بہت اچھے رہے
قتل کر ڈالا جنھیں تیغ نگاہ ناز سے

متفرقات

مرگئے ہم وہ روانہ ہو گئے　　رات بھر جاگے تھے دن کو سو گئے

رفعت طلب ایسا ہوں ابھی چین نہیں ہے
پہونچا ہوں وہاں میں کہ فلک ہے نہ زمیں ہے
بے تیرے مجھے دید کا کچھ شوق نہیں ہے
تو پردہ نشیں ہے تو نگہ گوشہ نشیں ہے

جس طرف تم ہو اُدھر سر مرا جانا ! ہو جائے
پائینتی قبر کے بیٹھو تو سرہانا ہو جائے

دیکھ، پچھتائے گا او بت مرے ترسانے سے
اُٹھ کے کعبے کو چلا جاؤں گا بت خانے سے
وہ مسیحا جو چلا ہاتھ چھڑا کر شب وصل
نبضیں بھی چھوٹ گئیں ہاتھ کے چھٹ جانے سے

سینے پہ میرے زخم ہیں کیا بے نشاں لگے
جراح ہاتھ ملتا ہے پھاہا کہاں لگے

زلف کی چال صبا چلتی ہے کیا پریشان ہوا چلتی ہے

ترجیع بند

صبا کبھی جو ترا کوئے یار میں ہو گزر
نہ بھولیو تو پیام "وزیر" خستہ جگر
یہ کہدے اس سے کہ اے جان تیری فرقت میں
فغاں ہے، درد ہے، غم ہے، الم ہے آٹھ پہر
پہونچ گیا ہے گریباں کا چاک دامن تک
گزر گیا بس اک سر سے آب دیدۂ تر
کبھی ہے ہوش، اُسے گاہ فرط بے ہوشی
کبھی ہے آپ میں وہ گاہ آپ کے باہر
ہر ایک کوچے میں پھرتا ہے صورت وحشی
کبھی اِدھر سے اُدھر اور کبھی اُدھر سے اِدھر
بہت قلق جو ستاتا ہے تو یہ پڑھتا ہے
عجیب حسرت و ارماں سے ہاتھ پھیلا کر
بیا بیا کہ ترا تنگ در کنار کنم
بہ تنگ آمدہ اَم چند انتظار کنم

قطعہ

نہ کر عوض مرے جرم و گناہ بے حد کا
الٰہی تجھ کو غفورالرحیم کہتے ہیں
کہیں کہیں نہ عدو دیکھ کر مجھے محتاج
یہ اُس کے بندے ہیں جس کو کریم کہتے ہیں

تعشق

سید مرزا نام، لکھنؤ کے رھنے والے، ناسخ کے شاگرد تھے -

غزل کا رنگ تلامذۂ ناسخ میں سب سے نرالا ھے، زبان کے ساتھ طرز، ادا بے ساختگی کی خوبی کی میں سوز و گداز کے مضامین اس طرح ادا کرتے ھیں کہ دل کھنچ جاتا ھے -

"تعشق" نے غزل گوئی کے لئے نئے انداز کی زمین طیار کردی جو ان کے بعد لکھنؤ میں کسی اور کو نصیب نہیں ھوئی -

تعشق نے غزل میں جو تاثیر پیدا کی ھے اس کی چوٹ دل پر لگتی ھے اور زبان بیان نہیں کر سکتی -

غزل گوئی میں جس چیز کی کمی عرصے سے تھی تعشق نے پوری کر دی -

ا

وہ پھیرے تھا منھ، ذبح میں ہو رہا تھا — خدا جانے ہنستا تھا یا رو رہا تھا
یہاں دل، وہاں ڈوبتے تھے ستارے — شب وصل آخر تھی میں رو رہا تھا
بدلتا تھا میں درد دل سے جو پہلو — زمانہ اِدھر کا اُدھر ہو رہا تھا

میں باغ میں ہوں طالب دیدار کسی کا — گل پر ہے نظر دھیان میں رخسار کسی کا
دیکھ، آؤ کہ بیمار تمھارا تو نہیں ہے — رکھا ہے جنازہ سر بازار کسی کا

شب وصل تھی خواب اے صبح فرقت — ابھی میرے زانو پہ تھا سر کسی کا

اُنس ہے خانۂ صیاد سے گلشن کیسا؟ — ناز پرورد قفس ہوں میں، نشیمن کیسا؟

کچھ نہ کچھ گور غریباں پر بھی ساماں ہوگیا
چار تارے چرخ سے ٹوٹے چراغاں ہو گیا

کیا معاذ اللہ؟ مری وحشت نے پھیلائے ہیں پانوں
واہ برسوں کی مرا چاک گریباں ہو گیا

دل ہے مردہ خلد میں جانے سے کیا ہو جائے گا
ہم جہاں ہوں گے وہ گھر ماتم سرا ہو جائے گا
ناز پرور ہے ذرا بھی دل سے بگڑیں گے جو آپ
یہ بھی اپنی زندگانی سے خفا ہو جائے گا

عشق کی وہ شورشیں، وہ ولولہ جاتا رہا
اک جوانی کیا گئی؟ سب حوصلہ جاتا رہا
گاہ وحشت میں ہنساتا تھا، رولاتا تھا کبھی
دل نہیں جاتا رہا، اک مشغلہ جاتا رہا

نہ چونکے حضور آپ سوتے تھے غافل — پکارا کیا رات بھر دل ہمارا

یوں تو حرف خط تقدیر نہیں مٹنے کا — آپ کے در پہ ارادہ ہے جبیں سائی کا

دل جو مر جائے ہمارا تو کرے کون آہیں — سو گیا جاگنے والا شب تنہائی کا

دل پر داغ کا ہم حال کہیں کیا تم سے — پھول دیکھا ہے کبھی لالۂ صحرائی کا

ت

ظلم اُٹھاتا ہوں مگر شکوہ میں کر سکتا نہیں
جس قدر دل سخت ہے اتنی ہے نازک خوے دوست

خون ناحق کے عوض آخر ہوا کس حسن سے
نام سے تعویذ کے باندھے گئے بازوے دوست

قتل گہ میں اپنے اپنے کام میں تھے حسن و عشق
اس کی آنکھیں تیغ پرتھیں، میری آنکھیں سوے دوست

ج

تلاش یار کا تھا دھیان کل تک — ہمیں ہے اپنے دل کی جستجو آج
ہوا ترک محبت پر نہ راضی — رہی تا دیر ان سے گفتگو آج

ح

کشاں کشاں مرا لاشہ تو لے گئے احباب
نکل کے رہ گئی قالب سے کوئے یار میں روح

ر

خبر کسی کو ضعیفوں کے قتل کی نہ ہوئی
ہم ایک قطرۂ خوں تھے زباں خنجر پر
ترے مریض محبت نے قبر کی آباد
عجب طرح کی اُداسی ہے آج بستر پر

ض

ہاتھ اٹھا کر منہ تو تم کو یہ دیتا ہے دعا
عمر بھر حسن وہے زیب کنار عارض

ل

کل نہ ہم ہوں گے، مسیحا نہ یہ بیماریٔ دل
آج بس اور ہے تکلیف پرستاریٔ دل

ن

غربت میں پسند آتی ہے وا ماندگی اپنی
ہم آپ چبھو لیتے ہیں کانٹے کف پا میں

پڑگئی کیا نگہ مست تری اے ساقی
لڑکھڑاتے ہوئے مےخوار چلے آتے ہیں
ہر طرف حشر میں جھنکارے زنجیروں کی
اُن کی زلفوں کے گرفتار چلے آتے ہیں

کبھی تو شہیدوں کے قبروں پر آؤ
یہ سب گھر تمہارے بسائے ہوئے ہیں
جو ہے گھر کے اندر وہی گھر کے باہر
وہ آنکھوں میں دل میں سمائے ہوئے ہیں

وہ کھڑے کہتے ہیں میری لاش پر ہم تو سنتے تھے کہ نیند آتی نہیں

لطف دیکھا نہ کسی چیز کا اشکوں کے سوا
آئی تھیں رونے کو دنیا میں ہماری آنکھیں
کور ہو جاؤں مگر عشق میں رونے کو نہ روک
ناصحا! دل سے زیادہ نہیں پیاری آنکھیں

قدم اہل زمیں آنکھوں سے رو رو کر لگاتے ہیں
نکل آتا ہے پانی جس جگہ ٹھوکر لگاتے ہیں
نہیں تسکین ہوتی ایک جا پر کوئے جاناں میں
سحر سے شام تک ہم سو جگہ بستر لگاتے ہیں
کہیں تربت نہ اپنی کھد سکی جو کوچۂ جاناں
گدائے حسن موقع دیکھ کر بستر لگاتے ہیں

مجھ سے لاکھوں خاک کے پتلے بنا سکتا ہے تو
میں کہاں سے ایک تیرا سا خدا پیدا کروں

کہتے ہو زلف میں دل اندوہ گیں نہیں
بس جب یہاں نہیں تو یہ جانو کہیں نہیں

و

چلا گھر سے وہ بحر حسن، اللہ رے کشش دل کی
عجب قطرہ ہے جو کھینچے لے جاتا ہے دریا کو
دل وحشی قیامت کا ہے وحشت خیز و وحشت زا
بغل میں تیرے دیوانے لئے پھرتے ہیں صحرا کو

روتے روتے شب فرقت میں جو سو جاتا ہوں
چٹکیاں لے کے جگاتا ہے مرا دل مجھ کو

غیر پھر غیر ہیں آخر ہیں پھر اپنے ' اپنے
یاد کرتا ہے ترے پاس مرا دل مجھ کو

نسیم ! کوچۂ جاناں میں جلد پہونچا دے
کہ مفت خاک ہماری تباہ ہوتی ہے

قفس تنگ میں گھٹ گھٹ کے نہ کیوں کر مرتے
ناز پر وردۂ آغوش گلستاں ہم تھے
دل کے دینے میں تامل ہمیں ہوتا کیوں کر
یہ حسینوں کی امانت تھی نگہباں ہم تھے

شب وصال وہ سر رکھ کے جس پہ سوئے تھے تڑپ رہا ہوں' وہ تکیہ گلے لگائے ہوئے

جھنجھلا کے مجھ کو ذبح تو صیاد نے کیا
اب رو رہا ہے منہ کو قفس پر دھرے ہوئے

وہاں اُٹھتے نہیں پردے ہوا ہوں دفن میں جب سے
یہی ضد ہے کہ گھر میں اُڑکے خاک آے نہ باہر کی

یہاں اُترتا ہے داغ سے پھاہا تھر تھری جسم آفتاب میں ہے

ہو رہے ہیں تمام جز و بدن کس قدر بےقراری دل ہے
تیرے در کی زمیں کا کیا کہنا یہ جگہ تو لحد کے قابل ہے

خفا نہ ہو جو تمہاری گلی میں دفن ہوے
ہزار بار سب آئے ہم ایک بار آئے

اے مسیحا تو نے جس دن سے توجہ چھوڑ دی
تیرے بیماروں کو اُمید شفا جاتی رہی

پونچھ کر دانتوں کی مسی ہنس کے فرمانے لگے
لیجئے تارے نکل آئے گھٹا جاتی رہی

دل سوختہ تھے چاہنے والوں میں تمہارے
لیکن سبب گرمئی بازار ہمیں تھے

نہ اُٹھے پھر کبھی، راتوں کے بیدار اس طرح ہوے
مگر کروٹ بدلوانے کو آئی صبح محشر کی
کسی دل کو غم و اندوہ سے فرصت نہیں دیتا
قسم کھائی ہے گردوں نے زمین کوے دلبر کی

مجھ سے کیا پوچھتے ہو داغ ہیں دل میں کتنے
تم کو ایام جدائی کا شمار آتا ہے

دل مجنوں میں کیا بڑائی تھی تجھ کو لیلیٰ جو فکر محمل ہے

رات بھر مطلق نہ آئی نیند ایسا جی لگا
صبح تک باتیں سنیں ہم نے دل ناشاد کی

بجھ رہے ہیں داغ دل تربت میں جانے کے لئے
روشنی کم ہو رہی ہے نیند آنے کے لئے
قدردانی آپ کی ہم ناتواں کیا روئیں گے
دل میں طاقت چاہئے آنسو بہانے کے لئے
حشر کو کہتے اُٹھے خوابیدگان کوئے دوست
کیا مزے کی نیند میں آئے جگانے کے لئے

باغ میں پھولوں کو روند آئی سواری آپ کی
کس قدر ممنون ہے باد بہاری آپ کی
بے وفائی آپ کی غفلت شعاری آپ کی
میرے دل نے عادتیں سیکھی ہیں ساری آپ کی

میکدوں میں ٹوٹتے جاتے ہیں باہم لڑ لڑ کے جام
مفسدہ پر داد ہے چشم خماری آپ کی
آج کس پر رحم آیا کس پہ روتے ہیں حضور
ہے نصیب دشمناں آواز بھاری آپ کی

چراغ داغ میں دن سے جلائے بیٹھا ہوں
سنا ہے جو شب فرقت سیاہ ہوتی ہے
گیا شباب پر اتنا رہا تعلق عشق
دل وجگر میں تپک گاہ گاہ ہوتی ہے
فراق یار میں پھرتے ہیں پوچھتے ہوئے ہم
اثر جو رکھتی ہے کیسی وہ آہ ہوتی ہے

عدم سے دہر میں آنا کسے گوارا تھا
کشاں کشاں مجھے لائی ہے آرزو تیری
مرا پیام صبا میرے گل سے کہدینا
چلی گئی مجھے بے ہوش کرکے بو تیری
تمام رات رہا دل سے ذکر خیر ترا
گلہ کیا ہو تو شاہد ہے آرزو تیری

بڑھ گیا شاید اسیران قفس کا اختلاج
باغ میں باد صبا پھرتی ہے گھبرائی ہوئی
کان میں شاید صدائے آہ مجنوں آ گئی
نجد کو لیلیٰ چلی جاتی ہے گھبرائی ہوئی

اٹھتے جاتے ہیں بزم عالم سے
آنے والے تمہاری محفل کے
داغ دل گھٹ رہے ہیں پیری میں
بجھ رہے ہیں چراغ محفل کے
دعویٰ صبر ہو گیا باطل
درد نے ہوش کھو دئے دل کے

نجد سے جانب لیلیٰ جو ہوا آتی ہے
دل مجنوں کے دھڑکنے کی صدا آتی ہے
مرکے بدنام کیا نام محبت میں نے
منہ پہ کچھ ڈال دو کوئی کہ حیا آتی ہے

آنسو بھر آئے دیکھ کے بادل بھرے ہوئے
صحرا کے ساتھ زخم جگر کے ہرے ہوئے

ذکی

نام مہدی علی خاں ' کرامت علی خاں کے بیٹے ' آبا و آجداد لکھنؤ کے رہنے والے تھے ' ان کا مولد اور مسکن مرادآباد تھا -

نواب محمد سعید خاں والئی ریاست رام پور کی سرکار سے وظیفہ ملتا تھا ' غازی الدین حیدر بادشاہ اودہ کے زمانے میں لکھنؤ آئے اور ناسخ کے سامنے زانوے تلمذ تہ کیا -

نواب صاحب کی شان میں ایسا قصیدہ لکھا کہ اس کے صلے میں مالا مال ہو گئے -

کچھ دنوں کے لئے دہلی بھی گئے تھے اور نواب مصطفیٰ خاں شیفتہ ' کے مشاعرے میں شرکت کی تھی ' اہل دہلی نے ان کی قدر و منزلت کی -

دہلی سے سہارن پور اور سہارن پور سے حیدرآباد دکن آئے اس جگہ ان کی بہت قدر ہوئی ' حیدرآباد سے لکھنؤ آئے یہ زمانہ واجد علی شاہ کا تھا ' شاہ اودہ نے اپنی سرکار میں ملازم رکھ لیا اور ملک‌الشعرا کا خطاب دیا - غدر کے بعد خانہ نشین ہوگئے تھے لیکن نواب یوسف علی خاں صاحب ناظم نے ان کا شہرہ سن‌کر رام‌پور بلا لیا ' آخر عمر تک وہیں رہے - سنہ ۱۲۸۳ھ میں وفات پائی -

ان کے کلام میں ناسخی رنگ سے علیحدہ گداز بھی ہے اور درد بھی ' زبان بھی دل‌چسپ ہے اور طرز ادا بھی دل‌نشین' اکثر اشعار میں درد کی تصویر کھینچ دی ہے -

ا

ریختی میں ہوئے معنی ہم نے پیدا کی "ذکی"
سر زمین ہند میں، کیا عطر کھینچا خاک کا؟

تن و جان کی نہیں اصلا خبر آشفتہ حالوں کو
ہوئے ہیں بے خودی کے واسطے ہم بے خبر پیدا
"ذکی" جوں شمع اپنی زندگی جلتے ہی کٹتی ہے
کیا ہے سوز دل کے واسطے ہم کو مگر پیدا

رمز سوال ہے نہ اشارہ جواب کا — خانہ خراب عالم شرم و حجاب کا
کیوں کر نہ خون ہو مری حسرت بھری نگاہ — آنکھوں میں کٹ گیا ہے زمانہ شباب کا

شکوہ عبث ہے وحشت خانہ خراب کا
عرصہ ہے فصل گل کا زمانہ شباب کا
وحشت ہے آشکار زلیخا کے حال سے
آنکھیں بیان کرتی ہیں افسانہ خواب کا
ہر غنچے میں چھپی ہوئی اک بات ہے "ذکی"
گویا جواب ہے دہن لا جواب کا

وہ دل نہ، وہ بہار، نہ وہ چہچہے رہے — افسانہ رہ گیا مرے جوش و خروش کا

مزے جہاں کے اٹھائے ہیں خاکساری میں — کہ بندگی میں تماشا کیا خدائی کا
"ذکی" جہاں میں کہا کیا دو رنگیاں دیکھیں — جو رات وصل کی گذری تو دن جدائی کا

ہنوز دشت جنوں میں غبار اٹھتا ہے — نشان باقی ہے مجنوں کی بے‌نشانی کا

صرفہ اب پردہ دری میں دل ناداں کس کا
دامن یار ہی چھوٹا تو گریباں کس کا

طرفہ موزوں رات دن حسن و عشق کا افسانہ تھا
شمع اک مصرعہ تو اک مصرعہ پر پروانہ تھا
سونچ میں تعبیر کے یوسف کو نیند آنے لگی
ماجرا خواب زلیخا کا عجب افسانہ تھا
داغ ہو کر دل نے دکھلایا تماشائے بہار
چشم تر کو اشتیاق جلوۂ جانانہ تھا

قاصد کے ہوش گم تھے یہ طرفہ ماجرا تھا
کہتا تھا کچھ زبانی اور خط میں کچھ لکھا تھا
شکل حباب کیا کیا آنکھوں سے رنگ دیکھے
کیا چشم تر کا ساغر جام جہاں نما تھا
اک بات پر تمہارے سو جی سے ہم تھے قرباں
کچھ بات اب نہ پوچھو کیا جانئے وہ کیا تھا

شب طرفہ اختلاط بہم دلستاں سے تھا — دل سے تپاک حرف شکایت زباں سے تھا
لانا نہ تھا رقیب کے آگے زباں پر — شکوہ جو دل میں اس بت نامہرباں سے تھا

رشتۂ جاں سے زلیخا کو حیا کی خاطر — چاک پیراہن یوسف کو رفو کرنا تھا

شب وصل یار گزر گئی تو سحر کو اپنا یہ حال تھا
دل و دیدہ حیرت و غم میں تھے کہ یہ خواب تھا کہ خیال تھا
مرے حال زار پہ کی نظر تو رہی نہ اس کو بھی کچھ خبر
ہوئیں حیرتیں جو ادھر اُدھر تو جواب تھا نہ سوال تھا

تا مرگ درد عشق نہ ہم سے جدا ہوا — زیر کفن بھی ہاتھ ہے دل پر دھرا ہوا
اچھا ہوا کہ عشق کی رسوائیاں ہوئیں — کچھ ہم سے آشنا تو وہ نا آشنا ہوا

غریب واقعہ فرہاد کا فسانہ ہوا — پہاڑ ٹوٹ پڑا موت کا بہانہ تھا
بسے ہوئے تھے دلوں میں ہزارہا نیرنگ — طلسم ہستی موہوم اک بہانہ تھا

هم ہیں کہ تجھ پہ مرتے ہیں اے شوخ بے وفا
دل ہے کہ جان بوجھ کے دیوانہ ہو گیا
اب چشم و دل سے کام حریفانہ لے ''ذکی''
انجام دور شیشہ و پیمانہ ہو گیا

کس قدر چمن آرا داغ دل ہے بلبل کا
آفتاب محشر کو شمع انجمن دیکھا

یاں تپش سے شور محشر آشکارا ہوگیا
داغ دل صبح قیامت کا ستارا ہوگیا
تو ہوا گرم سخن اور کھل گیا راز نہاں
تو ہنسا اور غنچۂ تصویر گویا ہوگیا

یہ طرز ہے کہ بلاوت ہوئی ہوئی نہ ہوئی
یہ رمز ہے کہ تکلف رہا رہا نہ رہا

مہ کنعاں کی زلیخانے خریداری کی
عشق نے حسن کو رسوا سر بازار کیا

ہو کے از خود رفتہ ہم طرز آشنائے غم ہوے
آپ سے گذرے تو اس کے دل میں گھر پیدا کیا
تازہ پھر ہم نے کیا طرز غزل خوانی ''ذکی''
پھر بہار عشق نے رنگ دگر پیدا کیا

برق کی صورت سدا شور تپش سے کام ہے
بےقراری کے لئے ہم کو مگر پیدا کیا
عالم آشفتگی سے خوب رکھتے ہیں خبر
اپنے عالم میں ہمیں گو بےخبر پیدا کیا

دیر یہ شوق شور جنوں یاد آگیا
یہ کیا خیال اے دل ناشاد آگیا
بےخود ہے اے اسیر قفس کس خیال میں
ہشیار ہو کہ موسم فریاد آگیا

ان صحبتوں سے چھوٹ کے تڑپیں گے مدتوں
یہ چہچہا چمن کا بہت یاد آئے گا
طے کر چکا ہے ناقہ بیابان بے خودی
آگے جنوں کا دشت غم آباد آئے گا
کس کو یہ ہوش ہے کہ اسیری ہے گھات میں
کس کو خبر ہے باغ میں صیاد آئے گا

صیاد نے خبر بھی نہ لی مرغ دل کی حیف   آخر تڑپ تڑپ کے تہ دام رہ گیا
دیکھا جو زرد رنگی عشاق کا کمال   حیرت میں آفتاب لب بام رہ گیا
فصل بہار میں نہ ہوے ہم شگفتہ دل   شور جنوں کا مفت میں الزام رہ گیا

اس کافر بے رحم کو پروا نہیں زنہار   قائل ہوں میں اے آہ تری بے اثری کا
پیری میں "ذکی" عشق کی رخصت کا سماں ہے
ہر داغ میں ہے جلوہ چراغ سحری کا

چاھئے داغ نمایاں جگر چاک کے ساتھ
ہوئے خورشید و سحر دست و گریباں پیدا

گلشن بہار پر ہے نہ دل کو شگفتگی   وہ شورشیں کہاں وہ مزا اب کہاں رہا
دور جہاں میں اب ہیں قیامت خرابیاں   نہ وہ زمیں رہی ہے نہ وہ آسماں رہا

مزا نہ زیست کا اے جان بےقرار رہا   کہ یہاں وہ دل نہ وہاں عالم بہار رہا

اک جہاں ہے کہ نہیں لطف نگہ سے آگاہ   ایک میں ہوں کہ ترا کشتۂ دیدار ہوا
بلبل نغمہ سرا تھا چمنستاں میں "ذکی"
آکے کوچے میں تری صورت دیوار ہوا

جب آفتاب داغ تمنا ہوا طلوع   دریائے چشم تر شفقی رنگ ہوگیا

جا بجا گرم ہے چرچا دل سودائی کا   ہر زباں پر ہے سخن عشق کی رسوائی کا
وحشت آباد جنوں میں جو بگولے دیکھے   لے اوڑا شوق ہمیں بادیہ پیمائی کا
عالم حشر میں دل کس کا بہلتا ہے "ذکی"
کہ اٹھایا ہے مزا قبر میں تنہائی کا

چل بسے اہل جنوں خالی بیاباں رہ گیا
جا بجا اُلجھا ہوا کانٹوں میں داماں رہ گیا

——

ہوائے غم سے ہوئے تازہ دل میں داغ کہن　　یہ گل کھلے کہ یہاں موسم بہار آیا

——

ہنسی ہنسی میں کیا تم نے زخم دل تازہ　　نمک چھڑکتے تو ایسا مزا کہاں ہوتا
نگاہ تند نے بھڑکائی آگ دل میں ''ذکی''
وہ شوخ پیار میں آتا تو میں کہاں ہوتا

——

غفلت میں کام دل ہمیں بے جستجو ملا　　اپنی تلاش تھی کہ نصیبوں سے تو ملا

——

خواب غفلت کا خیال آئے شب ہجر میں کیا
لطف اُٹھایا ہے شب وصل کی بیداری کا

——

غمزۂ بے باک مشتاق دل آرائی ہوا　　مژدہ اے شور جنوں سامان رسوائی ہوا

——

بے خود، جمال ساقی سرشار نے کیا　　کار شراب شربت دیدار نے کیا
چمکا جو دل کا داغ گریباں میں اے ''ذکی''
کار شعاع مہر ہر اک تار نے کیا

——

ب

——

آنکھیں چرا کے شرم سے نیچی نگاہ کی　　سمجھے وہ حیرت دل بیمار کا سبب

——

ت

——

تم کہو قصہ ہمارا بزم حسن و عشق میں
گل کہے روداد بلبل، شمع پروانے کی بات

ہوگئی برباد شاید واں ہماری مشت خاک
کچھ غبار آلودہ آتی ہے نسیم کوئے دوست

ج

یاد آگئی بہار جو دیر ینہ عشق کی
شعلے بھڑک اُٹھے مرے داغ کہن میں آج

چ

تھے عیاں معنی اقرار سے انکار کے پیچ ہم نہ سمجھے سخن نامہ بر یار کے پیچ

د

آہ و فغاں کے ساتھ نہیں کچھ نشان درد گویا خموش ہے جرس کاروان درد
جو گل کھلا سو چاک جگر ہی نظر پڑا ہے نخل بند باغ جہاں ' باغبان درد

اپنی قسمت سے جہاں میں وہ ہوئی ہے نایاب
ڈھونڈنا درد محبت کی دوا میرے بعد

ر

مقصود کا مقام بہت دور ہے ابھی مرتے ہیں یار پہلی ہی منزل کو دیکھ کر

پچھلے داغوں سے جگر پر ہیں نشاں باقی ہنوز
دیکھئے ابکی برس کیا گل کھلاتی ہے بہار

اس شوخ جفاکار کی معشوق نگاہیں لے جاتی ہیں آنکھوں میں دل زار اُڑاکر

گر ہے روش یہی تو قیامت بپا ہوئی یہ ناز ہے تو قہر ہے جان نیاز پر

ز

تعظیم کے پردے میں بٹھاتے ہیں مجھے آپ
میں خوب سمجھتا ہوں یہ توقیر کے انداز
کی دیر جو اتنی تو رہا محو تماشا
ہم پاگئے قاصد تری تاخیر کے انداز

ش

اُستاد عشق طوطی دل ہے یہ حرف زن
اور میں ہوں آئینہ کی طرح درمیاں خموش

ض

ہے گفتگو میں یار کی تکرار سے غرض انکار سے نہ ہم کو نہ اقرار سے غرض
بے تاب غم کو ہے سر سودائے انتظار محشر سے کچھ نہ وعدۂ دیدار سے غرض

غ

عشرت کدہ خیال کا ہے سوز غم سے داغ جلتا ہوا دکھاتا ہے اپنا فسانہ باغ

احوال چشم تر ہو لب جام سے بیاں گویا زبان شمع کہے ماجرائے داغ

ق

عاشق کا تو کچھ کام تصور سے نہ نکلا   پروانے ہوں کیا شعلۂ تصویر کے مشتاق

ک

غم میں تڑپ تڑپ کے دل زار خوں ہوا   پہنچے نہ یہ خبر کہیں اس بدگماں تلک

ل

حشر کو عرصہ ہے اور مجھ کو نہیں تاب تپش
منھ سے ظالم نہ ابھی وعدۂ دیدار نکال
شکل فرہاد ''ذکی'' کوہ کنی ہے آساں
کھود کر دے تو کوئی مطلب دشوار نکال

م

نشہ میں چور ہوا وہ بت طناز جو رات   قابل سیر ہوا بے خبری کا عالم
سادہ رویوں کی بہاروں کا تماشاہ دیکھے   جس نے دیکھا نہ ہو شمع سحری کا عالم
نہ اسیری ہی رہے گی نہ تپش دل کی ''ذکی''   یاد رہ جائے گا بے بال و پری کا عالم

نہ ہو قاصد یار تو چین نہیں کہ خیال ہمارا ہے اور کہیں
نہیں یہ بھی خبر کہ ہواس نہیں ہمیں نشۂ بے خبری کی قسم

اے حشر خبر شتاب لینا   بے تاب تہ مزار ہیں ہم

تڑپتے رہے بلکہ مرتے رہے ہم   مگر دم محبت کا بھرتے رہے ہم

شب آنے میں قاتل کے جو دیر گزری تجھے اے اجل یاد کرتے رہے ہم
خیال اس کے دل میں ہمارا نہ گذرا سدا اپنے جی سے گذرتے رہے ہم
''ذکی'' تذکرہ شب جو تھا واں وفا کا تو دل کو بہت یاد کرتے رہے ہم

رنج و راحت سے عدم میں کبھی آگاہ نہ تھے لے چلے تازہ مزا عالم ایجاد سے ہم
ہم صفیروں کو مبارک ہو تماشائے بہار گل کھلاتے ہیں قفس میں لب فریاد سے ہم

زبان حال سے کرتا ہوں بے صدا فریاد نہفتہ راز محبت کا پاسدار ہوں میں

بوہے غنچوں میں نہاں یا ترے ہونٹوں میں ہنسی
قید شیشے میں پری ہے کہ حیا آنکھوں میں

اب سبب کیا ہے جو کانٹا سا کھٹکتا ہے ''ذکی''
یہ وہی دل ہے کہ رہتا تھا سدا آنکھوں میں

بے دھڑک کھول دیا نامہ‌بر یار نے راز
یوں بھی کہتا ہے زبانی کوئی پیغام کہیں

''ذکی'' ہم سر گذشت غم سے خاطر شاد کرتے ہیں
تڑپ جاتے ہیں جب دل کا تڑپنا یاد کرتے ہیں
دماغ نالہ و زاری کہاں آزردہ جانوں کو
مگر ہاں شکوۂ بے رحمی صیاد کرتے ہیں

کیا فغاں کرتے ہیں کیا ضبط نفس کرتے ہیں
زندگی خاک اسیران قفس کرتے ہیں
دل و جاں ہیں تو غم عشق کا رکھتے ہیں خیال
زیست باقی ہے تو مرنے کی ہوس کرتے ہیں
پھر تڑپنے کا ہوا شوق رہائی میں خیال
پھر پر و بال درست اب کی برس کرتے ہیں

تنگ کیوں جاں سے ہم سینہ فگار آتے ہیں
زندگی ہے تو پھر ایام بہار آتے ہیں
عرس مجنوں ہے کہ صحرا میں بگولے بن کر
وجد کرتے ہوئے مستوں کے غبار آتے ہیں

لذت وصل کو جمعیت اسباب کہاں
دل کہاں، جاں کہاں، صبر کہاں، تاب کہاں؟

و

اس پتے سے پوچھنا قاصد مکان یار کو
چاندنی کہتے ہیں "کس کے سایۂ دیوار کو"؟

پردہ داری، دل شوریدہ کو درکار ہے کیا
بادباں چاہئے کیا کشتئی طوفانی کو

ہ

لطف جاں بخش بھی ہے غمزۂ بیداد کے ساتھ
مژدہ اے دل کہ مسیحا بھی ہے جلاد کے ساتھ
واشد خاطر دل گیر خموشی میں کہاں
ہے اسیری کا مزا نالہ و فریاد کے ساتھ

ے

ائی صبح رنگ پہ سرخی شراب کی
مہتاب پر شبیہہ کھنچی آفتاب کی
جوہر تو مجھ میں تھے ملکوتی صفات کے
انساں بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی
کس زندگی پہ کیجئے سامان بزم عیش
مہمان چار دن ہیں بہاریں شباب کی

ایک ذرا تیغ نگہ کو جو اشارا ہوجائے
آپ کا نام ہو اور کام ہمارا ہوجائے

ذرا سوچو تو معشوق ایسے ہی حالت سے رہتے ہیں
طلب گاروں کو اپنے تم کو یہ صورت دکھانی ہے

نہ قاصد ہے نہ نامہ ہے نہ پیغام زبانی ہے
پھر اس پر دل کا لگ جانا بلائے ناگہانی ہے

———

درد پنہاں سے مرے یار خبردار ہوئے | سر سودا کے تماشے سر بازار ہوئے
واہ کیا شوق رہائی سے فراغت پائی | بے پر و بال جو ہم غم کے گرفتار ہوئے
جان ہے بار گراں عشق کے دریا میں "ذکی"
دیکھ ڈوبے ہوئے جی کھو کے سبکسار ہوئے

———

قربانی نگہ کے سزاوار ہم ہوئے | آنکھوں سے دیکھنے کے گنہگار ہم ہوئے

———

کوچ کی سن کے خبر عشق کے دیوانوں سے | نکہت گل نکل آتی ہے گلستانوں سے
کیجئے رفع حجاب آئے اگر عید بہار | بوئے داغ جگر آتی ہے بیابانوں سے
گرم ہے اب کے بوس لالہ خود رو کی بہار | بوئے داغ جگر آتی ہے بیابانوں سے

———

یہ تکلف ہے تو کب عہدہ برآئی ہوگئی | یہ کدورت ہے تو کیا خاک صفائی ہوگئی

———

زمیں سے لالہ نکلتا ہے داغ کھائے ہوئے
بہار عشق کے ہیں یہ بھی گل کھلائے ہوئے
کسے ہے حشر میں کچھ ہوش کہنے سننے کا
حواس باختہ ہیں نیند سے جگائے ہوئے
روانہ ہے پس محمل، غبار وادیٔ نجد
کہ لے چلی ہے صبا بیڑیاں پنہائے ہوئے

———

پیری و عہد شباب آہ خرابی میں کٹے | شب غم دیکھ چکے، صبح الم دیکھ چکے

———

"ذکی" مسافر ملک فنا کو ہے لازم | کہ بار، دوش پہ بار ہے تو مختصر باندھے

———

جو کوئی دن کو چلے شب کو ٹھہر جاتا ہے
قاصد عمر رواں آٹھ پہر جاتا ہے

میں تڑپتا ہوں پڑا نیم نگہ کا مشتاق
اے مرے جان کے دشمن تو کدھر جاتا ہے

کبھی ہوگا کہ گلستان وطن دیکھیں گے
ہم اسیران قفس پھر بھی چمن دیکھیں گے

رو کشِ لالہ و گل داغ تمنا دیکھے
ہم سے پوچھو کہ مزے عشق میں کیا کیا دیکھے

شب کو سویا جو اِدھر سے یار کروٹ پھیر کر
اضطراب دل کے سوجھے سیکڑوں پہلو مجھے
دل نے تڑپایا جو زیر دام بجلی کی مثال
لے اُڑا شوق رہائی بے پر و بازو مجھے
آنکھ کی سرخی ہوئی رنگ بہار حسن و عشق
نشہ کا ڈورا اسے زیبندہ ہے آنسو مجھے

واہ وا نام خدا حسن طرح داروں کے
کیا تجلی ہے کہ پر جلتے ہیں نظاروں کے
بال بکھرے ہیں ترے چاند سے منہ پر اے جان
ایک یوسف ہے اور انبوہ خریداروں کے

شعلہ خو یار کو دیکھا جو ادھر سے برہم اور بھڑکانے لگے آگ لگانے والے
اعتبارات جہاں رنگ بدلتے ہیں ''ذکی'' آنے والے یہی ہوجاتے ہیں جانے والے

ایک نشتر ہے کہ دیتا ہے رگ جاں کو خراش
ایک کانٹا ہے کہ پہلو میں چبھوتا ہے کوئی
ناصحا کیوں منع کرتا ہے تو رونے سے مجھے
آہ ظالم کیا تری آنکھوں سے روتا ہے کوئی

یاد آتا ہے مجھے دل کا جدا ہونا ''ذکی''
وقت رخصت جب کسی سے مل کے روتا ہے کوئی

ہر ایک دیکھ کر اُسے کیوں بے قرار ہے — خورشید حشر کیا کہیں تصویر یار ہے
ہم آپ سے تو جا ہی چکے اشتیاق میں — اب آؤ یا نہ آؤ تمھیں اختیار ہے

اے اضطراب روح! خبر دل کی لے شتاب
اے حشر! جلد چل کہ ترا انتظار ہے
پیری میں بھی مزا ہے میسر اگر ہو عیش
دل کو سرور ہو تو خزاں بھی بہار ہے

نسبت دل بستگی کی ظاہرا تاثیر ہے
یعنی میں حیراں ہوں اور تو عالم تصویر ہے
منزل وحشت کا داغ دل میں ہوتا ہے فروغ
نالۂ سوزاں، چراغ خانۂ زنجیر ہے

محشر نے آ کے قبر میں تڑپا دیا مجھے
کس کے خرام ناز کا دھوکا ہوا مجھے

بیٹھ کر گور غریباں سے جو یار اُٹھتا ہے
اس کے دامن کے پکڑنے کو غبار اُٹھتا ہے
پیشوائی کو شتاب آئے قیامت سے کہو
کہ جہاں سے کوئی بے صبر و قرار اُٹھتا ہے
نجد میں ناقۂ لیلیٰ جو کبھی گزرا تھا
اب تلک تربت مجنوں سے غبار اُٹھتا ہے
ہر طرح دل کو خوشی وصل میں حاصل ہے ''ذکی''
پر یہ ہے رنج کہ غم سے سروکار اُٹھتا ہے

اس مہر تجلی سے لڑاتا ہے نگاہیں — آشوب کہیں دیدۂ روزن پہ نہ آئے

میں آپ سے جاتا ہوں "ذکی" دیکھ خبردار زنہار قیامت مرے مدفن پہ نہ آئے

ہستی کا نشاں دیکھا تو خواب گراں دیکھا جب عمر بسر آئی تعبیر نظر آئی

قول پر غیروں کے ہم کو زیر خنجر کیجئے
عہد پورا کیجئے وعدہ برابر کیجئے

حسرت اے تازہ اسیران قفس آتی ہے دھوم سے فصل بہار اب کی برس آتی ہے

(بیان ولادت جناب علی مرتضیٰ علیہ السلام)

کروں مولد بوالحسن کا بیاں کہ ہوں پر گہر گوش اہل جہاں
ہوا جس گھڑی مولد مرتضیٰ قوی ہوگئے بازوے مصطفیٰ
جو ماہ رجب کی ہوئی تیرھویں ہوا مولد سید عالمیں
وہ آدینہ تھا ' ہے روایت صحیح کہ پیدا ہوئے بادشاہ فصیح
شجاع عرب ' صاحب ذوالفقار ہز بر خدا شاہ دلدل سوار
یقیناً ہے قسام نارو جناں صریحاً ہے فرماں دہ انس و جاں

قطعہ دعائیہ

---

(۱)

ظل سبحان غیرت نوشیرواں پادشاہ پادشاہان جہاں
حسن میں یوسف ہے سلطان جمیل خوان نعمت عام مانند خلیل
ہے سواری کا ہوادار اس طرح باد پر تخت سلیماں جس طرح
مثل رستم ہیں پیادے بےحساب راکب افراس سب افراسیاب
ہے عمارت میں عیاں اوج فلک پاسبانی کے لئے فوج ملک
ہے سواری میں عجب شان و شکوہ فیل سب محمود ہیں مانند کوہ

ابر رحمت ہے سواری کا غبار
فاخرہ خلقت عطا کرتا ہے روز
فیض شہ ہے موسم گل کی مثال
غیرت برج حمل ہے تخت شاہ
ہے ابوالفتح معین الدین لقب
ہند کو آباد اُس نے کردیا
روز مظلوموں کو یہ دیتا ہے داد
اُس کو ہو دیدار امام عصر کا
اِس کا جو بدخواہ ہے دجال ہے
اُس کا حامی ہے محمد مصطفیٰ
یار ہے اُس کا حسن یاور حسین
چتر اُس کا سایۂ فضل خدا

ہر طرف باران زر ہے بار بار
توڑے بے منت عطا کرتا ہے روز
کردیا ہے باغ عالم کو نہال
نیر اعظم ہے نجم بخت شاہ
ہو صد وسی سال با عیش و طرب
غم زدوں کو شاد اُس نے کردیا
ہر کسی کی دل کی بر آئی مراد
ہو سپہ سالار امام عصر کا
لشکر قہار کا پامال ہے
اُس کا ناصر ہے علی مرتضیٰ
حضرت خیرالنسا کے نور عین
شہپر جبریل ہے جائے ہما

---

(۲)

یہ بادشاہ انوشیروان عادل ہے
اسی لئے تو رسول کریم بے ظل تھے
جہاں نواز جہاں دار ہے یہ تخت نشین
یہی ہے قبلہ ایماں یہی ہے کعبۂ دیں
یہ بادشہ صدوسی سال تندرست رہے
ہمیشہ تاچہ زمزم رہے یہ قبلۂ فیض
دعا وہ اس کے لئے مانگتا ہے کعبے میں
بسان ذبیحۂ قرباں بحق ابراہیم

یہ آفتاب درخشاں یہ ماہ کامل ہے
کہ بس حبیب خدا کا یہ بادشہ ظل ہے
یہ تاجدار کریم و رحیم و با ذل ہے
اسی کے فیض سے آباد کعبۂ دل ہے
کہ نظم کشور دنیا و دیں میں کامل ہے
خدا سے بس یہی کعبہ بھی آج سائل ہے
جو سوئے پنجتن پاک دل سے مائل ہے
اسی کے تیغ سے اس کا حسود بسمل ہے

(تاریخ ضریح)

عرش بریں سے بھی کہیں اعلیٰ مقام ہے
یارب یہ ہے ضریح مقدس کہ قصر نور

یہ روضۂ حسین علیہ السلام ہے
ہے یہ امام بارہ کہ بیت الحرام ہے

اوج امام بارہ ہے مانند آسماں — اُس میں ضریح غیرت ماہ تمام ہے
غم میں امام بارہ سیہ پوش ہو گیا — یہ جائے اشک باری خیرالانام ہے
رونا تمام کعبہ پرستوں کو چاہئے — روتا یہاں خلیل ہے یہ وہ مقام ہے
زمزم غم حسین میں رہتا ہے چشم تر — پر آب چشم چشمۂ کوثر مدام ہے
بانی ہے اس ضریح مقدس کا وہ جناب — جو تاج‌دار ہند، شہ خاص و عام ہے
نوشیروان عدل ابوالفتح فتح‌یاب — دریائے فیض و ابر کرم لا کلام ہے
دیدار امام عصر کا اس کو نصیب ہو — مومن جو ہے یہ ورد اُسے صبح و شام ہے
تاریخ اس ضریح کی مطلوب جب ہوئی — بولے ملک ضریح قبول امام ہے

برق

نام محمد رضا ، فتح الدولہ بخشی الملک بادشاہ اودھ کی طرف سے خطاب ملا تھا ، مرزا کاظم علی خاں کے بیٹے اور واجد علی شاہ کے مصاحب خاص اور استاد ، لکھنؤ کے رہنے والے تھے -

رواج کے مطابق تعلیم پائی تھی ، تعلیم سے فارغ ہوکر شعر و شاعری کی طرف توجہ کی ، امام بخش ناسخ کا شہرہ تھا اور نواب معتمدالدولہ کے استاد ہونے کی وجہ سے اقتدار بھی ، اس لئے ان کے سامنے زانوے ادب تہ کیا ، کچھ دنوں مشق کی بعد بہت اچھا کہنے لگے -

اودھ کی سلطنت تباہ ہوئی اور واجد علی شاہ نے مٹیا برج میں قیام کیا تو برق کے ساتھ تھے یہاں تک کہ بادشاہ کی رفاقت میں دنیا سے کوچ کر گئے -

برق کا دیوان اب کمیاب بلکہ نایاب ہے ، ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے ، وہ ہے جو نہایت خوشخط لکھا ہوا اور اهتمام سے شائع ہوا ہے - واجد علی شاہ نے شاہی اهتمام سے شائع کیا ہے ، اس نسخے کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس پر برق کے ہاتھ کی لکھی ہوئی چند سطریں بھی ہیں ، چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

" فقیر حقیر ہیچمدان و اضعف العباد ، محمد رضا ابن مرزا کاظم علی خاں مرحوم و مغفور متخلص بہ برق اهل کمالات سخن آفریں سے عرض کرتا ہے کہ سن طفلی سے مجھ کو فن شعر و شاعری کا شوق تھا اور یہ انکساریہ بات نہیں ہے حقیقتاً مجھ کو اس میں کچھ دخل بہم نہ پہونچا فقط بطور شوق کے جبکہ جی گھبرایا کچھ کچھ موزوں کر لیا - حضرت سلطان عالم خلداللہ ملکہ نے از راہ پرورش و خانہ زاد پروری اس مجموعہ پریشان کو چھپوا دیا " بہر حال خاص رنگ میں اچھا کہتے ہیں -

اس وقت کے رواج کے مطابق ان کی شاعری بھی لفاظی کا مجموعہ ہے ' بعض جگہ لفظی رعایت ضلع جگت کے حد کو پہونچ جاتی ہے بعض جگہ لفظ کا اهتمام طبیعت کو ناگوار هوتا ہے ' بہر حال اس رنگ میں استاد تھے ' جہاں اس بندش سے نکلے ہیں اچھا کہا ہے مثلاً :—

اذاں دی کعبے میں ' ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں ترا عاشق تجھے پکار آیا

اور اصناف میں بھی طبیعت کا وهی رنگ ہے -

ا

رتبہ نہیں نظر میں ذرا آفتاب کا — اکسیر ہے غبار در بو تراب کا
جاری ہے نام ساقی کوثر زبان پر — جام طہور خلد ہے ساغر شراب کا
شیرازہ کیوں نہ دفتر کونین کا کہوں — جامع جہان میں ہے خدا کی کتاب کا

بے پردہ دیکھنے کی تجھے کس کو تاب ہے — عاشق کو برق طور ہے گوشہ نقاب کا

نہ ایسا کوئی آگے تھا نہ ایسا کوئی اب ہوگا
موخر ہے زمانہ باغ ہستی میں مقدم کا

مشغلہ سلطان عالم کا جہاں میں عدل ہے
راہ میں بھی کام کرتے ہیں خدا کی راہ کا

ہر سر زمیں میں شور ہے آہ بلند کا — افلاک پر سرا ہے ہماری کمند کا

پابند وہ حسین ہے زلف بلند کا — صیاد آپ صید ہے اپنی کمند کا
غیروں کے رنج دیکھ کے روتا ہوں زار زار — پوچھو نہ حال میرے دل درد مند کا

مشتاق مثل بدر نہیں میں کمال کا — کس کو دماغ اُٹھائے جو صدمہ زوال کا
وہ ہم نہیں کہ تم سے جدا ہوکے پھر جئیں — روز فراق دن ہے ہمارے وصال کا
غم کا مزا فراق میں عاشق سے پوچھئے — یہ بھی ثمر ہے ایک ہمارے نہال کا

سراپا داغ کھا کر مر گیا ہوں ''برق'' فرقت میں
کفن تقدیر نے مجھ کو دیا پھولوں کی چادر کا

نہ کچھ یہاں نظر آیا نہ کچھ وہاں دیکھا
تہ زمیں بھی یہی دور آسماں دیکھا
بہشت میں بھی اُسی حور کو رواں دیکھا
یہاں جو دیکھ چکے تھے وہی وہاں دیکھا
گئے جہان سے جو لوگ دو جہاں سے گئے
کسی نے پھر نہ کبھی اپنا کارواں دیکھا
دو چند اور محبت ہوئی محبت سے
غضب ہوا جو کبھی اُن کو مہرباں دیکھا
جلایا بزم میں ہر روز شمع کے مانند
ہزاروں باتیں سنائیں جو بے زباں دیکھا

جاتے رہے ملال و الم کام ہو گیا — مر کر فراق یار میں آرام ہو گیا
دن رات میں تمیز نہیں اہل دید کو — فرقت میں، نام صبح وطن، شام ہو گیا
آئی جو ہم کو نیند، تو جاگے ہمارے بخت — مرنے سے زندہ زیر فلک نام ہو گیا
دکھتے ہی پاؤں اُٹھنے لگیں سب کی اُنگلیاں — گویا ہلال عید لب بام ہو گیا

لطف سے باغ جہاں میں کوئی گل خالی نہیں
سب کو دعوی حسن میں ہے اپنے اپنے رنگ کا
عار عریانی سے ہے مجنوں بے پردہ نہیں
میں وہ عاشق ہوں کہ دیوانہ ہوں نام و ننگ کا
دوستی دشمن سے بھی کرتے ہیں سب کے دوست ہیں
صلح کل ہے نام عالم میں ہماری جنگ کا
سلطنت سے کم نہیں مرنا کمال عشق میں
تختۂ تابوت عاشق نام ہے اورنگ کا

نام کو بھی نہ ہنسے باغ جہاں میں عاشق
دل ہے وہ غنچۂ پژمردہ کہ خنداں نہ ہوا
کوئی عالم میں نہیں تیرے کرم سے خالی
یہ بھی احساں ہے کہ شرمندۂ احساں نہ ہوا

میں وہ قانع ہوں میسر سر و ساماں نہ ہوا
اپنے طالع کا بھی شرمندۂ احساں نہ ہوا
آبرو کھوئی کبھی خلق میں طوفاں نہ ہوا
مجھ سے اتنا بھی تو اے دیدۂ گریاں نہ ہوا
قید سے کام نہیں عشق کے آزادوں کو
نوحہ گر صورت بلبل گل خنداں نہ ہوا

پیام موت راحت ہے وہ صید نیم بسمل ہوں
فزوں ہوتا ہے غم جب درد کم ہوتا ہے پہلو کا

خار خار غم سے روئے شادمانی پھر گیا
تو جو مجھ سے اے بہار زندگانی پھر گیا
لی راہ قبر صدمۂ فرقت سے مر گیا
وہ اپنے گھر سدھارے تو میں اپنے گھر گیا
تا صبح لاکھ بار جیا اور مر گیا
کیا کیا فراق یار میں مجھ پر گذر گیا
فرقت کا حال اے بت بے رحم کچھ نہ پوچھ
وہ روز بھی خدا کے کرم سے گذر گیا
کٹ جائیں گے یہ دن بھی جو باقی ہے زندگی
کیا کیا ہوا فراق میں کیا کیا گذر گیا
احسان تیغ یار کی خفت کمال تھی
سر کیا کٹا کہ بوجھ ہمارا اُتر گیا
ہستی سے تا بملک عدم ایک جست تھی
جھپکی نہ آنکھ بھی کہ اِدھر سے اُدھر گیا

تلاش ساقئ مے کش میں اضطراب رہا
تمام عمر خرابات میں خراب رہا
بہشت میں بھی تمہارے بغیر خاک ہے عیش
حصول کیا جو ہزاروں برس شباب رہا
غضب کیا کہ جوانی میں توبہ "برق" نے کی
اگر یہ سچ ہے تو پھر عمر بھر خراب رہا

آہوں کو میرے سن کے وہ خاموش ہو گئے
شمع نہال طور کو میں نے بجھا دیا
وحشت میں قید دیر و حرم دل سے اُٹھ گئی
حقا کہ مجھ کو عشق نے رستا بتا دیا

بےتابئی فراق کی حالت نہ پوچھئے — تڑپا تو آسمان و زمیں کو ملا دیا
نکلا غبار دل سے صفائی تو ہو گئی — اچھا ہوا جو خاک میں تم نے ملا دیا

نہیں تجھ کو زیبا گریبان تنگ — نہ تیغ اپنا گلا ہو گیا

پڑے عشق گیسو میں سر پر یہ پیچ — کہ بل کھا کے میں سلسلا ہو گیا
اُنہیں جاے شکوہ شکایت ہوئی — غضب میرے حق میں گلا ہو گیا

ساتھ ہے اپنی ترقی کے تنزل مثل عمر
اس قدر میں کم ہوا جتنا زیادہ ہو گیا
مے کشی میں زندگانی ہو گئی آخر تمام
"برق" جام عمر میں لبریز با دہ ہو گیا

تا کجا پاس ادب صبر و تحمل تا کے — بےکہے یار کے میں بزم میں کل بیٹھ گیا

مجھ کو ملا کے خاک میں ایسے ہوئے وہ صاف
بالکل غبار خاطر والا نکل گیا

ہمارے عیب نے بے عیب کر دیا ہم کو — یہی ہنر ہے کہ کوئی ہنر نہیں آتا
محال ہے کہ جہنم میں خلد سے جائیں — جو در پر آپ کے جاتا ہے گھر نہیں آتا

جی کی جی ہی میں رہی کوئی نہ نکلی حسرت
ہم نے اپنے دل بےتاب کو کیا کیا مارا
قصہ یکسو ہو ابھی آپ جو یکسو ہو جائیں
اس دو رنگی نے مجھے اے گل رعنا مارا

مجھ کو دیکھو اس کو دیکھو میں کہاں مژگاں کہاں
بے اجل تیر اجل کا دل نشانہ ہو گیا
دل دم تحریر پہنچا کوچۂ محبوب میں
خط سے پہلے نامہ بر اپنا روانہ ہو گیا

نوجوانی جا چکی پیری میں جینا موت ہے
''برق'' بدلو جامۂ ہستی پرانا ہو گیا

یہی جو دست درازی رہی تو سن لینا کہ جیب صبح قیامت بھی تارتار ہوا
اِسی بہانے سے پوچھا تو جاؤں گا اے ''برق'' ہزار شکر کہ بندہ گناہ گار ہوا

دی جان جب کہ عشق میں اُستاد ہوگیا
چھٹی ملی سبق جو مجھے یاد ہوگیا
صورت کو اُس کے دیکھ کے صانع بھی دنگ ہے
تصویر ' شکل دیکھ کے بہزاد ہوگیا

بندہ تو معتقد نہیں صاحب کمال کا دیکھا جسے وہ صید ہے دنیا کے جال کا
ابرو بھی اک نمونہ ہے اُس کے کمال کا کھینچا ہے آفتاب پہ نقشا ہلال کا

دعائے وصل شب غم میں مستجاب ہوئی
خدنگ آہ کلید در قبول ہوا

پانی بھی غم ہجر میں پینا نہیں اچھا
مر جائیں گے ساقی ہمیں جینا نہیں اچھا
بلبل کو در خلد بریں چاک قفس ہے
زخم دل عشاق کو سینا نہیں اچھا
مظلوم کی فریاد پہونچتی ہے خدا تک
بےکس کے لئے آہ سے زینا نہیں اچھا
کب منزلت نیک ہے بدبیں کے نظر میں
اندھا یہ سمجھتا ہے کہ بینا نہیں اچھا
نسبت نہیں کوچے سے ترے خلد بریں کو
کعبے سے کسی طرح مدینا نہیں اچھا

نہ سد راہ اگر بام آسماں ہوتا
تو آپ دیکھتے اس وقت میں کہاں ہوتا

دشت جنوں کو وادئی ایمن بنا دیا
جوش خیال یار سے صحرا ہے نور کا

کاوش دیر سے ہیں اہل بصیرت محفوظ
آج تک پائے نظر میں نہیں کانٹا دیکھا

بحر جہاں میں شور ہے میرے بیان کا
خوش آب یہ سخن ہے کہ موتی ہے کان کا
تیرے لبوں کی وصف کروں گا تمام عمر
لذت ہے زندگی کی' مزا ہے زبان کا
ابرو چڑھا چڑھا کے یہ کہتے ہیں ناز سے
رکھتا نہیں ہے تیر ہماری کمان کا
پردہ نہ کھولئے نہیں تاب ملال ہجر
مر جاؤں گا جو نام سنا امتحان کا

نا توانی سے غم ہجر کے' ایسے بیٹھے
اُٹھے دنیا سے مگر دل نہ ہمارا اُٹھا

ناطاقت اس قدر بدن راز ہوگیا دم توڑنا فراق میں دشوار ہوگیا

سب زندگی کے روز کٹے کفر و عشق میں
رشتہ ہماری عمر کا زنار ہوگیا

جس سے راحت ہو جسے اُس کو وہی ہے جنت
سمجھے طوبیٰ جو ہمیں سایۂ دیوار ملا
بے بہا ہونے سے بے قدر کیا ہے اے "برق"
گوہر دل کا نہ دنیا میں خریدار ملا

نہ تھکا پائے طلب گو بڑھا دست سوال — سعی سے ہاتھ کچھ آتا نہیں کیسا پایا

مضطرب غم سے نہ ہرگز دل شیدا ہوتا — جان پھر کاہے کو جانی جو کلیجا ہوتا
بے وفائی نے جفا کار کی مارا مجھ کو — یہ مرض کاہے کو ہوتا جو وہ اچھا ہوتا
نیستی باعث شہرت ہے مثال عنقا — ہم نہ ہوتے تو یہاں نام ہمارا ہوتا
اس طرح کاہے کو پھر ٹھوکریں کھاتے پھرتے — اپنے قابو میں جو اے "برق" دل اپنا ہوتا

آئینہ تیری شکل کا ہوں تیرے سامنے — حیرت نے عاقبت مجھے تجھ سا بنا دیا
سہرا بندھاہے موتیوں کا جوش اشک سے — عاشق کو عشق یار نے دولھا بنا دیا
ملتا نہیں نشان شب ہجر یار میں — بخت سیاہ نے مجھے سایا بنا دیا

آب خنجر سے گلا تر نہ کیا قاتل نے — پیاسے ہم مر گئے قطرہ نہ ملا پانی کا

پیش نظر زمانہ ہے مستی میں ساقیا
جام جہاں نما مجھے پیمانہ ہوگیا
جل جل کے زندگانی ، فانی تمام کی
غم سے چراغ عمر کا پیمانہ ہوگیا

مٹ گیا انسان جو حد سے زیادہ بڑھ گیا
غرق دریا میں ہوا قد جو دریا بڑھ گیا

زندگانی بہار تک معلوم — یہی عالم جو اب کی سال رہا

لباس جسم عریاں خلعت خون شہادت ہے
گریباں میرے پیراہن میں ہے زخموں کے داماں کا
وہ پیشانی تری ہنستی ہوئی اب یاد آتی ہے
نہ کیوں منہ دیکھ کر رویا کروں میں صبح خنداں کا
نہ کاوش کر نہ آنکھیں پھیر کیوں نظریں چراتا ہے
نشانہ اے کماں ابرو بنا ہوں تیر مژگاں کا
نظر برق اجل، قوس فلک ابرو، گھٹا زلفیں
لقب باران رحمت ہے تمہارے تیر باراں کا

جور زمانہ کیا ہے؛ جفائے فلک ہے کیا؟
خو کردہ ہوں قدیم سے میں خوئے یار کا

جس کو تونے اے پری دیکھا وہ دیوانہ ہوا
جس نے اے لیلیٰ تجھے دیکھا وہ مجنوں ہوگیا
ہاتھ قاتل کا اُٹھا جس پر قدم پر گر پڑا
سر اُتارا یار نے جس کا وہ ممنوں ہوگیا

مجھ کو دیوانہ سمجھتا ہے عجب دیوانہ ہے
میرے بدلے خون لینا چاہئے فصاد کا

جوش وحشت میں لباس تن کو چھوڑا روح نے
فصل گل آتی ہے میں جامے سے باہر ہو گیا
کیا قیامت ہے ہمارے داغ سودا کا فروغ
دامن دشت جنوں، دامان محشر ہو گیا

جس کو دیکھا چشم وحدت سے وہی معشوق ہے
پڑ گئی جس پر نظر اُس کا نظارا ہو گیا

وہ خاک ہوں، نہ مکدر ہوا، کدورت سے
وہ صاف ہوں، کہ نہ دل پر کبھی غبار آیا
اذاں دی کعبے میں، ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں تجھے، عاشق ترا پکار آیا

آنکھ سے دل رخ رنگیں پہ نظر کرتا ہے
در فردوس بریں روزن دیوار ہوا

پھول جھڑتے ہیں اُس کی باتوں سے   پھونک سے دم میں گل چراغ ہوا

شب فرقت میں کسی طرح نہ جیتا عاشق
اے صنم آپ کا آنا تو خدا سان ہوا

اگر تجھ کو نہ دیکھیں گے چلیں گے تیرے کوچے میں
جہنم ہم کو فرقت میں بہشت جاوداں ہوگا

وہ گیا، پیک اجل جان کو لینے آیا   صدمہ ہجر، مجھے موت کا پیغام ہوا

جیب کے ٹکڑے اڑائے عمر بھر اُلجھا رہا
دامن صحرائے وحشت کے لئے میں خار تھا
نشہ کیا اُترا غریق بحر غم ہم ہو گئے
کشتیٔ مے کی سبب سے اپنا بیڑا پار تھا

چھپ رہنے سے کیا فائدہ کیوں کر نہ ملے گا
دیوار کو پھاندیں گے اگر در نہ ملے گا
عالم ہے یہی "برق" اگر جوش جنوں کا
کہسار کے دامن میں بھی پتھر نہ ملے گا

منہ دامن صحرا سے چھپائیں گے ہم اے ''برق''
وحشت میں اگر گوشۂ چادر نہ ملے گا

دولت نہیں کام آتی جو تقدیر بری ہو   قارون کو بھی اپنا خزانا نہیں ملتا

دو دن کی زندگی میں ہزاروں الم سہے
کیا کیا نہ غم میں موت کی تاخیر سے ہوا

وہ پتھر ہے جو بے بہا لال ہے   بڑا عیب اپنا ہنر ہو گیا
گئی جان آیا جو پیغام بر   خبر سن کے میں بے خبر ہو گیا

بے مٹے انسان کا رتبہ کبھی بڑھتا نہیں   جب حباب بحر ٹوٹا آپ دریا ہو گیا
ترک دنیا کر جو تجھ کو آبرو درکار ہے   جب جدا قطرہ ہوا دریا سے یکتا ہو گیا

جو نہ کانوں سے سنا تھا اُس کو اب سنتے ہیں ہم
جو نہ دیکھا تھا وہ سب پیش نظر ہونے لگا
وعدۂ فردا قیامت ہے کسے اُمید صبح
شام ہی سے آج تو درد جگر ہونے لگا

کلفت سے تعلق نہیں کچھ طبع رواں کو
دریا سے کبھی کوئی بگولا نہیں اُٹھتا

سرتہ تیغ جھک گیا اپنا   یہ بھی گویا سلام ہے ترا

تار تار پیرہن سے بوندیوں کا تار ہے   دیدۂ گریاں ہمیں ابر بہاری ہو گیا

بے پردہ اُس صنم کو دکھایا نصیب نے   یوسف شنیدہ تھا بخدا دیدہ ہو گیا

درد جاتا رہا مرے سر کا   کیا اثر ہے تمہاری ٹھوکر کا

دیکھ کر اُس صنم کو میں بت ہوں   خاک سے بن گیا ہوں پتھر کا

دشمنی دوستوں نے کی مجھ سے "برق" قائل ہوں میں مقدر کا

کیا ہوا جو اُس کی دامن تک نہیں ہے دست رس
روز محشر ہاتھ میں ہوگا گریباں یار کا

تجھ کو الفت بتوں سے کیوں ہوتی تو اگر "برق" با خدا ہوتا

اُسی کا جلوہ جہان میں ہے، وہی وہی ہر مکاں میں ہے
وہ جسم میں ہے، وہ جاں میں ہے، نشان بتلاؤں کیا مکیں کا

ب

میرے نالوں پر ہنسا کرتا ہے وہ رشک چمن
گل کھلاتی ہے گلستاں میں فغان عندلیب

ت

ہم فقیروں کا وہ تکیہ ہے کہ ہے سلطاں کو رشک
بالش سر ہے ہمارا رات دن زانوے دوست

ناتوانی سے عجب حال ہوا ہے میرا
اٹھ نہیں سکتی ہے اے رشک قمر تیری بات

ث

اس کے دیوار کے سائے نے بڑھایا رتبہ
سلطنت ہاتھ لگی ظل ہما کی باعث

ج

لائی هے آب تک دل مضطر کے احتیاج   رو باه کر دیا هے محبت نے شیر کو

ح

پیری میں زندگانی جاوید موت هے   عیش شب وصال سے بهتر هے خواب صبح

کهتا هوں میں فراق میں سن کر اذان صبح   میری طرح بلند هوئی هے فغان صبح

پیری میں آدمی کے لئے موت خوب هے   آرام کی دلیل هے خواب گران صبح

شب فراق کي ایذائیں کیا کهیں تم سے
چهپایا موت نے بهي هم سے منهه سحر کی طرح
پتا نه پوچهئے آوار گان الفت کا
بهٹکتے پهرتے هیں هم آه بے اثر کي طرح

د

جم رها هے یه غبار ره جاناں سر پر   که لئے پهرتے هیں شهروں میں بیاباں سر پر

جان جائے که رهے میں نه ملوں گا تم سے   زندگي مجهه کو نهیں چاهئے رسوا هوکر

شهره هے میرے قتل سے ابروے یار کا   زور کماں کهلا هدف تیر دیکهه کر
ایسا نه هو که آپ کے دل کو ملال هو   ڈرتا هوں اپني آهوں کي تاثیر دیکهه کر
حیرت نے مجهه کو یار کي صورت بنا دیا   تصویر هوگیا هوں وه تصویر دیکهه کر
رکهتے هیں پاس هم بهي نوشته حضور کا   الزام دیجئے خط تقدیر دیکهه کر

مانند مهر اور جهکا بره کي عجز سے   سر هے زمین پر تو قدم آسمان پر
کس منهه سے وصف تیرے لبوں کا بیان هو   دنیا کي لذتیں هیں هماری زبان پر

وہ هم نهيں کہ بيٹھ کے پھر اٹھيں جيتے جي مت جائيں گے فقير اِسي آستان پر

بے اجل هم مر گئے اے جان قامت ديکھہ کر
کيا زيادہ اور ديکھيں گے قيامت ديکھہ کر
آنکھيں کيا پتھرا گئيں صانع کي صنعت ديکھہ کر
بت هوا حيرت سے ميں اس بت کي صورت ديکھہ کر

تيري نظر کے پھرنے کا کھٹکا نہ جائے گا پيکان ميرے دل ميں رها تيرا ٹوٹ کر

نهيں بے کار اپنا رات دن کي سختياں سهنا
قدم اس حوروش کے ليں گے سنگ آستاں هو کر

آتا نهيں قرار دل بے قرار کو غم ميں پهنسا هوں دام محبت سے چھوٹ کر

تکليف کيوں اٹھائے بن بن کے هوشيار مرتا هوں ميں تو اهل جنوں کے شعور پر

شرمندہ خار کے بهي نهيں تجهہ سے اے فلک
اٹھے خدا کے فضل سے دامن کو جھاڑ کر

غ

بےکسوں کے واسطے جلتا ہے دل کس کا يہاں
کون رکھتا ہے بھلا گور غريباں ميں چراغ
دل کے جلنے سے مرے هر استخواں ميں نور ہے
روز و شب رهتا ہے روشن اس نيستاں ميں چراغ

ف

وارفتۂ رفتار چلا کرتے هيں تلکے آئينہ کي مانند ہے هر راہ گزر صاف

ن

برق ہے تیغ ابرو خمدار   تیری تلوار کا غلاف نہیں

چین پایا کون سے دن عالم اسباب میں
بخت کب جاگے ہماری کب وہ آے خواب میں

دور نزدیک برابر ہیں نظر کے آگے
وقت پر تیر کو تلوار بنا لیتے ہیں
کفر و اسلام ہیں کیا، شیخ و برہمن کیسے
ہر طرح اپنا گنہگار بنا لیتے ہیں
خود فروشی سے یہ عالم ہے کہ مثل یوسف
ایک عالم کو خریدار بنا لیتے ہیں
بے سبب داغ نہیں ہجر میں کھاتے عاشق
دل کی بہلانے کو گلزار بنا لیتے ہیں
دل کی بہلانے کو معشوق برا ہو کہ بھلا
اپنے ہم گوں کا طرح دار بنا لیتے ہیں

بن گیا آخر تماشا رنج ہجر یار میں
میں جو نکلا گھر سے میلا لگ گیا بازار میں
کیوں نہ ہو صحرا نوردی جستجوئے یار میں
اس کا سودا ہے کہ جو بکتا نہیں بازار میں

ایک دم مجھ سے جدا وہ جان جاں ہوتا نہیں
شکل قالب ساتھ اس کے میں کہاں ہوتا نہیں
حسن میں شہرت جو اس کی ہے تو میرے عشق میں
تذکرہ دونوں کا عالم میں کہاں ہوتا نہیں
خاکساری کا جہاں میں سب سے عالی رتبہ ہے
یہ زمیں وہ ہے کہ اس پر آسماں ہوتا نہیں

سن سن کے نالے غیر بھی بے چین ہوگئے
دشمن تلک جہان میں قائل اثر کے ہیں

تمہارے عکس سے روشن ہیں روزن دیوار
لگی ہیں نور کے آئینے دور بینوں میں
نہیں بتوں کے تصور سے کوئی دل خالی
خدا نے ان کو دئے ہیں مکان سینوں میں

بھر کے جس وقت جام لیتے ہیں
پہلے ساقی کا نام لیتے ہیں

عمر بھر حسرت کلام رہی
بے دھن وہ ہیں بےزبان ہوں میں

یوں تعلی سے کہا کیجے مسیحا میں ہوں
میں تو جب جانوں کہ اس درد سے اچھا میں ہوں
ایسی تعریف سے گذرا، نہ بناؤ مجھ کو
سارے عالم سے برا ہونے کو اچھا میں ہوں

بے بسی سے ''برق'' رونے کے سوا سوجھا نہ کچھ
دل جو زلفوں میں رہا مجبور آنکھیں ہوگئیں

اُس قمر کے آتے ہی صبح قیامت ہوگئی
مہر کا عالم ہوا اپنے چراغ شام میں

مقدر سے کچھ اپنے چلتی نہیں
ہوس کوئی دل کی نکلتی نہیں

ہم سبک روحی کے باعث قید سے آزاد ہیں
وحشت آباد جہاں میں نکہت برباد ہیں

پتھر پر اپنی تیغ رگڑ کر لگاؤ ہاتھ
صندل سے دفع ہو وہ مرا درد سر نہیں
میں تخم اشک ہوں مری نشو و نما کہاں
میں ہوں نہال آہ اُمید ثمر نہیں

بت خانہ ہے خدا کی قسم تیرا گھر نہیں
حیرت سے کون صورت دیوار و در نہیں

کھینچتے ہیں بہت وہ آپ کو دور
جھٹکے ہم ناتواں کھاتے ہیں

غم کھاتے کھاتے جوش جنوں مجھ کو ہوگیا
ثابت ہوا فساد یہ سارے غذا کے ہیں

مثال خامہ ہم تنہا بسر کرتے ہیں چلنے میں
قدم رکھتا نہیں ہے غیر کوئی اپنے میداں میں

ترے خنجر نے بحر خوں میں نہلایا مجھے قاتل
تری تلوار نے کفنا دیا زخموں کے داماں میں

زندگانی موت ہے، مرنا ہے میری زندگی
رنج بیداری میں ہے عاشق کو راحت خواب میں

مے کی اُمید پہ کرتا ہے ہمیشہ سجدے کوئی زاہد سے زیادہ بھی ہوس ناک نہیں

آج محفل ہے یار سے خالی میری تسبیح میں امام نہیں
اپنا قصہ بھی روز ملتا ہے ہم ہیں موجود اور نام نہیں
کون سے دل میں گھر نہیں تیرا کس نگینے میں تیرا نام نہیں

عشق و غیرت، شرم و نخوت مانع گفتار ہیں
اُس طرف مجبور وہ ہیں ہم اِدھر ناچار ہیں
اس طرح ہستی میں اصل زندگی ہے جس طرح
خواب میں انساں سمجھتا ہے کہ ہم بیدار ہیں

دل میں ہے اُس کا تصور بلند آنکھوں میں نہیں
یار گھر میں سو رہا ہے پاسباں بیدار ہیں

عشق نے کر دیا ہمیں مجبور دل پر اے جان اختیار نہیں
جبر کیا ہے جو آ نہیں سکتے جھوٹ کہتے ہو اختیار نہیں

آنکھ پڑنے سے کھلا راز محبت سب پر مردم دیدہ مری دل کی خبر دیتے ہیں

وہ کون شے ہے جو خالی ہے اُن کے جلوہ سے وہی وہی ہیں جدھر ہم نگاہ کرتے ہیں
تمہارا شکوہ کسی غیر سے معاذاللہ قسم لو ہم سے خدا کو گواہ کرتے ہیں
بیاض صبح کو دی اور تیرگی شب کو جو چاہتے ہیں سفید و سیاہ کرتے ہیں

پابوسئی جناب کی حسرت ہے آنکھ کو پتلی ہماری چاہئے چشم رکاب میں
پیر مغاں سے پوچھئے میری خرابیاں سو بار توبہ توڑ چکا ہوں شباب میں

کب تک در اُمید پر افتادہ جان دوں ارشاد کچھ تو کیجئے بندے کے باب میں

و

طالب سجدہ وہ بت ہے مجھے معلوم ہوا
اب یہ منظور ہے ناراض خدا مجھ سے ہو

جوش وحشت میں جو میں چاک گریباں نکلا
منھ چھپانے کو ملا دشت کا داماں مجھ کو

مختصر طول شب ہجر بیاں کرتا ہوں
کہتے ہیں ایک گھڑی حشر کے سارے دن کو

کیونکر تجھے معلوم ہو احوال دل زار جب بےخبری میری طرح ہو تو خبر ہو

یار چھوٹتا ہے غم ہجر سے مرجانے دو ہاتھ کھینچا ہے مجھے پاؤں تو پھیلانے دو

دیکھوں حریم رخ کو تو سجدہ ادا کروں میری نماز یہ ہے کہ تیرا سلام ہو

دل بھی کہتا ہے سن سن کر پیام شوق یار پہلے قاصد سے چلو اُن کے اگر مشتاق ہو

جھوٹے وعدوں سے نہیں دل کو تسلی ہوتی
صاف کہہ دیجئے جو آپ نے ٹھہرائی ہو

لائیں حضور چشم تصور سے کھینچ کر
ہم دوربین سے تمہیں دیکھیں جو دور ہو
رہتے ہو آٹھوں وقت تصور کے سامنے
دل سے قریب ہو اگر آنکھوں سے دور ہو

اُس کے جاتے ہی جو میرا دم لبوں پر آگیا
لوگ سب انجام سمجھے عشق کے آغاز کو

ہ

جابجا میں دیکھتا ہوں رہ گذر میں آئینہ
نقش پائے یار ہے میری نظر میں آئینہ

لایا ہے خط یار قدم پر نثار ہوں
آنکھوں سے کیوں لگاؤں نہ میں نامہ بر کے ہاتھ

ے

کیا گناہوں سے جنوں میں اہل غم کو باک ہے
چاک ہے جس کا گریباں اُس کا دامن پاک ہے
غم سے دامن تک بہ‌رنگ گل گریباں چاک ہے
وسعت آباد جہاں صحرائے وحشت ناک ہے
کوئی کیفیت سے خالی انقلاب اپنا نہیں
جام مے مستوں کو ساقی گردش افلاک ہے
دامن دشت جنوں میں تنگ ہے ہستی سے روح
جیب کیسا سینہ اپنا سو جگہ سے چاک ہے

جیتے ہیں وصل یار سے فرقت ہے اپنی موت
وہ رشک حور روح ہمارے بدن کی ہے

اعجاز چال ہے بت محشر خرام کی — قد پر خدا نے اُس کے قیامت تمام کی
پرہیز زندگی سے رہا تا بہ زندگی — تم نے حلال چیز بھی ہم پر حرام کی

کیا اُس پری کو بزم جہاں میں سے چن لیا
قائل ہیں ''برق'' آپ کی ہم تو نگاہ کے

اثر جذب دل نے دکھایا مجھے — کہاں سے کہاں کھینچ لایا مجھے
متانا اگر اُن کو منظور تھا — یہ حیرت ہے پھر کیوں بنایا مجھے
نہاں شکل جاں ناتوانی سے ہوں — کسی نے نہ جامے میں پایا مجھے
یہ جھگڑا رہا کفر و اسلام کا — نہ گاڑا نہ اُس نے جلایا مجھے
سسکتا ہوں اچھے مسیحا ہیں آپ — نہ مارا نہ تم نے جلایا مجھے

درد فرقت میں زہر ہے لازم — آدمی کب تلک دوا نہ کرے
بےگناہوں کو اب جو تاکا ہے — تیر بھی چاہئے خطا نہ کرے

دم نکل جاتا ہے میرا دیکھ کر ایذائے غیر
آدمی سب ایک ہیں یہ بھی لہو کا جوش ہے

ہماری عقدہ کشائی فقط دعا پر ہے — بتوں کے بندے ہیں لیکن نظر خدا پر ہے
قیام آہ سے اپنا ہے صورت نرگس — تمام روز تن ناتواں عصا پر ہے

دریائے محبت کا لب گور ہے انجام
بس اس کے سوا اور کنارا نہیں کوئی
حسرت ہے، تجھے دیکھتے ہی دیکھتے مرجاؤں
منظور نظر اور نظارا نہیں کوئی
سو جان سے صدقے ہیں زر و مال تو کیا ہے
اب تم سے زیادہ ہمیں پیارا نہیں کوئی

دوسرا کون یہاں اور حسیں ایسا ہے
بندہ قائل ہے خدائی میں وہ بت یکتا ہے

عشق ہے اُس سے ہمیں جس کا جہاں شیدا ہے
ہم اکیلے ہیں اِدھر اور اُدھر دنیا ہے
روز کے وعدے قیامت ہیں عجب دھڑکا ہے
آج بھی کل کی طرح مجھ کو غم فردا ہے

ہمیشہ کوچ پر آمادہ پا رکاب رہے رہے بھی ہم جو یہاں صورت حباب رہے
کبھی خیال بھی آیا نہ دین و دنیا کا تمام عمر خرابات میں خراب رہے

بعد مردن بھی نظر آتی ہے تیری صورت
جو تصور ہے وہی پیش نظر خواب میں ہے

رخصت بھی اُس قمر کی قیامت سے کم نہیں
مجھ کو خدا دکھائے نہ ایسی سحر کبھی

ہر لباس نو میں رنگ نو سے عالم اور ہے
عاشق اُن کو دیکھ لیتے ہیں ہزاروں رنگ سے

جفائیں تا بہ کجا اے صنم یہ خوب نہیں
خدا سے خوف کرو بندہ پروری ہو جائے

کیا فائدہ علاج سے ہونا جو تھا ہوا
اُمید درد ہجر سے کس کو شفا کی ہے

روز تا حشر اسی طرح قیامت ہو گی
تم سلامت رہو بندے کے ستانے والے

اب نہیں بچنے کے ہم دل حلقۂ گیسو میں ہے
جس کے بس میں جان تھی وہ آپ کے قابو میں ہے
جان لب پر آئی پر شکوہ نہ آیا تا بہ لب
دل خدا کے فضل سے اس وقت تک قابو میں ہے

اہل عبرت بات سے کرتے ہیں پیدا اپنی بات
فاختہ کیا جانتی ہے کیا مزا کو کو میں ہے

تنگ ہستی کے طرح جا کے عدم میں بھی رہا
دونوں عالم میں کہیں میری سمائی نہ ہوئی
دل مکدر ہو تو پھر عیش جہاں مٹی ہے
خاک ملتا ہے جو باطن میں صفائی نہ ہوئی

کیا صباحت، کیا لطافت، کیا نزاکت، تن میں ہے
روح ہے تن میں کہ جسم یار پیراہن میں ہے
گلشن عالم میں دونوں نیک و بد کا ساتھ ہے
جیب میں گل ہیں تو کانٹا بھی یہاں دامن میں ہے

اے صنم وصل کی تدبیروں سے کیا ہوتا ہے
وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے
شکوہ میں نے جو کیا جائے شکایت یہ نہیں
جس سے ہوتی ہے اُمید اُس سے گلا ہوتا ہے
نہیں بچتا، نہیں بچتا، نہیں بچتا، عاشق
پوچھتے کیا ہو شب ہجر میں کیا ہوتا ہے
کیوں تکبر نہ کروں ہم بھی ہیں بندے اُس کے
سجدے بت کرتے ہیں حامی جو خدا ہوتا ہے

اُس مسیحا کے محبت میں زمانا چھوٹا
سب سے پرہیز کیا جب تپ فرقت آئی

عبث ہے فکر مدفن ''برق'' کیا تدبیر سے حاصل
نہیں ہے کوئی تکیہ خلق میں بہتر توکل سے

وصل میں موت شب غم کی خبر ہوتی ہے
فال بد ہے نہ کہو یہ کہ سحر ہوتی ہے

صاف کہہ دیجئے کس طرح بسر ہوتی ہے
جان جاتی ہے کہ فرقت میں سحر ہوتی ہے
وصل کس شخص نے دیکھا ہے سنا ہی کہئے
آنے پاتی نہیں یہ شب کہ سحر ہوتی ہے
نشے کے دوروں سے دیوانہ بناتا ہے مجھے
موج مے سلسلۂ پائے نظر ہوتی ہے

دوسرا بھی وار اے قاتل ہمیں در کار ہے
جیب کا محتاج اپنا زخم دامن دار ہے
کلفت دل، دل کے خاطر مانع دیدار ہے
فی الحقیقت بے بصیرت آدمی دیوار ہے
پاؤں پھیلائے ہوئے سوتے ہیں کیا تیرے شہید
سایۂ شمشیر ابرو، سایۂ دیوار ہے

پھر گیا عالم جو دیکھا اور عالم یار کا
اُس طرف میری طرف سے ساری دنیا ہو گئی

رنج معشوق دکھاتا ہے دو رنگی کی بہار
لال پیلا وہ اگر ہو گل رعنا ہو جائے
خرد کو ربط بزرگوں کا بڑھا دیتا ہے
قطرہ دریا سے جو مل جائے تو دریا ہو جائے
حسرت شربت دیدار سے مرتا ہے جہاں
تو معالج ہو تو بیمار مسیحا ہو جائے

کون پابند تعلق قید ہستی میں نہیں
پھر ہر بلبل یہاں اندر قفس کے جال ہے

جب سے دیکھا ہے تجھے دل ہے ہمارا وجد میں
حال کہنے کی نہیں طاقت کہ اب تک حال ہے

جو کام کسی سے نہ ہو وہ کام کریں گے
بد نام کریں گے تمھیں، ہم نام کریں گے

بد بلا عاشق جاں باز ہیں دل تو دیکھو
جان دینے کے لئے ان کو جگر ملتا ہے
ساری دنیا سے نرالا ہے مقام اُلفت
دل میں رہنے کے لئے عشق سے گھر ملتا ہے
عمر گردش میں کٹی پاؤں تجسس میں گھسے
نہ کہیں وہ ہمیں ملتے ہیں نہ گھر ملتا ہے

زلفیں ہیں شام، صبح کا تڑکا جبیں ہے   قربان ترے نور کے، صدقے ظہور کے

نام عالم میں رہے بات خدایا رہ جائے
پردۂ خاک میں چھپ جاؤں تو پردا رہ جائے

دل ہے مجبور گرفتار بلا ہونے میں   کیا خبر صید کو، صیاد کے صیادی سے

طاق ابرو ہے کہ محراب حریم کعبہ   دیکھ کر چہرے کو دل قبلہ نما ہوتا ہے
وہ وفا دار ہیں فرقت کی ہمیں تاب نہیں
جائیں گے سوئے عدم تیرے جفا سے پہلے

اُٹھ گیا پردۂ دوئی تو کھلا   خود پرستی خدا پرستی ہے
ہاتھ پہونچے جو اُس کے زلفوں تک   یہ ہماری دراز دستی ہے
ابر رحمت نہیں اگر اے "برق"   بے کسی گور پر برستی ہے

دل سے شب فراق میں آتی ہے یہ صدا
اُمید وار مرتے ہیں روز وصال کے

قہر، آفت، بلا، جدائی ہے اس بہانے سے موت آئی ہے

تمہاری آنکھوں کا تصور ہے علاج وحشت دل کے بہلانے کو عاشق نے ہرن پالا ہے

سارے مصحب عدو ہیں، زمانہ رقیب ہے
اپنا یہ ماجرا بھی عجیب وغریب ہے
کھویا غم فراق کو جوش خیال نے
آنکھوں سے لاکھ دور ہے دل سے قریب ہے

زلف جاناں تلک نہ پہونچا ہاتھ بخت کیا نارسا ہمارا ہے

ناتوانی سے رہے ہجر میں بوسوں خاموش
ہونٹھ تک آہ مہینوں میں ہمارے آئی

کمال نشہ میں ہوش و خرد کہاں ناصح وفور عشق میں کس کو شعور ہوتا ہے

کرامت بتوں کی یہ حاصل ہوئی خدائی خدائی کی قائل ہوئی

میرا رونا بھی زمانے میں طلسم نو ہے
کہ حبابوں سے رواں ہوتے ہیں دریا کتنے

کون اس غم سے بچا ہے جو مجھے ہو اُمید
نہیں دنیا میں دوا عشق کے بیماروں کی

خط کو خط تقدیر جو کہئے تو بجا ہے
کوئی اسے پڑھ جائے وہ تحریر نہیں ہے
کیوں کر نہ رہوں بخشش و الطاف سے محروم
تقصیر بڑی یہ ہے کہ تقصیر نہیں ہے

گلی میں اُس کے رہتے ہیں وہیں اپنا ٹھکانا ہے
وہ بلبل ہیں کہ جنت میں ہمارا آشیانا ہے
نہ پہونچا جو بشر تم تک کہاں اُس کا ٹھکانا ہے
خدا کے گھر کا دروازہ تمہارا آستانا ہے

یکساں ہیں بادشاہ و گدا پیش جوش عشق
پست و بلند ایک ہے دریا کے سامنے

بلاتا ہے نہ وہ مجھ کو نہ میرے پاس آتا ہے
دلا! عہد بہار زندگانی مفت جاتا ہے

جب تک کہ وہ ابرو کا اشارا نہ کریں گے
کعبہ بھی جو ہوگا، کبھی سجدا نہ کریں گے
وحشت میں بھی رخ جانب صحرا نہ کریں گے
جب تک کہ تمھیں شہر میں رسوا نہ کریں گے

خاک اُڑتی ہے تہ چرخ بگولے بن کر
بعد مردن بھی نہ ہم گردش صحرا بھولے

آئینہ تیری طرح حیرت سے میں بھی بن گیا
تجھ کو میں دیکھا کروں ہر وقت ہر دم تو مجھے

لازم ھے تیغ ابروئے قاتل کا ذکر ھو — خواب اجل کے واسطے افسانہ چاھئے
معراج پائی چڑھ کے مسیحا نے دار پر — بھر عروج ھمت مردانہ چاھئے

آرزو ھے، نہ رھے آرزوئے یار مجھے — یہ تمنا ھے، اُسے میری تمنا ھوجائے

جذب مجنوں نے جو تاثیر دکھائی ھوتی
پردۂ خاک سے لیلیٰ نکل آئی ھوتی
اے صنم اپنی جو قدرت میں خدائی ھوتی
مسجدوں میں تری تصویر لگائی ھوتی

گھر یار کا کہاں ھے کدھر اُس کی راہ ھے
قاصد خراب پھرتے ھیں، عاشق تباہ ھے
جس کا لقب اجل ھے وہ غفلت کی نیند ھے
کہتے ھیں جس کو گور، مری خوابگاہ ھے

سر بہ صحرا ھوں گے تیرے عشق میں — شہر میں رھنا کسے منظور ھے

کیافائدہ ایے "برق" اگر جام بنایا — سو ٹکڑے ھوئے ٹھوکروں سے کاسۂ سر کے

صاف دنیا میں کسی کو آپ سے پایا نہیں
میں مکدر ھوں غبار خاطر احباب سے
میری گستاخی سے رنجیدہ نہ ھو اے شاہ حسن
ابتدائے عشق ھے واقف نہیں آداب سے

آنکھوں میں روئے یار سے ھوتی ھے روشنی — تاثیر آفتاب میں ھے ماھتاب کی
آنکھیں دکھا کے مست زمانے کو کردیا — تونے بنائی ھستئی عالم خراب کی

جو چھپا پاؤں میں سر اُس نے نکالا سر سے
خار جائے گل دستار نظر آتا ہے

مجھ کو مرض عشق ہے اللہ پہ چھوڑو تقدیر سے چارہ نہیں تدبیر نہ ہوگی

کیوں سبک آپ نے عالم میں کیا عاشق کو
زندگی خاطر نازک پر اگر بار نہ تھی

کیا بیاں کیجئے؛ کیا یار کی تحریر میں ہے
میرے کاتب نے جو لکھا وہی تقدیر میں ہے

نگاہ مست سے بے ہوش کردیا تونے پیالہ ہاتھ سے رکھ! اسافیا! سنبھال مجھے

جاں کنی فرقت جاناں میں رہا کرتی ہے
تلخ فرہاد کو جینا ہے غم شیریں ہے
رتبہ ہے جوش تصور سے انا لیلیٰ کا
ترے مجنوں سے زیادہ بھی کوئی خود بیں ہے

تلخ معلوم نہ ہو آپ اگر تلخ کہیں
کس قدر فضل الٰہی سے دھن شیریں ہے

شام وصل یار کی امید کس کو زیر چرخ
دن نہیں پھرنے کے جب تک گردش ایام ہے

تیرہ بختی سے نظر میں صبح پیری، شام ہے
زیست کہتے ہیں جسے، اُس کا جوانی نام ہے

یار تک پہنچے، کسی عاشق کی یہ طاقت نہیں
مجھ سے اُس بت کا ملا دینا خدا کا کام ہے

مشکل پسند "برق" یہ اپنا مزاج ہے   جو بات جبر سمجھی وہی اختیار کی

قطع امید نہ ہوتی ہے نہ ہوتا ہے وصال
نہ اجل اتی ہے مجھ کو نہ شفا ہوتی ہے
منہ کو آئینے سے ہنس ہنس کے چھپا لیتے ہو
صدقے ان آنکھوں کے، قربان حیا ہوتی ہے

کہاں پائے جاناں، کہاں میرا سر   نہ طالع، نہ قسمت، نہ تقدیر ہے
نہ کھولو خط اُس کا دھڑکتا ہے دل   خدا جانے کیا اس میں تحریر ہے

آدمی کا ہے جہاں جنگل وہاں رہتا ہوں میں
مجھ سے کوسوں عالم وحشت میں صحرا دور ہے

گمرہان عشق آخر راہ پر آجائیں گے   جستجوئے کوئے جاناں رہنما ہوجائے گی

ہجر میں اُس شمع رو کے مر چلے   نام روشن عاشقی میں کر چلے

نہ دن دکھائے خدا اُس صنم کی دوری کا
اجل ہے آئی شب انتظار کے بدلے

دنیا میں بات کرنے کی مہلت کسے ملی
ہستی سے تا عدم سخن ناتمام ہے

شب غم سمت کر بسر هو گئی بچایا اجل سے سحر هو گئی
سر شام اپنی سحر هو گئے اجل سے ، مهم غم کے سر هو گئے

مر گیا ، دیکهه کے فرقت گهٹا میں ساون کی
بن گئی تیغ قضا ، موج هوا ساون کی

بوجهه دیتا هے تو ساماں بهی عطا کرتا هے
بار سر میں نے اُتهایا جو دئے دوش مجهے

بحر

امداد علی نام، لکھنؤ کے رہنے والے، امام بخش کے بیٹے؛ شیخ امام بخش ناسخ کے شاگرد تھے -

" چھوٹی شاہزادی کے سرکار سے کچھ وظیفہ ملتا تھا، انھیں کے ڈیوڑھی پر پھاٹک کے بغل میں ایک کمرہ تھا وہیں افیون گھلا کرتی تھی، لوگ دور دور سے تحقیق الفاظ کو آتے تھے " (گل رعنا)

بحر، تحقیق محاورات و زبان، علم و عروض و قافیہ کے ماہر تھے ان کی زندگی عسرت میں بسر ہوئی -

کچھ دنوں کے لئے رام پور بھی قیام کیا تھا، نواب کلب علی خاں نے تنخواہ مقرر کر دی تھی، لیکن وطن کی کشش گدا بودن کنعاں کے لکھنو پھر بلا لیا، آخر دم تک یہیں رہے -

سنہ ۱۳۰۰ھ میں ۷۵ برس کی عمر میں وفات پائی ان کے کلام میں قاعدے اور فن کی پابندی زیادہ ہے اس لئے " مزا " کم ہے -

اشعار میں اخلاقی اور نصیحت کا عنصر غالب ہے اخلاق اور نصیحت میں غزل کی وارفتگی کہاں ؟ غزلوں سے بہتر رباعیوں کا رنگ ہے کیوں کہ رباعیاں اخلاق اور پندو نصیحت کے لئے موزوں ہوتی ہیں -

ا

وہ عالم، ہے نہ غم سے غم، نہ شادی سی مجھے شادی
برابر میری میزاں میں ہے پلہ رنج و راحت کا
شہیدان خدا مجھ کو بھی تھوڑی سی جگہ دینا
نہ ہو برباد میری خاک صدقہ اپنی تربت کا
مزا عشق حقیقی میں نہ کچھ عشق مجازی میں
خدا سے غم دوئی کا ہے صنم سے رنج فرقت کا

میں گلا تم سے کروں اے یار کس کس بات کا
یہ کہانی دن کی ہو جائے نہ قصہ رات کا
''بحر'' اپنی اپنی قسمت ہے بہ شکل مہر و ماہ
زر اُسے بخشا، اسے کاسہ دیا خیرات کا

اس چمن میں رنج کس کس سے نہیں پونہچا مجھے
شکوہ گل چیں کا کروں میں یا گلہ صیاد کا
لوٹنے والے لے گئے ہوش و حواس
بک گیا سودا مرے بازار کا

عشاق کی تقدیر میں آرام نہیں ہے — کیا سوؤں شب وصل کہ دھڑکا ہے سحر کا
آغاز جوانی ہی میں پیرانہ سری ہے — وہ شام ہماری ہے کہ عالم ہے سحر کا

کون دنیا میں بٹاتا ہے کسی کا درد دکھ — کون سر پر بوجھ لیتا ہے کسی مزدور کا

استخوان خشک کتا بھی نہیں کرتا قبول
مرتبہ جچتا نہیں آنکھوں میں بے مقدور کا
ہر کسی کا کام جاری ہے بہر صورت یہاں
ہاتھ چلتا ہے غنی کا، پاؤں بے مقدور کا

گو وہ چپ بیٹھا ہے، پر شوخی کی باتیں ہیں وہی
ہے لب خاموش میں عالم لب تقریر کا

بتو خدا پہ نہ رکھو معاملہ دل کا برا بھلا یہیں ہو جائے فیصلہ دل کا

سنوں تمھاری کہ اپنی کہوں حقیقت حال
تمھیں ہے میری شکایت، مجھے گلہ دل کا

میں ڈھونڈھتا پھرتا ہوں وہ قاتل نہیں ملتا
گھر بھول گئی ہے مری تقدیر اجل کا

بلا سے جان نکل جائے آبرو رہ جائے کھلے کسی پہ نہ پردہ شکستہ حالوں کا
ملے ہیں خاک میں لیکن رہ وفا پر ہیں بڑھا ہوا ہے قدم تیرے پائمالوں کا

اُڑائے پھرتی ہے مجھ کو ہوائے دشت پیمائی
بگولے کی طرح پتلا ہوں میں گرد بیاباں کا
کہاں وہ نغمے، اب مرغ چمن فریاد کرتے ہیں
ہوا بدلی، سبق بھولے، ورق اُلٹا گلستاں کا
ہمارے حق میں یہ دوہری بلائے آسمانی ہے
شب وصلت کا جانا اور آنا روز ہجراں کا

زمانہ تیر نگہ کا بسمل، نشانہ ہر اک شکار کا دل
وہ چشم وابرو ہیں دونوں قاتل، چھری تلے ہے گلا ہرن کا
کسے دکھاؤں میں داغ اپنا، نہیں ہے پرساں کوئی کسی کا
چراغ لے کر ہزار ڈھونڈھا مزاج پایا نہ انجمن کا

سرو میں رنگ ہے کچھ کچھ ترے زیبائی کا
جامۂ گل میں ہے چھاپا تری رعنائی کا
جوش میں کوئی نہیں جامہ دری کا مانع
ہتکڑی ہاتھ پکڑتی نہیں سودائی کا

کوئی سجدہ ترے درگاہ کے قابل نہ ہوا
لے چلا داغ جبیں پر میں جبیں سائی کا

خدا کی شان ہے ہر بت کو دعویٰ ہے خدائی کا
ہر اک پتھر سے اُڑتا ہے شرارہ لن‌ترانی کا

صندل کی نہ بو جائے گی پیسو کہ جلاؤ
مٹتا ہے مٹانے سے کہیں نام کسی کا

پتھری میں پرورش ہے عبث جسم زار کی
پھینکوں کسی گڑھے میں یہ بیکار ہو چکا

آج وہ دن ہے کہ آنکھوں سے لہو ہو کے بہیں
دل ہے کس کام کا آخر یہ جگر کیا ہوگا
آدمی گردش ایام سے غافل نہ رہے
شام کیا ہوگا خدا جانے سحر کیا ہوگا

ننگ و ناموس خدا را مرا دامن چھوڑیں
دل بہت تنگ ہے، اب چاک گریباں ہوگا

تڑپنے میں ہمارے سامنے بسمل نہ ٹھہرے گا
اگر نبضیں بھی ٹھہریں گی، مگر یہ دل نہ ٹھہرے گا

آپس کا رنج مانع دیدار ہو گیا
دل کا غبار بیچ میں دیوار ہو گیا
میں پاؤں پر جھکا تو وہ بیزار ہوگیا
زاہد میں سجدہ کر کے گنہگار ہوگیا
میری دعا کو راہ نہیں تا در قبول
دست دعا نصیب سے دیوار ہوگیا

ہم ہیں بعد از مرگ بھی محو تماشائے بہار
جب غبار اپنا اُڑا دیوار گلشن ہوگیا

اشک غم فرقت میں رفتہ رفتہ باراں ہوگیا
پھیل کر کالی گھٹا داغ عزیزاں ہوگیا

میں ایسی نیند سوؤں کہ ثابت ہو مر گیا
تکیہ اگر نصیب ہو زانوئے یار کا

کوچ دنیا سے کر چلے تھے ہم یار کے آتے ہی مقام کیا
تیر مارا، نہ یار نے خنجر اک ادا سے مجھے تمام کیا

پیاسے جمال کے ہیں تو بھوکے وصال کے خالق نے آب و دانہ ہمارا اُٹھا لیا

جب اپنے گریباں میں منہ ڈال کے دیکھا دل سے نہ زیادہ کوئی دشمن نظر آیا
ہر خاک نشیں مظہر انوار خدا ہے ہر دانۂ ذرات میں خرمن نظر آیا
اس باغ کے کانٹوں سے رہے حفظ مقدم غنچے کے گریبان میں دامن نظر آیا

یہ کہہ دو کوچۂ جاناں کے جانے والوں سے اُدھر جو کوئی گیا پھر اِدھر نہیں آتا
عذاب نزع ہے، قاصد کا انتظار مجھے اجل ہی آئے، اگر نامہ بر نہیں آتا

میں سیہ رو اپنے خالق سے جو نعمت مانگتا
اپنا منہ دھونے کو پہلے آب خجلت مانگتا

گنا کسی نے نہ مجھ کو میں بے حساب رہا
بھلا ہوا کہ خرابات میں خراب رہا

ضبط گریہ پر یہ آنکھیں ہیں گواہ جوش میں آ آ کے دریا تھم رہا

''بحر'' نکلے تھے ڈھونڈھنے اُس کو ایسے کھوئے گئے پتا نہ ملا

جیتے جی عاشق بےتاب کا کب دل ٹھہرا روح جب کر گئی پرواز تو بسمل ٹھہرا

یہ راز عشق رہے دل ہی میں تو بہتر ہے اِدھر زبان سے نکلا اُدھر فسانہ ہوا

ب

موج بےتابی کی چلّے میں ہے سوفار گلو
کیا لگے صیاد کو تیر فغان عندلیب
کچھ خزاں میں ہم صفیروں کی خبر کھلتی نہیں
نکہت برباد سے پوچھو نشان عندلیب

دل بیچ کر ہوا میں گنہ‌گار بےسبب
آزردہ ہوگیا وہ خریدار بے سبب

زلف دوتا دو راہۂ اسلام و کفر ہے
زاہد اِدھر خراب، اُدھر برہمن خراب
بلبل کا گھر اُجاڑ کے خوش ہو، نہ باغباں
وہ دن بھی ہے قریب کہ ہوگا چمن خراب

ہے رمز عشق مسئلۂ جبر و اختیار
واعظ ہماری بات کا کب دے سکا جواب

پ

روئے کوئی غریب تو ہمدم نہ چاہئے
واقف نہیں کسی کی فغاں کے اثر سے آپ

ت

کیا کہہ کے پکاریں تجھے، اے جان محبت!
غارت گر اسلام کہ ایمان محبت
ہمت کو نہ دیں ہاتھ سے لاغر بدنی میں
کانٹے کی طرح تھا مٹے دامان محبت

میرا مہماں ہے اک رشک قمر، آج کی رات
منزل ماہ نظر آتا ہے گھر آج کی رات

ٹ

اے بخت فرد عشق میں روشن ہو میرا نام
خط جبیں کو صورت نقش نگیں اولٹ

ث

غم و اندوہ عبث، نالۂ و فریاد عبث
بھولے جو آپ کو اُس شخص کی پھر یاد عبث
تیرا دامن کا جھٹکنا ہمیں معلوم نہ تھا
بے وفا خاک ہماری ہوئی برباد عبث

کہو اے "بحر" کس نے رشتۂ مہر و وفا توڑا
کئی دن سے بندھا ہے آنسوؤں کا تار کیا باعث

ج

آئینہ ساں دیکھتا ہوں انقلاب روز گار ایک ہے میری نظر میں، آشنا، بیگانہ، آج

ح

خیال خواب کہاں انتظار جاناں میں
کھلی رہیں گی یہ آنکھیں شگاف در کی طرح
کسی نے کعبہ بنایا کسی نے بت خانہ
بنا نہ ایک گھروندا تمہارے گھر کی طرح

وقار خلق میں کسب و کمال کا نہ رہا
ذلیل اہل ہنر بھی ہیں بے ہنر کی طرح

سیماب ہر طرح سے ہوا قائم آگ پر دل عشق کی جلن میں نہ ٹھہرا کسی طرح
سر پھوڑئیے کہ اپنا گلا کاٹ ڈالئے فریادرس نہیں کوئی اپنا کسی طرح

کیا ہے عشق نے مجبور ہر طرح مجھ کو
نہ اختیار میں دل ہے، نہ اختیار میں روح

بے مرگ کس طرح شب فرقت تمام ہو
ٹھہرا ہے عاشقوں کے کفن پر مدار صبح
تارے شب فراق میں گنتا ہوں اس لئے
یہ موتی ایک روز کروں گا نثار صبح

ن

کہیں ایسا نہ ہو وہ آکے پھر جائے
کسی شب نیند ہوں آنکھیں نہ دربند
دعا یہ مانگتا ہوں میں شب وصل
قیامت تک رہے باب سحر بند
خدا جانے کہاں ہوں اور کیا ہوں
کھلے احوال کیا جب ہو خبر بند

ق

زور و زر رکھتے ہیں جولوگ یہ حال اُن کا ہے
اگر اک بار تواضع ہے تو سو بار گھمنڈ

ر

ہم چشمئی یار سے حیا کر
نرگس! آنکھوں کی کچھ دوا کر
جنگل کی بہار دیکھتے ہیں
ہم داغ جنوں کا گل کھلا کر
راضی بہ رضا اگر ہے اے دل!
اپنے کا، نہ غیر کا، گلا کر
منصور یہ بک رہا ہے کیا تو
اے بندۂ حق خدا خدا کر

اے دل نہ بھیڑ بھاڑ میں گم ہوں ترے حواس
سینے میں حسرتوں کا نہ اتنا ہجوم کر

یوں نگہہ دوڑے نہ برچھی تان کر اپنا ، بیگانہ ، ذرا پہچان کر
فاتحہ کو بھی نہ آیا قبر پر جان دی ہم نے اُسے کیا جان کر
قتل عام اچھا نہیں او مست ناز دوست، دشمن کو ذرا پہچان کر
مار ڈالا جستجوئے یار نے گور میں سوتے ہیں چادر تان کر

دل کو اس واسطے پہلو سے جدا کرتا ہوں
آرزو ہے کہ ملوں یار سے تنہا ہو کر

ہمرہِ بوے چمن باغ سے، ہم بھی نکلے نہ پھرے سوئے وطن رہروے صحرا ہو کر

یار کے جاتے ہی جاتے رہے جب ہوش و حواس
دم لگا سینے میں گھبرانے اکیلا ہو کر

صیاد ستمگر کی ابھی آنکھ لگی ہے فریاد کرے مرغ گرفتار سمجھ کر

شہر سے ہم نے قدم اپنے نکالے شکر ہے
کچھ تو آنسو پچھ گئے داماں صحرا دیکھ کر

"بحر" عمر آخر ہوی در در گدائی تا کجا
اب نہ بستر سے ہلو ! تکیہ کرو تقدیر پر

کب تک مجھے تڑپاؤگے تم ہجر میں اپنے اب رحم کرو اپنے گنہگار کے اُوپر

رندوں کو ایک روز تو دریا دلی دکھا کشتی مے کو چھوڑ دے ساقی! بہاؤ پر

خار کی شکل کھٹکتا ہے رقیب آنکھوں میں
گل کو دیکھوں میں جو بلبل ہو چمن سے باہر

ز

جب مجھے تم نے پکارا یہ دعا دی میں نے
رہے مکے میں ، مدینے میں ، تمہاری آواز

س

کہے دیتی ہے بذائے قفس تا بوتی　　زندگی بھر نہ رہا ہوں گے گرفتار قفس

دل بیچنے کو جائیے کس باوفا کے پاس　　دام وفا نہیں ہے کسی آشنا کے پاس
کیا پوچھتے ہو صدمہ جدائی کا دوستو!　　اُٹھے جوبت کے پاس سے پہونچے خدا کے پاس

ش

عجب طور ہے کوئی خوش کوئی ناخوش　　تمہاری ملاقات سے دل ہو کیا خوش
اگر قتل عاشق تمہاری خوشی ہے　　بہت خوب! ہم خوش ہمارا خدا خوش

قطعہ

خدا سے کہوں گا کہاں مجھ کو بھیجا
میں اس غم کدے میں نہ دم بھر رہا خوش

ص

ثابت ہے آدمی پہ خطائے ہوا و حرص　　قطع اُمید دل ہے سزائے ہوا و حرص

ط

یہ دن کہاں نصیب کہ دلبر کا آئے خط
میں نامہ بر کے صدقے، مرا دل فدائے خط

عشق میں تھی وفا شعاری، شرط — مر مٹے ہم، مگر نہ هاری شرط
ناز بےجا اُٹھائے گا کیوں کر — ناتواں دل هے اور بھاري شرط
اے فلک میرا دل نہ کر میلا — آئینے میں هے آبداری شرط
دیکھ کر اپنے داغ، روتا هوں — اس چمن کی هے، آبیاري شرط
یار هے، شمع، میں هوں، پروانہ — "بحر" مجھ کو هے بےقراري شرط

ع

تشنۂ سوز محبت هے تو پھر رونا هے کیا
اشک پی پی کر مری صورت رهے مسرور شمع

ق

صدقے اُس صانع قدرت کے بنایا جس نے
یار کو شمع محبت، مجھے پروانۂ عشق

ک

کبھی نہ هوں گے کسوٹی سے اهل زر نزدیک
میں اُن کا وعدہ سمجھتا هوں حشر پر نزدیک

هر وقت لب گور سے دیتی هے صدا خاک
سمجھے رهیں آپ آپ کو سلطان و گدا خاک

گ

بہ شکل شمع نہیں آج روشنی منھ پر بہ رنگ دود پریشاں ہے انجمن کا رنگ
ہمارے شہر کو تقدیر نے کیا مٹی غبار ہو کے سڑک پر اُڑا وطن کا رنگ

ل

قدم وہ تو رکھتے نہیں ہیں زمیں پر مجھے اپنی آنکھیں بچھانے سے حاصل

قطعہ

خدا جانے کیا سمجھے وہ کیا نہ سمجھے
یہ حال اُس کو ہمدم سنانے سے حاصل
میں جلتا ہوں تپ میں کہ روتا ہوں غم میں
تجھے اس لگانے بجھانے سے حاصل

کل کی طرح جو آج بھی گھبرائے گا یہ دل
سینے کو چاک کر کے نکل جائے گا یہ دل

ہے موج نسیم سحری ہونٹوں کی جنبش
ہنستے ہو تو بن جاتا ہے غنچہ سا دہن، پھول

م

حسرت نظارہ ایسی ہے جو مانی کھینچ دے
آنکھ کی پتلی بنا رکھیں تری تصویر ہم
دیکھ کر محراب تیغ یار کہتا ہے یہ دل
تم تو سجدے کو جھکا دو سر، کہیں تکبیر ہم

بہ‌روز وعدہ کہاں آؤگے یہ فرما دو
مکان میں رهیں اے یار یا مزار میں هم
فراق یار میں کچھ گومگو هے اپنا حال
خدا هی جانے کہ گھر میں هیں یا مزار میں هم

جب هماری بات وہ سنتے نہیں دیکھ کر منھ ان کا رہ جاتے هیں هم
عاشقی کے نشے میں بےهوش هیں دیکھئے کب هوش میں آتے هیں هم

ناتواں هوں، لوگ اٹھاتے هیں، بٹھاتے هیں مجھے
ضعف اٹھواتا هے سر پر بار احساں دم بہ‌دم

ن

دل کے هاتھوں بیڑیاں پہنی هیں‌هم‌نے، پاؤں میں
کوئے جاناں سے نکل سکتے نہیں نا چار هیں
اتحاد احباب سے اور اجتناب اغیار سے
دونوں عالم میں یہ دو چیزیں همیں درکار هیں
بت میانِ آستیں، دست دعا پیش خدا
شیخ کے جبّے کے جتنے تار هیں زنار هیں

صورت تصویر محو انتظار یار میں طالع خوابیدہ کی‌مانند هم بیدار هیں

خزاں میں سیر کیسی لوٹتے جاتے هیں کانٹوں پر
هوائے باغ کے جھونکے همیں برباد کرتے هیں
حلاوت زندگانی کی هے زندان محبت میں
اسیری کی دعا، اللہ سے آزاد کرتے هیں

یہ بات سچ هے کہ دنیا مقام عبرت هے کہ خواب دیکھتے هیں جب خیال کرتے هیں
جو کوئی دیتا هے اپنے خدا کو دیتا هے گدا بہ‌طور وکالت سوال کرتے هیں

یار کا شکوہ نہ غیروں کا گلہ کرتے ہیں دل کے ہاتھوں کف افسوس ملا کرتے ہیں

کوئی تو متاع دل کو پوچھے آباد رہیں جو لوٹتے ہیں

ہر وقت ہے کوفت اپنے دل کو رہ رہ کر سینہ کوٹتے ہیں
رونے دھونے سے فائدہ "بحر"
کب سینے کےداغ چھوٹتے ہیں

مدت سے یہ ساماں ہے، تن شعلۂ عریاں ہے
کیا چیز گریباں ہے، دامن کسے کہتے ہیں

ہم ہیں دشمن کے بھی دل سوز اگر سمجھے درست
داغ سی شے کو کلیجے سے لگا لیتے ہیں
سخت بیزار ہیں جینے سے تمہارے عاشق
جو انہیں کوس رہے ہیں وہ دعا لیتے ہیں

قابل دید، پری رو، ترے رخسارے ہیں
جن پر آنکھوں کو میں سینکوں یہ وہ انگارے ہیں

کوئی آداب محبت کو بھلا کیا جانے ذلتیں جتنی ہیں عاشق کی وہ توقیریں ہیں

ٹپک رہی ہیں یہ پھوڑے کی طرح سینے میں
دل و جگر بھی سزاوار نیشتر کے ہیں

کہتے ہیں لوگ دیکھ کے اس کے مریض کو
اب کی جو بچ گیا تو پھر اس کی قضا نہیں
جو میری عرض ہے وہ نہیں یار کو قبول
بندے کی جو خوشی ہے رضائے خدا نہیں

عشق کیا درد ہے خداوندا کوئی دارو، دوا، مفید نہیں

بہ رنگ نبض شب و روز، بےقراری ہے وہ درد ہے کہ دوا کوئی سود مند نہیں

میرے ٹکرانے پہ تو رحم نہ کر او ظالم اب سر اپنا ہی نہیں یا تری دیوار نہیں

کیا برا درد ہے جدائی کا کسی کروٹ مجھے قرار نہیں
عاشقوں کو نفس شماری ہے تیرے ظلموں کا کچھ شمار نہیں

اے "بحر" مجھ کو عشق نے کافر بنا دیا
چاندی کا بت بغل میں ہے وہ سیمبر نہیں

بےتابیاں یہی ہیں تو اک دن نجات ہے
صیاد یا تو میں ہی نہیں یا قفس نہیں

میں قسم کھا کے یہ کہتا ہوں کہ مےنوش نہیں
آنکھ دیکھی وہ نشیلی کہ مجھے ہوش نہیں

گردش چرخ سے قیـام نہیں صبح گھر میں ہوں میں، تو شام نہیں

دین و دنیا کے بکھیڑے میں بھٹکتے پھرتے ہیں
اس دو راہے میں ہمیں راہ سفر ملتی نہیں

منھ میں آ جو آتا ہے فرماتے ہیں آپ کہہ نہیں سکتا یہ خو اچھی نہیں

کہیں آنکھیں نہ نکلواکے ملے پانؤں تلے اپنے محبوب جفا کار کو کیوں کر دیکھیں

بلبلو! کچھ تو اثر پیدا کرو فریاد میں چاہئے منقار چٹکی لے دل صیاد میں

روکی تھیں گرم آہیں اک لحظہ عمر بھر میں
ہیں آج تک پھپھولے اپنے دل و جگر میں

حشر میں بھی وعدۂ فردا وفا ہو یا نہ ہو
عمر تو آخر ہوئی اپنی ' تری نا خیر میں
عیش ہے دار فنا میں' خوش نصیبوں کے لئے
سولی پر نیند آئے راحت ہوا گر تقدیر میں

گھر سے نکل کھڑے ہوئے احباب سے چھٹے صحرا نورد ہوگئے ہم تیرے عشق میں

مرغان باغ کو ہے اسیری میں کیا مزا چھوٹے اُدھر قفس سے اِدھر آئے جال میں
یوں قطرہ ریز سر کا پسینا ہے زلف پر موتی پرو رہا ہے عرق' بال بال میں

بہ خدا ساری خدائی کا نمونہ تو ہے
دل ہے آئینہ تو دیکھ اپنا تماشا دل میں
کیوں چلے باغ خزاں دیدہ سے ہم دست بہ دل
ٹوٹ کر رہ گیا شاید کوئی کانٹا دل میں

دم نہ نکلا کسی کے زانو پر رہ گئی دل کی آرزو دل میں
شیخ کعبہ میں ڈھونڈھتا ہے اسے مجھ کو رہتی ہے جستجو دل میں

درد اپنا کہوں میں ساقی سے نوش دارو بھری ہے بوتل میں

اوج یہ پیر مغاں کو رہے میخانوں میں
بادہ چھلکے مہ و خورشید کے پیمانوں میں
ہر کہیں ایک سی توقیر کہاں ہوتی ہے
پھول باغوں میں ہوں' کانٹا ہوں بیابانوں میں

آزاد ہوئے خانۂ زنجیر سے قیدی
ہم رہ گئے اُلجھے ہوئے زلفوں کی شکن میں

مشــاطے کا محتاج نہیں حسن خدا داد
تم چاند نظر آتے ہو بے ساختہ پن میں

اے جذب عشق کامل وہ گل کھلا چمن، پیدا ہو رنگ بلبل، ہر گل کے پیرہن میں

اے خار دشت غربت! دامن ہمارا چھوڑو
لے آئیں اپنے دل کو، بھول آئے ہیں وطن میں

تری دکھائی کے صدقے، ترے نثار ہوں میں
گلے سے آکے لپٹ جا کہ بے قرار ہوں میں
معاف کیجئے ایسی خطا نہ ہو گی کبھی
برا کیا تمہیں چاہا گناہ گار ہوں میں
مـرا سـوال کسی سے نہیں بجـز ساقی
فقیر مےکدہ ہوں میں، شراب خوار ہوں میں

کچھ نہ کچھ تم نے اشاروں میں رقیبوں سے کہا
کان میں چشم سخن گو کی صدائیں آئیں

رنج پر رنج دیئے ہیں ہمیں اُن دونوں نے
شکـوۂ خاص کـریں یـا گلۂ عام کـریں
دل اگر صاف ہو آئینے کی حاجت کیا ہے
چشم بینا ہو تو پھر کیوں ہوس جام کریں
کیوں جنوں پھاڑ کے کپڑوں کو اڑا دیں پرزے
ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں کچھ کام کریں

بہار آئی ہے کہہ دو یہ ہم صفیروں سے چمن کا ذکر اسیروں کی روبرو نہ کریں
مہ دو ہفتہ کا عالم مقام غیرت ہے غرور چاند سے چہرے پہ خوب رو نہ کریں
ترے ملاپ میں دونوں جہاں کی عشرت ہے جو تو ملے تو کسی شے کی آرزو نہ کریں

ظالمو ! اتنی تو مہلت دو ہمیں بہر خدا
چند آہیں حسرت فریاد رس میں کھینچ لیں

———

کیا ضیا بخش ہے بہار چمن   سرمہ آنکھوں کو ہے غبار چمن

———

اللہ ہی بچائے، اجل کا ہے سامنا
فرقت کی شب کہاں ؟ میں چراغ سحر کہاں ؟
قبلہ ہے کس طرف میں دوگانہ ادا کروں
صاحب ! قدم تمھارے کہاں ؟ میرا گھر کہاں
صاحب هنر، کو آج کوئی پوچھتا نہیں
یارب ! تلاش رزق کرے، بے ہنر کہاں

———

روتے ہیں، ساری رات: سارے دن   کیا برے کٹتے ہیں ہمارے دن؟

———

حق تعالی دے نہ دشمن کو بھی، ایسی بے کسی
ڈھونڈھتا ہوں اپنی سائے کا سہارا ان دنوں

———

خبر کیا محتسب کو مے کشاں جذب الفت کے
رہا جام آنکھ میں برسوں رہا دل میں سبو برسوں

———

گھر میں تمھارے بیٹھ کے اٹھنا محال ہے
مردے کی نیند سوئے ہیں آج انجمن کے پاؤں

———

و

———

رحم بے رحموں پر آتا ہے، مقام صبر ہے
میں نہیں کہتا خدا پہونچے مری فریاد کو
کچھ نہ سمجھی آئنے کی شکل حیرت میں رہی
ایک ہے، دیکھا نہ دیکھا عالم ایجاد کو

کیوں نہ بند آنکھیں کئے دنیا سے جائے ہر بشر
اُس پری کو دیکھ کر کیا دیکھے کوئی حور کو

حسن سے بڑھ کے زمانے میں کوئی چیز نہیں
اپنا گھر بیچتے دیکھا ہے خریداروں کو

پاس‌داری یہ گلوں کی ہے ہمیں ؟ اے بلبل؟
آنکھ پر رکھتے ہیں، پلکوں کی طرح خاروں کو

طاق نسیاں پہ نہ رکھا کبھی پیمانے کو
جب چلے ہم سوے مسجد، گئے مے‌خانے کو
یار پیماں شکن آئے گا نہ جب تک ، ساقی!
منھہ تو کیا؟ ہاتھ لگاؤں گا نہ پیمانے کو
عاشق زار ہوں میں، مجھ کو نصیحت ہے چھری
ذبح کرتے ہیں ، جو لوگ آتے ہیں سمجھانے کو

فکر تیری ہے اس قدر مجھ‌کو — کہ نہیں اپنی کچھ خبر مجھ کو
کوچۂ یار ہے عدم کی راہ — لئے جاتا ہے دل کدھر مجھ کو
اب‌تو آنکھوں میں جان اٹکی ہے — دیکھ جا ! آکے اک نظر مجھ کو

جان سے عشق کے بلا ٹالو — دل کو سمجھاؤ چاہنے والو
دوستو کیوں وہ روٹھ بیٹھے ہیں — مجھ کو لے جا کے پاؤں پر ڈالو
دشمنوں کو نظر لگے نہ کہیں — مجھ کو تم آج صدقے کر ڈالو

بد طالع کا علاج کیا ہو — آزاد بھی ہو تو لادوا ہو
پایا جو مزاج، مر مٹے ہم — کیا جانئے کس کے آشنا ہو
وہ چال چلو کہ دل ہو تسخیر — حب کا تعویذ نقش پا ہو
ممتاز ہیں کشتگان معشوق، — ہے عین کرم اگر جفا ہو

جلائیں ہاتھ موسیٰ اور بن جائے ید بیضا
برائی میں بھلائی ہو، مقدر ہو تو ایسا ہو

دیکھنے دیتے نہیں کان، رخ زیبا کو
بجلیاں کوندتی ہیں، تاب نظر کیوں کر ہو
مار ڈالے گا مجھے عشق یہ معلوم نہ تھا
ناگہانی ہو جو شے، اُس کی خبر کیوں کر ہو

تصور جب بندھا پیش نظر ہو
مری آنکھیں صدف ہیں تم گہر ہو
تلاش یار کی اے دل یہ ہے راہ
پھروں میں کو بہ کو تو در بدر ہو
یہی ہر سجدے میں اپنی دعا ہے
ہمارا سر ہو تیرا سنگ در ہو
خداوندا اُٹھا لے آب و دانہ
قفس سے پھر سوئے گلشن سفر ہو

عاشق کو اس قدر تو جنوں سے تپاک ہو
تن داغ داغ ہو تو قبا چاک چاک ہو

ہم اُس تعزیر پر راضی ہیں جس میں لطف حاصل ہو
لہو شیشے میں ہوا ے محتسب اور سیخ بر دل ہو

بہ جز خورشید محشر صبح کا تارا نہ دیکھوں میں
یہ شب گزرے تو پھر صبح قیامت ہی نمایاں ہو

بسمل کو سنبھالے سے سنبھلتے نہیں دیکھا
میرے دل بےتاب کی کیا چارہ گری ہو
کب دیکھ سکوں گل کو جو تقدیر میں ہو داغ
جب فصل چمن آئے تو بے بال و پری ہو

دل کو لگتی ہے تو انسان سمجھتا نہیں کچھ
نالے کرنے سے مجھے کام، اثر ہو کہ نہ ہو

کاردانی پہ نہیں دولت دنیا موقوف
بخت انسان کے اچھے ہوں ، ہنر ہو کہ نہ ہو

کیا ہی منصور کو جھنڈے پہ چڑھا رکھا ہے
کوئی حق بول کے آفاق میں بدنام نہ ہو

جس کو چاہو اُس کو بھر دو ماہ کو نقرۂ مہر کو زر دو
جی جلتا ہے آہ کے جھونکو شمع محبت کو گل کر دو

اسم اعظم کا اثر غیر کو دکھلا دیں گے یار کا نام ذرا ورد زباں ہونے دو

مر بھی جاؤں کہیں یہ روگ مٹے اے طبیبو ! مری دوا نہ کرو

ی

اک جلوۂ جمال پر اتنا ملال کیا
آنکھوں میں خاک ڈال کے دکھلا نہ آئینہ

تو دیکھ میری وصل کی شب میں سحر کی راہ
اے شمع دیکھتا ہوں میں تیرے سفر کی راہ

ے

ایک دن تو مسکرا کر چار آنکھیں کیجئے
کچھ تو آنسو پونچھئے اس عاشق ناشاد کے

ہم عاشقوں سے رتبۂ شہادت کا پوچھئے
جس دم چھری گلے سے ملی، ہم نے عید کی

ہوا بدل گئی پھری میں نوجوانی کی　　بہار دیکھ چکے باغ زندگانی کی

سینہ کو بے کر چلے غم کر چکے　　جیتے جی، ہم اپنا ماتم کر چکے
خاک اب ان آنسووں کو روکئے　　یہ ہمیں رسوائے عالم کر چکے

گلے شکوے، نہ کر ارض و سما کے　　خدا کو یاد کر بندے خدا کے

گویا زبان شکر ہے آنکھوں کی ہر مژہ
لذت اُٹھا رہا ہوں ترے انتظار کی

ہم نے ڈھونڈھا تمہیں ہستی سے عدم تک کیا کیا
نہ ادھر ہاتھ لگے تم، نہ اُدھر ہاتھ لگے

شراب مانگیں گے خضر سے بھی، طلب نہ آب بقا کریں گے
سرور میں لطف زندگی ہے، خمار میں جی کے کیا کریں گے
اب ان میں اپنا نہیں گزارا، بتوں سے دل ہٹ گیا ہمارا
کریں گے بت خانے سے کنارا، حرم میں یاد خدا کریں گے

گئے میرے دشمن کے پھولوں میں وہ　　مجھے غم سے کانٹوں میں اُلجھا گئے
لحد میں گرے جب ہوا سر سفید　　پڑی دھوپ ایسی کی تیورا گئے

حال مسافران عدم سوجھتا نہیں
کیا گرد کارواں مری آنکھوں میں بھر گئی
سب کی رجوع، یاس میں ہوتی ہے سوے حق
پھیری بتوں نے آنکھ، خدا پر نظر گئی

مبتلا، نت نئی آفت میں رہا کرتے ہیں　　ورز اللہ سے رہتی ہے مناجات نئی

آشفتہ طبیعت کے آثار نہیں چھپتے　　آزار محبت کے بیمار نہیں چھپتے

کاش بیمار ہی رہتا میں وہ آیا کرتے
مجھ کو اچھا جو نہ کرتے بہت اچھا کرتے
جوہر اس حسن پرستی میں وہ پیدا کرتے
دل کو آئینہ بناتے تجھے دیکھا کرتے
لوگ کہتے تو ہیں ' کیوں تم نے دیا دل اُس کو؟
چھین لیتا وہ زبردست تو ہم کیا کرتے
روز تقسیم' ہمیں کچھ نہ بن آئی اے ''بحر''
لے گئے بگڑی ہوئی تقدیر کو ہم کیا کرتے

نیرنگی دنیا کا تماشا ہے نمایاں غفلت اسے کہتے کہ عبرت نہیں ہوتی

ہم خزاں کی اگر خبر رکھتے آشیانے میں پھول بھر رکھتے
یار کی دونوں آنکھیں قاتل تھیں اک نظر ہم کدھر کدھر رکھتے

آسماں ہم سے پھر گیا پھر جائے ملک و جاہ و حشم نہیں رکھتے
کیا کہیں ''بحر'' اپنی تنہائی دل بھی پہلو میں ہم نہیں رکھتے

دم لبوں پر بھی اگر ہو تو دم اُس کا بھرئیے
جان آنکھوں میں بھی آئے تو نظارا کیجے
پار اُترئیے مدد غیر سے کیا لطف اے ''بحر''
ڈوب مرئیے پہ نہ کشتی کا سہارا کیجے

مایوس نہ ہو کوئی بشر فضل خدا سے مرتے ہوئے بھی ہاتھ اُٹھائے نہ دعا سے

جنوں کے ہوش میں نکلے جو گھر سے ادھر سے ہم چلے' پتھر اُدھر سے

ذرا ٹھہرو فرشتو! گور میں آرام لینے دو
ابھی اُٹھا ہوا آتا ہوں میں ہستی کی منزل سے

چرخ کے ھاتھوں تہ و بالا ھیں دل احباب کے
اس ھنڈولے میں کوئی بیٹھا نہیں آرام سے

ھوئی تفریح دل کو پھاڑ کر پوشاک وحشت میں
در جنت نظر آیا مجھے چاک گریباں سے
بحمداللہ محبت میں ھوئی متی عزیز ایسی
اُٹھا کر لیگئیں جنت کو حوریں کوئے جاناں سے
نہ ڈالا میں نے بوجھ اپنا کسی پر جوش وحشت میں
نہ ٹوٹا پاؤں کا چھالا کبھی خار بیاباں سے

کوئی دم میں' دم' نکلتا ھے یہاں — دیکھ تو جاؤ خدا کے واسطے

تونے بھر بھر کے دئے جام' دیا کیا میں نے — تیرا گھر بھر دوں' اگر مجھ کو خدا دے' ساقی!

مقام شرم ھے دنیا سے روسیاہ چلے — خدا کے سامنے کس منھ سے عذرخواہ چلے
عجب یہ رسم محبت ھے جس نے ظلم کیا — اُسی کی خدمت عالی میں دادخواہ چلے

جو نام لے کے پکارا تو اس میں نام نہیں — جو گل ھیں آپ تو بلبل مجھے خطاب ملے

نہ بالوں پر ھے سیاھی' نہ چہرے پر سرخی — نشانی آہ نہ کچھ دے گیا شباب' اپنی

جب بنایا ساغر صہبا فلک کی چاک نے — میکدے سے اُڑ کے متی دی ھماری خاک نے

ناقوس کے آواز سے چونکا' نہ آذاں سے — کس نیند سلایا ھے مجھے بے خبری نے

دیکھوں انجام مرے عشق کا کیا ھوتا ھے — بت خفا ھوتے ھیں ناراض خدا ھوتا ھے
پھول مرجھائے ھوئے دید کے قابل کب ھیں — آنکھ پڑتی ھے اُسی پر جو کھلا ھوتا ھے

دم نکلتے ھوئے آنکھوں سے بہت دیکھا ھے — آدمی حسرت دیدار لئے جاتا ھے

پھر مجھے باد بہاری نے اُڑایا دم میں — پھر یہ جھونکا سوئے گلزار لئے جاتا ہے

دیار عشق کا جو ہے مسافر — لحد کو پہلی منزل جانتا ہے

غرور خوب نہیں مشت خاک کے حق میں
ہوا سے مل کے پریشاں غبار ہوتا ہے

میں دوڑ رہا ہوں اُس کے پیچھے — جو سائے سے اپنے بھاگتا ہے
دولت سے کبھی نہ سیر ہوں گے — شاہوں کو فقیر کی دعا ہے

کئی داغ اِس میں، کئی زخم اُس میں — یہ دل ہے تو کیا ہے، جگر ہے تو کیا ہے
نہ کچھ دستگیری، نہ کچھ حال پرسی — کسی کو کسی کی خبر ہے تو کیا ہے

رہنے کو ٹھکانا نہیں ملتا کہیں اس کو — مجنوں کو ترے گوشۂ زنداں سے گلا ہے

شوق دیدار جو منظور نظر اُس کا ہے — ہم جدھر دیکھتے ہیں جلوہ اُدھر اُس کا ہے

نامہ بر آئے کہیں لے کے جواب نامہ — حال کھل جائے کہ تقدیر میں لکھا کیا ہے

چرخ پر تم کو چڑھا کر دیکھئے — کون سا تاروں میں تارا دیکھئے

یکرنگ آشنا نہیں ہم نے پرکھ لیا
منہ پر کھرے ہیں آپ مگر دل میں کھوٹ ہے

یہ سنگ آستاں ہے مجھے تخت سلطنت
سایہ تمہارے دامن دولت کا تاج ہے

داغ جنون عشق کا رتبا بلند ہے — خورشید آسماں سے سر اپنا بلند ہے

دروازۂ قبول سر عرش ہے تو کیا فضل خدا سے ہاتھ دعا کا بلند ہے

سینۂ عشاق ہے گنجینۂ اسرار حق احتیاج مہر ہے داغ جلوں درکار ہے

پاؤں پھیلانے کا اب موقع نہیں دیکھ آئیے
پاؤں لٹکائے لحد میں عاشق رنجور ہے

نہ پڑ عذاب میں اے روح چل نکل تن سے یہ بارگاہ عناصر فساد کا گھر ہے
یہی دعا ہے کہ اللہ آبرو رکھ لے صنم سے آنکھ لڑی ہے نظر خدا پر ہے
کمال طالب دنیائے دوں ہے پیر حرم خدا کے گھر میں ہے لیکن خدا سے باہر ہے

ہاں وہ کہتا ہے مگر منہ سے نکلتی ہی نہیں
بات بن بن کر بگڑ جاتی ہے کیا تقدیر ہے
اے جلوں ہم وضع داروں سے نہ کر گستاخیاں
کیا گریباں اپنا پھاڑیں شرم دامن گیر ہے
بت کدے میں سر بہ سجدہ ' کعبے میں ساغر بہ دست
" بحر " اپنے خواب غفلت کی یہی تعبیر ہے

ہم صفیروں کو مبارک نہ ہوئی فصل بہار آشیانے رہے اُجڑے : قفس آباد رہے

کیا کیا نہ ہم سے یار کو وہم و گماں رہے ہم سر بہ کف رہے وہ سر امتحاں رہے

اے زاہد اس نماز کو میرا سلام ہے
افلاک پر دماغ زمیں پر جبیں رہے

بے زری کا نہیں کچھ غم یہ بڑی دولت ہے آبرو اپنی سلامت رہے ایمان رہے
نہ دیا چین کبھی حسرت دنیا نے مجھے داغ بن بن کے جگر میں مرے ارمان رہے
بہ طلب دیجئے محبوب دل آزار کو دل کچھ ہمارا بھی بھلا یار پر احسان رہے

پلۂ عروضیوں میں سبک ہو کہیں نہ "بحر"
میزان شاعری میں طبیعت تلی رہے

یاروں میں خاک بیٹھئے، کیا بات کیجئے؟
کہنے میں دل نہیں ہے طبیعت اُداس ہے
راضی ہو کوئی مجھ سے کہ ناراض ہو کوئی
بیٹھوں گا اُس کے پاس یہ دل جس کے پاس ہے

جب سے تن میں روح آئی مبتلائے دل رہے چار دیوار عناصر خانۂ منحوس ہے

میں تڑپتا ہوں تو کہتے ہیں اسیران قفس
زخم خوردہ ہم گرفتاروں میں بسمل ایک ہے

دل سے کبھی فساد کبھی یار سے خلش عرصہ ہماری زیست کا میدان جنگ ہے

داغ دل ہے چراغ بیت اللہ آج کل میں مراد حاصل ہے

کیا مست ہیں تصور ساقی مدام ہے
شیشہ ہمارے دل میں ہے آنکھوں میں جام ہے

خورشید فراق میں تپاں ہے اے ذرہ نواز تو کہاں ہے

سیرت کسی کی خوب ہے صورت کسی کی خوب
کوئی ہمارے دل میں ہے کوئی نظر میں ہے

بیمار محبت کا خدا حافظ و ناصر تشخیص یہ ٹھہری ہے کہ تدبیر نہیں ہے

اُس کی نگاہ قہر ہے اپنی نگاہ مہر
ہم اُس کے ہیں ہدف، وہ ہمارا نشانہ ہے

سو حسرتیں بھی جان کے ھمراہ ھیں اسیر
یارب دل آدمی کا ھے یا قید خانہ ھے

دنیا کی نعمتوں کا یہی گھر خزانہ ھے　　اب یہ گدا ھے اور ترا آستانہ ھے

روز اک تازہ بلا در پئے جاں رھتی ھے　　نہیں معلوم مری موت کہاں رھتی ھے

سر فروشان محبت کی ھے مٹی بھی عزیز
دیکھ قبر شہدا جائے ادب ھوتی ھے

آنکھیں نہ جھلے دیں گی تری ' بےوفا مجھے
ان کھڑکیوں سے جھانک رھی ھے قضا مجھے

کیا شکایت ؟ مری تقدیر میں پامالی ھے
نظر رحم سے دیکھے تری پا پوش مجھے

اُس طرف جا کے سلامت نہیں پھرتا کوئی
کدھر اے جوش محبت لئے جاتا ھے مجھے

کبھی نہ دنیا میں چین پایا ھمیشہ رنج والم اُٹھائے
یہاں کے رھنے سے ھاتھ اُٹھا یا چلے عدم کو قدم اُٹھائے

دیکھنا ضبط ھمارا کہ دم آیا لب پر
وہ جو دل میں تھی نہ منھ پر کسی عنوان آئی

خلق کی باتوں سے بیگانے کو اپنا کیجئے
چال وہ چلئے کہ دل میں راہ پیدا کیجئے

بھوؤں میں بھی زلفوں کا بل آگیا مقدر کے ہیں پیچ کیا کیجئے
ہم اس دل کے ہاتھوں بہت تنگ ہیں نہیں مانتا ہائے کیا کیجئے

پانی پانی مجھ کو کرتی ہے مری تر دامنی
چاہئے اشکوں کی چادر منھ چھپانے کے لئے

اپنے سر پر لیں جفائے باغباں کس کے لئے
چار دن گل ہیں، بنائیں آشیاں کس کے لئے

بتلائے کون کعبۂ مقصود کا پتا اپنا ہی دل جو قبلہ نما ہو تو جانئے

چاند سورج تیری چوٹی میں مقرر چاہئے
تو سپہر حسن ہے تجھ کو یہ زیور چاہئے

سحر کو اُٹھے تو ہیں وحشی مزاج باغ جاتے ہیں کہ صحرا دیکھئے

توڑ کر دیکھ لے آئینے کے ٹکڑے ناصح
کیا چھٹے حسن پرستی کی جسے خو ہو جائے

جھک کے ملیں آئیں ہر اک سے جو بشکل محراب
ہر صنم دیر میں مسجود خدائی ہو جائے

سخن سخت کے صدمے سے مرا جاتا ہوں
بار الہا مجھے اس دل کی عوض پتھر دے

کیا اعتبار تیری قسم کا تو وہ ہے یار
فردا کا وعدہ کر کے کیا مت پہ ٹال دے
دل بھی ہے ایسی چیز کے تم کو نہ دیجئے
اُلفت یہ کہہ رہی ہے کلیجا نکال دے

بنی ہے جان پر ایسی کہ اب نہیں اُمید
کوئی گھڑی، کوئی ساعت، کوئی پہر گزرے

خدا پرست ہوئے ہم نہ بت پرست ہوئے
کسی طرف نہ جھکا سر کچھ، ایسے مست ہوئے

اپنے اعمال سے پیری میں خبر دار ہوئے
سوتے تھے سر پہ جو دھوپ آئی تو بیدار ہوئے
ہر طرف لوگ تماشے کو کھڑے رہتے ہیں
ہم جو دیوانے ہوئے رونق بازار ہوئے

تیری دید اے بت جو حاصل ہوئی   یہ پتلی تماشے کے قابل ہوئی

برا بھلا جو کسی کو کہیں تو کیا حاصل
خدا تو دوست ہے اپنا صنم ہوئے نہ ہوئے

نقاب میں نہیں بے وجہ منھ چھپائے ہوئے
کسی غریب کا آتے ہیں دل دکھائے ہوئے
بنےگا داغ جگر ایک دن چراغ مراد
بتو! ہم اپنے خدا سے ہیں لو لگائے ہوئے
کچھ اعتبار نہیں قول و فعل کا اُن کے
کبھی ہمارے ہوئے وہ کبھی پرائے ہوئے

کچھ پوچھئے نہ حال اسیران زلف کا
پھانسی اجل سے مانگ رہے ہیں پھنسے ہوئے
آزاد سے کلام خوشامد بعید ہے
کلمہ پڑھیں وہ جو ہیں قفس میں پھنسے ہوئے

پتلیوں کو اور ہی صورت نظر آنے لگی
جب ہوا دل آئینہ، آنکھوں کو حیرانی ہوئی

رباعیات

احباب سے کوئی ہم کو پیارا نہ ہوا
رنج ان کا کسی وقت گوارا نہ ہوا
افسوس ہے، دست پا سے زور و زر سے
ہم سب کے ہوئے کوئی ہمارا نہ ہوا

اک جلوہ تھا جس محل میں قندیلوں کا
اُس کے چھت میں ہے گھر ابابیلوں کا
کل رقص کناں تھے جن منڈیروں پر مور
ہے آج وہاں پر آشیاں چیلوں کا

خم آ گیا قد میں ابروؤں کی صورت
سب لٹ گئے عضو گیسوؤں کی صورت
غم کھایا جوانی کا یہ میں نے دن رات
سب گر گئے دانت آنسوؤں کی صورت

کہتا ہوں جو حال دل تو ہوتا ہوں خجل
کرتا ہوں جو ضبط آب ہوتا ہے دل
اے وائے عجب بلا نے گھیرا ہے مجھے
گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل

پہونچائے کمال گو فلک پر مجھ کو
رتبہ نہ ہو ذرے کے برابر مجھ کو
ہے میری نمود تیس کے چاند کی شکل
دیکھے گا نہ کوئی آنکھ اُٹھا کر مجھ کو

افسوس پیام مرگ لائی پیری
دکھلاتی ہے شان جاں گزائی پیری
کیسا یہ عصا؟ قد خمیدہ کیسا؟
ہے تیر و کماں بدست آئی پیری

اے رب کریم جب مرا دم ٹوٹے
قزاق اجل متاع ہستی لوٹے
اُمید یہ ہے تری عنایت سے مجھے
پنجے سے نہ پنجتن کا دامن چھوٹے

اسباب تجمل کی جو طیاری ہے
کیا فائدہ ناحق کی گراں باری ہے
غافل یہ بوجھ اپنی سر پر نہ اُٹھا
جانا تجھے دور ہے سفر بھاری ہے

کیوں کوچہ بہ کوچہ ٹھوکریں کھاتا ہے
کیوں آگے کسی کے ہاتھ پھیلاتا ہے
چکی کی طرح کنج قناعت میں بیٹھ
رازق پتھر کو رزق پہونچاتا ہے

گو بستہ دلی میں رنج روحانی ہے
پر مصلحتاً یہ لطف یزدانی ہے
گلزار جہاں کا رنگ دیکھا ہم نے
غنچے کو شگفتگی پریشانی ہے

قبول

(مرزا) مهدي علی خاں نام ' مقبول الدولہ خطاب ' ان کے والد کا نام محمد مرزا ' وطن لکھنؤ تھا - واجد علی شاہ ' بادشاہ اودہ کے مصاحب اور توپ‌خانے کے داروغہ تھے -

شاہ اودہ کے ساتھ، کلکتہ کا سفر کیا تھا -

ناسخ کے مشہور شاگردوں میں تھے ' کتاب '' شمشیر فانی '' کا ترجمہ اُردو نظم میں کہا ہے -

صاحب دیوان ہیں ' ان کا دیوان شاہ اودہ نے چھپوایا ہے ' کم‌یاب ہے -

سنہ ۱۲۷۶ ہجري میں وفات پائی ' لکھنؤ میں مدفون ہوئے -

اشعار میں صفائی ہے ' گداز پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ یہ آورد کا کام نہیں -

اور اصناف میں کوئی خاص پایہ نہیں -

مناقب اور قصائد کا رنگ پھیکا ہے -

ا

ہر چند تڑپتا ہوں نکل سکتی نہیں روح
کوچے میں فرشتہ بھی ترے آ نہیں سکتا

ضعیفی میں "قبول" اپنے در دنداں گئے پہلے
سفر سے پیشتر لوٹا گیا افسوس مال اپنا

یہ عشق ایسا نہیں جس کی حرارت دور ہو دل سے
رہیں گے زندہ جب تک ہم نہ اُترے گا بخار اپنا
غرور حسن سے پھر کر نظر کرتا نہیں ظالم
پریشاں تو سن جاناں کے پیچھے ہے غبار اپنا
ملے سب دوست دشمن اپنے، بوئے انس سے خالی
نہ گل اپنا ہوا گلزار عالم میں نہ خار اپنا

تاج زر کا بوجھ اُٹھاؤں خاک میں نازک دماغ
سایۂ بال ہما سے درد سر ہونے لگا

غیر سے اپنوں کو دیتے ہیں سوا ایذا حسین
ہجر میں یعقوب کو یوسف اندھا کر دیا

نہ تو چوکا ترا ناوک، نہ ہٹا میں ہرگز
تیر تو تھا ہی پر اے ترک نشانہ کیا تھا

شب فرقت نے کیا تنگ جو مجھ مجنوں کو
دست وحشت میں گریبان سحر دیکھ لیا
جز گل داغ نہ الفت میں ہوا کچھ حاصل
خوب اس نخل محبت کا ثمر دیکھ لیا

نہیں معلوم کہ میں کون سی ملت میں ہوں
منھ نہیں دیکھتے ہیں گبر و مسلماں میرا

جو تو نے آکے گریباں مرا سیا تو کیا جگر کا چاک بدستور رہ گیا ناصح

کبھی تو دل کے لئے روے دلربا کو کبھی
فرض نہ درد گیا عاشقوں کے سینوں کا

خزاں ہمیشہ ہے ' جامے سے گل نہ باہر ہوں
اگر بہار کی دو دن ہوا ہوی تو کیا
نہ کچھ جواب ملےگا ' نہ تو پھرےگی ادھر
جو تجھ سے نامہ بری اے صبا ہوئی تو کیا
لحد میں جان سے ملنے کو جسم تڑپےگا
جو روح قید بدن سے رہا ہوئی تو کیا

شراب رند کو پینا کبھی حرام نہ ہوگا یہ وعظ و پند فقط مومنوں کو چاھئے واعظ

اپنے گل کے لئے گلشن میں جو نالا کھینچا
میں نے سینے سے دل بلبل شیدا کھینچا
بادشاهوں سے فقیروی میں بھی مطلب نہ رکھا
پاؤں پھیلا دئے جب دست تمنا کھینچا

روح کم ہو گئی پردرد جگر کم نہ ہوا مرض غم سے افاقہ مجھے اکدم نہ ہوا

فرقت دلبر میں دل سے بھی ہوی فرقت مجھے
وصل میں دونوں سے پوچھوں گا کدھر آنا ہوا
نالۂ موزوں سے میرے وجد میں سب آگئے
اہل محفل کے لئے رونا مرا گانا ہوا

هر طرح وصف خط یار رقم ہو جاتا ہاتھ اس جرم پہ کٹتا تو قلم ہو جاتا

طالب درماں ہوا جب دل تو پایا اور درد
جب خوشی چاہی تو غم سینے میں مہماں ہوا

شکل اُس صنم کی چار طرف جلوہ گر ہوئی
کعبہ مرے پہونچتے ہی بت خانہ ہو گیا

ضعف بصر نے مانع دیدار کر دیا آخر غبار چشم کو دیوار کر دیا
بھولے ہوئے تھے جو وہ ہمیں یاد آ گیا جام شراب ناب نے ہشیار کر دیا

سر لے گیا وہ کاٹ کے خنجر سے اے "قبول"
لاشہ تڑپ کے گنج شہیداں میں رہ گیا

کشتئی دل عشق کے دریا میں طوفانی ہوئی
نا خدا کیا ہے کنارے پر خدا لے جاے گا

مآل میں گو برابر ہے وسعت و تنگی
یہ خوش قفس میں ہوں، گویا کبھی چمن میں نہ تھا

نہ تو ہندو میں مروت نہ مسلماں میں وفا
کفر اُلٹا نظر آیا ہمیں، اسلام اُلٹا

لپٹا جو تجھ سے گردن مینا کو توڑ کر
ساقی! معاف کیجیو میں بہک گیا
یہ رقص بسملوں میں کسی کو کہاں نصیب؟
یوں تڑپے ہم کہ دیکھ کے قاتل پھڑک گیا

دعا جو کعبے میں کی ہم نے مستجاب ہوئی
نہ آتا تو مگر اے بت تجھے خدا لایا

دل شگفتہ نہ ہوا ہم ہوئے آزاد تو کیا
باغ میں پہونچے تو یہ غم ہے کہ زنداں چھوٹا
غم نہیں مجھ کو گریباں تو مرا ہے موجود
ہاتھ سے میرے، اگر یار کا دامن چھوٹا

شیریں سے سرخرو تجھے ہونا ہے عشق میں
خون اپنا جوے شیر میں اے ''کوہ کن'' ملا

سلاتا جائے گا بیدار بختوں کو سحر ہوتے
تڑپتا مجھ کو صبح ہجر میں قاتل نہ چھوڑے گا

چاہے جو تو کہ پھر نہ اُٹھائے کبھی مجھے
تو استان یار پر اے آسماں گرا

غم کا مکان سینۂ بے غم نے کھو دیا کھویا تھا ہم کو جس نے اُسے ہم نے کھودیا

شب فراق میں آے مری خبر کو اگر تو ہاتھ جوڑ کے میں پاؤں اے اجل پڑتا
سفر کو وہ جو چلے دل بھی ہو گیا ہمراہ جو روکتے اسے ہم تو جگر نکل پڑتا

شکل اپنی میں نے دیکھی وہ آیا تو کیا حصول
آئینہ دور سے مجھے دکھلا کے پھر گیا

مئے گلگوں سمجھ کر پی لیا خون ہمارا دل تمھارا جام نکلا

نکلے کیوں پی کر شراب افسوس جو رسوا ہوئے
خاک پر بے ہوش رہنے کو ہمیں، گھر کم نہ تھا

سافر بھرا جو عمر کا فوراً شفا ہوئی — جب تک رہی حیات، مرض لادوا رہا
کھٹکا سفر کا روح سے کرتا رہا خلش — جب تک رہی حیات، یہ کانٹا لگا رہا

دل حیرت زدہ مقابل ہے — دیکھو آئینے میں جمال اپنا
جب نکالوگے اپنے کوچے سے — نہ ٹلےگا کبھی خیال اپنا

عشق بوہ جائے نہ اتنا کہ تجھے بھی بھولوں
اے صنم! ساری خدائی بہ‌خدا بھول گیا

دیکھتے ہی آپ کو مارے خوشی کے جان دی
ساتھ عزرائیل کو لائی یہ آنا کیا ہوا

وہ مہر طلعت جو شب کو آیا، سحر کو بھی اپنے ساتھ لایا
نقاب اُلٹ کر جو منہ دکھایا بدل گیا رنگ آسماں کا

ب

دن رات اپنی آنکھ چپکتی نہیں کبھی — ہیں مہر و ماہ دیدۂ بیداد کا جواب

قابل تو گالیوں کے ہوں میں خانماں خراب
کیوں آپ کرتے ہیں مگر اپنی زباں خراب

ت

آج کل پھولا ہوا ہے بوستان کوئے دوست
مثل بلبل نالہ کش ہیں عاشقان کوئے دوست
اُس گلی کے خاکساروں کا یہ رتبہ ہے بلند
عرش سے بھی ہیں اُدھر افتادگان کوئے دوست

جب آئی لب بام نظر، یار کی صورت — حیرت سے بنے ہم در و دیوار کی صورت

ج

ہر ذرہ آفتاب بنا ہے جو اے نسیم — کیا اُس گلی میں جائے گا اپنا غبار آج

خ

اے گل اسے نسیم سحر تو نہ جانیو — کرتی ہے تیرے ہجر میں دم کا شمار صبح

د

سیر کو آتا ہے وہ خانہ بر انداز چمن — باغباں مفت ہوا آج گلستاں برباد

ر

کب تلک ہجر کے صدموں میں رہوں گا زندہ
حیف آتا ہے، چلی جان حزیں یار سے دور

روح یوں نکلے ہے اپنے سینۂ پر داغ سے
بوئے گل جس طور سے نکلے گلستاں چھوڑ کر
تجھ سے بہتر کون حافظ ہے بچا یارب مجھے
ڈھونڈھنے جاوں کسے ؟ تجھ سا نگہباں چھوڑ کر

شہیدوں کو مزے ملتے ہیں تیری تیغ براں کے
عبث کیوں خضر کو غرہ ہے عمر جاودانی پر

شب فرقت میں بدتر جاں کنی سے حال ہے میرا
اجل بھی آ کے رو جاتی ہے میری زندگانی پر

گرا سر کٹ کے پھر شکر اپنا پائے روزن پر
مری گردن کا سارا بوجھ رکھا اپنی گردن پر

گو کہ ہے شمع بھی کل چار پہر کی مہماں
صبح تک دیکھئے کیا بنتی ہے پروانوں پر
اے جنوں پانوں بڑھے دامن صحرا کی طرف
دست عشاق پڑیں اب تو گریبانوں پر

س

نزدیک کوئے یار گرایا ہے ضعف نے
دم چڑھ گیا ہمارا پہونچ کر وطن کے پاس
اے عندلیب آتش گل سے بھڑک نہ جائے
کیوں آشیاں بناتی ہے اپنا چمن کے پاس
کس کام کے وہ لفظ جو معنی سے دور ہوں
وہ کیا سخن جو پہونچے نہ اہل سخن کے پاس

ض

وہ جامہ زیب جب نہ بغل میں ہو اے جنوں
دامن سے کیا مآل، گریباں سے کیا غرض؟

ط

غنچے اسی طرح جو کھلیں گے بہار میں
ناصح نہ ہوگی ہم سے گریباں کی احتیاط

ق

سحر قریب ہے اور قصہ ہجر کا ہے طویل
شب وصال میں پوچھو نہ ماجرائے فراق

ک

دست وحشت میں رہے میرا گریباں کب تک
اے جنوں قطع کروں دشت کا داماں کب تک

ہم ضعف سے پہونچیں گے نہ کوچے میں تمہارے
تم پھر خدا آؤ کسی روز تو ہم تک

م

بہشت بھی ہے مہیا ہے کوئے جاناں بھی
کدھر کو روح کرے گی سفر نہیں معلوم

کانٹوں پہ جستجو میں پھریں گے برہنہ پا
یوسف کو قافلوں میں پکارا کریں گے ہم
آمد ہے اُس حسین کی اور کوچ روح کا
آنکھوں میں دم رہا تو نظارا کریں گے ہم

بے وفائی سے مجھے کیا مطلب آپ کو مہر و وفا سے کیا کام

ن

سب سے پہلے مجھی کو قتل کرو کہ شہیدوں کا پیشوا ہوں میں

واعظا جب سے کی ہے توبہ مے زندگی ہوگئی حرام ہمیں
نہ خفا ہو پھڑکنے پر صیاد ! ہے قفس میں یہ پہلی شام ہمیں

دل خاک میں ملا ہوس وصل یار میں
دل میں وہاں غبار یہاں دل غبار میں

تصور تیری افشاں کا ہمیں سونے نہیں دیتا
ستارے دیکھتے ہیں رات بھر ' بیدار رہتے ہیں

تو جو آتا ہے تو غش میں وہیں جاتا ہوں میں
تجھ کو پاتا نہیں جب ہوش میں آتا ہوں میں

ہر اک ملت میں میرا میل ہے راضی ہیں سب مجھ سے
کہ دن کٹتا ہے مے خواروں میں شب طاعت گزاروں میں

مر بھی جانا غیر ممکن' کب تلک تڑپیں گے ہم
روز محشر ہجر کی شب ہے' سحر کیوں کر کریں

غیر کو پہلو میں دیکھوں اے پری میں دور سے
شکوۂ تقدیر ہے تم سے گلا کچھ بھی نہیں

سوال رد نہ مرا کر فقیر تیرا ہوں کچھ اپنے ہاتھ سے دے دست گیر تیرا ہوں

ملیح دکھا؟ دل میں تصور صبح و شام اچھا نہیں
تیرا ہر دم کعبے میں اے بت مقام اچھا نہیں

و

پھروں گا در بہ در اے جان ٹھوکریں کھاتا تم اس اسیر کو زندان سے رہا نہ کرو

چلوں آنکھوں سے، گر امداد ہو کچھ پائے مژگاں کی
کیا ہے یار نے بے دست و پائی میں طلب مجھ کو

باغ عالم میں کوئی بد بھی نہ اپنا ہوگا
خار بھی کوئی ملے گا نہ چمن سے ہم کو

یہ خواب دیکھا ہے یاقوت میں چباتا ہوں
تم اپنے ہونٹوں سے تعبیر خواب دو مجھ کو

اشک نکلیں کہیں نہ آنکھوں سے — دیکھنا راز دل نہ افشا ہو

ے

پاؤں کے کانٹے تو سوزن سے نکل سکتے ہیں
خار غم دل میں چھپا ہو تو وہ کیوں کر نکلے

جستجو کرنے میں اس مہر کی میں ہوں سر گرم
دھوپ میں خواہش دیدار لئے پھرتی ہے

تقدیر پھر گئی ہے کہ فرقت ہوئی نصیب — پھرے تمہاری گرد، مقدر اگر پھرے

خانۂ دل میں ہر اک جانب اسی کا نور ہے
میرے گھر میں جلوہ گر تیرا چراغ، اے طور ہے!

جادہ‌ہائے دشت جو سمجھا ہے وہ مجنوں ہے
پھاڑا ہے دامان صحرا مجھ گریباں چاک نے

کیوں گذرتا ہے مرے سر سے تو اے سہل سر شک
کوئی دم میں خط تقدیر مٹا جاتا ہے

ہم نے وحشت میں گریبان قبا چاک کیا قطع کرنے کو رہا دامن صحرا باقی

نظر تیری جو مجھ سے اے بت بے پیر پھرتی ہے
مری نظروں میں اپنی موت کی تصویر پھرتی ہے

ہم اس مسیح سے حال دل مریض کہیں الٰہی آج تو کچھ قوت بیاں مل جائے

نکلیں کیوں کر نہ مرے فکر سے رنگیں مضمون
صَرفِ اشعار مرے دل کا لہو ہوتا ہے
آج کل دیتے ہیں در پردہ وہ تسکین مجھے
چاک پیراہن دل تھا سو رفو ہوتا ہے
فیض پر باندھی کمر ساقئی دریا دل نے
مے کشو! مژدہ کہ لبریز سبو ہوتا ہے
تجھ کو کس طرح دکھاؤں دل مضطر کی تڑپ
چین ہوتا ہے مرے دل کو، جو تو ہوتا ہے

بے وفا کے لئے فرہاد نے کی کوہ کنی
دل کو شیریں کی طرح سے کوئی پتھر نہ کرے

سیکڑوں پھولے ہوئے ہیں گل داغ حسرت
دل نہیں سینے میں یہ باغ بہار اپنا ہے

قاتل کہیں کھڑا ہے خفا ہو کے، میں کہیں
محشر کے دن بھی ہاتھ گریباں سے دور ہے

کوچ غم کا دل سے ہوتا ہے مگر دل ساتھ ہے
اس مسافر سے یہ الفت ہے کہ منزل ساتھ ہے

چاند سا چہرہ ترا گردش میں بھی ہے پیش جسم
گو شب دیجور ہے پر ماہ کامل ساتھ ہے

فقط مجھی کو نکالا تو اس سے کیا حاصل   تری گلی میں بڑا اژدھام رہتا ہے

طریق عشق میں کعبے کی راہ میں بھولا   بتو خدا کا نہیں خوف ' ڈر تمہارا ہے
ادھر سے اپنی جو آنکھیں چرائے بیٹھے ہو   خیال کیا ہے تصور کدھر تمہارا ہے
تمہاری یاد میں بالکل اثر تمہارا ہے   تصور آ کے دکھا جاتا ہے مرے دل کو

مر کے بھی روح اس کے کوچے کے سفر میں ہے مدام
جو وطن اپنا ہے وہ ملک عدم سے دور ہے
شعر ناموزوں دل موزوں پہ ہوتے ہیں گراں
جز عروض ' اشعـــار موزوں کی ترازو اور ہے

نیک بد ' بد نیک ہو جائیں گے کیا معلوم تھا
چار ہی دن میں زمانے کی ہوا پھر جائے گی

نہیں ان کے در پر رسائی ہماری   برے وقت میں موت آئی ہماری

ہاتھ اک سر پر تھا اور اک ہاتھ سے تھامے تھے دل
کیا کہیں تم سے کہ ہم فرقت میں کیا کرتے رہے

ٹھہر! ٹھہر!! کہ شگفتہ رہے کنول دل کا   نہ جا! نہ جا!! کہ یہ جوش بہار جاتا ہے
'' قبول '' منہ سے جو کچھ کہہ نباہ کر اُس کا
نہیں تـــو آدمی کا اعتبـــار جـــانـــا ہے

کھینچ لایا تھا دل اُس کوچے میں اور پاؤں کٹے
ہے ستم ' کس نے سزا پائی خطا کس نے کی

بھرا ہے غیروں سے کوچہ، نکال دوں سب کو
یہ عہدہ بخشو! تمہارا غلام خالی ہے
ہمیں جو دیتا ہے گھبرا کے مے نہ دے ساقی
جھکائے رکھ، ابھی شیشے کو جام خالی ہے

جسم ہلکا جو ہوا روح نے قوت پائی
عشق میں ترک غذا سے مری طاقت نہ گئی
اُس نے چاہی جو محبت نہ ہوئی پر نہ ہوئی
میں نے چاہا نہ گئی اُس کی محبت نہ گئی

بلا کر اپنے گھر عاشق کے دل کو شاد کیا کرتے
وہ اپنے حسن پر بھولے ہیں ہم کو یاد کیا کرتے
صبا سے لے کے بھردی شیشۂ ساعت میں خاک اپنی
یہ گردش کم نہیں اب اور وہ برباد کیا کرتے
چھپا کر چہرۂ روشن ہمیں مارا ہے او ظالم
اندھیری قبر میں جا کر تجھے ہم یادکیا کرتے

سودائے محبت کی دوا کرتے ہیں احباب
یارب کہیں ان سب کے دماغوں سے خلل جائے

شکوہ کس منھہ سے کروں حسن جلاتا ہے اگر
عشق کہوں تم سے کیا تھا یہ سزا میری ہے

در مرگ پر لے چلا ہے مجھے مرے دل کو بھی مجھ سے کد ہو گئی

مارا تھا تیر تاک کے، پر لے اُڑی ہوا اُس ترک کی خطانہیں میری قضانہ تھی

مجھے اپنا بندہ سمجھتے ہیں سب اِلٰہی بتوں کی یہ قدرت ہوئی

جب ھنر مندوں میں بیٹھے چپ رہے لازم یہ ہے
بے ھنر جو ہو اُسے اتنا ھنر بھی چاھئے

دور مے، ساقیِ مِہر و دل خوں کام میں ہے
آفتاب آج مع بزم مرے جام میں ہے
بد زبانی مرے حق میں نہیں کرتا موقوف
شکر صد شکر زباں اُس کی مرے نام میں ہے

جس کی جانب رخ کروں منھہ پھیر لیتا ہے وہ شخص
کس جگہہ بیٹھوں یہاں محفل کی محفل ایک ہے

رباعیات

دو لعل ہیں مصطفیٰ کے خو ایک سی ہے
دو پھول ہیں مرتضیٰ کی بو ایک سی ہے
اک در کو کیا خدا نے ان کے لئے دو
یہ دو در ہیں پر آبرو ایک سی ہے

رباعی

تکریم بشر کی انکساری میں ہے زیبا سب کبر ذات باری میں ہے
ہے اصل تو خاک کبر کیا خاک کرے عزت آدم کی خاکساری میں ہے

مخمس

منقبت امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السلام

معجزات حیدر کرار کی کچھ حد نہیں
منھہ سے جو نکلی وہ درگاہ خدا سے رد نہیں

اُس ولی اللہ کی الفت میں جس کو کد نہیں
دھر یا ھے دھر میں پھر کوئی اُس سے بد نہیں
مالک و مختار ھے کونین کا مشکلشا

منقبت دوئم

دریا رسول ھے تو گہر مرتضیٰ علی وہ نخل مدعا ھے ثمر مرتضیٰ علی
گلبن نبی ھے اور گل تر مرتضیٰ علی خورشید ھے رسول' قمر مرتضیٰ علی
وہ ھے مدینہ علم کا در مرتضیٰ علی
دونوں ھیں ایک نور دو عالم کے پیشوا
اک مقطع رسل ھے تو اک مطلع ولا
اک اِن میں تاج بخش ھے اک شاہ ھل اتی
ایک اِن میں ھے مسیح زماں دوسرا دوا
چشم جہاں نبی ھے نظر مرتضیٰ علی
ھے صاف میم اِسم محمد کا یہ بیاں یعنی علی ھے مالک و مولائے مومناں
ح سے اشارۂ حسنین فلک نشاں میم دوم سے مرتبۂ فاطمہ عیاں
آخر ھے دال دال سے در مرتضیٰ علی
گلزار میں اگر گذر بو تراب ھو ھر پھول عکس رخ سے گل آفتاب ھو
قامت سے سرو باغ ھر اک کامیاب ھو زلفوں کی بو سے سنبل تر مشک ناب ھو
نرگس کو اک نگاہ سے بینا کرے علی

مخمس دربیان اوصاف حضرت سلطان عالم دام ملکہ و سلطنۃ

سب کو لازم ھے کہ شاہ اتقیا تم کو کہیں
رہنما جو جو ھیں اُن کا رہنما تم کو کہیں
حسن میں' عصمت میں' یوسف دوسرا تم کو کہیں
دلبر و دلدار و دل کش ' دل ربا' تم کو کہیں
جان عالم ہم کو حیرت ھے کہ کیا تم کو کہیں

شمع بزم حق ہو روشن خلق کا کاشانہ ہے
نور عرفاں کا دل وحدت گزیں پروانہ ہے
پنجۂ شہ سے قوی تر معدلت کاشانہ ہے
اس جگہہ نوشیرواں کا عدل بھی افسانہ ہے
جانشین مسند خیرالوریٰ تم کو کہیں

مخمس

چھو لیا جس برگ کو گلشن میں وہ گل ہو گیا
مرغ روح خلق پھر اُس گل کا بلبل ہو گیا
نکہت گیسو سے مشک تاب سنبل ہو گیا
اے مسیحا باغ میں آنے کا جب غل ہو گیا
ہو گیا ہر نخل تر فوراً خراماں آپ سے

علم و حلم و عقل و دانش جود و ہمت عدل و داد
صبر و عفو و لطف و فضل و رحمت و حب و وداد
حشمت و اقبال و دولت شان و شوکت ہو زیاد
معدلت افزوں بود ملکت مدام آباد باد
امن ڈھونڈھیں سب طرف کے آکے سلطاں آپ سے

ہاتھ کہتا ہے کہ مجھ کو دست موسیٰ کیجئے
خامہ کہتا ہے مجھے بھی شاخ طوبیٰ کیجئے
قول کاغذ ہے ہمیں جنت کا تختا کیجئے
عرض دل ہے غیب داں مجھ کو سراپا کیجئے
ذہن کہتا ہے مجھے ان سب سے اونچا کیجئے

کس طرف کو حسن عالم تاب کی شہرت نہیں
اب کسی کی چار سو یہ شکل یہ صورت نہیں
عشق یوسف تھا زلیخا کو تو کچھ حیرت نہیں
حسن شہ سے مجھ کو شک اس میں کسی صورت نہیں
عشق میں تصویر یوسف کو زلیخا کیجئے

قطعہ در مدح حضرت سلطان عالم

جان عالم تجھے اللہ سلامت رکھے
حکم اللہ سے ہو زیر نگیں ہفت اقلیم
سر انور سے ترے تاج کی زینت ہے شہا
اور ترے پائے مبارک سے ہے زیب دیہیم
اب تلک تجھ سا ہوا تھا نہ شہ پاک‌نہاد
تجھ پہ ہے سایہ فگن فضل خداوند کریم
صفتیں تجھ کو خدا نے جو عطا کی ہیں شہا
لا تعد وہ ہیں کرے کیا اُنھیں کوئی ترقیم
زور کو دیکھا تو یہ دورۂ عالم شاہا
تیرے انگشت زبردست میں ہے حلقۂ سیم
شکل یوسف نظر آئی تجھے جس دم دیکھا
جب سنا ترا کلام آئی مجھے یاد کلیم

قطعہ در تہنیت عیدالضحیٰ

دعائے حاجیان کعبہ ہے اس حج اکبر میں
الٰہی عشرت ہر گونہ بہر شاہ ذی شاں ہو
یہ جو جان جہاں اور حضرت سلطان عالم ہے
خوشی سے عیش سے عشرت سے ہر دم شاد خنداں ہو
خداوندا عمل میں بادشاہ عدل پرور کے
فرنگ و روم و شام و ہند سے اب تا بہ ایراں ہو
تو ہے ظل خدا سایہ رسول‌اللہ کا تجھ پر
امان شبر و شبیر و حفظ شاہ مرداں ہو

سحر

(راجہ) نواب علی خاں نام ، بہادر جنگ خطاب تھا ریاست محمودآباد کے والی ، واجد علی شاہ کے خاص مصاحب تھے - ابتدا میں ناسخ کے شاگرد ہوئے، پھر مزار فرخ سے مشورہ کیا لیکن رنگ دونوں سے جدا ہے - سنہ ۱۲۷۴ھ میں وفات پائی

لفظی رعایات ، تشبیہ اور استعاروں کی بندشوں میں ایک سوز و گداز پیدا کرتے ہیں - محاورہ بندی بھی ہے اور سلاست بھی ، کلام سے مضمون آفرینی اور طبا عی ظاہر ہے -

ا

دل ترے زلف مسلسل کا گرفتار ہوا
سلسلہ مل گیا زنجیر سے سودائی کا
شانہ و آئینہ اب ہاتھ سے چھٹتا ہی نہیں
خود نمائی سے بڑھا شوق خود آرائی کا

سخن تمام نہ ہو شام روز محشر تک
بیاں کروں جو شب ہجر کی درازی کا

حشر کرتا ہے یہ کہنا آپکا بالائے بام لو سوا نیزے پہ سورج آشکارا ہوگیا
وائے ناکامی تب آیا ساقی پیماں شکن جب ہماری عمر کا لبریز ساغر ہوگیا

ناز تازہ مرے دلدار نے ایجاد کیا جس کا دل ہاتھ میں آیا اُسے برباد کیا
تو ملا جس کو زمانے میں ہوا بیگانہ خود فراموش ہوا جس نے تجھے یاد کیا

اپنے کوٹھے سے جو وہ دلبر رعنا اترا بام کعبہ سے میں سمجھا کہ مسیحا اترا

انتظار خط قاتل میں یہ محویت ہے پھر آیا تو کہا قاصد جاناں آیا

رخ طائر دل کا طرف کوئے صنم ہے کعبے سے پھرے قبلہ نما ہو نہیں سکتا

قفس میں نالوں سے مطلب ہے یہ اسیروں کا
بہار میں نہ چھٹے ساتھ ہم صفیروں کا
بہار ہے ترے کوچے کی اس قدر دلکش
کہ پاؤں اُٹھ نہیں سکتا ہے راہ گیروں کا

لطف شب وصل کیا بیاں ہو گویا گونگے نے خواب دیکھا

آئینۂ جمال حقیقت مجاز ہے میں فیض قرب بت سے خدا کے قریں ہوا

جاتا ہوں سوئے وادئی غربت بہ حال زار اہل وطن معاف ہو میرا کہا سنا

شور بہاراں ہوا؛ جوش کا ساماں ہوا چاک گریباں ہوا قصد بیاباں ہوا

عشق شیریں میں کیا کیوں آپ کو تیشے سے قتل
کوہ کن نے سر نہ پھوڑا خسرو پرویز کا

ب

جو مست الفت ساقی ہیں وہ قیامت کو
اُٹھیں گے حشر میں کہتے ہوئے شراب! شراب!!

ن

وصل کا مژدہ جو پہونچا کان میں جان سی آئی ہماری جان میں
نزع میں بھی وہ عیادت کو نہ آئے مرگئے عاشق اسی ارمان میں

و

کیا تیغ نگہ سے دل کو مجروح نمک چھڑ کے تو اک تازہ مزا ہو

ے

دشت وحشت میں جنوں نے یہ بگاڑی صورت
کہ مری شکل بھی یاران وطن بھول گئے

چمن اور ساقی و جام ہے مجھے ترک شرب حرام ہے
کسے خشک توبہ سے کام ہے مرا زاہدوں کو سلام ہے

دی جو تشبیہ پری سے تو برا مان گئے   لو مری جان نہیں آپ سے اچھا کوئی

یاد آتی ہے تری یا کہ ہے رونا آتا   اور اے جان کوئی کام نہیں آتا ہے
دل کا آغاز محبت میں برا نقشہ ہے   نظر اچھا ہمیں انجام نہیں آتا ہے

خمسہ غزل ناسخ

میں لخت دل نہ قطرۂ خون چکیدہ ہوں
خشک و تر زمانہ سے دامن کشیدہ ہوں
ہستی عذاب نزع ہے وہ آفریدہ ہوں
ہوش رمیدہ ہوں نہ حواس پریدہ ہوں
وحشت میں میں صدائے گلوئے بریدہ ہوں

آبلی

(مرزا) مہدی حسن خاں نام ، لکھنؤ کے باشندے تھے ، ان کے والد کا نام غلام جعفر خاں تھا -

سنہ ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے ، ان کا خاندان لکھنؤ میں سربرآوردہ تھا ، نواب فرخ‌اباد سے قرابت تھی -

دولت و جاہ کی وجہ سے زندگی فراغت سے بسر کی ، وضع‌دار ، مشاعروں کے شائق تھے ، ناسخ کے ممتاز شاگردوں میں تھے -

بہت پر گو تھے ، کلام میں ناسخ کا رنگ صاف نمایاں ہے -

عبدالغفور نساخ اپنے تذکرۂ سخن شعرا میں لکھتے ہیں کہ '' ان کے تین واسوخت اور ہر بحر میں غزل کا ایک ایک دیوان ہے (بعض دیوان اور واسوخت نظر راقم سے گزرے) '' -

ایک مثنوی ان کے عمر بھر کی کمائی کہی جاتی ہے - نگارستان عشق ، ان کا دیوان مشہور ہے لیکن نایاب ہے '' بہارستان '' ایک مجموعہ شائع ہوا ہے جس میں ناسخ ، آتش ، آباد کی ہم‌طرح غزلیں ردیف‌وار درج ہیں -

ان کا کلام ناسخ کے کلام سے بالکل ملتا جلتا ہے- وہی ترکیب ، وہی بندش، البتہ مضمون آفرینی میں بہت پیچھے ہیں -

مجموعہ '' بہارستان '' عام طور پر ملتا ہے ، صرف غزلوں کا مجموعہ ہے -

ا

جی لگائیں ہم گلوں سے کیا خزاں کا خوف ہے
کیا بھروسا ہے بہار گلشن ایجاد کا

پاؤں پڑگرنے سے ظاہر، دل کی بے تابی ہوئی — پاس آنے میں مرے ان کو تامل ہوگیا
یاس نے دل سے مٹایا انتظار یار کو — حد سے جب بے تابیاں گزریں تحمل ہوگیا

فرقت گیسو میں کیا کہئے جو کچھ، عالم ہوا — دل اولجھ کر زندگانی سے مرا برہم ہوا

زمیں کو آسماں تیرے تصور نے بنایا ہے
ملا ہے مرتبہ دل کو ہمارے، عرش اعظم کا
اسی حسرت میں آنکھوں سے انہیں ہردم بہاتا ہوں
کوئی تو لخت دل ہوا نگیں ہو تیرے خاتم کا

کھینچ لایا میرے پہلو میں اسے صد آفریں
آج میں اے جذب دل ترا بہت ممنوں ہوا
جس نے لیلی کو بنایا، عاشق اس لیلی کا ہوں
شکر اس کا ہے نہ مجنوں کی طرح مجنوں ہوا

جا کے ہو آتا ہے ہر دم یار تک پیک خیال
میں نہیں محتاج اب پھر خبر جاسوس کا
اب چھپا نے سے ہمارے عیب چھپنے کے نہیں
سو جگہ سے چاک پردہ ہوگیا ناموس کا
تیس دن میں ایک دن دیکھا نہ روی رشک ماہ
میں نے منھ اِس چاند میں دیکھا تھا کس منحوس کا

دوست راہ عشق میں مجھ سے کریں گے دشمنی
راہ بر اک روز مجھ کو راہ زن ہو جائے گا

نا لہائے دل ہمارے جالگیں گے مثل سنگ
ٹکڑے شیشے کی طرح چرخ کہن ہو جائے گا

جان پائے گا تن بے جان تری آواز سے   معجزہ گویا مجھے تیرا سخن ہو جائے گا

دیدۂ تصویر کی صورت کھلی رہتی ہے آنکھ
اب یہ نقشہ ہے تمہارے طالب دیدار کا
دھجیاں کب تک اڑاؤں پیرہن کی، ہجر میں
لوں گریباں چھوڑ کر ہاتھوں سے دامن یار کا

اٹھ گیا پہلو سے میرے جب مرا آرام جاں
اس قدر تڑپا کہ دل سینے سے باہر ہوگیا

بوئے گل پردے میں پنہاں جیسے رہ سکتی نہیں
یوں ہی مشکل ہے چھپانا ہم کو دل کے راز کا

یار کے پاس سے کس طرح ہوں اغیار جدا
پہلوئے گل سے کبھی ہوتے نہیں خار جدا

صبح تک سنتے رہے حال دل زار مرا   ان کو غم کے مرے گفتار نے سونے نہ دیا

ہم جو بدنام ہیں الفت میں یہ کچھ عیب نہیں
پاس رہتا ہے کسے عشق میں رسوائی کا

دل پر اک داغ رہا نیند نہ آئی اے ماہ   رات بھر چاند کو تیرا رخ روشن سمجھا

آتا ہے جی میں چیر کے پہلو کو ایک دن
دکھلا دوں اس کو حال دل بے قرار کا
دل میں کبھی نہ گرد کدورت کو راہ دے
اس آئینے میں کام نہیں ہے غبار کا

اوڑاؤں کیوں نہ گریباں کی دھجیاں ھیہات
وھی یہ ھاتھ ھیں جن میں کسی کا دامن تھا

راہ کوئے یـــار میری نـــاتوانی سے بڑھی
دو قدم چلنـــا اُدھر کو ایک منزل ھوگیا
جذب دل نے آج کوئے یار میں پونچا دیا
جیتے جی میں گلشن جنت میں داخل ھوگیا

سبک رو منزل راہ فنا میں کون ھم سا ھے
جھٹک دی، پڑگئی جب گرد ھستی اپنے دامن پر

ن

کوچۂ یار سے ھر وقت ھوا کے جھونکے کیا مری خاک کو برباد کیا کرتے ھیں

فقط اُمید ھے بخشش کی تیری رحمت سے وگرنہ عفو کے قابل مرے گناہ نہیں

پھیرو چھری گلے پہ کہ ھم ھیں عذاب میں
تعجیل چـاھئے تمھیں کار ثواب میں
ھے جی میں میکدے کی طرف کھینچ لائیے
زاھد کو غوطے دیجئے بحـر شـراب میں

کوئے صنم سے دیکھئے آتی ھے پھر کے کب اپنی نظر کے آپ ھیں ھم انتظار میں

خیـال روئے جاناں ایک دم، دل سے نہیں جاتا
رھا کرتا ھے دائم جلوۂ یوسف مرے گھر میں

طائر نکہت ھوں یا ھوں بلبل تصویر میں
ایک بھی دانہ مري قسمت کا خرمن میں نہیں

دھو گیا رونے سے اپنے دل میں جتنا تھا غبار
چار دیوار کدورت بہ گئی اسلاب میں

صیاد صید کرکے چمن سے تو لے چلا برباد ہوں گے دیکھئے اب مشت پر کہاں

و

تلوے کھجلا رہے ہیں جوش جنوں میں میرے
کھینچتی ہے ہوس خار بیاباں مجھ کو
سر پہ ہوں داغ جنوں پاؤں میں خار صحرا
اے فلک چاہئے اتنا سرو ساماں مجھ کو

ے

جب نہ سنبھلا بار مجھ سے حسرت دیدار کا وا ہوں پھٹا گریبان نگہ کو چیر کے

کچھ پوچھ نہ حال خرد و صبر کو اے عشق
مدت ہوئی ان دونوں کو چھوٹے ہوئے ہم سے

ہے تماشے کی جگہ عالم اسباب مجھے بخت بیدار دکھاتا ہے نئے خواب مجھے

کیاکیا مزے اُڑاتے ہیں تیرے جمال کے ہر بار صدقے جاتے ہیں اپنے خیال کے

کم نہیں محراب کعبہ سے خم تیغ صنم سر جھکا دینا ہمارا سجدۂ شکرانہ ہے

گاڑ کر اور جگہ کی مری مٹی بھی خراب
اس کے کوچے میں مری قبر بنائی ہوتی

وہ رشکِ ماہ، دن کو میہماں ہے　　ہمارا بام بام آسماں ہے

لاکھ پوشاک سے افزوں مری عریانی ہے　　قابل دید مری چاک گریبانی ہے

آنکھ اُس کی پھرتے ہی ہم سے زمانہ پھر گیا　　دشمنی نکلی سراسر دیدۂ احباب سے

نشۂ غفلت سے میری آنکھ کیوں کر کھل سکے
جام دل میرا شراب عشق سے لبریز ہے

میں آپ میں رہا نہیں دل جب سے گم ہوا
مدت سے ہجر میں نہیں اپنی خبر مجھے

ہو کے پانی بہہ گیا آنکھوں سے ہجر یار میں
دل جسے سمجھا تھا وہ آنسو نظر آیا مجھے

کیسی اُمید نامہ؟ کدھر نامہ بر کہاں　　کس کا جواب زیست سے ہم کو جواب ہے

طبع بزم عیش و عشرت سے مری ناساز ہے
صور محشر ہجر میں ہر ساز کی آواز ہے
زندگي مشکل ہوئی ہے جان دینی سہل ہے
موت کا انجام تیرے عشق کا آغاز ہے

پاؤں کچھ کچھ فلک دوں کے اُٹھے جاتے ہیں
اور بڑھتی نظر آتی ہے زمیں تھوڑی سی

سرور

رجب علی بیگ نام ' لکھنؤ کے رہنے والے ' مرزا اصغر علی بیگ کے بیٹے تھے -

غازی الدین حیدر شاہ اودھ کے زمانے میں تھے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ اودھ کے مصاحبوں میں تھے -

ناسخ کے شاگرد تھے ' نساخ نے سخن شعرا میں اس انداز سے لکھا ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ نوازش کے شاگرد ' تھے ' حالانکہ یہ صحیح نہیں - سنہ ۱۲۸۱ھ تک زندہ تھے -

ان کا کوئی دیوان مرتب نہیں ' فسانۂ عجائب میں جو اشعار ان کے درج ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی دیوان مرتب نہیں کیا -

خواجہ عبدالرؤف صاحب عشرت کے پاس ان کا ایک غیر مرتب دیوان موجود ہے -

نظم سے زیادہ مہارت نثر نویسی میں تھی فسانۂ عجائب اس کا ثبوت ہے -

اشعار میں معاملہ بندی کثرت سے ہے ' زبان اچھی لکھتے ہیں -
مثنوی ' مخمس ' واسوخت کا بھی رنگ ہے -

ا

خدا کو مان نہ لے نام عاشقی کا "سرور"
کہ منفعت میں بھی اُس کے ہیں سو ضرر پیدا

کام مردوں سے لیا زندوں کو ناکام رکھا　　درد کا نام بھی بےدرد نے آرام رکھا

لکھا ہوا یہی قسمت کا تھا سو جان ملا
کہ میری خاک میں محنت دے آسماں ملا
ہزار صدمے پہ دل نے ہمارے اُف بھی نہ کی
جو اک رفیق ملا وہ بھی بے زباں ملا
نہ ہم نے چین بہ‌زیر فلک کبھی پایا
عنایت ازلی سے عجب مکاں ملا
بہت جہان کی، کی سیر اے "سرور" حزیں
پہ بے خزاں نہ ہمیں کوئی بوستاں ملا

غنیمت جان لے یہ صحبتیں آپس کی اے ناداں
دگرگوں حال ہو جاتا ہے اک دم میں زمانے کا

وصل کی شب چونک اُٹھے ہم سن کے زاہد کی صدا
یاں دم تکبیر ہی اللہ اکبر ہو گیا

عشرت کدے جہاں میں ہوئے سیکڑوں ولے
اک دل ہمارا تھا کہ وہ ماتم کدہ رہا

یہ ہم کناری جاناں سے تازہ لطف اُٹھا
گلے سے مل گئے سب رنج در کنار ہوا

ہماری جان کے جانے میں جب عرصہ رہا تھوڑا
تب اُس کے دل میں آیا دھیان میرے پاس آنے کا

بسان نقش پا بیٹھے جہاں، واں سے نہ پھر سرکے
ٹھکانا پوچھتے ہو کیا بھلا ہم بے ٹھکانوں کا

شرر منھ سے نکلتے ہیں "سرور" دل حزیں ہردم
بھلا دیواں ہو کیوں کر جمع ہم آتش بیانوں کا

نزع تک تو آمد جاناں کا کھینچا انتظار
وہ نہ آیا وعدہ اپنا یاں برابر ہو گیا
اب جو ہنستا ہوں تو ہنستے ہنستے بھی گرتے ہیں اشک
روتے روتے آخرش رونے کا خوگر ہو گیا

ل

کب لگاتا ہے کوئی اس دل بے حال کا مول
سب گھٹا دیتے ہیں مفلس کے غرض مال کا مول

م

توڑ کر خم اور پٹک کر آج پیمانے کو ہم
سوئے مسجد جاتے ہیں زاہد کے بہکانے کو ہم
شمع رو محفل میں کب دیں بار پروانے کو ہم
ایک کیڑے سے بھی کیا کچھ کم ہیں جل جانے کو ہم
جرم کچھ صیاد کا اپنی اسیری میں نہیں
روتے ہیں کنج قفس میں آب اور دانے کو ہم

وا در دیدہ سدا رہتا ہے تیری یاد میں
آنکھ جب سے لگ گئی روتے ہیں سوجانے کو ہم

نسیم صبح ہوں یا بوئے گل یا شمع سوزاں ہوں
میں ہوں جس رنگ میں پیارے غرض دم بھر کا مہماں ہوں
نہ پھل پایا لگانے کا بجز افسوس و حسرت کے
میں نخل بے ثمر کس مرتبہ مردود دہقاں ہوں

''سرور'' غم رسیدہ ہوں مجھے طوفان محشر میں
ترانا تو خداوندا غریق بحر عصیاں ہوں

اٹھی چھانی ہے خاک تیرے لئے   چھا رہا ہے غبار آنکھوں میں

''سرور'' مشرق و مغرب کی سیر کی ہم نے   نہیں ہے حسن خداداد کا جواب کہیں

کوچۂ قاتل میں جا کر اپنے ہاتھوں جان دی
مرتے مرتے کام آئے یہ ہمارے ہاتھ پاؤں

رشک کھا کھا کو فلک مجھ سے چھڑائے لکھنؤ
تب میں جانوں دل سے جب میرے بھلائے لکھنؤ
یا تو ہم پھرتے تھے اُن میں یا ہوا یہ انقلاب
پھرتے ہیں آنکھوں میں ہر دم کوچہ ہائے لکھنؤ

بھاگو یہاں سے یہ دل نالاں کی ہے صدا
اے زلف یار پانوں کی تو بیڑھیاں نہ ہو
ناقہ چلا ہے نجد میں لیلیٰ کا بے مہار
اُس سر زمیں پہ جاؤں جہاں آسماں نہ ہو

بدل دے اور دل اس دل کے بدلے   الٰہی تو تو رب العالمین ہے

قرار پاتی نہیں جان‌زار بن تیرے ستا رہا ہے دل بے قرار بن تیرے
"سرور" کشتۂ‌محبوب خاک شرح کرے بسر جو کرتا ہے لیل و نہار بن تیرے

وہ بھی ہوگا کوئی اُمید برائی جس کی
اپنے مطلب تو نہ اس چرخ کہن سے نکلے

حالت ہے اُس کے پارے کی برق و شرار کی
کیا کیا تڑپ سناؤں دل بے قرار کی
پھوٹتے تپش سے دل کے یہ سب آبلے مرے
منت کشی نہ کرنی پڑی نوک خار کی
وعدے کی شب کو دیدۂ اختر جھپک گئے
دیکھے مثل ہیں لوگ مرے انتظار کی
لے جائیو اُدھر سے جنازہ مرا "سرور"
حسرت بھری ہے دل میں مرے کوئے یار کی

مبارک باد

شادی جشن سزاوار مبارک ہووے
آج شہزادی کا دیدار مبارک ہووے
صدوسی سال سلامت رہے با امن و اماں
حسن کی گرمی بازار مبارک ہووے
وہ بھی دن آئے جو سہرا بندھے سر پر اُس کے
سب خوشی سے کہیں ہر بار مبارک ہووے
بعد شادی کے خدا دے کوئی فرزند رشید
ہم کہیں آ کے یہ دلدار مبارک ہووے
خار کھاتے رہیں کم‌بخت جو دشمن ہوں "سرور"
دوستوں کو گل و گلزار مبارک ہووے

ہے احتیاط شرط کہ اس چشم تر پہ آہ
دامن رہے رہے نہ رہے ' آستیں رہے
تو گلشن وصال کی کر سیر عندلیب
ہم خرمن فراق کے بس خوشہ چیں رہے
جو جو کہ انتخاب تھے صفحے پہ دھر کے
ایسے وہ مٹ گئے کہ نشاں بھی نہیں رہے
کس کی خوشی؟ کہاں کی ہنسی؟ کیسا اختلاط؟
ہم کو نہ چھیڑو تم کہ وہ اب ہم نہیں رہے
چھوٹا نہ نزع میں بھی خیال اُس کا اے "سرور"
دم بھرتے ہم اُسی کا دم واپسیں رہے

کیا شاخ گل پہ پھول کے بیٹھی ہے عندلیب
ڈرتا ہوں میں نہ چشم فلک کو برا لگے
جب لایا بار ' یاس ہی لایا یہ اے "سرور"
گاہے نہ نخل غم میں ثمر اِس سوا لگے

اک وضع پر نہیں ہے زمانے کا طور آہ معلوم ہو گیا ہمیں لیل و نہار سے

مسدس

کیا میں اِس کافرِبدکیش کا احوال کہوں
یہی خوں خوار پیا کرتا ہے عاشق کا خوں
زار کر دیتا ہے انسان کو یہ اور زبوں
رفتہ رفتہ یہی پہونچاتا ہے نوبت بہ جنوں
یہی خوں ریز تو خوں خوار ہے انسانوں کا
دین کھوتا یہی کافر ہے مسلمانوں کا
یہی کرتا ہے ہر اک شخص کو رسوا ظالم
یہی کرتا ہے ہر اک چشم کو دریا ظالم

کوہ دکھلاتا ہے گاہے، گہے صحرا ظالم
کیا بتاؤں تمھیں؟ کرتا ہے یہ کیا کیا ظالم
در بہ در خاک بہ سر چاک گریباں کرکے
جان لیتا ہے، ولے بے سر و ساماں کر کے
اُس نے مجنوں سے بنائے ہیں بہت دیوانے
اس نے خود رفتگی میں اپنے کئے بیگانے
گو کہ مشہور جہاں اس کے ہیں سب افسانے
پر جو اس کام کا مشتاق ہو وہی جانے
کبھی معشوق کے پردے میں نہاں ہوتا ہے
کبھی سر چڑھ کے یہ عاشق کے عیاں ہوتا ہے
طور کو نور کے جلوے میں جلایا اس نے
کبھی آتش کو ہے گلزار بنایا اس نے
جان چھوڑی نہیں، جیتا جسے پایا اِس نے
اور نیرنگ جہاں اپنا دکھایا اس نے
کام مردوں سے لیا زندوں کو نا کام رکھا
درد کا نام بھی بے درد نے آرام رکھا

مثنوی

کدھر ہے تو اے ساقی گل‌عذار
مرا غم سے دل ہو گیا خار خار
پلا دے کوئی ساغر لالہ رنگ
جوانی کی لائے جو دل میں ترنگ
سہے، کتنے صحرا نوردی کے رنج
بھلا کچھ، تو شادی کا ہوں نغمہ سنج

کدھر ہے تو اے ساقی بےخبر
نہ کی لطف سے غم‌زدوں پر نظر
ہوا حال شادی کا سب اختتام
مگر غم کا قصہ ہے وہ نا تمام
تپش سے تڑپ سے تو کردے بہم
کہ لکھتا ہوں پھر داستان الم
خوشی سے مجھے رنج مرغوب ہے
یہ مونس ہے ہمدم بہت خوب ہے

یہی ساتھ دیتا شب و روز ہے یہ غم عاشقوں کا غم اندوز ہے

چل اے توسن خامہ چالاک و چست کہ اب بیٹھے بیٹھے بہت جی ہے سست
جگہ بیٹھ رہنے کی دنیا نہیں یہاں خاک بیٹھے کوئی دل حزیں
سفر ہر نفس کو جو رہتا ہے یاں سرائے فنا بھی عجب ہے مکاں
نہ بیٹھا کبھی جم کے اک جا "سرور" قریبوں سے اپنے رہا دور دور

زمانے کے کچھ طرز لکھتا ہے یاں عجائب غرائب ہے یہ داستاں
مری بات یارو یہ کرنا یقیں کسی کا کوئی دوست ہوتا نہیں

رباعی

بلبل کو خزاں میں جان کھوتے پایا صیاد کو سر پٹک کے روتے پایا
گلچیں کی بھی نیند اڑ گئی لیک "سرور" جو اہل دول تھے اُن کو سوتے پایا

خمسہ

ہر سو خبر اُلفت کی کیا آپ سے پہونچائی
آگے بھی مرے لب پر فریاد کبھی آئی
کیوں مجھ سے بگڑتا ہے اُو کافر ترسائی
تا داشت دلم طاقت بودم بہ شکیبائی
چوں کار بجا آمد زیں پس من و رسوائی

گا ہے مرے لب پر ہے فریاد گھے افغاں
پیارے غم دوری سے میں سخت ہوں اب نالاں
یہ جائے ترحم ہے کر رحم ذرا جاناں
در زاویۂ اُلفت دور از تو چو مہجوراں
تنہا منم و آ ہے آہ از غم تنہائی

رند

سید محمد نام ، فیض آباد کے رہنے والے نواب غیاث الدین نیشا پوری کے بیٹے تھے -

۱۱- ربیع الاول سنہ ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے ، نواب بہو بیگم نے پرورش کی ، جب تک وہ زندہ رہیں فیض آباد میں رہے ان کی وفات کے بعد لکھنؤ چلے آئے اور آخر وقت تک مقیم رہے -

فیض آباد میں میر خلیق سے مشورہ کرتے تھے - لکھنؤ آکر آتش کے پرستار بن گئے ، کلام کا وہ مجموعہ جو خلیق کی فیض صحبت کا اثر تھا (بہ قول مؤلف گل رعنا) رند نے فیض آباد ہی میں ضائع کردیا تھا -

منہیات کے ارتکاب میں ان کو پس و پیش نہ تھا لیکن آخر عمر میں توبہ کرلی تھی -

پہلے وفا تخلص تھا ، آتش نے رند کردیا ، کلام میں سادگی کے ساتھ گداز ہے ، اکثر جگہ سوز میں آتش کا رنگ نمایاں ہے -

غزلوں میں جو رنگ ہے قصیدے میں نہیں ، قصیدے لکھے بھی کم -

پیش نظر دیوان میں ایک قصیدہ بہادر شاہ کی توصیف میں لکھا ہے لیکن اس میں قصیدے کا رنگ سرے سے نہیں -

---

ا

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا
سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا
عقل کیا دخل کرے کنہ حقیقت میں تری
حوصلہ پست مرا ' مرتبہ اعلیٰ تیرا
دید لیلیٰ کے لئے دیدۂ مجنوں ہے ضرور
میری آنکھوں سے کوئی دیکھے تماشا تیرا
تیری رسوائی کے خون شہدا در پے ہیں
دامن یار ؛ خدا ڈھانک لے پردا تیرا

لائے گی گردش میں تجھ کو بھی مری آوارگی
کو بہ کو میں ہوں تو تو بھی در بہ در ہو جائے گا
سیر کو آیا تھا ہستی میں عدم سے' میں غریب
کیا سمجھتا تھا ؟ یہ زنداں میرا گھر ہو جائے گا

نو گرفتاری میں چندے یاد گلشن کی رہی
اب قفس سے چھٹ کے گھر یاد آئے گا صیاد کا
کھینچ کر ذوق اسیری دام تک لے جائے گا
آب و دانہ ہے جو قسمت میں مری' صیاد کا
مملکت میں حسن کی ہے حکم قتل داد خواہ
جان پر کھیلوں' ارادہ تب کروں فریاد کا

بڑا رتبہ بیاں کرتے تھے حاجی سنگ اسود کا
کیا تحقیق تو اُس بت کا سنگ آستاں نکلا

نسیم صبح چمن تک مجھے تو ہی پہونچا
بھٹک رہا ہوں میں گم کردہ آشیاں کب کا

غافل مقام رشک نہیں جائے شکر ہے
سب سے برا تو ایک سے بہتر بنا دیا

تو قصد کرے گا نہ مری دل شکنی کا
ہے پاس برابر تجھے محتاج و غنی کا

چھڑا دیا "رند" ہم سے آسماں نے اس کا در، ورنہ
یہی سر تھا ہمارا اور اُس کا آستانہ تھا

نہ غرض دیں سے، نہ دنیا سے سروکار مجھے
یاد میں تیری دو عالم کو فراموش کیا

گرد کلفت میں دبا جاتا ہے میرا تن زار
گاڑ دے گی مجھے کیا گردش دوراں جیتا
سخت جاں تھا جو رہا زندہ چمن سے چھٹ کر
میں تو دم بھر بھی، نہ اے مرغ گلستاں ! جیتا

ضد سے مری، فریفتہ عالم ہوا ترا باعث ہے میرا عشق، ترے اشتہار کا

دکھایا آنکھوں سے گردوں نے روئے صبح اُمید
شبوں کا جاگنا آخر ہمارے کام آیا
قصور کیا ترا ساقی؛ فلک نہ دیکھ سکا
گرایا ہاتھ سے، لب تک جو میرے جام آیا
وفور شوق سے اے "رند" ضبط ہو نہ سکا
زباں پکار اُٹھی دل میں جو اُس کا نام آیا

بھولا ہی پھلا چھوڑ کے اُٹھ جاؤں چمن کو
اللہ دکھائے مجھے عالم نہ خزاں کا

جب آئے تھے ہستی میں تو تھی یاد عدم کی
واں جائیں گے تو دھیان رہے گا ہمیں یاں کا

مطلب تھا بندگی تری، تھا دیر یا حرم
سجدہ تجھے کو کافر و دیں دار نے کیا

اے "رند" شرق جامہ دری پھر چمک گیا
پھر ہاتھ، رفتہ رفتہ گریباں تلک گیا

صیاد تیرے دام سے آساں تھا چھوٹنا … مشکل یہ ہے کہ تجھ سے میرا دل اٹک گیا

———

کافر ہوں میں جو اپنے نوشتہ کو بد کہوں
تحریر ہے کہ خامۂ تقدیر سے ہوا

———

دکھاؤں میں کسے تقدیر کا لکھا جاکر … دل نوشتہ کسی سے نہیں پڑھا جاتا
نہ کرتي موت اگر ہجر میں مسیحائی … میں کس کے پاس لئے درد لا دوا جاتا
جو ترک عشق نہ کرتا بھلا تو کیا کرتا … میں اپنی جان سے جاتا تمہارا کیا جاتا
گھسیٹتا ہے گریباں جنوں صحرا کو … کبھی کبھی ہوں اگر آپ میں بھی آ جاتا

———

میں بھلا کیوں کر کہوں تم کو برا … آپ نے جو کچھ کیا اچھا کیا
خاک چھانی مدتوں تلکے چنے … کیا کہوں اس عشق میں کیا کیا کیا

———

چھوڑیں گے ہم نہ دامن دولت کو مثل اشک
تم نے نظر سے ہم کو گرایا تو کیا ہوا
یکساں ہے دم کی آمد و شد ہجر یار میں
آیا تو کیا ہوا، جو نہ آیا تو کیا ہوا

———

ناز بےجا اٹھائے کس سے … اب نہ وہ دل نہ وہ دماغ رہا
کب مٹا عشق کا نشاں دل سے … زخم اچھا ہوا تو داغ رہا
کبھی نظارۂ چمن نہ کیا … اپنے داغوں سے باغ باغ رہا

———

نہ ملا جبکہ نامہ بر کو جواب … پرزے خط کے مرے، اُٹھا لایا
خاک چھنوائی اس کے کوچے کی … بیٹھے بٹھلائے دل اُٹھا لایا
شکل بت پھر رہی تھی آنکھوں میں … بت کدے میں مجھے خدا لایا

———

مار ڈالا بے ثباتی نے تری ہستی فانی ! بڑا دھوکا دیا

صیاد تونے لی نہ خبر اپنے صید کی آخر پھڑک پھڑک کے تہ دام ہوچکا
کیا رہ گیا ہے اہل بصیرت سے تو نہاں پردہ اُٹھادے، حسن ترا عام ہو چکا
قرآں اُٹھاتے ہیں طمع زر کے واسطے دیں دار اگر یہی ہیں تو اسلام ہوچکا

ایک ہی حال رہا تا نفس باز پسیں ساتھ جاتے ہوئے سر کے، ترا سودا دیکھا

متاع و مال کی لذت اٹھائیگا پھر کیا گدا کو دیگا نہ منعم تو پائیگا پھر کیا
مری طرف سے کوئی صانع ازل سے کہے بگاڑتا ہے جو مجھ کو بنائیگا پھر کیا

چل پھر کی جو طاقت تھی، رہی تاب و تواں تک
اب تھک کے جہاں بیٹھے تو اُٹھا نہیں جانا

کیا میں نے جلاد اُسے، اپنے حق میں ستم سہتے سہتے ستم‌گر بنایا

پ

تکلیف اب نہ کیجیئےگا مہرباں من تھم جائےگا تڑپ کے دل ناصبور آپ

ت

اے جنوں مشغلۂ عالم تنہائی ہے گن، ہمارے تو گریباں کے تار آج کی رات

ج

سب سے پہلے دوڑ کر میں نے گلا کٹوا دیا
کام آئی آخر اپنی ہمت مردانہ آج

مژدہ باد اے ہم‌صفیرانِ چمن ! آئی بہار
لے چلا سوئے قفس ہم کو تو آب و دانہ آج
شمع رو دل‌دار سے کہنا ہے مجھ کو سوز دل
تخلیہ ہے، کہہ دو؛ باہر ہی رہے پروانہ آج

پھر وہی دل کا قلق ہے، وہی بےتابی ہے
رات کو حال جو گذرا تھا وہی حال ہے آج

چ

ناز کافر نہ اُٹھا منت دیں‌دار نہ کھینچ
صدمۂ کشمکش سبحہ و زنار نہ کھینچ
باعث گرمی بازار ہیں، کر پاس ان کا
چاہنے والوں سے دور آپ کو اے یار نہ کھینچ
تپ فرقت کی حرارت یہ نہیں کم ہوگی
سرد آہیں متواتر دل بیمار نہ کھینچ

د

تنہائی کی شب میں یہ رہا مشغلہ تا صبح
کھولا کبھی در کو کبھی پھر اُٹھ کے کیا بند

کھلی ہے کنج قفس میں مری زباں صیاد
میں ماجرائے چمن کیا کروں بیاں صیاد
دکھایا کنج قفس مجھ کو آب و دانہ نے
و گر نہ دام کہاں، میں کہاں، کہاں صیاد
اُجاڑا موسم گل ہی میں آشیاں میرا
الٰہی ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماں صیاد

اُداس دیکھ کے مجھ کو چمن دکھاتا ہے
کئی برس میں ہوا ہے مزاج داں صیاد
پروں کو کھول دے ظالم جو بند کرتا ہے
قفس کو لے کے میں اُڑ جاؤں گا کہاں صیاد

ر

شب ہوئی ڈالو نقاب اپنے رخ انور پر
چشم بد بیں کا گماں ہے مجھے ہر اختر پر

نہ مٹے گا وہ سمجھ لے اُسے پتھر کی لکیر   جو لکھا کاتب تقدیر نے پیشانی پر

وہ مست ناز گر مجھے جھوٹی شراب دے   مےخانے کو لٹاؤں میں ساقی کے نام پر

ہجر کی شب اضطراب دل سے ہوتا تھا یقیں
اب دم اکھڑا ، اب کلیجا منہ کو آیا ٹوٹ کر

مےکشوں سے ترک مے ممکن نہیں برسات میں
پانی بھر آتا ہے منہ میں ابر باراں دیکھ کر

خاکساری نے یہ ترکیب سجھائی ہے مجھے
چوم لے اس کی قدم نقش کف پا ہوکر
اگرئی کا ہے گماں ، شک ہے ملا گیری کا
رنگ لایا ہے دوپٹہ ، ترا ، میلا ہوکر

ز

آب باقی ہے جو خنجر میں تو پھر سیراب کر
چاٹتے ہیں ہونٹھ اب قاتل ترے بسمل ہنوز

س

ہے نہ اب رنج اسیری نے رہائی کی ہوس
دل گرفتہ ہوں مجھے یکساں ہے گلزار و قفس

ش

نام بلبل پر، لٹاتا ہے چمن کو باغباں
جھولیاں بھر بھر کے لائے باغ سے کل گل فروش

ض

ستم سے یار کے مطلب نہ کچھ جفا سے غرض
ہمیں تو کام سے ہے کام، مدعا سے غرض
کرے گا آپ وہ آغاز کا بخیر انجام
نہ ابتدا سے ہے مطلب نہ انتہا سے غرض

ظ

کہا اسیر قفس ہم کو آب و دانہ نے   تو جا چمن کی طرف اے صبا خدا حافظ

ک

اور اب تو آہ بھی نہیں آتی زباں تلک   پرواز اپنی آگے تو تھی لا مکاں تلک

گ

میں گرم سفر ہوں غربت کے دشت میں شب و روز
لگاؤں آن کے کیا دوستو وطن میں آگ

ل

پھر وہی بلبل کنج قفس ہے وہی صیاد کا گھر
اور دو روز ہوا باغ کی کھالے بلبل
باغ تک خانۂ صیاد سے اڑ کر آئی
بارے پھر تونے پر و بال نکالے بلبل
درد آمیز پہونچتی نہیں کانوں میں صدا
بے اثر ہو گئے کیسے ترے نالے بلبل

م

جانیں راحت کو نہ آگاہ ہوں آرام سے ہم
پھنس گئے کنج قفس میں جو چھٹے دام سے ہم
ساغر بادۂ الفت جو پلایا تھا ہمیں
آج تک مست ہیں اے "رند" اُسی جام سے ہم

اُس کو آزردہ کریں کس لئے فریاد سے ہم
ہم سے صیاد رضامند ہے صیاد سے ہم
مژدہ پہونچے تجھے او حسرت پرواز چمن
آج رخصت ہوئے سرو اور گل شمشاد سے ہم
خانہ ویرانی کا اپنی نہیں کھلتا باعث
پھرتے ہیں کس کی ہوا خواہی میں برباد سے ہم
آپ کو بھولے ہیں لیکن نہیں بھولے تجھ کو
یاد کیا رکھیں جو غافل ہوں تری یاد سے ہم

ہمیشہ ایک سا عالم ہے باغ ہستی میں
کچھ اس چمن کی بہار و خزاں نہیں معلوم
سنا ہے آتش گل نے جلادیا گلشن
بچا کہ خاک ہوا آشیاں ، نہیں معلوم

بے گناہی اپنی ثابت حسن پر ہو یا نہ ہو
عشق شاہد ہے ہوئے ہیں قتل بے تقصیر ہم
شانہ کرتے گیسوئے جاناں میں دیکھا غیر کو
کس سے پوچھیں اس پریشاں خواب کی تعبیر ہم

جب تری فرقت میں گھبراتے ہیں ہم — سر کو دیواروں سے ٹکراتے ہیں ہم
اے اجل آچک خدا کے واسطے — زندگی سے اب تو گھبراتے ہیں ہم
جاں نہ دی ہوگی کسی نے رو بہ رو — یہ تماشا تجھ کو دکھلاتے ہیں ہم
وصل میں بھی یاں ہے عالم ہجر کا — اس کو پاکر کھوئے سے جاتے ہیں ہم
کس نے وعدہ گھر میں آنے کا کیا — آپ سے باہر ہوئے جاتے ہیں ہم
یاں عدم کو لگ رہا ہے چل چلاؤ — اب بھی آنا ہے تو آ ، جاتے ہیں ہم

ن

ایک دن ہچکی بھی غربت میں نہ آئی افسوس
مجھ کو بھولے ہوئے یاران وطن بیٹھے ہیں
زیر گردوں نہیں آرام کی صورت کوئی
سب اٹھانے کو یہاں رنج و محن بیٹھے ہیں
دل شگفتہ ہو ذرا بات کرائے غنچۂ دہن
ہم بڑی دیر سے مشتاق سخن بیٹھے ہیں

کرتے ہیں مدعی دہن یار میں کلام — کچھ وہ بھی منہ سے بولے تو ہم گفتگو کریں

کافر ھیں روز حشر کا جن کو یقیں نہیں
دیر و حرم میں شیخ و برھمن تباہ ھیں

میرے ھمرا ھی، مجھے چھوڑ گئے یاں ورنہ
قافلہ والے تو سوتوں کو جگا لیتے ھیں

ھے آستان یار مقام اپنا، خوش رھیں
کعبے میں شیخ اور برھمن کنشت میں

عمر گذری ھے مجھے مشق خموشی کرتے
ھوں وہ بلبل مجھے انداز فغاں یاد نہیں

پرستش کی بہت تیری نہ سمجھا اپنا بندہ تو
رجوع اللہ سے اب او بت خود کام کرتے ھیں

حال دل خود زباں پہ آتا ھے اختیاری مرا بیان نہیں
جوھر اس میں ھیں تیغ براں کے رکنے والی مری زبان نہیں

گمان زلف سے نظارہ سنبل نہیں کرتے
ھمیں کاتا ھے جب سے سانپ نے، رسی سے ڈرتے ھیں
بنانا چاھتے ھیں دیر میرے خانۂ دل کو
یہ بت اللہ اکبر گھر خدا کے گھر میں کرتے ھیں

او مصور کھینچتا کیا ھے تو اس بت کی شبیہ
آپ وہ تصویر ھے تصویر کی حاجت نہیں

ایک عالم حسن کا دیوانہ ھے تذکرے کس کس سے یہ چھٹواتا نہیں
ھجر کی شب کروٹیں کیوں کر نہ لوں کوئی پہلو دل کو چین آتا نہیں
جانتا ھوں دل سمجھنے کا نہیں اس لئے ناداں کو سمجھاتا نہیں

اب تو ھم تم سے قول ھارے ھیں جیتے جی چھوڑتے ھیں کب یہ قدم

حال دیوانگان عشق نہ پوچھ   تنکے چنتے ہیں خاک اُڑاتے ہیں

مارتا ہے جس کو کردیتا ہے کام اُس کا تمام
نیم‌جاں رکھنے کی عادت میرے قاتل میں نہیں

مضمحل ہجر میں اعضائے بدن سارے ہیں
اے اجل فرقت محبوب کے ہم مارے ہیں
جھونکے دیتی ہے پس از مرگ بھی بےتابئی دل
تیرے کشتوں کے جنازے نہیں، گہوارے ہیں

پاس رسوائی ہے تم کو ضبط یاں ممکن نہیں
تم اگر مجبور ہو مشفق تو ہم ناچار ہیں
کشتئی صہبائے گل‌گوں کا ہے ساقی ناخدا
فصل گل میں مے کشوں کے آج بیڑے پار ہیں
کون سی صورت ہماری زیست کی بتلاؤ "رند"
ایک جان ناتواں ہے، سیکڑوں آزار ہیں

کھویا گیا ہوں وادئی الفت میں کب سے "رند"
برسوں گذر گئے، مجھے اپنی خبر نہیں

گلے لگائیں، بلائیں لیں، تم کو پیار کریں   جو بات مانو تو منت ہزار بار کریں

ہمارے در سے نہ مایوس جائیں حاجت مند
قبول ہووے جو توبہ، گناہ گار کریں

صورت ناقوس دم بھرتا ہوں اک کافر کا میں
ہے رگ جاں سے زیادہ، مجھ کو زنار ان دنوں

و

آب و دانہ نے کیا قید قفس میں لاکر — چھوڑ ! اے حسرت پرواز گلستاں، مجھ کو
زندگی ہوگی تو بچ جاؤں گا اس آفت سے — اب تو لیتی ہے بلائے شب ہجراں، مجھ کو

شب فراق کے ہمراہ روز آتا ہے — ہمارا خواب تمہارے خیال لینے کو

پڑے رہیں گے گلی میں لپیٹے منہ پر خاک — تمہارے واسطے برباد کر چکے گھر کو

عالم ہے سوئے ہجر میں یا جوش جنوں کا
صحرا مجھے دکھلاؤ کہ گلزار دکھاؤ

رہنے کا مجھ کو حکم دیا آستان پر — او بت! بلند عرش، سے تیری جناب ہو

نظر لطف و عنایت سے تو میں در گذرا — آنکھیں دکھلاتی ہیں یہ اور تماشا دیکھو

مے پیے تم، سرور ہو مجھ کو — ہاتھ سے میرے، ایک جام تو لو

عمر دو روزہ بسر ہوگئی بےہوشی میں — ہوش آنے نہ دیا بےخبری نے دیکھو

اُس کے کوچے سے اگر میرا جنازہ جائے گا — کھول دوں گا جاکے زیر سایۂ دیوار آنکھ

گذرے جس دم ہم دنیا سے — ہم نے جانا دنیا گذری

خوش رہو تم وطن میں اہل وطن — ہم ہیں اور سیر دشت غربت ہے
مرض عشق کی شفا، ہے موت — فصل میت ہی فصل صحت ہے

یار صورت نہیں دکھاتا "رند"
کون سی زندگی کی صورت ہے

مانند برق چشم زدن میں گذر گئے
یہ بھی نہ سمجھے ہم، کدھر آئے کدھر گئے
فرقت میں سیل اشک کا عالم جو ہے، سو ہے
دریا ہزار بار چڑھے اور اُتر گئے
ہم آفتاب بام ہیں یا ہیں چراغ صبح
کیا اعتبار؟ شام گئے یا سحر گئے

ے

یوں نکلی دل سے، حسرت پرواز بعد مرگ
اُڑتے ہوا کے ساتھ، مرے بال و پر گئے
سورج مکھی کے پھول کا عالم ہے آنکھ کا
یہ بھی تمھارے ساتھ پھرے، تم جدھر گئے

نہ رہی حسرت پرواز گلستاں، باقی
اب قفس میں مجھے بے بال و پری رہنے دے

تاریک ہے جہان، ہماری نگاہ میں
تم آج کس طرف مہ تاباں نکل گئے

آیا ہے تنگ، دام میں زلفوں کے، مرغ دل
للہ چھوڑ دے اسے صدقے اُتار کے
کیوں دوڑتا ہے ہاتھ؟ گریبان کی طرف
شاید، جنوں! قریب ہیں اب دن بہار کے

میں فرقت میں گلا کاٹوں گا اپنا
چھری لادو اگر خنجر نہیں ہے
نہ بھڑ کا آتش شوق او محبت
مرا سینہ ہے کچھ، مجمر نہیں ہے
سمجھایا ہے جو کچھ، غیروں نے صاحب
تمھارے واسطے بہتر نہیں ہے
نہ دے تکلیف مے، فرقت میں ساقی!
یہ جام زہر ہے ساغر نہیں ہے

نکل جائے گا دم، جو پہلو سے سرکے
مری زندگی ہے، سہارے تمھارے

بتو! قول سے اپنے پھرتے ہو ناحق — خدا در میاں ہے ہمارے تمہارے

ساقیا جھوم کے بدلی جو کبھو آتی ہے — حسرت ساغر صہبا و سبو آتی ہے
منتظر دونوں کا رہتا ہوں برابر، دیکھوں — پہلے یار آتا ہے اے موت کہ تو آتی ہے

مرتے ہیں سیکڑوں مے‌خوار، شرابیں پی کر — فصل گل کا ہے کو آتی ہے وبا آتی ہے

صبح ہوتی ہے نہ کٹتی ہے شب تار فراق
نیند آتی ہے نہ عاشق کی قضا آتی ہے
لے میں خود کوچۂ جلاد کو اے موت چلا
میں ہی آتا ہوں ترے پاس تو کیا آتی ہے

رکتی نہیں روکے سے کسی پر اگر آئی
آندھی کی طرح آئی طبیعت جدھر آئی
ہشیار ہوئے ہیں کہ وہی بے خبری ہے
کچھ بے خبروں کی نہ تمہارے، خبر آئی

صلواۃ اُس کے حسن پہ پڑھتے نہ کس طرح
انصاف کیجئے تو جگہ ہے درود کی

ملے نہ درد ہی، ساقی سے یا شراب ملے — مرے سوال کا کیا دیکھے جواب ملے
زہے سبک روئی رہروئی بحر فنا — کبھی نہ نقش کف پائے موج آب ملے

سجدہ ہے عاشقوں کا وہیں چار سو درست
کعبہ ہمارے یار کے کوچے کا نام ہے
دل ضبط غم کرے گا مگر قدر حوصلہ
اتنی ہی مے سمائے گی جتنا کہ جام ہے

یہ کہ کے شوق شہادت گھسیٹتا ہے مجھے
نثار یار پہ، یہ جان ناتواں کر دے

جنون، اب تو گریبان تنگ ہوتا ہے
میں تار اُس کے اُڑادوں تو دھجیاں کردے

خیال اور کچھ اے رشک حور ہوتا ہے
خطا معاف ہو، مجھسے قصور ہوتا ہے
کئے ہیں دل نے بھی پیدا خواص شیشے کے
ذراسی ٹھیس میں بس چور چور ہوتا ہے

شوق نظارۂ دیدار میں تیرے، ہردم
جان آنکھوں میں مری جان! رہا کرتی ہے

رہ عشق میں اس کے، گھبرا نہ اُو دل
کڑی سے کڑی آگے منزل پڑے گی

نا خدائی بحر الفت کی ہے زیبا عشق کو
لے گیا ساحل تلک کشتی جو طوفانی ہوئی

دل تو کیا جان بھی کی نذر تری اے شہ حسن
حوصلے تو نے فقیری میں ہمارے دیکھے

چلئے شب جمعہ تو مزار شہدا پر گلگشت کریں آپ، شہادت کے چمن کی

طبعیت کو ہوگا قلق چند روز ٹھہرتے، ٹھہرتے، ٹھہر جائے گی
طبعیت کو تسکین دم بھر نہیں الٰہی! یہ کیوں کر سنبھل جائے گی

نہ رہا ہوش، بےخودی ہی تو ہے ساقیا! شغل مے کشی ہی تو ہے
دل ہمارا اُداس ہے، بلبل! نہیں لگتا چمن میں، جی ہی تو ہے

محبت عناصر میں شامل ہوئی   لہو بن کے رگ رگ میں داخل ہوئی
قدم رنجہ ' اس سیم تن نے کیا   یہ دولت نصیبوں سے حاصل ہوئی

ترقیاں ہوئیں ان کی ' ہمیں زوال ہوئے
وہ بڑھ کے بدر ہوئے ! گھٹ کے ہم ہلال ہوئے

آگے آگے ہم تھے راہ عشق میں   پیچھے پیچھے خضر پیغمبر چلے
حیف ہے ' کی زندگانی نے دغا   آتے آتے موت کے' ہم مر چلے

کیا جھوم کے ابر آیا ہے قبلے کی طرف سے
مےخوار ہیں سب خانۂ خمار کو تکتے

شب فرقت میں نیند آتی ہے کس کو   شکایت تا سحر ہے آسماں کی

دور ساغر نہ ہم تلک پہونچا   واہ کیا دور آسمانی ہے

مے پلا ایسی کہ ساقی نہ رہے ہوش مجھے
ایک ساغر میں دو عالم ہوں فراموش مجھے
یاد میں جس کی میں بھولا دو جہاں کوافسوس
اپنی خاطر سے کیا اس نے فراموش مجھے

دل دیا اب تو ایک کافر کو   دیکھئے کیا خدا دکھاتا ہے
شاہ راہ عدم کا حال نہ پوچھ   ایک آتا ہے ایک جاتا ہے
نہ ملےگا زیادہ قسمت سے   رنج بے ہودہ کیوں اٹھاتا ہے

ہنسے تھے کبھی رکھ کے منہ اُس کے منہ پر   سو منہ ڈھانپ کر آج رونا پڑا ہے
مسہری پہ ہوتا ہے تابوت کا شک   نہ مرنا پڑا ہے نہ سونا پڑا ہے

آزاد ہوں ، آگاہ ہیں سب میرے لقب سے
کچھ کام نہیں مجھ کو حسب سے نہ نسب سے
دکھلائے گا دن وصل کا بھی جذب محبت
اللہ بچائے جو مجھے ہجر کی شب سے

اہل کعبہ کو تنفر مجھ سے بیزار اہل دہر
اب جدا' ڈیرہ انیت کی مسجد بنایا چاہئے
نسخہ آتش ، مناسب ہے اگر غش آئے ''رند''
آستان یار کی مٹی سنگھایا چاہئے

راہ طلب میں اس کی نہ ہم خستہ جاں تھکے
سر سے چلے ہیں ، پائے تجسس جہاں تھکے

شکر ہے آزاد دنیا کے علائق سے ہوا — آپ دیوانے ہیں' جو کہتے ہیں' سودائی مجھے

وہ پری ساتھ لے کے سوتا ہوں — حور جس کا پلنگ کستی ہے

ہے حقیقت مجاز سے مطلوب — بت پرستی خدا پرستی ہے
خاکساروں کی ہے یہی معراج — سر بلندی ہماری پستی ہے
اس مرقع کی دیکھ تصویریں — کوئی روتی ہے کوئی ہنستی ہے
ایسے جینے پہ ''رند'' خاک پڑے — موت اس زندگی پہ ہنستی ہے

نالہ و فریاد سے ان کے بہ تنگ آئے ہیں لوگ
ذبح ہوں یا اب اسیروں کی رہائی کیجئے

ہر عیب سے اگرچہ مبرا ہے اس کی ذات — اتنا کہوں گا یار مرا خود پسند ہے
ہے سیر باغ خلد تصور جمال کا — آنکھیں جہاں کھلیں در فردوس بند ہے

وصل دلدار کہاں' میں کہاں برگشتہ نصیب
او فلک خواب ہے یا عالم بیداری ہے

بیمارئی فرقت سے گذر جاتے ہیں یہ لوگ
عاشق کوئی مرتا ہے کبھی اپنی قضا سے
جاتے ہیں ، تیرا باغ مبارک تجھے ، بلبل !
سر پھرنے لگا اپنا تو گلشن کی ہوا سے
دوڑا تو غزالوں نے مری گرد نہ پائی
وحشت میں رہا چار قدم آگے صبا سے

ملیں گے دونوں چشمے جا کے یہ تسنیم و کوثر سے
کبھی جو ہجر کی شب صبح ہوتے آنکھ لگتی ہے

جلوہ تیرا اے صنم ہر سو نظر آیا مجھے
جس طرف بھی میں نے دیکھا تو نظر آیا مجھے
یہ وہ آنکھیں ہیں جو ہیں نا آشنائے روئے غیر
آنکھ کھولی جب سے میں نے تو نظر آیا مجھے

کس کو اندیشہ تباہی کا ہے بحر عشق میں
جس نے کشتی دی ہے وہ ہی ناخدا دے گا مجھے

واقف ہوئے نہ اہل جہاں کے طریق سے   بیگانہ وار آئے تھے نا آشنا چلے
اے جان! اب یہ آ کے ٹھہرنے سے فائدہ   رہنا ہوا تو رہ گئے ، چلنا ہوا ، چلے
جاتے ہیں اب وہاں کہ جہاں سے نہ آئیں گے   چلنا ہو جس کو ساتھ ہمارے ، چلا چلے

امتحاں عاشق جاں باز کا اب خوب نہیں   زر خالص کو کسوٹی پر کوئی کستا ہے؟

عداوت سے نہیں کم دوستی ابنائے عالم کی
جو میرے سر کو سہلاتا ہے بھیجا کھائے جاتا ہے
عدم آباد سے تانتا لگا ہے ملک ہستی تک
اُدھر سے کوئی آتا ہے ، اِدھر سے کوئی جاتا ہے

یگانے زندگی تک ہیں عزیز و اقربا اے ''رند''
لحد میں سوئے جب جاکر نہ رشتہ ہے نہ ناتا ہے

ہو نہ مایوس ریاضت کا صلا ملتا ہے بندگی کرنے سے کہتے ہیں خدا ملتا ہے

ہر مرغ اس کے دام محبت کا ہے اسیر دیکھتا ہے صید کو مرا صیاد پر کھلے

ہم جو کہتے ہیں سراسر ہے غلط سب بجا ہے آپ جو فرمائیے

زوروں پہ ہیں جنوں کی بہ دولت، ہمارے ہاتھ
ہوتے ہیں تار تار، گریباں نئے نئے

او ترک مست! شوق سے مستانہ، چال چل
لغزش قدم کی حسن ہے مےخوار کے لئے
روز قیامت آج ہے سمجھو دکھاؤ شکل
وعدہ کرو نہ حشر کا دیدار کے لئے

ہوا پھر گئی چار دن میں چمن کی نہ اب گل میں رنگت نہ غنچے میں بو ہے
چمن میں جو کل جاکے دیکھا گلوں کو نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

ایک ہچکی کبھی نہیں آتی اپنے دل سے بھلا دیا کس نے

اس بت کو اثر ہو کہ نہ ہو اس سے غرض کیا
او نالۂ دل، عرش معلیٰ تو ہلائے

سنتے ہیں حشر ہووے گا پھر خواب بعد مرگ کھٹکا کہیں مٹے یہ، قیامت بھی ہوچکے
جام فنا پلا بھی چکے ساقی اجل پیمانہ میری عمر کا لبریز ہوچکے

نہ بھولوں گا ہرگز نہ بھولا ہوں اب تک عنایت ، کرم ، مہربانی ، تمہاری

لطف پرواز گلستاں ہے مجھے یاد ابھی دل قفس میں نہیں لگتا مرا صیاد ابھی

کیا ملا عرض مدعا کرکے بات بھی کھوئی التجا کرکے
ہجر میں تھی کسے اُمید سحر رات رات کاٹی خدا خدا کرکے

بے یار ہے دل کباب ساقی تکلیف نہ کر تو مے کشی کی

رہے نہ حشر پہ یارب مواخذہ میرا یہیں حساب ہر ، حساب کے بدلے

سانس دیکھی تن بسمل میں جو آتے جاتے
اور جلاد نے چرکا دیا جاتے جاتے

عالم پسند ہو گئی جو بات تم نے کی جو چال تم چلے وہ زمانے میں چل گئی

موت آ جائے قید میں صیاد آرزو ہو اگر رہائی کی

اُٹھا ہے پردہ ، فقط اک نقاب باقی ہے ابھی مزاج میں کچھ کچھ حجاب باقی ہے
وصال یار ہو کیا بے تکلفی سے ''رند'' مجھے لحاظ ہے ، اس کو حجاب باقی ہے

رہنے نہ دے گا چین سے دم بھر کہیں مجھے
لے جائے گا گھسیٹ کے پھر دل وہیں مجھے
پر لگ گئے ہیں نشہ کے عالم میں ساقیا
مے نے اُڑا دیا ہے کہیں کا کہیں مجھے

کیوں کر جیا میں آج تک اُس کے فراق میں
ہے اپنی زندگی کا نہایت عجب مجھے

بجھ جاؤں کوئی دم میں اگر میں، تو عجب کیا
بد تر ہے مرا حال، چراغ سحری سے

نظر آتا ہے وہ بیزار خدا خیر کرے
پھر گئی پھر نظر یار خدا خیر کرے
پھر نہ آجائے مری جان کہیں آنکھوں میں
پھر ہوئی حسرت دیدار خدا خیر کرے
دیکھوں کس کس کی قضا کھیل رہی ہے سر پر
گنے جاتے ہیں گنہگار خدا خیر کرے

متفرقات

عدم کی سیر کی دنیا میں آکر اک جہاں دیکھا
خدا شاہد ہے اُو بت! تجھ سا یاں دیکھا نہ واں دیکھا

کون ہے بعد فنا ہوگا جسے غم اپنا
ابھی ہم زندہ ہیں کر لیتے ہیں ماتم اپنا

قاتل نے کیا قتل نہ جلاد نے مارا
کافر ترے اس حسن خداداد نے مارا

نہ پایا کون و مکاں میں، تو لا مکاں پہونچا
تری تلاش میں، میں بھی کہاں کہاں پہونچا

ن

آئینہ منھ کو ترے تکتا ہے حیراں میں ہوں
شانہ زلفوں سے اُلجھتا ہے پریشاں میں ہوں

برا نہ مانو جو ہم عرض حال کرتے ہیں   فقیر لوگ سخی سے سوال کرتے ہیں

اپنے محسن کے نہ احسان فراموش کروں   وہ نہیں ہوں کہ نمک کھا کے نمکداں توڑوں

و

کیا ہو آرام شب ہجر کے بیداروں کو   نیند کہا موت بھی آتی نہیں بےچاروں کو

ہ

نکلے گی جان تن سے سفر کی خبر کے ساتھ
اپنا بھی کوچ ہوگا تمہارے سفر کے ساتھ

ے

یہی زندگی ہے تو مرتے رہیں گے   سدا دم مصیبت کے بھرتے رہیں گے

فرقت میں تری عمر تلف کی نہیں جاتی
او جان جہاں ! جان تو یوں دی نہیں جاتی

پابند یہ مرغ جاں، تنہا نہ قفس کا ہے   پھندا بھی تو گردن میں اک تار نفس کا ہے

یہاں کیا کیجئے واردات اتنی ہے وہ بولتے نہیں کچھ، منہ سے' بات اتنی ہے

ترک ہوجائے اب اس سے کہ ملاقات رہے دم نکل جائے بلا سے' پہ مری بات رہے

میرے یوسف کون سی شے تجھ سے کی کس دن عزیز
دل تو کیا میں نے تو اپنی جان تک قربان کی

چھری کس لطف سے پھیری گلے پر اپنے بسمل کے
جو بس ہوتا مرا تو چوم لیتا ہاتھ قاتل کے

سنتا ہی نہیں وہ بت گمراہ کسی کی ایسا نہ ہو سن لے کہیں اللہ کسی کی

سحر کو ہم ہیں اور وہ جان جاں ہے وصال یار میں شب درمیاں ہے
پسینا حسن ہے چاہ ذقن کا نہ ہو پانی تو پھر اندھا کنواں ہے

دیوان ثانی

۱

دل و جگر کے تو ٹکڑے اُڑا دئے غم نے مسیح آن کے ٹانکے کہاں کہاں دے گا

غم فراق نے کیا حال کر دیا دل کا سنو تو عرض کروں تم سے ماجرا دل کا

پلوادے مئے ہوش ربا دیکھ مرا ظرف ساقی! جو بہک جاؤں تو دیوانہ سمجھنا

مزا دل سے اٹھا جاتا ہے لطف زندگانی کا
مجھے پھر یاد آتا ہے جب عالم جوانی کا

فراق یار میں مذکور مے کا کیا ہے او ساقی
جلن تیزاب کی ہوتی جو پیتا گھونٹ پانی کا

ہر جگہہ موجود سمجھا اس کو سجدہ کر لیا
خواہ مسجد ، خواہ گرجا ، خواہ بت‌خانہ ہوا
باز رکھتی ہے ہمیں خدمت سے از خود رفتگی
آن نکلیں‌گے کبھی گر آپ میں آنــا ہوا
پیش‌تر بلبل سے تھا سر میں مرے شور جنوں
فصل گل آنے نہ پــائی تھی کہ دیوانہ ہوا

آفت شب تنہائی کی ٹل جائے تو اچھا — گھبرا کے جو دم آج نکل جائے تو اچھا

شکر کر قید سے صیاد کی ہوتی ہے رہا — آب و دانہ ترا او بلبل شیدا اٹھا
قیس سمجھا مری لیلی کی سواری آئی — دور سے جب کوئی صحرا میں بگولا اٹھا
تــاب نظـارۂ دیدار نہ لاؤگے کلیم — پردے پڑجائیں‌گے آنکھوں پہ جو پردہ اٹھا
بن پڑا کچھ نہ علاج تپ فرقت اس سے — ہاتھ مل کر مری بالیں سے مسیحا اٹھا

یہ تکبر، اور یہ نخوت، حسن پراتنا غرور — کیا معاذاللہ او بت تو خدا ہو جائے گا

توبہ کر تو او برہمن سجدے کرتا ہے کسے
بت جو پتھر کا بنا ہو وہ خدا کیوں کر ہوا

ب

سب نکل جائے گا دعوائے خدائی دل سے — بندگی کرنے لگوگے بہ خدا میرے بعد
تشنہ دکھلاتا ہے ہر خار زباں کے کانٹے — کاش آ جائے کوئی آبلہ پا میرے بعد

ر

پا بہ زنجیر، ایک دیوانہ نظر آتا نہیں
حیف ہے اب کی برس کیا مفت جاتی ہے بہار

ق

نہ جنت کے قابل نہ دوزخ کے لائق — مجھے کیوں کیا خلق اے میرے خالق
جھگڑ لیں گے آپس میں شیخ و برہمن — تجھے کیا بکھیڑوں سے او مرد عاشق

ل

آیا کسی طرح سے نہ فرقت میں جب قرار
لیٹا رہا میں ہاتھ کے نیچے دبائے دل
آ عندلیب مل کر کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل
قرباں ہے وہ تجھ پہ، تصدق ہوں اُس پہ میں
دل تجھ پہ ہے نثار تو میں ہوں فدائے دل
غم کا گذر ہے اس میں نہ غصے کا دخل ہے
سنسان مدتوں سے ہے ماتم سرائے دل
اشکوں کے ساتھ وہ بھی لہو ہو کے بہ گیا
اے "رند" دیکھ لو یہ ہوئی انتہائے دل

ن

چھری سے کم نہیں ترچھی نظر حسینوں کی — حلال کرتے ہیں یہ یا نگاہ کرتے ہیں
ہزار شکر رسائی ہوئی برہمن تک — خدا نے چاہا تو اب بت سے راہ کرتے ہیں

فراق یار نے ہشیار کر دیا ہم کو — وہ بےخبر ہیں جو الفت کی چاہ کرتے ہیں

ہم اشک بزم میں منھ پر بہائے بیٹھے ہیں — یہ سوجھتا نہیں، اپنے پرائے بیٹھے ہیں

چھڑک دے پیس کے زخم جگر پہ او جراح — اگر ہے مشک گراں، نون کا تو کال نہیں
جو دیکھ لے اسے، واجب ہے شکر کا سجدہ — ظہور جلوۂ حق ہے ترا جمال نہیں

میں ہجر یار میں مر جانے پر بھی راضی ہوں — فراق روح بدن ہو اگر وصال نہیں

لہو شہید محبت کا رنگ لائے گا — اُڑا دو چٹکیوں میں تم یہ وہ گلال نہیں
غذا رہے سگ دنیا کی جیفہ، دنیا — مجھے تو تیسرے فاقے بھی یہ حلال نہیں
کریم ذات ہے جس کی میں اس سے سائل ہوں — کسی لئیم سے درویش کا سوال نہیں

غیر ممکن ہے کہ بے صندل لگائے دور ہو
درد سر کی بھی دوا بے درد سر ملتی نہیں

ہے بہ از صندل اگر ہاتھ آئے خاک پائے یار
سر پٹکتا ہوں دوائے درد سر ملتی نہیں
سرکشی کی گلشن ہستی میں چلتی ہے ہوا
اس چمن میں جھک کے شاخ بار ور ملتی نہیں

ہم صفیران چمن کی کچھ خبر ملتی نہیں
ہم قفس میں بند ہیں باد سحر ملتی نہیں
دل کو تسکیں بے ترے او نامہ بر ملتی نہیں
غش پہ غش آتے ہیں جب اس کی خبر ملتی نہیں
تکتے تکتے راہ اس کی تم بھی کیا پتھرا گئیں
اب پلک سے کیوں پلک اے چشم تر ملتی نہیں
سر بہ کف، باندھے کفن میں کوئے قاتل کو چلا
راہ آنے کی تجھے او موت گر ملتی نہیں

پارہ ہائے شیشۂ دل ہیں بھرے داماں میں
کس کے سر ماروں دکاں شیشہ گر ملتی نہیں

قید ہستی سے رہا جلد یہ دیوانہ ہو
آج ہی آئے، اگر موت کو کل آنا ہو
ہوشیاروں میں گنے مجھ کو سو دیوانہ ہو
رفتگی دیکھئے اب آپ میں کب آنا ہو
دشت غربت کی فلک ٹھوکریں کھلواتا ہے
بے کسی دیکھئے کب سوئے وطن جانا ہو
تلخ و شیریں جہاں دونوں گوارا ہیں مجھے
کھاؤں میٹھے کی طرح زہر کا گر کھانا ہو

رزق خود اڑ کے پھونچتا ہے جو تقدیر کا ہو پر دئے ہیں مرے رزاق نے ہر دانے کو

و

آفرین آفرین مجھ مست کے مے پینے پر مرحبا مرحبا ساقی ترے پلوانے کو
آئیے آئیے مرشد مرے، یا حضرت عشق خون دل پینے کو حاضر ہے جگر کھانے کو

صدمے جو اٹھائے ترے او شام غریبی یاد آنے لگی صبح وطن اور زیادہ
جلوے ہیں یہی تیرے، تو اے روشنی طبع چمکے گا ابھی میرا سخن اور زیادہ

ھ

مژدۂ کنج قفس تجھ کو مبارک بلبل آج پڑتی تھی بری طرح سے صیاد کی آنکھ
دم آخر ہی جو آنا ہو تو آچک ورنہ بند ہوتی ہے ترے عاشق ناشاد کی آنکھ

پیٹا کروں میں سینہ و سر اپنا عمر بھر پائے تھے کیا اسی لئے پروردگار ہاتھ؟
میری خطا ہے، ان کو عبث باندھتے ہیں آپ تقصیر وار میں ہوں کہ تقصیروار ہاتھ؟

ے

جانتے تھے ہم نہ ایذا ہجر کی وہ بھی صاحب کی بہ دولت دیکھ لی
گھورتے ہیں اب نگاہ قہر سے چار دن چشم عنایت دیکھ لی

کیوں دئیے ہیں تونے قسام ازل رنج لاکھوں، ایک جی کے واسطے
بےکسی میرے لئے پیدا ہوئی میں بنا ہوں بےکسی کے واسطے
کیجئے ہر دم، عبث تن پروری اے اجل ! کس زندگی کے واسطے

برباد نہ جائےگی یہ فریاد ہماری کوئی تو سنے گا دل ناشاد ہماری
اچھا نہیں ہر وقت اسیروں کا تماشا پڑ جائے کہیں آہ نہ صیاد ہماری
ہم راضی ہیں نکلے تو غبار آپ کے دل سے ہو جائے کہیں خاک بھی برباد ہماری
گھر ہے عدم آباد میں دنیا سے غرض کیا یہ اُجڑے، وہ بستی رہے آباد ہماری

صورت ابر ہوا پر ہے مزاج اے ساقی لے اُڑی مجھ کو مئے ہوش ربا ساون کی

ہے نفس میری فکر میں فکر نفس میں، میں
میں راہزن کو تاکتا ہوں راہزن مجھے

پوچھو نہ جلن کا دل کے احوال اک آگ پڑی دہک رہی ہے
روئے رنگیں، عرق فشاں ہے شبنم گل سے ٹپک رہی ہے

میدان امتحاں میں ہمیں بھیج دیجئے
کہئے اُنھیں، یہ کام ہیں جن کے کئے ہوئے

گلی یار کی ہے، قدم رکھوں کیوں کر چلوں سر کے بل یاں، مقام ادب ہے

یہ رفتار گفتار اللہ رکھے تجھے او طرح دار اللہ رکھے
یہی تو وسیلہ ہے اک مغفرت کا ہمیشہ گنہ گار اللہ رکھے

جہاں کے عیش و غم روزگار، دیکھ چکے جو دیکھنا تھا سو پروردگار، دیکھ چکے
سوائے ذات خدا، سب کے واسطے ہے فنا ثبات ہستی نا پائیدار، دیکھ چکے

رہی ہے کس سے نہاں یار کی تجلّی حسن کچھ اک تمہیں نہیں موسیٰ! ہزار دیکھ چکے

سب عمر چاک کر تری حسرت میں کھوئی ہے
او موت کہا تو مرگئی کس نیند سوئی ہے
یاں رہ کے کون عمر کو ضائع کرے عبث
تم غور سے تو دیکھو ہمارا بھی کوئی ہے
وہ وصف کہتے ہیں جسے آگے وہ عیب تھا
لاکھوں ہنر ہیں جس میں کہ اک عیب جوئی ہے

خیال یار کا، خود رفتگی نتیجہ ہے جو یاد آگئی اس کی تو خود کو بھول چلے

بنایا خاک سے سب کو جدا پر سب کی صورت ہے
سوا تیرے یہ اے صناع عالم کس میں قدرت ہے
اگر دریافت ہو جاتا تو فرصت جلد کرلیتا
نہیں معلوم مجھ کو، اے اجل! کے دم کی مہلت ہے
تصور کرکے کعبے کا صنم خانے میں ساجد ہوں
بہ ظاہر بت پرستی ہے، حقیقت میں عبادت ہے

تمنا یار کے دیدار کی ہے تادم آخر دلیل آرزو مندی، نگاہ چشم حسرت ہے

رہئے دو چار، صورت تمثال و آئینہ میں اُس کے رو بہ رو، وہ مرے رو بہ رو ہے
ساکت نہ آدمی ہو کبھی ذکر خیر سے گویا زبان ہو تو تری گفتگو تو ہے
گل چیں! غضب پڑے ترے اس ظلم و جور پر مجھ کو خدا نہ رکھے چمن میں جو تو رہے

برابر ہے اپنا وجود و عدم ہماری بقا اور فنا ایک ہے
عدم ابتدا ہے، عدم انتہا مری ابتدا، انتہا ایک ہے

ذرا غور سے مرات دل کو دیکھ   یہ آئینۂ حق نما ایک ہے
جنھیں کفر و الحاد کہتا ہے شیخ   فقط پھیر ہے، راستا ایک ہے
مآل سخن ذکر ہے یار کا   کہوں سو طرح مدعا ایک ہے

رہے دل کے ارمان سب دل میں حیف   نکلنے نہ پائے مرے حوصلے
محبت بتوں کی یہ دل چھوڑ دے   کسی طرح چھاتی سے پتھر تلے
فلک کو ملانا تھا گر خاک میں   تو پھر ناز و نعمت سے کیوں ہم پلے
لہو شب سے اُڑتا ہے اشکوں کے ساتھ   کلیجے کے ناسور شاید چھلے

دیوانوں سے کہہ دو کہ چلی باد بہاری   کیا اب کی برس چاک گریباں نہ کریں گے
غل باغ میں ہے چار طرف زاغ وزغن کا   اب چہچہے، مرغان خوش الحاں نہ کریں گے

آزاد ترے، سینے میں کینہ نہیں رکھتے   جس سینے میں کینہ ہو، وہ سینہ نہیں رکھتے

دید گلزار جہاں کیوں نہ کریں، سیر تو ہے
دونوں، گو ایک ہیں کعبہ نہ سہی دیر تو ہے

مجھ بلا نوش کو تلچھٹ بھی ہے کافی ساقی
بھر دے چلو میں جو ہو شیشے میں باقی ساقی
جام جم چاہئے رندوں کو نہ شاہی ساقی
سلطنت ہے ترے کوچے کی گدائی ساقی
مرض ہجر میں مے، گرچہ مضر ہے لیکن
میں تو پی جاتا ہوں اللہ ہے شافی ساقی
مصلحت ہوگی جو محروم رکھا مے سے مجھے
فعل حکمت سے نہیں ہے ترا خالی ساقی

جام بھر بھر کے مے ہوش ربا دے ساقی   آج اتنی تجھے توفیق خدا دے ساقی

خاطر سے تیری کہہ گئے سب آشنا لگی   اُوبت! جہاں میں ایک نہ بولا خدا لگی

سر گوشیاں چمن میں کرے خاک عندلیب　　پھرتی ہے ساتھ ساتھ گلوں کے صبا لگی
حق بولنا محال ہے جھوٹوں کے دور میں　　سولی چڑھائیں گے جو کہوں گا خدا لگی

زندگی نے مجھے ہلاک کیا　　مرگیا موت کے نہ آنے سے
جس قدر ہو ضرور ملتا ہے
''رند'' کو غیب کے خزانے سے

تم کو فرصت نہ ہوئی موت نے یاں عجلت کی
تم رہے کام میں ہم کام سے جاتے ہی رہے
تھی ز خود رفتگی یارب کہ یہ موت آئی تھی
وہ چلے بھی گئے ہم آپ میں آتے ہی رہے

کچھ غم نہیں جو فیض سے خالی ہوا جہاں
ہیں اس کریم کے تو خزانے بھرے ہوئے
قاتل کا بھی زمانے میں اب کال پڑگیا
پھرتا ہوں کب سے ہاتھ پہ سر کو دھرے ہوئے

بات جو دل میں آئی منہ سے کہی
''رند'' رکھتا نہیں کسی سے لگی

عشق بازی میں یہ ہوا حاصل　　دل کے جھگڑے میں مفت جان چلی
دل پژ مردہ کا یہ حال ہے اب　　جیسے مرجھا گئی ہو کوئی کلی

متفرقات

دیکھنا کس کش مکش میں پڑگئی ہے میری جان
تیر سے کھنچتا ہے دل، دل کھینچتا ہے تیر کو

بوئے گل سے بھی سوا ہے، خلش خار پسند / طبع ہے روز ازل سے مری، دشوار پسند

———

قد ہمارا ضعف سے ایسا خمیدہ ہوگیا / آنکھ کے حلقے پڑے ہیں پاؤں کی زنجیر پر

———

عبث تنگ ہوتے ہیں احباب ہم سے / مسافر ہیں یاں ہم کو رہنا نہیں ہے

———

مدعا پوچھو نہ تم راز و نیاز عشق کا
حال کچھ کھلتا نہیں یہ ماجرا کچھ اور ہے
بوالہوس کی طبع سے آنا موافق ہے محال
سر زمین عشق کی آب و ہوا کچھ اور ہے

———

رنجش ذرا سی ہو نہ کہیں مہرباں دراز
میں کم سخن نہیں ہوں جو تم ہو زباں دراز
خلق خدا کو ہوتی ہیں اس سے اذیتیں
ظالم کی رسی کر نہ تو او آسماں! دراز

———

چین اب زیست میں ممکن نہیں اصلا آئے
موت آئے گی تو سمجھوں گا مسیحا آئے

———

لب خشک ہیں ہمارے منہ زرد ہوگیا ہے / اب دل نہیں سراپا اک درد ہوگیا ہے

———

ابر اٹھتے جو دھواں دھار چلے آتے ہیں / بھٹیاں تاکتے مے خوار چلے آتے ہیں

———

گھبرا کے شب ہجر میں گر آہ نکل جائے / غالب ہے کہ دم آہ کے ہمراہ نکل جائے

———

سن لو دو فقرے بات جاتی ہے / بات کہتے ہی رات جاتی ہے

———

کبھی زمیں کبھی داماں و آستیں کے ہوے
مثال اشک جہاں گر پڑے وہیں کے ہوئے
نہ ٹھہرے قابل جنت نہ لائق دوزخ
نہ ہم یہیں کے ہوئے اور نہ ہم وہیں کے ہوئے

———

مایوس ہیں اب عاشق شیدا کی طرف سے جب صاف جواب آیا مسیحا کی طرف سے
وہ قیس حزیں لیٹا ہے کیا منہ کو لپیٹے وہ دیکھ غبار اُٹھا ہے صحرا کی طرف سے

———

موذی بھی راہ عشق کے مجھ کو عزیز ہیں
دل میں چبھوئے پانوں کے کانٹے نکال کے

———

بے ہوش ارسطو ہے بدمست فلاطوں ہے
اک گردش ساغر میں احوال، دگر گوں ہے

———

تھا قریب مرگ تیری جان سے دور اے مسیح
تو جو آیا اس ادا سے جان آئی جان میں

———

جیتے جی تم نے بات نہ کی ہمنس کے ایک دن اب مرگئے پہ اشک بہانے سے فائدہ

———

خدا کرے جو ہدایت تو ایک کام کریں حرم سے دیر چلیں بت سے رام رام کریں
سانس آتی ہے نہ گھرّے کی صدا باقی ہے او مسیحا ترے بیمار میں کیا باقی ہے؟

———

قصائد

مدح امجد علی شاہ بہادر

سلطان ابوالظفر بہادر خاقان ابوالظفر بہادر
من بعد خدا رحیم و عادل ہے شان ابوالظفر بہادر
احکام قضا کے ہے مطابق فرمان ابوالظفر بہادر

ہے صوم و صلوٰۃ پر ازل سے میلان ابوالظفر بہادر
ناغہ ہو جائے ذکر کیا ہے قرآن ابوالظفر بہادر
مانند سحاب در فشاں ہے داماں ابوالظفر بہادر
سنتا ہوں جسے وہ کہہ رہا ہے فرمان ابوالظفر بہادر
ہوگا نہ کوئی ہوا جہاں میں ہم شان ابوالظفر بہادر
خسرو کو نصیب تھا نہ جم کو سامان ابوالظفر بہادر

قصیدہ

حسن سے اب کے یہ کچھ، عارض گل ہے معمور — رنگ رخسار بتاں سبز نہ ہو جس کے حضور
فیض سے بادہ بہاری کی کرے گی امسال — آہ بلبل کی شجر سے گل تاثیر ظہور
قوت نامیہ کے نشو و نما کے باعث — دانۂ اشک بھی سر سبز اگر ہو گیا دور
پشت طاؤس بنا روئے ہوا بس کہ ہوا — دامن باد صبا سبزہ و گل سے معمور
جو یہی جوش لگاوٹ کا رقابت میں رہا — کیا عجب زخم کا بھی سبز اگر ہو انگور
لعل نے رنگ زمرد کا کیا ہے پیدا — سبز زنگار کے مانند ہوا ہے کافور
باغ میں جو گیا گل گشت کو اس نے یہ کہا — فصل گل آتی ہے ہرگز نہ کبھی اس دستور
غنچۂ گل کا وہاں کے میں کروں کیا کیا وصف — ایک سے ایک ہے رشک دہن و عارض حور
سرو مینا لئے اور لالہ کھڑا جام بہ کف — تاک جھاڑی میں ہے اور نرگس شہلا مخمور
زلف سنبل ہے وہ پر پیچ وخم و چیں جس کی — ہمسری کاکل خو بداں جو کرے کیا مقدور
گر چھوؤ برگ حنا کو تو اثر سے اس کے — سرخ ہو جائے اگر ہاتھ، نہ سمجھو کچھ دور
آنکھ، اُٹھا دیکھو شگوفہ کی طرح جو گا ہے — ید بیضا سا چمکتا ہے ہر اک شاخ پہ نور
گرد پھرتی ہے خیاباں کے نسیم سحری — گل سے دامن کو صبا اپنے کئے ہے معمور
جھونکے لیتا ہے ہر اک نخل گلستاں اس طرح — جس طرح کھاتا ہو لغزش کہیں پائے مخمور
جوشش فصل بہاری سے تعجب کیا ہو — روغن گل عوض شہد اگر دے زنبور
گرم بازاری گل پہونچی ہے اس بستی کو — اہل دنیا کی بھی گل ہو گئی ہے شمع شعور
یہ زمیں خوب شگفتہ ہے تو اس میں اے 'رند' — تازہ مضمون کی ایک تازہ غزل کر مسطور

مخمس

جسے کہ یاد نہ ہو اپنا آشیان صیاد
بھلا وہ خاک کہے حال بوستاں صیاد
عبث عبث تو نہ ہو مجھ سے بدگماں صیاد
کھلی ہے کنج قفس میں مری زباں صیاد
میں ماجرائے قفس کیا کروں بیاں صیاد

خراب تھا مرے ہمراہ سایہ ساں صیاد
چمن میں تھا کبھی بن میں رواں دواں صیاد
غرض کہ ساتھ ہی پہونچا جہاں تہاں صیاد
جہاں گیا میں گیا دام لے کے واں صیاد
پھرا تلاش میں تیرے کہاں کہاں صیاد

کچھ اور مجھ کو شکایت نہیں یہ ہے یہ گلا
بہار کیا کہ خزاں میں چھوا نہ اک تنکا
عبث کہ او ستم ایجاد کیوں غضب توڑا
اُجاڑا موسم گل میں ہے آشیاں میرا
الہی! ٹوٹ پڑے تجھ پہ آسماں صیاد

آج تو رونق گلزار مٹاؤ صاحب کھلیوں میں گل و لالہ کو اُڑاؤ صاحب
بلبلیں غش کریں وہ روپ بناؤ صاحب بدن صاف پہ رنگینی دکھاؤ صاحب
قول ہارے ہو تو گل چھلوں سے کھاؤ صاحب

حسن کا مرتبہ عالی نہ گھٹاؤ صاحب اہل بینش کی نظر سے نہ گراؤ صاحب
عیب اس چاند سے منھ کو نہ لگاؤ صاحب داغ دل سے رخ روشن نہ ملاؤ صاحب
مہر کو آتشی شیشہ نہ دکھاؤ صاحب

عیدی

عید رمضاں ہے واہ کیا روز سعید عالم میں ہیں خرمی کے آثار پدید

اللہ وزیر ہند کو رکھے شاد — ہر شب ہو شب برات ہر روز ہو عید

قطعہ

تاریخ مبارک باغ امین الدولہ بہادر

وزیر ہند، دستور معظم — کہ قاصر مدح میں جس کی قلم ہے
کریم با مروت اس کی ہے ذات — وہ بحر جود ہے ابر کرم ہے
بنا یا ہے مبارک باغ اس نے — بہار باغ ہستی جس سے کم ہے
نہیں دنیا میں ایسا باغ دل چسپ — چمن آرائی جنت کی قسم ہے
کہا دل نے کہ اس گلشن کی تاریخ — یہی مفتاح قفل رنج و غم ہے
یہ سن کر فکر کی میں نے جو اے ''رند'' — ندا ہاتف نے دی باغ ارم ہے

صبا

میر وزیر علی نام ' لکھنؤ وطن تھا ' میر بندہ علی ان کے والد کا نام تھا ' مصنف گل رعنا کا بیان ہے کہ میر صبا اصطلاح علوم سے واقف تھے : چاہے سبقاً سبقاً پڑھ کر چاہے علما کی صحبت میں بیٹھ کر - آتش کے خاص شاگردوں میں تھے ' شاعری سے خدا داد مناسبت تھی ' آتش کی شاگردی نے جلا دے دی تھی - سنہ ۱۲۷۱ھ میں گھوڑے سے گر کر وفات پائی -

کلام میں صحت اور صفائی بہت ہے ' محاورہ بندی سے بھی نہیں چوکتے ' زبان بھی سلیس ہے ' لیکن سوز و گداز میں کمی ہے -

ا

رتبۂ دیر و حرم گبر مسلماں سمجھے
منزلت اپنی نہ کی ذہن رسا سے پیدا

محو ابرو کے لئے خنجر فولاد آیا
ذبح کرنا بھی نہ تجھ کو مرے جلاد آیا

اے زاہد ریائی دیکھی نماز تیری
نیت اگر یہی ہے تو کیا ثواب ہوگا
سرگشتگی میں میرا کیا ساتھ دے سکے گا
اے آسماں ٹھہر جا ناحق خراب ہوگا
فرقت میں ضبط نالہ ہم سے نہ ہو سکے گا
قابو میں دل نہ ہوگا جب اضطراب ہوگا
لکھے کی کیا خبر تھی یہ کون جانتا تھا
لیلیٰ کے ساتھ پڑھ کر مجنوں خراب ہوگا

ہیں وہ صوفی، جو کبھی نالۂ ناقوس سنا
وجد کرنے لگے ہم دل کا عجب حال ہوا
اپنی قسمت کا نوشتہ جو دکھایا ہم نے
حشر کے روز غلط نامۂ اعمال ہوا

بوسۂ سبزۂ خط دے کے گنہ گار کیا
تو نے کانٹوں میں مجھے اے گل رعنا کھینچا
اے صبا پاؤں نہ اٹھتے تھے چمن سے اپنے
دشت وحشت نے ہمیں جانب صحرا کھینچا

فرشتوں کو کیا مات آدمی نے
قیامت کا یہ مشت خاک نکلا
آزادی قید مذہب دل سے ہم نے
قفس سے طائر ادراک نکلا
جنوں میں باغ عالم کو جو دیکھا
عجب صحرائے وحشت ناک نکلا

خود پرستی کا جو سودا ہو گیا
آپ میں، اپنا تماشا ہو گیا
دید کے قابل مری حیرت ہوئی
یار بھی محو تماشا ہو گیا
جائے عبرت ہے جہان بے ثبات
دیکھتے ہی دیکھتے کیا ہو گیا

آتی ہے کس کو نیند مری آنکھیں کھل گئیں
سن کر فسانہ یار کے حسن و جمال کا

عشق کا غم نہ گیا حسن کا غمزا نہ گیا
میرا رونا نہ گیا آپ کا ہنسنا نہ گیا
ہوتی تشخیص مرے دل کی نہ عیسیٰ سے بلی
عرش تک چرخ چہارم سے مسیحا نہ گیا
کوئے جاناں میں رکھی ضعف نے ثابت قدمی
مثل نقش کف پا بیٹھ کے اُٹھا نہ گیا

خوف کی جا ہے نہ چھیڑو دل سوزاں کو مرے
آگ پھیلی جو کسی نے کہیں اخگر توڑا

بار الفت کا سنبھالا نہیں جاتا مجھ سے — سرگرانی ہے، مری لغزش پا سے پیدا
کوئے قاتل میں ہمیں شوق شہادت لایا — للہ الحمد ہوئی راہ، قضا سے پیدا

گھر سے وحشت میں جو میں چاک گریباں نکلا
کوہ، فرہاد سے، مجنوں سے، بیاباں نکلا
روز و شب فرقت جاناں میں بسر کی ہم نے
تجھ سے کچھ کام نہ اے گردش دوراں نکلا

عازم دشت جنوں ہو کے میں گھر سے اُٹھا
پھر بہار آئی قدم پھر نئے سر سے اُٹھا
جاتے ہی وصل کی شب کے، مجھے سرسام ہوا
درد سا نالۂ مرغان سحر سے اُٹھا

خود رفتگی ہے چشم حقیقت جو وا ہوئی
دروازہ کھل گیا تو میں گھر سے نکل گیا

گردش سے زمانہ کبھی خالی نہیں رہتا — کس دن تہ و بالا یہ ہنڈولا نہیں ہوتا

ہم سے وعدہ ہے جدا، مہر سے اقرار جدا
دیکھئے آج وہ تشریف کہاں فرمائیں

کون ہو جامہ دری کا مانع   ہاتھ میرا ہے؛ گریباں میرا
کیا بنایا ہے بتوں نے مجھ کو   نام رکھا ہے مسلماں میرا
آئینہ بھی ہے ترا محو جمال   صاف ہے دیدۂ حیراں میرا
اب تو صاحب کی ہوئی خاطر جمع   سن چکے حال پریشاں میرا

خرد سالی ہی میں بازیچۂ ہستی سے چلے
اشک کی طرح سے طفلی میں سفر ہم نے کیا

قبل تخصیص چاہئے تعمیم   بعد یوسف ترا زمانہ ہوا
دہن زخم بے زباں رہا   شکر قاتل کا کچھ ادا نہ ہوا

داغ لالے کو چمن میں دئے کیسے کیسے
شمع کو اُس نے جلایا سر محفل کیا کیا
ہجر سے جان بچی وصل بھی اُس بت سے ہوا
میرے اللہ نے حل کی مری مشکل کیا کیا

کیوں اُن کی چال دیکھی جو یہ حال ہوگیا
میں آپ اپنے ہاتھ سے پامال ہوگیا

''صبا'' چشم پر آب بادل نہیں ہے   نہ جائیگا بربا‌د رونا ہمارا

واعظ کی میں ضرور ترانے سے تر گیا   جام شراب لائے بھی، ساقی کدھر گیا
بلبل کہاں، بہار کہاں، باغباں کہاں   وہ دن گزر گئے وہ زمانہ گزر گیا
ایسی کفن کی قطع پسند آگئی ہمیں   دل سے ہمارے جامۂ ہستی اُتر گیا
کعبے کی سمت سجدہ کیا دل کو چھوڑ کر   تو کس طرف تھا دھیان ہمارا ادھر گیا
مثل حباب بحر جہاں میں نہ دم لیا   اک موج تھا کہ میں اِدھر آیا اُدھر گیا

آغاز عشق ہی میں ہمیں موت آگئی
آگاہ بھی نہ حال سے وہ بے خبر ہوا

کوہ الم کو دیکھئے اور تجھ کو دیکھئے
کیا بار تونے اے دل شیدا اُٹھا لیا

بحث گریہ میں ابر بول گیا
دیدۂ اشک بار کیا کہنا
سختئ عشق جھیل لی اے دل
واہ ارے بردبار کیا کہنا
جوش الفت میں اور ضبط اے دل
جبر پر اختیار کیا کہنا

ساتھ چھوڑیں گے نہ سائے کی طرح
ہم بھی جائیں گے جدھر جائے گا
اے ''صبا'' کوئی ہو، کعبہ ہو کہ دیر
دل جدھر جائے اُدھر جائے گا

ہوائے وصل و آب اشک و سوز ہجر و گرد غم
یہ ہے اک ایک جز ہم عاشقوں کے چار عنصر کا

دل صاف ہوا آئینہ رو نظر آیا
سب کچھ نظر آیا جو ہمیں تو نظر آیا
جو بات ہے، ہر مذہب و ملت سے جدا ہے
دیکھا تو ''صبا'' سب سے الگ تو نظر آیا

پڑا خلاف کلواواشربوا کے معنی میں
میں بادہ خوار ہوا شیخ روزہ دار ہوا
مزا چکھاتے بتو تم کو جبر کرنے کا
خدا گواہ ہے دل پر نہ اختیار ہوا

دل کی طرف میں دیکھ کے کہتا ہوں عشق میں
اس چاند کو یہ داغ لگایا غضب کیا

خار صحرائے جنوں تفرقہ انداز ہوئے
رہ گیا پھٹ کے گریباں سے دامن کیسا
صدمۂ باد خزاں کے متحمل نہ ہوئے
چل بسے آپ ''صبا'' چھوڑ کے گلشن کیسا

داغ جنوں، دماغ پریشاں میں؟ رہ گیا
دامن میں خار، چاک گریباں میں رہ گیا

جب دو قدم جنوں میں مرا ساتھ ہوگیا　　پھیلا کے پاؤں قیس بیاباں میں رہ گیا
آئی بہار اور نہ چھوٹا میں اے جنوں!　　کیسا تڑپ کے خانۂ زنداں میں رہ گیا

آبرو دل کی کدورت نے نہ چاہی ورنہ
یہ وہ قطرہ ہے جو بڑھ جاتا تو دریا ہوتا

ہاتھ اُس بت کی نہ گردن میں حمائل دیکھا
حوصلہ تنگ ترا، اے کشش دل دیکھا
کھل گیا قیس کے دعوائے انا لیلیٰ سے
ہم نے پردہ ترا اے صاحب محفل دیکھا

ساغر ہمارے عمر کا لبریز ہو گیا
جب دو قدم پہ خانۂ خمار رہ گیا

ب

جور گل چیں، عشق گل، خوف خزاں، ایذائے خار
لاکھ آفت میں پھنسی ہے اک جان عندلیب
باغ کی خانہ خرابی دیکھ کر سودا ہوا
تنکے چنتا ہوں میں بہر آشیان عندلیب

نام روشن تجھے کرنا ہے تو کرلے غافل
شمع ساں بزم جہاں میں ہے فقط مہلت شب
جان دوں گا جو کبھی بال منڈائے تم نے
گل کروں گا میں چراغ اپنا دم رخصت شب

دیر وکعبے میں ڈھونڈھتا ہوں اُسے　　دوڑتا ہوں اِدھر اُدھر بے تاب
ہجر میں دل کو بے قراری ہے　　جان بے چین ہے، جگر بے تاب
صبح سے شام تک نہیں آرام　　شام سے ہوں میں تاسحر، بے تاب

وصل میں جتنی پائی تھی راحت ہجر میں ہوں اُسی قدر بے تاب

صحرا میں بھی جنوں مرا لگتا نہیں پتا
مثل غزال پھرتے ہیں اہل وطن، خراب

ت

رہتی ہے یاد ابروے دلبر تمام رات کٹتی ہے زندگی تہ خنجر تمام رات
لوٹا کیا میں خاک پہ بیمار تا سحر خالی پڑا رہا مرا بستر تمام رات

چپکے چپکے تھیں شب وصل میں کل تک باتیں
عرش تک جاتی ہے فریاد و فغاں آج کی رات

کیا مٹے جاتے ہو عنقا کے لئے زاہدو! تم تو ہوئے پیدا عبث
بے نشاں دنیا میں جب خود ہوگئے نام پھر ہے صورت عنقا عبث

ج

بیٹھا ہوا ہے وعدۂ فردائے حشر پر اللہ رے تیرے طالب دیدار کا مزاج
کوچے میں یار کے نہ کسی نے کیا سلام پوچھا کئے کھڑے در و دیوار کا مزاج

دل ہے غذائے رنج، جگر ہے غذائے رنج پیدا کیا ہے ہم کو خدا نے برائے رنج
آدم سے باغ خلد چھٹا ہم سے کوئے یار وہ ابتدائے رنج ہے یہ انتہائے رنج
کہتے ہیں میرے دوست مرا حال دیکھ کر
دشمن کو بھی خدا نہ کرے مبتلائے رنج

ح

برا ہو موت کا جس نے یہ تفرقہ ڈالا
مزار میں مری میت ہے، کوئے یار میں روح

کسی کے وعدے کا وہ رہ کے دھیان آتا ہے
اٹک اٹک کے نکلتی ہے انتظار میں روح

سدا خراب رکھا اپنے ساتھ اس کو بھی
تمام عمر رہی دل کے اختیار میں روح

خ

فرصت کہاں جو وصل میں مہندی لگائیے
بوسوں سے کیجیے ترے ہاتھ، اے نگار سرخ
باغ جہاں میں رنگ "صبا" کا جما رہے
دشمن کا منہ سیاہ، رخ دوست دار سرخ

د

لبوں تک آہ نہیں فرط ضعف سے آتی
بتو! خدا سے ڈرو! ہے کہاں تہاں فریاد
"صبا" ہم ایک بھی گلگشت میں نہیں سنتے
کریں ہزار گلستاں میں باغباں فریاد

ناصح! نہ میرے حال پہ تو التفات کر
یہ مہربانیاں، نہیں اے مہرباں پسند

ر

امر الٰہ آیت موتوا ہے اے "صبا"
مرنے پہ پیشتر سے بندھے پیشتر کمر

اب داستاں شوق کا موقع ہے اے "صبا"
سونے کے واسطے وہ سدھارے پلنگ پر

چشم وا رہ گئی دیکھا جوطلسمات جہاں
آئینہ بن گئے ہم محو تماشا ہوکر
خاکساری نے اُٹھانے نہ دیا سر ہم کو
خاک میں مل گئے ہم محو نقش کف پا کر
راہ نکلی جو بتوں سے تو ملی راہ خدا
گیا کعبے کو، پھرا جب میں کلیسا ہوکر

بتان سیم بر کا وصل، دنیا میں غنیمت ہے
یہ وہ دولت نہیں جو چھوڑئے زاہد کے ایماں پر

منہ موڑنا بتان حسین سے حرام ہے
موقوف یہ نماز نہیں ہے سلام پر
اے موسم خزاں! ترا خانہ خراب ہو
کانٹوں کی ڈھیر اور گلوں کے مقام پر

وجد، قاتل نے کیا میرا تڑپنا دیکھ کر
حال آیا رقص بسمل کا تماشا دیکھ کر
مدعی ہنستے ہیں، ہردم کا یہ رونا دیکھ کر
اک ذرا اے چشم تر اپنا پرایا، دیکھ کر
کھینچے لے تصویر رخ پر، منہ نہیں بہزاد کا
رنگ فق ہو جائے گا نقشا تمہارا دیکھ کر
صورت محراب کعبہ ابروے دل دار ہے
دل بچھا جاتا ہے زاہد کا مصلا دیکھ کر

اب کی برس جلوں جو رہا زور شور پر
زنجیر ہم چڑھایں گے مجنوں کی گور پر
برسوں رہا ہے قالب خاکی سے اتحاد
رویا کرے گی حشر تلک روح گور پر
حرص و ہوا میں رہتا ہے برباد آدمی
اُڑتا ہے یہ پتنگ رگ جاں کی ڈور پر

وہ نزع میں حال سن کے روئے
کام آئی زبان لڑ کھڑا کر
جب کوچ کیا ''صبا'' عدم کو
رہ جایں گے یار خاک اُڑا کر

موسیٰ نہ طور پر، نہ مسیح آسماں پر
دونوں ڈھئی دے ہیں ترے اُستان پر
آفت تمام دل کی یہ دولت ہے جان پر
کس منہ سے لائے ترا شکوہ زبان پر
ملا نہیں جو ظاہر و باطن میں فرق ہو
جو دل میں ہے وہی ہے ہماری زبان پر
کچھ بھی علاج درد محبت نہ ہو سکا
عیسیٰ، یہ داغ لے کے گئے آسمان پر

حرص در در لئے پھرتی ہے عجب سودا ہے
جیب و دامن کو نہ پھاڑیں سگ و درباں کیوں کر

یوں نکالا مجھے قسمت نے وطن سے باہر
جس طرح روح جوان نکلے بدن سے باہر

ص

جو دیکھتا تھا دیکھ چکے بزم جہاں کو
اے پیر فلک! بیٹھ بھی جا تابہ کجا رقص

ض

بہلول کی طرح ہے خیال زمانہ فرض
ان احمقوں سے ہے سخن ابلہانہ فرض
واجب ہیں عشق بت میں ہزاروں اطاعتیں
زاہد پر اک نماز ہوئی پنجگانہ فرض
کعبے میں شیخ ہوں تو برہمن ہوں دیر میں
ہر حال میں ہے خاطر اہل زمانہ فرض

ق

مرگ، عشاق کی خالی نہیں کیفیت سے
جاں بہ‌لب ہے جب ہوئے لبریز پیمانۂ عشق
عشق یوسف میں زلیخا نے بڑا نام کیا
واہ شاباش زہے ہمت مردانۂ عشق

پیام مرگ نے بے آس کر دیا ہم کو — امید وصل بھی ٹھہری نہ رو بہ روے فراق

ک

ہجوم حسرت کشتہ ہے داغ دل سے قریں
مرے پڑے ہیں پتنگے چراغ کے نزدیک
تمام ہو کے ہوے علم عشق میں کامل
قریب مرگ کے پہونچے فراغ کے نزدیک

عاشق کبھی بنتی ہے کبھی بنتی ہے معشوق
بہروپ ہر اک رنگ میں لاتی ہے نیا خاک

گ

مجھ سے وہ بولتے نہیں ' یہ بھی لکھا نصیب کا
کو کب بخت تیرہ ہے مہر دہان "سبزہ رنگ

نقش و نگار خانہ دنیا ہے بے ثبات — مرنے کے بعد ایک ہے شاہ و گدا کا رنگ
دو دن اگر خزاں ہے تو دو دن بہار ہے — اک رنگ پر کبھی نہیں رہتا ہوا کا رنگ

ل

اے صنم سب ہیں ترے ہاتھوں سے نالاں آج کل
صورت ناقوس ہیں گبرو مسلماں آج کل
ضعف کے ہاتھوں ہوئے ' فصل جنوں میں تنگ ہم
ہو گیا پھانسی ہمیں اپنا گریباں آج کل

م

اظہار عشق نے اُنہیں پردہ نشیں کیا — کھولا جو راز بند ہوئیں کھڑکیاں تمام

کیا خاک بن پڑے گا "صبا" اہل باغ سے
اک بار جھک پڑے گی جو فوج خزاں تمام

عشق کامل نے دیا ہے حسن کا رتبہ ہمیں
آئینے میں دیکھتے ہیں یار کی تصویر ہم

نکلیں کہیں احاطۂ وہم و گماں سے ہم
باز آئے اس زمین سے ' اس آسماں سے ہم
راہ عدم میں نامۂ اعمال ساتھ ہے
کیسا یہ داغ لے کے چلے ہیں یہاں سے ہم
یہ جذب حسن و عشق ہوا جانبین سے
آخر وہاں سے آپ چلے اور یہاں سے ہم
باقی رہے نہ فرق زمیں آسمان میں
اپنا قدم اٹھا لیں اگر درمیاں سے ہم

ن

فصل گل ہے ' زاہدوں کو غم ہے ' مے کش شاد ہیں
مسجدیں سونی پڑی ہیں ' بھٹیاں آباد ہیں

نیرنگئی نصیب ہے غم کے بیان میں
سو رنگ کے طلسم ہیں ' اک داستان میں

سختیاں کچھ، روز مرنے کی ہوس میں کھینچ لیں
اور آہیں ' آمد و رفت نفس میں کھینچ لیں

ہم اسیروں کے اگر نالے کشش پیدا کریں
وسعت صحن چمن کنج قفس میں کھینچ لیں
پھر وہی سیر چمن ہے ' پھر وہی فصل بہار
اور نالے چاردن کنج قفس میں کھینچ لیں

گردش افلاک نے پا مال کر ڈالا مجھے
حسرتیں کیا کیا مرے دل کی ملادیں خاک میں

چلے دنیا سے ہم پئے عقبیٰ کوچ پھر مقام کرتے ہیں

بندے کے لئے جو آفتیں ہیں اے عشق تری کرامتیں ہیں
نقشے نہیں قدرت خدا ہیں تصویر بتوں کی صورتیں ہیں
اللہ رے گردش زمانہ ہر روز نئی مصیبتیں ہیں
درد و غم و یاس و داغ و حرماں اک دل ہے ہزار آفتیں ہیں
یہ ظاہر و باطن "صبا" ہے اشک آنکھوں میں دل میں حسرتیں ہیں

ہو گیا روشن جو دیکھی گردش لیل و نہار
ایک صورت پر کسی کو آسماں رکھتا نہیں
مست بادہ رہتا ہوں تیری عنایت سے مدام
ساقیا میں رند فکر دو جہاں رکھتا نہیں

"صبا" سے حال نہ پوچھو کدورت غم کا
یہ اپنے نام کا آندھی ہے خاک اڑانے میں

تڑپے ہیں اس قدر پس دیوار یار' ہم سو بار آگیا ہے لب بام ہاتھ میں

ترے پرتو سے آنکھیں آدم خاکی کی روشن ہیں
شعاع مہر سے ہے نور ہر اک چشم روزن میں

بسر کرتی ہے خلقت چار دن کی زیست رو رو کر
نہیں جز دانہ‌ہائے اشک کچھ ہستی کے خرمن میں

ہم وہ بسمل ہیں کہ ٹھنڈے نہیں ہوتے جب تک
دامن زخم کو قاتل کو ہوا دیتے ہیں
یہ نئے طور کا انصاف ہے اُن کے گھر میں
غیر کرتے ہیں خطا، ہم کو سزا دیتے ہیں

نہیں ہر ایک کے حصے میں دولت دیدار
خدا دکھائے تو زاہد سوئے بتاں دیکھیں

فکر کونین کی رہتی نہیں مےخواروں میں
غم غلط ہو گیا جب بیٹھ گئے یاروں میں
دھوم ہے پیرہن یار کی بازاروں میں
چٹھیاں پڑتی ہیں یوسف کے خریداروں میں

گر محبت کا دل میں داغ نہیں خانۂ کعبہ میں چراغ نہیں

بے جہت شیخ و برہمن کی جبیں سائی ہے
مسجدوں میں نہ خدا ہے نہ صنم خانوں میں
فرد اعمال کو دامن کی طرح پھاڑوں گا
حشر کے روز اُٹھوں گا ترے دیوانوں میں

دور کر للہ یہ غفلت کا پردہ، دور کر کچھ تجھے اپنی خبر، اے بے خبر! ملتی نہیں

اُن کا تو جواب ہی نہیں ہے ماشاءاللہ واہ کیا ہیں
پہلو میں نگار، ہاتھ میں جام اس وقت تو بادشاہ کیا ہیں

قفس میں کس لئے بے تاب رہتا ہے تو اے بلبل
سوائے خار و خس کے اور کیا ہے آشیانے میں
بنائے دیر کعبہ کا سبب ، کیا جانئے ، کیا ہے ؟
نہیں ہے دخل بندے کو خدا کے کارخانے میں

یہ محو ہیں کہ ذرا غم نہیں ملال نہیں
ترا خیال ہے اپنا ہمیں خیال نہیں
کوئی حرم میں کوئی بت کدے میں سمجھا ہے
جدھر ہے یار کسی کا ادھر خیال نہیں

وہم نہیں جسے تو اے فلک بگاڑ سکے کدھر خیال ہے اتنی تری مجال نہیں

دھیان آتا ہے ہمیں اپنے مآل کار کا
موت اے دل گھات میں ہے ، آسماں تدبیر میں
بھیجتا کیوں کر نہ خط لکھ کر میں اُس سفاک کو
روؤں قاصد کو ، یہ لکھا تھا مری تقدیر میں

یار ! اپنی بات اپنے ہاتھ ہے ہر کسی سے گفتگو اچھی نہیں
مار ڈالا اشتیاق یار نے اس قدر بھی آرزو اچھی نہیں
ڈھونڈھ اُس کو ، لیکن اے دل ! راہ سے بے طریقے جستجو اچھی نہیں
خانۂ دل کی ہے رونق عشق سے زندگی بے آرزو اچھی نہیں

مری نجات کچھ ، ان واعظوں کے ہاتھ نہیں
بڑا کریم ہے جس کا گناہ گار ہوں میں
تم اے بتو مجھے دل میں تو مانتے ہو گے
خدا گواہ ہے کتنا وفا شعار ہوں میں

" صبا " اسی کو محبت سرشت کہتے ہیں
عدو کسی کا نہیں سب کا دوست دار ہوں میں

علوئے طبع سے گھبرا گئے زمیں پر ہم
کدھر کو جائیں نکلنا ہے آسماں سے ہمیں
مکاں میں بیٹھے بیٹھائے خیال گور آیا
قفس دکھایا تصور نے آشیاں سے ہمیں
چلے جہان سے ' اللہ رے منزلت اپنی
فرشتے آئے ہیں لینے کو آسماں سے ہمیں

بات بھی آپ کے آگے نہ زباں سے نکلی لیجئے آئے تھے ہم سوچ کے کیا کیا دل میں
مجھ سے بیمار محبت کا جو ہوگا نہ علاج کیا کہیں گے تمھیں اے جان مسیحا دل میں

ہم کہیں نہ اپنے یار کو گل پیرہن کہیں چولی ہزار جاسے مسکتی ہے وصل میں

خون دل آنکھوں میں بھرلاتے ہیں ساقی کے بغیر
خالی دو جاموں میں ' ہم ایک سبو کرتے ہیں

دست وحشت نے کی در اندازی نہ رہا ربط ' جیب و داماں میں

وہ دیر و حرم کی منزلت بے راہ سمجھے ہیں
خدا جانے کسے یہ نا سمجھ ' اللہ سمجھے ہیں

و

محکمے میں حشر کے جاؤں گا میں فریاد کو
لوٹ جاؤں گا پکڑ کر دامن جلاد کو
اُڑ چلا وہ طائر دل کو مرے کر کے اسیر
قید بلبل ہو گیا پر لگ گئے صیاد کو
غیر کو آواز تک تونے سنانی چھوڑ دی
سن لیا اللہ نے اے بت مری فریاد کو
یہ دعا اللہ سے ہے فصل گل میں اے " صبا "
باغ بلبل کو مبارک ہو ' قفس صیاد کو

تکلف کیا شب وصلت میں نیند آئے تو سو رہئے
عوض تکئے کے رکھ لیجے سرھانے میرے زانو کو

خاک میں مجھ کو ملا کر وہ صنم ' کہتا ہے
اپنے اللہ سے جا کر مری فریاد کرو

بھردیا مجھ فقیر مست کا جام ساقیا تو ہو اور دنیا ہو
نا صحا پند مجھ سے وحشی کو؟ اُس کو سمجھاجوکچھ سمجھتا ہو

معلوم ہیں واعظوں کی باتیں اُس سے کہیں جو نہ جانتا ہو
یارو ! سمجھاؤ اس صنم کو کیسے تم بندۂ خدا ہو
کب سے امید و بیم میں ہیں جو کچھ ہونا ہو یا خدا ہو
پڑھتے ہو '' صبا '' بتوں کا کلمہ کہنے کو بندۂ خدا ہو

جو عدوئے باغ ہو برباد ہو کوئی ہو گل‌چیں ہو یا صیاد ہو
قید مذہب واقعی اک روگ ہے آدمی کو چاھئے آزاد ہو
بک گئے ہیں آپ تو غیروں کے ہاتھ بندہ پرور ' اب غلام آزاد ہو
ظاھر و باطن میں اے دل فرق ہو بت بغل میں ہو خدا کی یاد ہو
آپ کو اپنی خوشی سے کام ہے کوئی نا خوش ہو کوئی نا شاد ہو

کچھ بھی تجھ کو بے ادب پاس جناب عشق ہے
دور ہو ناصح ھمارے سامنے سے دور ہو
اے تصور تیرے آگے وصل کیا اور ھجر کیا
ایک عالم چاھئے نزدیک ہو یا دور ہو
صورت منصور جب چاھو اناالحق بول اُٹھو
اختیاری امر ہے ' کب اے ''صبا'' مجبور ہو

وہ حال دل کا ہے جو '' صبا '' ہم بیاں کریں
اللہ جانتا ہے بتوں کو یقیں نہ ہو

۸

گردش سے آسمان کی، چکرا رہے ہیں ہم — کشتی ہماری گھوم رہی ہے بھنور کے ساتھ
پیری میں داغ عشق ہویدا رہا تو کیا — یہ چاند ہو غروب طلوع سحر کے ساتھ
دنیا سے لے کے گناہوں کی بھیڑ بھاڑ — دوزخ میں جائیے تو بڑے کرو فر کے ساتھ

ٹالو نہ کل پہ آج کا تم وعدۂ وصال — اے جان! زندگی کا نہیں اعتبار کچھ
مہمانیاں بتوں کی میں کرتا ہوں اے "صبا" — دیتا ہے جب مجھے مرا پروردگار کچھ

ہم دیں دعائیں تجھ کو، تو دے گالیاں ہمیں — اپنی زبان دیکھ ؛ ہماری زبان دیکھ
لیلیٰ سے اس کی عرض ہو، ناقے کو روک کر — مجنوں غریب ساتھ ہے اے ساربان! دیکھ

ے

اُس بت کا کوچہ کعبہ ہو یا سومنات ہو — جب اپنی مستجاب دعا ہو تو جانیے

شب فرقت میں جب روئے اندھیرا دیکھ کر گھر
چراغ آنکھوں کے روشن ہو گئے، اشکوں کے روغن سے

بہار آئے کہیں، دامن سے خار اُلجھیں بیاباں کے
چڑھاؤں تربت مجنوں پہ تار اپنے گریباں کے
ترا بوٹا سا قد گلگشت میں یاد آ گیا مجھ کو
گلے لگ لگ کے رویا خوب میں سرو گلستاں کے
خدا ہے بے نیاز اور بت بھی بے پروا ہیں شدت سے
مجھے آتا ہے رونا حال پر گبر و مسلماں کے

لئے ہیں ترے مصحف رخ کے بوسے — مسلماں ہوں بندۂ مکرتا نہیں ہے
کروں ہجر ساقی میں کیا بادہ نوشی — کہ پانی گلے سے اُترتا نہیں ہے

رونے کی جا ہے ' بس میں کسی کے نہ ہو کوئی　　ہنستا ہے میرے حال پہ صیاد کس لئے
یارب چمن میں کون سا بلبل ہوا اسیر　　سجدے ہزاروں کرتے ہیں صیاد کس لئے

بتوں کے عشق میں مجھ کو ہلاک کر ڈالا
یہ کیا مشیت پروردگار میں گزری

آئینے میں نہ تم نے منھہ دیکھا　　قدر ' محو جمال کی ہوتی
حیف میں اُن کا آئینہ نہ ہوا　　خوب ہے دیکھہ بھال کی ہوتی

اپنی نظروں میں سب اندھیر ہے بے جام شراب
دیکھوں کن آنکھوں سے ساقی میں فضا ساون کی
دونوں آنکھیں مرنے رونے میں ہیں ساون بھادوں
ایک بھادوں کی گھٹا ' ایک گھٹا ساون کی

عشق کہتے ہیں جسے وہ موت کا پیغام ہے
اونگھتے کو کچھ نہیں ہے دیر سو جاتے ہوئے
نالے پہونچے عرش پر قصر فلک ڈھاتے ہوئے
منزل مقصد پر ہم پہونچیں گے راہ شوق سے

اذیت یہ اُلفت میں حاصل ہوئی ہے　　رگ جاں ' مجھے تیغ قاتل ہوئی ہے
مجازی سے ' عشق حقیقی ملا　　ہمیں بات میں بات ' حاصل ہوئی ہے

اللہ ہمیں عشق کے پھندے سے نکالے
دم توڑتے ہیں قطع محبت نہیں ہوتی
لائی نہ اُسے کھینچ کے اک دن کشش دل
کچھ عشق مجازی کی حقیقت نہیں ہوتی

مرض ہجر میں جینے سے بہ تنگ آیا ہوں　　موت آجائے تو مشکل مری آساں ہوجائے

کچھ حال دل کا یار کے آگے نہ کہہ سکا   بھولا میں اپنا درد ، مسیحا کے سامنے

کسے عقبیٰ کا دھیان ، اے زاہد بےجوش ! آتا ہے
ہم اپنے مست رہتے ہیں ہمیں کب ہوش آتا ہے

بندہ اب ناصبور ہوتا ہے   عفو ہووے قصور ہوتا ہے
ہم ہیں مجبور آپ ہیں مختار   کہئے کس سے قصور ہوتا ہے
فکر رکھتے نہیں ہیں دیوانے   باعث غم شعور ہوتا ہے
اے "صبا" جب بہار آتی ہے   ہم کو سودا ضرور ہوتا ہے

فصل گل کے آتے ہو جاتی ہے وحشت کیسی

یوں ہی اُڑا کریں گے گریباں کی دھجیاں   جب تک کہ ہاتھ دامن جاناں سے دور ہے

اُفتادگی سے خاک سر اپنا اُٹھائیے   ممکن نہیں کہ نقش کف پا اُٹھائیے
جی چاہتا ہے جان پہ اب کھیل بیٹھئے   کب تک فراق یار کے ایذا اُٹھائیے
ہمت خدا جو دے تو محبت کا لطف ہے   کیا بات ہے جو ناز کسی کا اُٹھائیے
ہے سخت بار منت ابنائے روزگار   احسان اے "صبا" نہ کسی کا اُٹھائیے

بجلی گرے نہ خرمن ہستئ غیر پر   اُمید اُٹھ گئی دل پر اضطراب سے
قید الم میں باعث قید حیات تھی   نکلی بدن سے جان تو چھوٹی عذاب سے
وہ رند ہیں کہ غم نہیں روز شمار کا   باہر ہے یہ حساب ہمارے حساب سے

میں جانتا ہوں عشق مجازی کی حقیقت
معراج ہے بندے کو ملاقات تمہاری

ہمارے نالوں نے خلقت کی نیند کھوئی ہے   مگر تجھے خبر اے بےخبر نہیں ہوتی
اُمید زیست کسے ہے فراق جاناں میں   نہ ہو اگر شب غم کی سحر نہیں ہوتی
درازئ شب تار لحد ، معاذاللہ   بغیر صبح قیامت سحر نہیں ہوتی
نہیں ہے اہل ہوس کے لئے حلاوت عشق   نصیب مور و مگس یہ شکر نہیں ہوتی

هوا ہے بیٹھ کے پہلو میں جان کا دشمن
بغل میں کیوں دل خانہ خراب رہتا ہے
خدا بُرا کرے تاثیر عشق کامل کا
مری طرح سے انہیں اضطراب رہتا ہے

بلائے طول شب ہجر ہی نہیں کٹتی — دعائیں مانگتا ہوں شام سے سحر کے لئے
خط اُن کا لے کے پڑھا پیچھے ہم نے سر نامہ — بڑھا کے ہاتھ قدم پہلے نامہ بر کے لئے
اُتر کے یار نے کوٹھے سے حال دل پوچھا — مسیح چرخ سے آیا مری خبر کے لئے

ہزار بار بہار آئی لیکن اے صیاد — نگاہ ہم طرف بوستاں اُٹھا نہ سکے
سنیں جو یار کی باتیں غش آگیا ہم کو — یہ ناتواں تھے کہ لطف بیاں اُٹھا نہ سکے

مجھے دید رخ کی اجازت ہوئی — خدا ساز اے بت یہ صورت ہوئی
غضب ہے خدائی کا دعوی کریں — بتوں کی بھی اتنی حقیقت ہوئی
نہ سمجھا وہ بت خاک ' حق وفا — " صبا " مفت برباد محنت ہوئی

دین و دنیا کا نہیں ہوش تری الفت میں
اب تو کچھ اور ہی عالم مری جاں رہتا ہے
شمع رو یار سے پروانہ صفت ملتا ہوں
جان کا ہوش ' محبت میں کہاں رہتا ہے

ہو رہے ہیں ظلم ہفت افلاک کے — امتحاں ہیں ایک مشت خاک کے
عاشقوں سے یہ حجاب اچھا نہیں — بیچ سے پردا اوٹھا افلاک کے
آدمی دعوی اناالحق کا کرے — ولولے دیکھو تو مشت خاک کے

ہوگیا ثابت اناالحق سے ہمیں منصور کے
اس عدالت میں سدا ' دعوائے باطل چاہئے

ہم فقیر عشق ہیں تو بادشاہ حسن ہے
بستر اپنا ترے در کے مقابل چاہئے

چاہئے ، ظاہر میں کچھ، پردہ میان حسن و عشق
قیس کو عریاں ، تنِ لیلیٰ کو محمل چاہئے

زندگی کا کچھ بھروسا درد فرقت میں نہیں
دم نکل جائے انہیں آہوں کے شامل ، چاہئے

بحر ہستی کی ''صبا'' ہر موج طوفاں خیز ہے
عقل کامل نا خدائے کشتئ دل چاہئے

اثر ایسا کہاں سے نالۂ شبگیر میں آئے
کہ جس سے فرق جور آسماں پیر میں آئے

لکھوں کیوں کر میں حال درد دل لکھا نہیں جاتا
حقیقت میں یہ مضمون کس طرح تحریر میں آئے

زمیں خراب رہے ، آسماں تباہ رہے
نشاں سدا نہیں رہتا ہے نام رہتا ہے

یہ وہ زمانہ ہے ہرگز خبر نہ لے کوئی
تمام عمر جو یوسف اسیر چاہ رہے

چھپا نہ حال شہادت ہمارا اے قاتل
دہاں زخم لب گور تک گواہ رہے

مجال تھی جو کوئی روکتا زمانے میں
ہم اپنے دم سے ''صبا'' تیغ بے پناہ رہے

تپ فراق سے بچ جائیں گے تو جانیں گے
کچھ اور زندگی مستعار باقی ہے

ہے ایک سا چمن حسن یار ، برسوں سے
خدا کی شان ہے اب تک بہار باقی ہے

شب فراق میں تا صبح دیکھئے کیا ہو
ابھی تو رات ، دل بے قرار باقی ہے

پردہ رہ جائے '' صبا '' ہم سے گنہ گاروں کا
حشر کو سایۂ داماں محمد مل جائے

کیا کیا ان انکھوں سے نہیں دیکھا ہے اے ''صبا''
کیا کیا ابھی دکھاتی ہے تقدیر دیکھئے

کام جتنے ہیں وہ موقوف مقدر پر ہیں
بات رہ جائے جو مطلب سے زباں دور رہے
کیا ہوا دور رہا میں جو تمہارے دل سے
میرے دل سے تو نہ تم اے مری جاں دور رہے

جو دیکھے گا اس کو وہ اسی کی سی کہے گا — تیرا کوئی، اے دل؛ نہ یہاں ہے نہ وہاں ہے
احوال مذاہب سے یہ ثابت ہوا ہم کو — اک بات ہے جس کا کئی صورت سے بیاں ہے
چھپتی نہیں اے یار بنائی ہوئی باتیں — جو حال ہے دل کا ترے چہرے سے عیاں ہے

پچھتائے گا توڑا جو مرے کعبۂ دل کو — کچھ خیر ہے! اس وقت تو اے یار؛ کہاں ہے

ترک کر بہر خدا لفظ انا اے منصور — ایک ہی بات کا رہ رہ کے بیاں کیا معنی
کس طرف دھیان ہے اپنی تو خبر لے اے دل — اس قدر محو تماشائے جہاں کیا معنی

اے دل؛ شراب پیجئے دن ہیں شباب کے — قربان واعظوں کے عذاب و ثواب کے
سیماب وار، عشق میں ہم بے قرار ہیں — قابو میں روح ہے دل پر اضطراب کے
جوش و خروش عالم پیری نے کھو دیا — ہے ہے کہاں سے لائیے وہ دن شباب کے

ہم وہ مے کش ہیں کہ ساغر جو ہمارا توڑا — محتسب کے لئے قاضی کا پیادا لائے

وہ دھقاں ہوں جس جا لگاتا ہوں خرمن — وہیں آکے چکر لگاتی ہے بجلی
ہنسی ہوگئی ہم سے جو کی بحث گریہ — عبث ابر کو گد گداتی ہے بجلی

یہ ٹکرایا سر اپنا ان کے در سے — کہ سر پکڑے ہوئے نکلے وہ گھر سے
خدا یا حشر کو رسوا نہ کرنا — کہے رکھتا ہے بندہ پیشتر سے
بشر غافل ہے دنیا میں اجل سے — اجل غافل نہیں ہرگز بشر سے

کہتے ہیں لوگ نقش قدم ان کا دیکھ کر
اس ڈانک پر جڑا ہوا دل کا نگیں رہے
اے قیس پیرہن کو نہ یوں چاک چاک کر
کچھ تو حجاب لیلئی پردہ نشیں رہے

ہم تو کعبے کی طرف محو مناجات رہے
کعبۂ دل میں نہاں قبلۂ حاجات رہے
غیر ممکن ہے کہ صبح شب فرقت دیکھیں
خاتمہ ہے کوئی دو چار گھڑی رات رہے
جھونک دے مجھ سے بلا نوش کو خم کے منھ میں
بول بالا ترا اے پیر خرابات رہے

ہم بھی ضرور کہتے کسی کام کے لئے — فرصت نہ آسماں کو ملی اپنے کام سے
خود آے کچھ غرض ہو اگر بادشاہ کو — اُٹھے گا یہ فقیر نہ اپنے مقام سے
غیروں نے آستان صنم سے اٹھا دیا — ٹکرائیں چل کے سر در بیت الحرام سے

تیرا دامن اے بت گل پیرہن اور دست غیر
دونوں ہاتھوں سے گریباں اپنا پھاڑا چاہئے
کم نہیں اے دل متاع حسن سے حسن کمال
چشم یوسف سے خریداروں کو تاڑا چاہئے
تیرے آگے جیب و دامن کی حقیقت اے جنوں
دامن محشر بھی ہاتھ آئے تو پھاڑا چاہئے

مار ڈالا منھ چھپا کر آپ نے — موت کس پردے میں آئی دیکھئے
داغ دل تارا ہے چشم مہر کا — عشق کی جلوہ نمائی دیکھئے
مر گئے لیکن نہ راز دل کھلا — آہ بھی لب تک نہ آئی دیکھئے
وہ نہ آنا تھا نہ آئے اے ''صبا'' — رفتہ رفتہ موت آئی دیکھئے

سجدے ہوتے ہیں کسے او غافل — کون معبود ہے کیا ہوتا ہے

داغ چمکا چلی نسیم بہار   یہ ہوا میں چراغ کس کا ہے
ناصحا! مغز کیوں پھراتا ہے   چل! ترا سا دماغ کس کا ہے
ماہرو اور بھی ہیں دنیا میں   یوں فلک پر دماغ کس کا ہے

کبھی نہ قدر ہوئی یہ ملال لے کے چلے
لحد میں ساتھ ہم اپنا کمال لے کے چلے
بتوں سے حشر کے دن خیر اب سمجھ لیں گے
خدا گواہ ہے دل کا جو حال لے کے چلے

بہار آے ، الہی ، چمن ، پری ہو جائے   یہ زرد زرد دھراک شے ہری ہری ہوجائے
کبھی نہ آئینۂ دل کا تمہیں دکھاؤں گا   تم ایک ہو کہیں صورت نہ دوسری ہوجائے

وہ بت نہیں ہے اور آنکھوں میں جان آئی ہے
خدا دکھائے تو دیدار آخری ہو جائے
چڑھا جو دار پہ منصور یہ اشارہ تھا
قدم زمیں پہ نہ رکھے جو خود سری ہو جائے

تجھ سے خالی ترے رہنے کا مکاں ہوتا ہے   حسرت دید نہ پوچھو شب تنہائی کی

واعظوں سے کوئی تعریف سنے حوروں کی
مسجدوں میں تو قیامت کا بیاں ہوتا ہے
دوش احباب پہ جاتا ہے جنازہ پس مرگ
یہ وہ بیڑا ہے کہ ہاتھوں پہ رواں ہوتا ہے

پھر دعائے وصل نمازیں پڑھا کئے   اللہ سے جھکے بت مغرور کے لئے
ہلتا ہے عرش نالۂ بے اختیار سے   اتنی تو بات ہے دل مجبور کے لئے
کشتے، پری خوں کے، وہ عاشق مزاج تھے   جنت میں جا کے لوٹ گئے حور کے لئے

جب تک نہ جلوں، جان کو آرام نہیں ہے
پروانہ ہوں جلنے کے سوا کام نہیں ہے
ظالم ہے وہ بیداد اسے کرنے سے غرض ہے
روئے کوئی، تڑپے کوئی، کچھ کام نہیں ہے
عاشق ہوں، مجھے کوچۂ جاناں سے غرض ہے
واعظ تری جنت سے مجھے کام نہیں ہے
عاشق ہوں میں، بے تابئی دل، کام ہے مرا
جب تک نہ میں تڑپوں مجھے آرام نہیں ہے
شبنم کی طرح ہم ہیں "صبا" باغ جہاں میں
رونے کے سوا اور ہمیں کچھ کام نہیں ہے

آنکھ لڑتے ہی ہوئے آپ کے تیور میلے
دیکھئے کر گئی گھونگھٹ صف مژگاں ہم سے
پھر چلے دامن صحرا کی طرف، آئی بہار
پھر ہوا جوش جنوں دست و گریباں ہم سے

مر گئے عاشق نالاں تو کہا اس بت نے
سو گئے فتنۂ محشر کے جگانے والے
کوچۂ عشق کی راہیں کوئی ہم سے پوچھے
خضر کیا جانیں غریب اگلے زمانے والے

چومتا ہے بت کو کس پردے میں شیخ
سنگ اسود بھی تو آخر سنگ ہے
جان لے کر خاک پہونچیں ہم غریب
شہر دل کا سیکڑوں فرسنگ ہے
بلبلیں گل پر فدا، ہم یار پر
اے "صبا" یہ اپنا اپنا رنگ ہے

نزع میں سن لو وصیت عاشق رنجور سے
پاس آو! کیا تماشا دیکھتے ہو دور سے؟

خانۂ دل ترے تصور سے
لا مکاں کا جواب ہوتا ہے
کیا مرا ساتھ دے گا گردش میں
آسماں کیوں خراب ہوتا ہے

رھنے دےگی نہ قفس میں مری فریاد مجھے
مار ڈالےگا گلا گھونٹ کے صیاد مجھے

بات رکھ لی دل ناکام نے مرتے مرتے قالب گور زباں پر نہ شکایت آئی

ترے لب لعل گوں کا بوسہ وہ لے! اے بت، جسے خدا دے
اس شوخ کو کھینچتا ہوا، لا! اے جذبۂ دل اثر دکھا دے

آے نہ آے دم کا کسے اعتبار ہے نا پائیدار زندگئی مستعار ہے
جو حال دیکھتا ہے، وہ کہتا پیام بر آئیں نہ آئیں آگے انھیں اختیار ہے

سوجھی نہ زاھدوں کو برابر کی بات بھی
دیکھے کوئی بتوں کو حقیقت کی آنکھ سے

بے یار منھ سے خاک نہ ساغر لگائیے شیشوں کو تاک تاک کے پتھر لگائیے

منھ نہ لگئے دختر رز کے اپنے منھ پر جائیے راز کھل جائے گا شیشے کا، نہ منھ کھلوائیے

غم فراق سے دل کا یہ حال ھونا تھا جو کچھ ھوا شدنی تھا، ملال ھوتا تھا

مثنوي صیدیہ

وھی نور ہے منزل ماہ میں اُسی کا ہے سودا دل ماہ میں
اُسي کے لئے چرخ چکر میں ہے وھی ھر جگہ بحر میں، بر میں ہے
اُسی نور کا ھر جگہ ہے ظہور کہیں شمع محفل کہیں، برق طور
مآل سر و کار ھستی وہ ہے بہار چمن زار ھستی وہ ہے

(نعت)

حقیقت میں کیا رتبۂ آب و خاک مجسم ھوا نور نیروان پاک

در آب روئے یم عز و شاں گل رونق بوستان جہاں
شفیع متاع بنی کریم قسیم جسم نسیم وسیم

منقبت حضرت علی

شہ لافتا خسرو تیغ زن امیر عرب شاہ خیبر شکن

(مدح واجد علی شاہ)

منور ہے اُس سے جہان سخن کہ ہے اختر آسمان سخن
سماں روز پریوں کے گانے کا ہے سلیمان اپنے زمانے کا ہے
ترقی رہے حشمت و جاہ کی بڑھے عمر و دولت سدا شاہ کی

(صفت اتحاد نواب نامدار مع شکار)

ترقی پر ان کا زمانہ رہے عدو تیر غم کا نشانہ رہے
وہ ہاتھی تھے ابر فلک سے زیاد پیادے رواں صورت برق و باد
سواروں کے دل پیدلوں کے پرے پھریرے نشانوں کے اُڑتے ہوئے
وہ گھوڑوں کی چھل بل سواری کے ساتھ سواروں میں سب ہوشیاری کے ساتھ
وہ پر نور چہرے دمکتے ہوئے وہ ہاتھوں میں نیزے چمکتے ہوئے

(خیمہ و آرستہگی بزم)

ہزاروں سواروں کی پالیں کھڑی کئی کوس تک پلٹنیں تھیں پڑی
وہ وردي کا بجنا سر شام کا کلیجا دہلتا تھا بہرام کا
درستی وہ لشکر کی بازار کی کہ کھل جائیں آنکھیں خریدار کی

(صفت دریائے چوکا و کشتی)

وہ دریا کا عالم وہ باد مراد چلاب خضر پھرتے تھے شاد شاد

وہ دریا کہ قربان ہو کہکشاں — ملائی وہ چھوٹتی ہوئی کشتیاں
وہ ناویں کہ سب کا اترنا وہ گھاٹ — وہ لشکر کا بیڑا ، وہ دریا کا پاٹ
کنارے پہ وہ ہاتھیوں کی قطار — لب آب اترا تھا ابر بہار
وہ گھوڑوں کی پیرائیاں لا جواب — کہ دریائی گھوڑے ہوئے آب آب

(صفت شکار شیر خون خوار)

وہ جنگل بڑا جھاڑ جھنکاڑ تھا — پئے شش جہت ہر طرف آڑ تھا
وہ ہاتھی قدم بڑھ کے دھرتے چلے — درختوں کو ، مسمار کرتے چلے
ہوا ہر جگہ شیر کا احتمال — وہ جنگل کیا خوب سا پائمال
اٹھانے لگے فیل جب بوے شیر — بڑھانے لگے ہاتھیوں کو دلیر
نظر آیا اس جا پہ وہ شیر نر — چھپے آ ہوئے چرخ دیکھے اگر
زبر دست ایسا کہ ارنا بھی زیر — یہ جرات کا عالم کہ شیروں پہ شیر
جو ترک فلک دیکھ پاتا کبھی — تو برج فلک میں نہ جاتا کبھی
نظر آئے وہ شیر اگر خواب میں — تو ہاتھوں کی نبضیں غزالی چلی
ہوا سامنا شیر کا بر محل — چلے ایک ہی بار دونوں رفل
پڑیں ، خوب ہی گولیاں بلند پر — جو دل اس نے توڑا تو اس نے جگر
شکار اس طرح سے کیا شیر کا — پکارا فلک مرحبا مرحبا

ماہ

مرزا عنایت علی بیگ نام ، حاتم علی مہر کے چھوتے بھائی تھے آبائی سکونت لکھنؤ تھی ، اکبرآباد میں قیام کرلیا تھا خواجہ حیدر علی آتش کے شاگرد تھے -

معنوی خوبی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں ، اکثر اشعار کی گرمی میں آتش کا شعلہ موجود ہے ، مضامین بلند اور پر کیف ہوتے ہیں ، اکثر پامال مضامین نئے اسلوب سے بیان کرتے ہیں زبان بھی اچھی ہے ، تلامذۂ آتش میں ان کا خاص درجہ ہے -

ا

ادنیٰ میں شرف تونے یہ اعلیٰ سے نکالا   گوہر کیا اور قطرہ کو دریا سے نکالا

ایمان جانتے ہیں جسے شیخ و برہمن   بندہ ہوں دل سے اس صنم بے مثال کا
نالوں نے اپنے عرش ہلایا ہے اے صنم   اللہ ہے گواہ ہمارے ملال کا
آمد تمہاری آمد محشر سے کم نہیں   انداز چال میں ہے قیامت کی چال کا

رشتۂ زیست کے رشتے ہیں عزیزو! ورنہ   اپنا کہتے ہیں کسے؟ ہوتا ہے کیسا اپنا؟

مرتے ہیں زلف و رخ کے تصور میں آج کل   وعدہ تمام شام ہوا یا سحر ہوا
زاہد کے زہد خشک پہ رویا میں اس قدر   باعث مری نجات کا دامان تر ہوا

ہوں وہ قانع، زہر جس کو شہد و شکر ہوگیا
شکر کرکے کھالیا جو کچھ میسر ہوگیا
پیرہن سے پھوٹ نکلا یار کا جسم لطیف
حسن، شکل بوئے گل، جامے سے باہر ہوگیا
پائے بت پر جبہ سائی کا ہے پھر سودا مجھے
پھر ہدف، سنگ حوادث کا مرا سر ہوگیا
درد و غم کی ایک ہی سی پاسداری کے لئے
دل مرے پہلو میں دو ٹکڑے برابر ہوگیا

جلوہ ہے ہر صنم میں خدائے کبیر کا   واللہ حق شناس ہے مذہب فقیر کا
قید قفس سے میری رہائی محال ہے   لایا ہے آب و دانہ یہاں مجھ اسیر کا

ایک قطرہ اُس کو در بے بہا ہو جائے گا   جو قناعت کے مزے سے آشنا ہو جائے گا
آشنا بحر تو کل کا اگر یوں دل رہا   فقر کی کشتی کا بندہ ناخدا ہو جائے گا

نشہ میں یاد آئے گا پھر حسن بزم یار کا
میرا چلو، مجھ کو ساقی! جام جم ہو جائے گا

برباد میری خاک نہ کر کوئے یار سے
اس سر زمیں سے مجھ کو نہ اے آسماں ! اُٹھا
کس روز روبہ‌رو مرے آے وہ بے نقاب
آنکھوں کے سامنے سے یہ پردہ کہاں اُٹھا

———

ایک دم اور علائت ہو جائے   دل تھہرلے تو چلے جائیےگا

———

اُس مسیحا سے علاج دل شیدا نہ ہوا   یہ بھی اچھا ہوا بیمار جو اچھا نہ ہوا

———

موقع ملے ملے نہ ملے تم سے بات کا   بندہ ہوں میں بتو نگہہ التفات کا

———

میری رگ رگ میں ہے فصاد فساد سودا
ایک نشتر ہے بتا تو کہ وہ چھیڑے کیا کیا

———

رہا دیر و حرم میں ایک جلوہ اُن کی صورت کا
بتوں کا حسن ہے یا رب نمونہ تیری قدرت کا
گریباں پھاڑنے سے کب رہے دست جنوں خالی
مجھےسو دن‌میں‌ہاتھ آیا نہ‌دم‌بھر وقت فرصت کا
جگہہ بہتر نہیں دونوں جہاں میں‌کوئے دلبر سے
بیاں کرتا ہے کیوں واعظ فسانہ باغ جنت کا

———

اپنی حیات پر ہے مجھے شک حباب کا
کس درجہ ؟ بے ثبات یہ قطرہ ہے آب کا
درد جگر نے آنکھ نہ لگنے دي ایک پل
آیا خیال بھی نہ کسی وقت خواب کا
تشہیر میری نعش کو کرنا ضرور ہے
میں کشتۂ ستم ہوں کسی کے حجاب کا

———

حال کھلتا نہ قیس کے دل کا   گر اُلٹتا نہ پردہ محمل کا

کس قدر ھے قریب ملک عدم — دو قدم پر نشاں ھے منزل کا

پژمردہ کوئی گل کوئی غنچہ ھے شگفتہ — ھر وقت نیا رنگ ھے ھستی کے چمن کا

ھے اپنا دل کدورت دنیا سے پاک صاف
اس آئینے میں دخل نہیں ھے غبار کا

یار نہ سویا شب مہتاب میں — ''ماہ'' مجھے مفت کا چکر ھوا

نشانہ تیر جفا کا بنائے گا پھر کیا
یہ دل نہ ھوگا تو ظالم ستائے گا پھر کیا
مرے لہو سے کرے گا جو دست و پا رنگیں
کوئی یہ پوچھے کہ ھاتھ اُس کے آئے گا پھر کیا

جوش جنوں میں ھم نے گریباں کو پھاڑ کر
اے دشت تیرے واسطے دامن بنا لیا
کار محال سہل کیا ھم نے عشق میں
دشمن کو دوست، دوست کو دشمن بنا لیا

قسمت کے جاگنے کا دکھایا نہ خواب بھی — تاحشر ھے یہ دیدۂ بیدار سے گلا
ظالم خوشی ھیں روتے ھیں مظلوم یا خدا — بندے کو کچھ نہیں تری سرکار سے گلا

تو نے منہ پھیر کے خنجر مری گردن پہ رکھا
ذبح کرنے کا یہ انداز ھے جلاد نیا

گدا کو شاہ کیا، شاہ کو گدائی دی — کسی سے ایک قرینہ پہ آسماں نہ رھا
صفائے قلب نے اے ''ماہ'' کر دیا روشن — ھزار داغ چھپایا مگر نہاں نہ رھا

یہ کس کا نام لیتے ہیں، یہ کس کا ذکر کرتے ہیں
نہ سمجھا کوئی بھی مطلب ترے دیوانے کی بڑ کا
قفس سے جیتے جی اپنی رہائی غیر ممکن ہے
مرے نالوں سے اے بلبل دل صیاد بھی پھڑکا

مر گیا کھا کے کوہکن تیشہ   جان شیریں کا کوئی ڈر نہ کیا

لے مسیحا کل تیرا بیمار ہجر   مر گیا جھگڑا مٹا اچھا ہوا

تکیہ تقدیر پر فقیر کرے   پھینک کر ٹھیکرا گدائی کا

کہہ اے دل نالاں ترے نالوں سے ہوا کیا
وہ دل نہ ہلا عرش ہلانے سے ملا کیا
جس دل میں نہیں درد اسے لطف دوا کیا
کھٹکا نہ ہو مرنے کا تو جینے کا مزا کیا

لالۂ خود رو سے جنگل رشک گلشن ہو گیا
دامن دست جنوں گل چیں کا دامن ہو گیا
خار کا کھٹکا طریق خاکساری میں نہیں
جھک کے چلنے سے ہمارا دوست، دشمن ہو گیا

قفس میں کیا ہمیں معلوم بستا ہے جہاں کیسا
خدا جانے چمن کہتے ہیں کس کو آشیاں کیسا

ہر وقت ہے اللہ سے فریاد بتوں کی
میں یاد خدا سے کبھی غافل نہیں ہوتا
اُس بت کو میں دکھلاؤں تو اللہ کو دکھلا
واعظ تری باتوں سے میں قائل نہیں ہوتا

تپ ہجر سے مر کے صحت ہوئی   مرض میرا مجھ کو دوا ہو گیا
خدا مہرباں ہے تو کچھ غم نہیں   وہ بت خوش رہے گر خفا ہو گیا
لڑی آنکھ اور دل کے جھگڑے مٹے   نگاہوں میں سب فیصلا ہو گیا

مہتاب پر گماں ہے ہمیں آفتاب کا   غصے نے روئے یار کو کیا لال کر دیا

تم خفا ہو کے ہم کو چھوڑ چلے   اب اجل سے ہے سامنا اپنا

میرے قابو سے گیا، یار کے بس میں آیا
دل ناداں نے کیا کام یہ دانائی کا
جان و دل عشق میں دونوں کو جو کھو بیٹھا ہوں
ایسے بےکس سے مزہ پوچھئے تنہائی کا

دل نا کام کا نہ کام ہوا   اور میں مفت میں تمام ہوا
میں ترے عشق میں تمام ہوا   تو نے مارا اجل کا نام ہوا
کس سے پوچھیں کہ رہروان عدم   کہاں ٹھہرے؟ کہاں مقام ہوا؟

ادا و ناز کا اُس کے کبھی جواب نہ تھا
وہ جب بھی فتنہ تھا جب عالم شباب نہ تھا

کب آنکھ لڑا کر کوئی دلبر نہیں ملتا
دیکھیں تو وہ کس طرح سے مل کر نہیں ملتا

وصل ہوگا کہ ابھی ہجر میں رونا ہوگا
ہو رہے گا میری قسمت میں جو ہونا ہوگا
جاگنا ہجر کا بھولیں گی اسی شب، آنکھیں
جب ترے ساتھ میسر مجھے سونا ہوگا
ازل سے غم ہے فدا مجھ پہ، میں فدا غم پر
جو نا پسند تھا سب کو مجھے پسند ہوا!

نہ آئینہ سکندر کا نہ ایسا جام ہے جم کا
نظر آتا ہے اس دل میں تماشا دونوں عالم کا

خوب انصاف کیا داور محشر تو نے
بڑھ کے اُس قد سے قیامت کو بھی چلنے نہ دیا

بندشوں سے گل مضموں کی ہی کیا تازہ بہار
میرا ہر شعر ہے اس سہرے کا گویا سہرا

ماہ! تاروں کا گوندہ لا سہرا نئے دولہ کا ہو نیا سہرا

زانوئے یار سے اُٹھتا ہي نہیں سر اپنا آج کل کیسا نصیبا ہے سکندر اپنا
خانہ بربادوں سے پوچھو نہیں منزل کا پتا ہم جہاں بیٹھ گئے وہ ہی ہوا گھر اپنا

ب

سمجھے نہیں سوال ہے کیا اور کیا جواب
یاروں نے سیدھی بات کا اُلٹا دیا جواب

قہر و غضب تھا نامۂ شوقیہ کا جواب
قسمت کا جو لکھا تھا سو اُس نے دیا جواب

مشتاق ہوں جنون کے طرز کلام کا
مجھ کو تو اُن کی چھیڑ سے ہے مدعا جواب

عیسیٰ سے کیا علاج ہو بیمار، عشق کا
یہ وہ مریض ہے کہ جسے دے خدا جواب

لکھا ہے شوق وصل میں یہ نامہ یار کو
مجھ کو جدا جواب ہو' دل کو جدا جواب

کچھ حال دل کا آنکھیں دکھا کر نہ پوچھئے
بندہ نواز مجھ کو نہیں سوجھتا جواب

توڑ کر گل کو اُجاڑا آشیان عندلیب
کھو دیا صیاد و گل چیں نے نشان عندلیب

گلشن آرائے جہاں نے و اے قسمت، یا نصیب
گوش گل اُس کو دیا، مجھ کو زبان عندلیب
تا چمن کنج قفس سے تو اُڑا لے جا مجھے
بہر گل، یہ مرغ جاں ہے ارمغان عندلیب

سر رشتہ ہے کیا محکمۂ عشق کا ابتر
آئیں سے یہاں کام نہ دستور سے مطلب

ت

دن بھر پہاڑ کاٹ کے کہتا تھا کوہکن
ہر سنگ میرے سینے پہ تھا سل تمام رات
اے شمع تو اکیلے جلےگی نہ بزم میں
پروانے ہوںگے رونق محفل تمام رات

فراق یار میں ایسی بڑھی ہماری رات
دعائے صبح قیامت تھی ہم کو ساری رات
چڑھا کے داؤں پہ آغوش میں لیا اُن کو
ہنر سے شیشہ میں ہم نے پری اُتاری رات

سر لے کے ہم نے مول لئے درد سر بہت
تھوڑے سے فایدے میں اُٹھائے ضرر بہت
شاید جواب خط میں لکھا ہے جواب صاف
آتا ہے بد حواس میرا نامہ بر بہت
کچھ احتیاج خضر نہیں تیری راہ میں
مجھ کو ہے جذب شوق مرا راہبر بہت
جراح فکر بخیہ و مرہم کہاں تلک
دامن دراز ہے مرا زخم جگر بہت

وصل کی شب سر نہ پائے یار سے سرکا مرا
یوں ادا میں نے کیا ہے سجدۂ شکرانہ رات
سوزش دل سے مرے رکھتا اگر کچھ بھی خبر
شمع لےکر ڈھونڈھتا پھرتا مجھے پروانہ رات

ہر امر میں بہتر نہیں انکار پہ انکار
ان باتوں میں ہو جاتی ہے تکرار کی صورت
آنکھیں کہے دیتی ہیں وہ لاکھ زباں بند
پردے سے بھی چھپتی نہیں مےخوار کی صورت

یہ قصد ہے دیکھے تری رحمت کا تماشا
بندہ بھی جو حاضر ہو گنہگار کی صورت

صبح ہوتی ہے، نہ ہوتی ہے شب ہجر، تمام
دن قیامت کا ہے کیا میرے خدا آج کی رات
بت تازہ کوئی کیا دیر میں شب باش ہوا
طرف قبلہ نہیں قبلہ نما آج کی رات

ث

نزع کے عالم میں ہے قصد عیادت بےجا
جاں سے ہم جاتے ہیں اُس وقت تم آتے ہو عبث

ج

یہ دیکھتے ہی دیکھتے ناسور ہوگئے — اب کیا ہو اپنے دیدۂ خوں بار کا علاج
تازیست جس کو اپنی رہائی سے یاس ہو — صیاد کیا ہے ایسے گرفتار کا علاج

خاموش ہم ہیں مجمع اہل سخن میں آج
گویا زباں نہیں ہے ہمارے دہن میں آج
آتی ہیں ہچکیاں مجھے آتی ہیں ہچکیاں
چرچا ہے مجھ غریب کا اہل وطن میں آج

ح

پیک اجل کو بھیجئے یا آپ آئیے — جھگڑا ہمارا کیجئے فیصل کسی طرح

خ

دن جو آنے کے ہیں پورا مہ کامل ہے وہ رخ
چاندنی پھیلی ہے اب دید کے قابل ہے وہ رخ

د

نسبت نہیں بہشت کو کچھ کوئے یار سے
یاں کی زمیں پسند ہمیں آسماں پسند
شکوے کے بدلے سجدۂ شکرانہ کیجئے
بے مہر یاں ہیں تیری مجھے مہرباں پسند
پیرا یہ چاک جیب کا گل نے اڑا لیا
مرغ چمن کو ہے مرا طرز فغاں پسند

ذ

اب تک مزا ہے مرغ چمن کی زبان پر   کس درجہ تھی حکایت شور فغاں لذیذ

ر

آمد فصل بہاری ہے چمن میں صیاد   توڑ ڈالیں نہ قفس، مرغ چمن، مار کے پر

ہو عشق صنم اس دل دلگیر سے باہر
بت خانہ بنے کعبے کی تعمیر سے باہر
ہے نور کا عالم تری تصویر سے باہر
یہ قدرت اللہ ہے تحریر سے باہر
گلزار میں ہر گل کا گریبان پھٹتا ہے
نالہ مرا، بلبل! نہیں تاثیر سے باہر

بندش کا مزا جس میں، نہ کچھ لطف زباں ہو
وہ شعر ہے تقریر سے، تحریر سے باہر
خط لکھنا مرا اور نہ اُس شوخ کا پڑھنا
یہ دونوں ہیں تحریر سے تقریر سے باہر

لیلیٰ! اسے اک گام ہے منزل کے برابر
کیوں قیس کو دوڑاتی ہے محمل کے برابر
خالی نہیں زخموں سے جگر تل کے برابر
ناسور ہیں سینے میں کئی دل کے برابر

کیفیت دل اور ہے احوال جگر اور
ایک درد کی صورت ہے اِدھر اور اُدھر اور
شاہوں کو فقیروں پہ شرف ہو نہیں سکتا
ہاں عزت ذاتی ہے جدا عزت زر اور

اپنی چشم شرمگیں میں دیکھئے کیف شراب
آنکھ کے پردے میں ہے مستی کا پردا ایک اور
ایک دن نابود ہے دنیا میں جو موجود ہے
بزم ہستی میں قیامت ہے تماشا ایک اور

قائل خلق نظر آتا ہے ہر ایک حسین
ان دنوں قہر کا عالم ہے طرح داروں پر
مےکدے پر نہیں چھائی ہے یہ گھنگھور گھٹا
رحمت اللہ کی نازل ہے یہ مےخواروں پر

پاس ادب کو دل نے کیا انتہا سے دور
للہ پھر کہو مجھے ناز و ادا سے دور
دیکھیں حضور! طالب دیدار آپ کے
دیوار سے کھڑے ہیں وہ دولت‌سرا سے دور
اُس کے کرم سے منزل مقصد ہے سامنے
گو ہے در قبول، ہماری دعا سے دور

ز

گل ہنس پڑے تو غنچوں کے منہ بند ہوگئے
بلبل نہ سننے پائی تو باد صبا کا راز
ہیں مرگ و زیست عاشق مہجور کے خراب
یاں ابتدا کے راز میں ہے انتہا کا راز
دو روزہ زندگانی ہے مرنے کے واسطے
ہستی کی صورتوں سے عیاں ہے فنا کا راز

ش

ہم میکدے میں، دیر و حرم میں خراب ہیں
در در پھرا رہی ہے در یار کی تلاش
جھگڑا پڑے گا معرکۂ حشر میں ضرور
یارب! ہوئی جو مجھ سے گنہ‌گار کی تلاش

کیا کیا نہیں حسینوں کے نقش و نگار خوش
میں ان بتوں سے خوش مرا پروردگار خوش

ص

تو سلامت رہے او تیغ نگاہ ہوگی آساں مری مشکل مخصوص

ط

وعدہ تمھارا جھوٹ ہے قول و قسم غلط سمجھے تھے جو کچھ آپ کو سمجھے وہ ہم غلط
مطلب سرور کا خط ساغر میں ہے رقم ساقی! پلا شراب کہ ہوجائے غم غلط

اے "ماہ" آپ دیر سے کعبے چلے تو ہیں
ایسا نہ ہو' کرو کہیں یاد صنم غلط

غ

فلک نے روز اول یہ دیا داغ — نہیں ہے "ماہ" کے دل پر نیا داغ
نہ دینا عشق بت کا یا خدا داغ — دل شیخ و برہمن کیا ' کسی کو

ف

آنکھوں میں سمائے ہو ہر اک دل میں بسے ہو
کیا کیا ہیں تمہارے لئے پردے کے مکاں صاف

ق

دل گیا پہلو سے ' جاں تن سے ہے جانے والی
بیٹھے اُٹھے کہو اب کس کے سہارے عاشق

ک

گلہ صیاد کا کیجے کہاں تک — بچھایا دام میرے آشیاں تک
نہ پہونچا بام تک اُس کے صد افسوس — کبھی جاتا تھا نالہ آسماں تک
تمہاری دوستی میں بندہ پرور — ہوئے دشمن ہمارے مہرباں تک

جب میں کہتا ہوں کہ اب جان مری جاتی ہے — ہائے کس ناز سے کہتا ہے وہ اچھا کب تک

سننے کی حکایت ہے نہ قصہ نہ کہانی — حال دل مضطر کہوں ہر بار کہاں تک
ڈرتا ہوں شب وصل نہ باتوں میں سحر ہو — اقرار کے پردے میں یہ انکار کہاں تک

آئیے تو میری قبر کو ٹھکراتے جائیے
روز وصال سے یہاں سوتے ہیں ہم الگ

کیوں شیخ و برہمن ترے قائل نہ ہوں کریم
ان پر جدا ہے لطف، تو ان پر کرم الگ

دو صورتیں بنائی ہیں تیرے بگاڑنے
شادی الگ ہے غیر کو، مجھ کو ہے غم الگ

ل

ظاہر نگاہ شوق سے تیور ہیں پیار کے
اب کس طرح سے راز محبت چھپائے دل

دم بھر میں چشم تر سے، لہو ہوکے بہ گیا
دیکھا کیا میں آنکھ سے یہ ماجرائے دل

یہ دولہن وہ ہے گلے مل کے جو گردن کاٹے
خون بسمل ہے اسی تیغ کا سہرا قاتل

زہر کی آب ہے، جوہر ہیں ستم کے اس میں
پانی مانگے نہ ترے تیغ کا مارا قاتل

م

کوہ کن ہی کو مبارک رہے یہ کوہ کنی
اے پری رو! آے عاشق ہیں کہ مزدور ہیں ہم

کیا سمجھ کر رخ پر نور چھپایا ہم سے
نہ تو موسیٰ ہیں، نہ جلنے کے لئے طور ہیں ہم

اٹھے اگر تو مٹ کے اٹھے اپنی جاں سے ہم
کوچے میں تیرے، بیٹھ گئے نقش پا سے ہم

اپنی نصیب کا ہمیں ملتا ہے بے طلب
امداد چاہیں کس لئے دست دعا سے ہم

فرقت کی رات دن نے تو اندھیر کر دیا
ڈھونڈھیں شب وصال کو شمع سحر سے ہم

باغ عالم میں وہ بلبل ہوں کہ نالے میرے
مرغ بسمل دل صیاد کو کر دیتے ہیں

اپنا اپنا ہے یہ مقسوم کہ قسام ازل
ایک کو خاک، نہیں ایک کو زر دیتے ہیں

پانوں مقتل سے ہمارے نہ ہٹیں گے، قاتل
مرد وہ ہوتے ہیں جو بات پہ سر دیتے ہیں

شکیب صبر نہیں دل کو اب قرار نہیں — کسی پہ جبر کریں ہم، یہ اختیار نہیں
سحر ہوئی تو سحر ہوگئی قیامت کی — درازئ شب ہجراں کو اختیار نہیں

طوق گردن میں رہے پانوں رہیں زنجیر میں
سلسلہ وحشت کا یوں لکھا مری تقدیر میں
ہجر جاناں میں ہوئی ہے زندگی ایسی وبال
دم نکلتا ہے ہمارا، موت کی تاخیر میں

وصل میں اُس سے لپٹ کر میری یہ صورت ہوئی
جڑ دیا ہو آئینہ جیسے کسی تصویر میں

جلنے مرنے کو جو اس دار فنا میں آئے
شمع ساں وہ نہیں پروائے کفن رکھتے ہیں
طاق مے خانہ بھویں، شیشے، نشیلی آنکھیں
خوب، صورت یہ حسیں توبہ شکن رکھتے ہیں

بزم جہاں کے عیش پہ ہم کو نظر نہیں — آنکھوں میں اپنے بادۂ غم کے سرور ہیں
صحبت کا کچھ، مزا نہ رہا تیری بزم میں — جو پاس بیٹھتے تھے وہ اب دوردور ہیں

نیرنگیوں سے گلشن ہستی کی، یہ کھلا — گل چین باغ، کوئی بجز باغباں نہیں
جور فلک سے بچ کے کہو جائیں ہم کہاں — وہ کون سی زمیں ہے جہاں آسماں نہیں

بے واسطہ زمیں کی بھی مٹی خراب کی — یاروں نے کیوں رکھا مرا مردہ مزار میں
اے جذب شوق! تیری جگہ دل میں چاہئے — ہر وقت دل ربا ہے ہمارے کنار میں

مثال نقش قدم خاکسار ہم بھی ہیں — جو بیٹھ کر نہ اُٹھے وہ غبار ہم بھی ہیں
تمہارا وعدۂ دیدار حشر پر ٹھہرا — قیامت آنے کے اُمیدوار ہم بھی ہیں

یہ خلش روز کی ہر دم کا خلل جائے کہیں
دم نکلتا ہے اگر تن سے نکل جائے کہیں

وہ جو بگڑا تو مری جان پہ بن جائےگی
دل نہیں ہے جو سنبھالے سے سنبھل جائے کہیں
ضبط فریاد نے کیا اپنا گلا گھونٹا ہے
دم نکل جائے جو اُف منہ سے نکل جائے کہیں

التفات ان کا ہے عاشق کو غضب کا سامنا
شان ہے قہر الٰہی کی بتوں کی پیار میں
اس طرح ہر دم خیال یار رہتا ہے مجھے
زندگی کا سوچ ہو جیسا دل بیمار میں

درد شب فرقت سے نہیں زیست کی اُمید
کس طرح سے ہوتی ہے بسر، دیکھ رہے ہیں
جو کچھ کہ نہ دیکھا تھا ان آنکھوں نے وہ دیکھا
دریا سے رواں دیدۂ تر دیکھ رہے ہیں
اُس بت کو خدایا نظر بد سے بچانا
سب کافر و دیں‌دار اُدھر دیکھ رہے ہیں

درد و غم رنج و الم، سب خوب، ہیں حسرت دل ایک تو اچھی نہیں
قلقل مینا سے مستی کیوں نہ ہو کب صدائے خوش گلو اچھی نہیں
جوش گریہ سے ہوئیں آنکھیں سفید عاشقی میں آبرو اچھی نہیں

رات گھٹتی نہیں اندھیرے بڑھتا جاتا یا الٰہی شب فرقت کی سحر ہے کہ نہیں

و

جہاں میں حشر کے دن تک کبھی سحر بھی نہ ہو
طوالت شب ہجراں جو مختصر بھی نہ ہو
ہمارے نالۂ دل کی بھی کچھ سنی تاثیر
جو پہونچے کان تک اُن کے تو کچھ اثر بھی نہ ہو

مسافران عدم کو ہے کیا کڑی منزل
نہ گذریں جان سے تو راہ میں گزر بھی نہ ہو

جہاں میں ہوتی ہے شہرت سخی کی سائل سے
کریم تو ہے تو پورا مرا سوال بھی ہو
بتوں کو سجدہ کریں، شیخ بھی خدا سمجھیں
جو اُن کو بندہ نوازی کا کچھ خیال بھی ہو

دشمنی زیست سے ہو موت سے پیارا نہ ہو
اے پری تجھ پہ جو شیدا ہو وہ دیوانہ ہو
دور ساغر سے نہ خالی کوئی مے خانہ ہو
شیشۂ مے کبھی ٹوٹے بھی تو پیمانہ ہو
تیرے سودائی کو سمجھاتا ہے، مجھ کو ڈر ہے
بکتے بکتے کہیں ناصح بھی نہ دیوانہ ہو

عدم کے جانے والے ہائے کس حسرت سے کہتے ہیں
اکیلا چھوڑے جاتی ہیں کہاں روح رواں ہم کو

دیر و کعبہ میں نظر آتا ہے جلوہ تیرا
ایک ہوں کافر و دیں دار تو کیا اچھا ہو
آؤ بے تابئ دل کا مرے نقشا دیکھو
منھ کو آیا ہے تڑپ کر یہ کلیجا دیکھو
وصل کی رات لپٹ کر مجھے سو رہنے دو
حشر لائے نہ کہیں وعدۂ فردا دیکھو

کس کو ہے یقیں وعدۂ فردا بھی وفا ہو
مر جاؤں کہ زندہ رہوں کل دیکھئے کیا ہو
پتھر سے بھی بدتر ہے دل سخت جہاں میں
بے رحم ہے کس کام کا بت ہو کہ خدا ہو

اک عید ھے وہ دن بھی جو قسمت مجھے دکھلائے
قاتل تری شمشیر ھو اور میرا گلا ھو

اس وقت بے سبب وہ مجھے کوستے نہیں
پہونچی در قبول پہ میری دعا نہ ھو

تیرا تصور دل میں کر کے وصل کا خواھاں ھوتا ھوں
شکل یہ میں نے ڈھونڈھی ھے اب ھجر میں جی بہلانے کو

مجھے بےتابئی دل کھینچ لائی آپ کے در تک
خطا ھے دوسرے کی اور تہمت مجھ پہ دھرتے ھو
کوئی مردہ کبھی زندہ کیا تو نام سے اُس کے
مسیحا سے ذرا پوچھو کہ تم دم کس کا بھرتے ھو

قسمت سے اپنے ایسا موافق زمانہ ھو
میری جبیں ھو اور ترا آستانہ ھو

موت بہتر ھے مجھے جینے سے ھجر یار میں
جان دینا سہل ھے، آساں مری مشکل تو ھو
اے حسینو! حسن میں کچھ، تو ملاحت چاھئے
گورے گورے عارضوں پر عارضی اک تل تو ھو

یارب، چمن میں ھر گل و بلبل کی خیر ھو
صیاد کو ھے ربط بہت باغباں کے ساتھہ
ملتی ھے مجھ کو دختر رز بے طلب کئے
جاتا ھوں میکدے کو جو پیر مغاں کے ساتھہ
اشکوں کے ساتھ، آتے ھیں آنکھوں سے لخت دل
لالے کے پھول بہتے ھیں آب رواں کے ساتھہ
پا در رکاب ھستی میں بھر سفر رھوں
جانا ھے ایک دن مجھے عمر رواں کے ساتھہ

جام جم جس کا نام رکھا ہے اپنا ہی ساغر شراب ہے وہ
گردش چشم یار ہے یا رب یا زمانے کا انقلاب ہے وہ
بت پرستی حرم سے نکلی ہے جو گنہہ اس میں ہو ثواب ہے وہ
بحر ہستی میں جو اُبھر کے چلا بےنشاں صورت حباب ہے وہ

قطع اُمید شفا مجھ سے ہی بیمار کی ہے
کہتے ہیں موت دوا عشق کے آزار کی ہے
شدت ضعف سے بستر پہ پڑے ہیں مجبور
سر اُٹھانے کی نہ طاقت ہے نہ گفتار کی ہے
دم نکلتا ہے مرا ایک بت کافر پر
پھانسی گردن میں مرے رشتۂ زنار کی ہے

جیتے جی غافل نہ ہو انساں قضا سے چاہئے
انتہا کی فکر کرنا ابتدا سے چاہئے
میں مریض عشق ہوں اچھا ہے مر جانا مرا
موت کا طالب رہوں دست شفا سے چاہئے

صبح شب وصال قیامت اُٹھائے گا
خاموش بیٹھنا ترا شرما کے سامنے
میں بھی چلوں گا تیری سواری کے ساتھہ ساتھہ
مجنوں رواں ہے ناقۂ لیلیٰ کے سامنے

خواب میں بھی شکل جاناں اب نظر آتی نہیں
اپنے دشمن ہوگئے ہیں دیدۂ بیدار بھی

مجھہ رند بادہ کش کا اگر اختیار ہو
دونوں جہاں کو بخش دوں اک جام کے لئے

وہ سنگ آستاں، یہ جبین نیاز ہو
ہم کو نصیب ایسے مقدر کہاں ہوئے

کیا حال پوچھتے ہو ہمارے ملال کا
ٹھہرا جو دل تو آنکھوں سے آنسو رواں ہوئے

خودی کیا بتوں میں سمائی ہوئی ہے
سمجھتے ہیں اپنی خدائی ہوئی ہے
لگا کہنے گنج شہیداں میں قاتل
یہ بستی ہماری بسائی ہوئی ہے
بھلا ہم کو چین جبیں سے تمہارے
بگڑنے کی صورت بنائی ہوئی ہے

منزل عشق کو اس طور سے طے ہم نے کیا
ہاتھ پر کوچۂ قاتل میں لئے سر نکلے

کیا جانئے کیا ہو خط تقدیر سے پیدا
آگاہ نہیں لوح و قلم بھی شدنی سے
ہے لے لے! مگر شیشۂ دل توڑ نہ زاہد
تو بہ شکنی خوب ہے اس دل شکنی سے

دھوکے میں یا خدا کہا اے بت خطا ہوئی
سہواً ہے جو قصور بشر کا معاف ہے

شب فرقت میں رہتے ہیں یوں ہی دو دو پہر بیٹھے
جگر پکڑے ہوئے اُٹھے، کبھی دل تھام کر بیٹھے
مری چشم حقیقت بیں نہیں محتاج صورت کی
وہ پوشیدہ رہے آنکھوں سے یا پیش نظر بیٹھے

ہر صبح نیا وعدہ ہے، ہر شام نیا عذر بن بن کے بگڑتا ہے مقدر کئی دن سے

وہ طائر قفس، وہ اسیر ستم ہوں میں پھندا بندھا ہوا مرے ہر بال و پر میں ہے

نہ پوچھو! حسن کے جلوے کہاں تھے؟ بتو! دیر و حرم کس کے مکاں تھے؟

زخمی یہ دل رہے، مرا ٹکڑے جگر رہے
آنکھیں لڑیں تو یار کی سیدھی نظر رہے

موسیٰ نہیں ہوں میں، جو سنوں لن ترانیاں
اے بت! مجھے کلام تری گفتگو میں ہے
جب کچھ بنی بگڑ گئی صورت اُمید کی
کس درجہ شکل یاس، مری آرزو میں ہے

یہ شوق سجدہ تھا اُس سنگ آستاں کا ہمیں
کہ اپنے پانوں جو شل ہوتے سر کے بل جاتے

وہ مرغ گرفتار نوا سنج قفس ہوں دلچسپئی صیاد رہے جس کی فغاں سے

کیا سوجھی ہم کو مشق تصور سے دور کی
آنکھوں کے آگے پھر گئی صورت حضور کی
تم سے پری کی شکل ہے اچھی نہ حور کی
دل دے رہا ہے مجھ کو خبر دور دور کی
اچھا ہوا حرم سے نکالے گئے صنم
صورت یہی تھی شان خدا کے ظہور کی
تم سا حسین زمانہ میں اب دوسرا نہیں
اعضا ہیں سب بشر کے تو صورت ہے حور کی

یوسف کا جس میں حسن زلیخا کا عشق ہو
اُس بت کو چاہتا ہوں میں پروردگار سے
آنکھیں دکھا کے اس کو نہ چکر میں لائیے
واقف ہے ''ماہ'' گردش لیل و نہار سے

ہر سو نظر آتے ہیں مجھے مجنوں ہی مجنوں
بے پردہ کوئی صاحب محمل تو نہیں ہے

وہ حسن ہے جس حسن سے آنکھیں ہوں منور
کچھ دولت بے سود سے حاصل تو نہیں ہے

رہیں مشتاق نظارہ کہ وعدہ کی وفا ٹھہرے
تماشائے قیامت دیکھئے آنکھوں میں کیا ٹھہرے
نہ کیوں قہر الٰہی ان بتوں کی مہربانی ہو
قضائے جان عاشق جب حسینوں کی ادا ٹھہرے
برائی تم کرو مجھ سے مرے حق میں بھلائی ہو
تمہارا بے تکلف کوسنا مجھ کو دعا ٹھہرے
قدم انداز سے باہر نکالا ناز نے اُس کے
دم رفتار دل‌بر، کیا زمیں پر نقش پا ٹھہرے

جی بہلتا ہے تجھ سے ضبط فغاں
نہ ہوئی آہ بے اثر نہ ہوئی
روز افزوں تھا جوش عہد شباب
صبح پیری کی دوپہر نہ ہوئی
موت کہتے ہیں کس کو زیست ہے کیا
مجھ کو یہ فکر عمر بھر نہ ہوئی
کوئے قاتل میں جان دے کے چلے
جب کسی طرح سے گذر نہ ہوئی

کیا قیس نامراد کی مٹی خراب ہے
ہر وقت گرد بادسا محمل کے ساتھ ہے
حسرت وصال یار کی کس سے بیاں کروں
جو میری آرزو ہے مرے دل کے ساتھ ہے

حسن پرور بت کو دعوی بے نیازی کا دیا
بندہ پرور! دیکھ لی ہم نے خدائی آپ کی
آرزوئے وصل میں جینے سے بہتر موت ہے
صلح سے اچھی سمجھتا ہوں لڑائی آپ کی

جو کچھ بری بھلی ہے غرض جستجو تو ہے
پہلو میں تو نہیں ہے تری آرزو تو ہے
رو تو ہنسی خوشی سے تری آبرو تو ہے
اے چشم تر جو اشک نہیں ہے لہو تو ہے
حسرت کی جا نسیم ہے چاک قبائے گل
ورنہ ہر اک لباس میں جائے رفو تو ہے

ملبوس تنگ نے اُسے دونا کیا حسیں
تصویر یار نور کے سانچے میں ڈھل گئی

خوں رلائے ہمیں ہنسی دل کی　　آپ دیکھیں یہ دل لگی دل کی
سوز پروانہ اس پہ روشن ہے　　شمع سے پوچھئے لگی دل کی
درد کی اک گرہ تھی پہلو میں　　یہ حقیقت ہمیں کھلی دل کی

اے مری جان! دل کے لگانے کا لطف کیا　　جب تک کہ حال دل کی نہ دل کو خبر ہوئی
جاں تنگ آگئی ہے غم ہجر یار سے　　ٹھہرا جو دل تو شدت درد جگر ہوئی

سر سے ترے بلند جو اے شہسوار ہے　　کس خاکسار کا یہ ہوا پر غبار ہے
شان و شکوہ گور غریباں نہ پوچھئے　　جو ذرہ خاک کا ہے چراغ مزار ہے
درد غم فراق میں کس کو سمجھا لیئے　　منھہ کو کلیجہ آتا ہے دل بے قرار ہے

دل، جگر، عشق میں کھوئے دونوں　　کردئے اپنے پرائے میں نے

کیا زور تھا کیا شور تھا اک قطرۂ خوں کا
اے حضرت دل دیکھی کرامات تمہاری
بندہ نہ تمہارا ہو کوئی بندہ اللہ
مشہور ہے بے رحم بتو! ذات تمہاری
اب جان ہے قالب میں نہ پہلو میں مرا دل
اے درد و الم کیا ہو مدارات تمہاری

نہ آئے کام جو اصلا کسی کے　　خداوہ بت بنیں گے کیا کسی کے
ہمیں اک بات ہے اعجاز عیسیٰ　　لب جاں بخش ہیں گویا کسی کے

مرا دل کسی بت کو کیا چاہتا ہے　　وہ ہوتا ہے جو کچھ خدا چاہتا ہے
بت بے وفا سے وفا چاہتا ہے　　خدا جانے اے دل تو کیا چاہتا ہے
صدا قہقہوں کی ہے بلبل کے نالے　　چمن میں کوئی گل کھلا چاہتا ہے

سیر کر گنج شہیداں کی بھی چل کر قاتل
تیرے کشتوں نے بسائی ہے زمیں تھوڑی سی

جاں تنگ آگئی ہے غم ہجر یار سے — ٹھہرا جو دل تو شدت درد جگر ہوئی

مجھ رند بادہ کش کا اگر اختیار ہو — دونوں جہاں کو بخش دوں اک جام کے لئے

کیوں چھوڑے مجھ اسیر کو، آزاد کیا کرے
خود پھنس گیا ہوں دام میں صیاد کیا کرے
سر پر جو آپڑے کوئی اُفتاد کیا کرے
قسمت ہی پھوٹ جائے تو فرہاد کیا کرے
اللہ تو معین ہے بے کس غریب کا
کوئی سوا ترے مری امداد کیا کرے
زاہد ادا ہو رند سے کیا حمد کبریا
مولا کی مدح بندۂ آزاد کیا کرے
ہر وقت ہے ہوا پہ، وہ اپنا غبار ہے
آندھی ہماری خاک کو برباد کیا کرے
تصویر نور بن گئیں مٹی کے مورتیں
ایجاد اور عالم ایجاد کیا کرے

طول شب فراق کا قصہ بیاں کروں — ان لمبے لمبے گیسوؤں والوں کے سامنے

موسیٰ نہیں جو دیکھ لوں صورت میں دور سے
بندہ کا سامنا رہے ہردم حضور سے
کیا بت بنے ہیں حسن خدا داد سے حسین
کرتے نہیں ہیں بات یہ چپ ہیں غرور سے

حاصل ہوا ہے خواب میں مجھ کو وصال یار
یوسف کو ڈھونڈھتا ہوں میں تعبیر کے لئے

قربان ہوں میں شان غفورالرحیم کے
بندہ مجھے بنایا ہے تقصیر کے لئے

———

کچھ سمجھتے نہیں، اے جان! سمجھنے والے
کیا ہوں میں اور دل بے تاب کی حسرت کیا ہے
اپنے بندوں کو بنایا ہے بتوں کا بندہ
او صنم دیکھ تو اللہ کی قدرت کیا ہے

———

ستم تونے کیا جو معرکہ میں ہم سے منھہ موڑا
تمنائے شہادت تیغ قاتل ہم بھی رکھتے ہیں

———

دیکھئے تقدیر کا لکھا وہ کیا لکھے مجھے   نامہ بر لے کر مرے خط کا جواب آنے کو ہے

———

بت پرستی میں رہے یاد اِلٰہی دل کو   کفر وہ کیجئے جس کفر میں اسلام رہے

———

اوج خورشید سے بھی مرتبہ میرا ہو بلند
خاک پا ان کی جو اُڑ کر مرے سر تک پہونچے

———

عجب قصۂ نادر مری کہانی ہے   کہ جس میں ڈھونڈھئے جو داستاں نکل آئے
فنا کے بعد بھی غالب ہے، بھر گردش ماہ   لحد میں زیر زمیں آسماں نکل آئے

———

ہر گھڑی منھ کو کلیجہ مری جاں آتا ہے   درد دل کا مجھے اتنا ہی بیاں آتا ہے

———

اُن سے نکلا نہ کسی روز ہمارا مطلب   دیکھ، لیلے کے فقط ہم تو گنہگار رہے
نزع میں نام اسی کا ہو زباں پر میرے   معرکے میں یہ چمکتی ہوئی تلوار رہے

———

مسدس

بندش نئی ہو اور ہوں مضمون دل پسند   ہر لفظ پست سے ہو عیاں معنی بلند
کھولوں اگر زباں کروں نطق کلیم بند   بھولیں نہ یاد دل سے اگر سن لیں ہوش مند
مذکور جس جگہ مرے ذہن رسا کا ہو
واں شور واہ واہ کا ' صل علیٰ کا ہو

چہرہ عروس نظم دکھائے جو بے نقاب   آنکھوں کو آئے مانند نظر نور آفتاب
ہر پیر کو ہو ولولۂ عالم شباب   بھولیں غرور ' حسن حسینان لاجواب
دل نذر رو نمائی میں سب مہ لقا کریں
بت برہمن کو قائل شان خدا کریں

(قطعہ تہنیت روز عید)

اے "ماہ" اوج پر مرا بخت سعید ہے   مہاراج تروا سے مجھے گفت و شنید ہے
نقد کلام نذر کو اس وقت چاہئے   مہر کرم کا سامنا ہے ' روز عید ہے

(منقبت جناب امام حسین علیہ السلام)

یاس سے گھبرا رہا میرا دل ناشاد ہے   درد ہے پہلو نشیں اپنا تو غم ہمزاد ہے
ہر نفس سینہ میں شکل خنجر بیداد ہے   تنگ دستی کیا کہوں کیا ہے؟ مجھے جلاد ہے
"ماہ" سے چرخ ستمگر بر سر بیداد ہے
یا حسین ابن علی تم سے مری فریاد ہے

شدت افلاس سے کیا کیا ذلیل و خوار ہوں
بس نہیں چلتا ہے کچھ مجبور ہوں ناچار ہوں
نذر مولا کیا کروں آقا بہت نادار ہوں
گردش گردوں سے عاری میں نحیف و زار ہوں
''ماہ'' کے چرخ ستم‌گر بر سر بیداد ہے
یا حسین ابن‌علی تم‌سے میری فریاد ہے

اعظم

نام مرزا اعظم علی، الہ آباد کے رہنے والے، منشی محمد رضا کے بھتیجے تھے۔

آتش کے شاگرد رشید تھے، آگرہ میں عرصہ تک ملازم سرکار رہے، پنشن لے کر الہ آباد آئے تو خانہ نشین ہو گئے۔

سنہ ۱۲۷۱ھ میں ان کا دیوان چھپا تھا؛ اب نایاب ہے۔

اعظم نے آتش کے رنگ کو خوب نباہا۔

بے ساختگی اور لطف زبان ایک ایک شعر میں نمایاں ہے۔

ا

زندگی بھر نہ یم دیدۂ گریاں ٹھہرا   کشتئ عمر ڈبوئی تو یہ طوفاں ٹھہرا

زخم کاری لگا تو چوم لیا   قبضہ خنجر کا، ہاتھہ قاتل کا

ساقی نے دیا جام مئے بےخبری کا   اب ہوش ہے شیشے کا نہ شیشے کی پری کا
ہر ظلم رسیدہ ہے ترے جور سے راضي   شکوہ نہیں کرتا کوئی بیداد گري کا

تمہاری صورت کے دیکھنے سے ہماری ہوتي ہے زندگانی
ہمارا لکھا ہوا ہے گویا تمہاری لوح جبیں میں جینا
گدا کی مرگ و حیات دونوں بری ہیں دنیا کے دغدغوں سے
نہ فکر طبل و علم میں مرنا نہ شوق تاج و نگیں میں جینا

بوالہوس وہ ہیں جنہیں ہے حوصلہ فریاد کا
ہم تو شکوہ بھي نہیں لاتے تری بیداد کا

لیلیٰ کو کھولنے دو ذرا گیسوئے دراز   مجنوں کے بند بند میں زنجیر دیکھنا
آنکھوں کي آرزو پہ ذرا کیجئے نگاہ   یہ چاہتي ہیں آپ کی تصویر دیکھنا

اس کو بھی کیا آپ کی رفتار نے پامال   ٹھوکر سے بھی ہنگامۂ محشر نہیں اُٹھتا

کس قدر تاثیر تھی میری زبان عجز میں   یاں دعا کی، واں در عرش معلیٰ کھل گیا

فارغ البال کیا بے سرو سامانی نے | مال دنیا نہ رہا، چور کا کھٹکا نہ رہا

ن

ہمیں کو اُن کی طرف دیکھنے کی تاب نہیں
وگرنہ واں کوئی پردہ نہیں حجاب نہیں

کوئی محمل میں نہیں ہے، پس پردہ ہم ہیں
برملا قیس کو دعویٰ ہے کہ لیلیٰ ہم ہیں
اس لئے چپ ہیں کہ کوئی نہیں سننے والا
ورنہ کہنے کو سراپا لبِ گویا ہم ہیں
سوانگ لاتے ہیں نئے، رنگ بدلتے ہیں نئے
یہ طلسمی ہے جہاں، اس میں تماشا ہم ہیں

خوشی دیکھتے ہیں، محن دیکھتے ہیں | تماشائے چرخ کہن دیکھتے ہیں

ان کی، ہمیں اٹھکھیلیوں کی چال نے مارا
دھرتے ہیں کدھر پاؤں، کدھر دیکھ رہے ہیں؟

و

عیش و راحت کا بھی اسباب مہیا ہوگا | سر سے بار غم ایام تو ٹل جانے دو
ٹھہر جانے کو جو کہتے ہو تو جاؤ، لیکن | آرزوے دل بے تاب نکل جانے دو

کعبے کو نہ چھوڑیں گے نہ ہم دھر کے در کو | اک روز ادھر جائیں گے اک روز اُدھر کو
کیا ان کا بھروسا انہیں جاں باز نہ کہئیے | جو آپ کی نظروں سے بچاتے ہیں جگر کو

ی

سر بیچ کے "اعظم" نے خریدا ہے غم عشق　　دل دے کے مری جان یہ آزاد لیا ہے

تو وہ بت ہے کہ تری جلوہ نمائی کے لئے　　آرزو خانۂ کعبہ میں مسلماں کرتے

خوب آہ دل بے تاب رسا ہوتی ہے
میں زمیں پر ہوں تو گردوں پہ صدا ہوتی ہے

لو کہے دیتے ہیں سینے میں جو مخفی راز ہے
دل ہمارا کشتۂ تیغ نگاہ ناز ہے

چاہو تو بدل سکتے ہو تقدیر ہماری　　ہر طرح سے کر سکتے ہو تدبیر ہماری

حوصلہ دنیا کا زر کے ساتھ ہے　　طاقت پرواز پر کے ساتھ ہے

واں جھڑکیاں ہیں قاصد ناکام کے لئے　　یاں نقد جاں ہے ہاتھ میں انعام کے لئے

غرض مندوں کی الفت کا عبث تم کو بھروسا ہے
وہ کیوں کر آشنا ٹھہرے جو مطلب آشنا ٹھہرے

شرف

نام سید سادات حسین عرف آغا حجو، سید محمد میر، عرف میرن صاحب کے بیٹے، لکھنؤ کے رہنے والے تھے -

تغزل کے جذبات زبان اور سلاست کے ساتھ موجود ہیں لفظی رعایات کے ہیر پھیر میں نہیں پڑتے معنوی خوبی پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں -

مضامین کے اعتبار سے بعض اشعار بہت بلند ہیں، جا بہ جا آتش کا رنگ بھی جھلکتا ہے -

---

ا

تپک تپک کے کہیں گل بنا، کہیں لالہ
چمن میں رنگ نہ لایا مرا لہو کیا کیا
زباں جو، ان کی ''شرف'' نشے میں بہکتی ہے
مزے مزے کی وہ کرتے ہیں گفتگو کیا کیا

پھڑک کے جان نہ دیتا تو آہ کیا کرتا — قفس سے اور نکلنے کی راہ کیا کرتا

دم نکل لے تو چھری روکیو تو اے قاتل
سانس ہے مجھ میں ابھی، ہاتھ نہ اپنا ٹھہرا

قریب مرگ ہوں للہ آئینہ رکھ دو — گلے سے میرے لپٹ جاؤ پھر نکھر لینا
دعا کو ہاتھ میں اس شرط سے اُٹھاتا ہوں — کروں جو عرض تو اس کو قبول کر لینا

اندیشۂ اجل سے نہ مہلت کبھی ملی — جو لطف زندگی تھا وہ حاصل نہ کرسکا

کمال ربط دل بے قرار میں دیکھا — کہ عمر بھر اُسے پہلوئے یار میں دیکھا
چہار سمت مجھے تو ہی تو نظر آیا — اُٹھا کے آنکھ جدھر انتظار میں دیکھا

ضعیف ہو کے زمانے کی ٹھوکریں کھاتا — بھلا ہوا کہ میں دنیا سے نوجواں اٹھا

اے ''شرف'' حسن پرستی کا مزا تھا مجھ کو
دل دیا اس کو جسے پیار کے قابل سمجھا

شمار کون کرے گا تمہارے کشتوں کا — یہ بے حساب ہیں، ان کا حساب کیا ہوگا

مجنوں نے میرا داغ جگر سر پہ رکھ لیا   یہ گل وہ ہے جو طرۂ دستار ہی رہا
تو رہ گیا فقط ترے سودائی رہ گئے   یوسف رہے نہ مصر کا بازار ہی رہا

قفس میں پائی وہ آسایش اے "شرف" ہم نے
چمن کو بھول گئے یاد آشیاں نہ رہا

نہ ہم سے پوچھو کہ کرتے ہیں ہم ستم کیسا
تمھیں بتاؤ تمھیں چاہتے ہیں ہم کیسا

شاخ گل جھوم کے گلزار میں سیدھی جو ہوئی
پھر گیا آنکھ میں نقشہ تری انگڑائی کا

بہار آنے سے خوشادل ہوں قفس میں چہچہاتا ہوں
اسیری میں یہ خوشیاں ہیں، رہا ہوتا تو کیا ہوتا

واہ رے تقدیر ہم جب پہنچے بزم یار میں
شمعیں سب گل ہو چکی تھیں، دم نہ پروانوں میں تھا

ملے گا خاک میں اک دن طلسم دنیا کا   یہ کار خانہ ہے مشت غبار سے پیدا

کہے سنے سے حسینوں کو دل جو دے دیتے   ہماری جان پہ بنتی کسی کا کیا جاتا

دو روزہ ہے بہار عمر انساں باغ عالم میں
غرض یہ چلتی پھرتی چھاؤں ہے، عالم جوانی کا

گلوں کی شکل بھی ہم نے نہ آنکھ سے دیکھی
بہار آتے ہی ہم کو اسیر ہونا تھا

آہ ہم کرتے ہیں اے یار کی محفل والو   دونوں ہاتھوں سے جگر تھام لو اپنا اپنا

رخسار ہے کہ پھول کھلا ہے گلاب کا
غنچہ نہ میں کہوں تو کہوں پھر دہن کو کیا

ہو جاتی شبیہ آپ کے کشتہ کی جو بے رنگ
جلاد لہو بھرنے کو تصویر میں آتا

دل کو بچاؤں یار کی ترچھی نظر سے کیا
پہلو تہی کروں میں قضا و قدر سے کیا

جلتا ہے گل رخوں میں دل مجھ نحیف تن کا
پھولوں میں تُل رہا ہے کانٹا مرے چمن کا

زلف الجھے گی تو شانہ سے سلجھ جائے گی
دل جب الجھے گا تو کوئی نہیں سلجھانے کا

اے ''شرف'' بلبل ناشاد کا ہوں میں ہمدرد
داغ ہوگا مجھے ہر پھول کے مرجھانے کا

نہ بھروسا ہے جگر کا نہ بھروسا دل کا پانی ہو جانے کو یہ ہے وہ لہو ہونے کو

کچھ بس نہ میری گردش قسمت سے چل سکا
چکر میں لاکھ طرح آسماں رہا

ڈبویا جب مجھے دریائے غم میں یاس و حسرت نے
نہ کوئی آشنا نکلا نہ کوئی نا خدا نکلا

جل جائیو ! بھن جائیو!! پروانوں میں اے دل
زندہ کبھی اُس شوخ کی محفل سے نہ پھرنا

بڑوں بڑوں کو لگایا نہ منھہ کبھی میں نے
وہ ظرف ہوں کہ نہ واقف کبھی سبو سے ہوا

نشو و نما جو کر کے مجھے بے نشاں کیا
کیا جانے اس نے میری طرف کیا گماں کیا

ہم نے دل دے کے انھیں داغ ہزاروں پائے
ایک غنچے کے عوض میں ہمیں گلزار ملا

موجد جو نور کا ہے وہ میرا چراغ ہے   پروانہ ہوں میں انجمن کائنات کا

روح رخصت ہے، جگر خون ہے، دل ہے پرزے   آج شیرازۂ ہستی ہے پریشاں اپنا

ب

نہ آئےگا وہاں تک خون، تو کیوں سر کا جاتا ہے
الگ میں تو تڑپتا ہوں، ترے دامن سے کیا مطلب

بے نیازی پر انھیں ناز مرے دم تک تھا
لن ترانی کی نہ پھر آئی صدا میرے بعد

ر

چمن کے سایے سے بھاگتا ہوں، اُسے بھی صیاد جانتا ہوں
بہار نے دل اُلٹ دیا ہے، گماں قفس کا ہے آشیاں پر

ن

رستے ہوں بند، بھیڑ سی ہے بھیڑ، ہر طرف
محشر میں اس کو ڈھونڈھنے کی راہ کیا کروں

جہاں تک جس قدر عالم ہو اس پر اس قدر کم ہے
دیا ہے کم‌سخی نے ہاتھ اس کا دست قدرت میں

حسینوں کو خدا نے حسن کے سانچے میں ڈھالا ہے
حقیقت میں یہ سب آئینہ رو تصویر ہوتے ہیں

کسی سے عشق میں یا رب نہ آنکھ ہو نیچی
کلیم طور پر جائیں میں عرش پر جاؤں

داغ ہجراں، جگر و دل میں نہاں رکھیں گے
آپ کا حسن نہیں ہے جو چھپا ہی نہ سکیں

اُس کو حیرت ہے اُدھر مجھ کو اِدھر سکتہ ہے
یار تصویر ہے آئینۂ دیوار ہوں میں

اس مرے سودے کا دنیا میں ٹھکانا ہے کہیں
جان کا گاہک جو ہے اس کے خریداروں میں ہوں

نوجوانی میں تھی کیفیت بہار عمر کی
ابتدا ہی میں مزا تھا انتہا اچھی نہیں

پوچھتے ہو جو حقیقت مری بےتابی کی
آؤ میں تم کو کلیجے سے لگالوں تو کہوں

و

مار ڈالا ہے جو بےجرم قضا نے ہم کو داد دینے کو بلایا ہے خدا نے ہم کو

ۂ

اک بات اُس میں پائی جو شوخی' یار کی
ہم نے بھی اپنی جان لڑا دی قضا کے ساتھہ

ے

جھرو کے سے جھلک ظالم دکھا جا شام ہوتی ہے
ترے دیدار کا مارا تڑپتا ہوں میں دن بھر سے
ذرا دم لینے دو' منکر نکیر! آرام کرنے دو
تھکے ماندے مسافر ہیں چلے آتے ہیں باہر سے

تمــــام عمر نہ بیٹھے کہیں ٹھکانے سے
لئے پھری ہمیں دن رات جستجو تیری

ہمیں جو بےجرم پیستے ہو یہ جانتے ہو کہ کیا کریں گے
خدا نے چاہا توسرمہ ہوکر تمہاری آنکھوں میں جاکریں گے

پس کر بھی نہ ہمیں آنکھہ اٹھا کر دیکھا
سرمہ بھی ہو کے نہ ظالم کی نظر تک پہونچے

نسیم

نام دیا شنکر، کشمیری پنڈت، گنگا پرشاد کے بیٹے، لکھنؤ کے رہنے والے تھے -

مشہور ھے کہ اپنا مذھب ترک کرکے مسلمان ھوگئے تھے لیکن یہ امر پایۂ تحقیق کو نہیں پہونچا -

آتش کے تلامذہ میں تھے اور استاد کے ساتھ خاص عقیدت رکھتے تھے -

ان کی مثنوی ''گلزار نسیم'' نے ان کو زندہ جاوید بنا دیا ھے - مثنوی کا رنگ ان کے غزل سے بہت بہتر ھے، غزل میں سلاست اور روانی ھے، زبان کا بھی خیال رکھتے ھیں، مضمون آفرینی میں کوئی خاص رنگ نہیں، اکثر اشعار بےمزہ ھیں لیکن ناگوار نہیں، ان کا دیوان کمیاب بلکہ نایاب اور مختصر ھے -

ا

جب ہو چکی شراب تو میں مست مر گیا
شیشے کے خالی ہوتے ہی پیمانہ بھر گیا
نے قاصد خیال نہ پیک نظر گیا
اُن تک میں اپنی آپ ہی لے کر خبر گیا
کیا زیر خاک جاکے میں رہتا جہاں کو یاد
بھولا مزا جو لقمہ گلے سے اُتر گیا
سمجھا ہے حق کو اپنی ہی جانب ہر ایک شخص
یہ چاند اُس کے ساتھ چلا جو جدھر گیا

شب جو آیا بزم میں وہ شعلہ رو   شمع گل کرنے کو پروانہ چلا

" نسیم " اس چمن میں گل تر کی صورت
پھٹے کپڑے رکھتے ہیں پردا تمہارا

بتوں کی گلی چھوڑ کر کون جائے   یہیں سے ہے کعبے کو سجدہ ہمارا

جنوں کے چاک زنی نے اثر کیا واں بھی
جو خط میں حال لکھا تھا وہ خط کا حال ہوا
ہزار شکر کہ قاتل نے ذبح مجھ کو کیا
دہان گور کو میں لقمۂ حلال ہوا

بہار رفتہ پھری اب ترے تماشا کو   چمن کو یمن قدم نے ترے نہال کیا

مجھ سے پہلے کوئی اُس شوخ پہ کب مرتا تھا   ملک الموت ہوا میری قضا سے پیدا
دکھ رہا ہے سر سودا زدہ پتھر کھا کر   درد ہوتا ہے گرانی کی غذا سے پیدا

اشک ٹپکے حال دل کا کھل گیا   دیدۂ گریاں سے پردا کھل گیا
دل سے اُمڈے اشک خوں آنکھوں کی راہ   جوش مے سے خم کا ڈھکنا کھل گیا
کوچۂ جاناں کی ملتی تھی نہ راہ   بند کیں آنکھیں تو رستا کھل گیا

بد بد کے قتل کرنے جو عاشق کو تو لگا　　بیڑا اُٹھانے کا تیرے دانتوں لہو لگا
آنکھوں کو سی دیا ہے جو اشکوں نے کیا حصول　　دامن پہ مفت زخم کے داغ رفو لگا

سراپا داغ کی صورت بنایا عشق نے مجھ کو
غبار خاطر افلاک پایہ ہے مری گل کا
بجز گور غریباں نقش پا تھے پھر نہیں آگے
یہیں تک ہر مسافر نے پتا پایا ہے منزل کا

جلد او ماہ تو گھر سے نکلا　　شکر ہے چاند کدھر سے نکلا
مثل بو رخ نہ کیا سوئے چمن　　پھر نہ آیا میں جدھر سے نکلا

سوزن مژگاں نے تار اشک سے　　بن ترے آنکھوں کو میری سی دیا

بت خانہ کا پابند نہ کعبے سے تعلق　　آزاد ہے قیدوں سے گرفتار تمہارا
کہتے ہو کہ خواہندوں سے نفرت ہوئی مجھ کو　　کیا عرض کروں خود ہوں طلب گار تمہارا

شب فراق میں آنکھیں لگی ہیں جانب در　　لبوں پہ آہ ہے دل میں خیال آہٹ کا

ر

اک عمر سے وظیفہ ہے صاحب کے نام کا　　ناخن کے خط ہیں انگلیوں کے پور پور پر

پاک بازوں سے حجاب آپ کو بے وجہ نہیں
دل میں ہو شرم تو ہے آنکھ کا پردا منہ پر

صہبا کشوں کی خاک ہے ہر ایک مقام پر
ساقی لنڈھا شراب کو مستوں کے نام پر

دل بہ دل آئینہ ہے دیر و حرم　　حق جو پوچھو ایک در ہے دو طرف

ن

بے حجابی پہ وہ در پردہ جو آ جاتے ہیں
شرم رکھ لیتی ہے آنکھوں پہ نظر کا دامن

مرا عکس تک صاف مجھ سے نہیں ہے
میں حیراں ہوں کس منہ سے آئینہ دیکھوں

و

قرار پر نہ ملو اضطراب ہو کہ نہ ہو   شراب غیر کو دو دل کباب ہو کہ نہ ہو

آئی بہار زاہد ہشیار مست ہو   شیشہ کی فتح توبۂ مے کی شکست ہو

ہ

بدلا نہیں ہے تجھ سے مرا دل سنبھل کے دیکھ
لے میں ملاؤں آنکھ تو آنکھیں بدل کے دیکھ

ے

قسم ہے دیدۂ گریاں کی مجھ کو   کہ دنیا عالم رویا ہے پیارے
نہال آہ ہوگا دانۂ اشک   اگے گا وہ جو کچھ بویا ہے پیارے
تجھے دل دے کے میں نے آزمایا   وہ سیکھا جس نے کچھ کھویا ہے پیارے

دیوانہ باش تا غم تو دیگراں خورند
واللہ ہوشیار ہے وہ جو کہ مست ہے
جنبش ہوئی مژہ کو تو برہم ہوئے دو کون
آہوے چشم یار کی یہ ایک جست ہے

یا ہاتھ توڑیے جائیں گے یا کھولیں گے نقاب
سلطان عشق کی یہی فتح و شکست ہے
پاؤں میں بیڑیاں ہیں تو ہاتھوں میں ہتکڑی
کیا کشور جنوں میں مرا بندوبست ہے
تھے محو زلف دیدۂ تر ' دل بھی آ پھنسا
مچھلی کو کیا خبر تھی کہ پانی میں شست ہے
شاگرد خواجہ آتش ہندی جو ہے "نسیم"
کہتے ہیں پارسی کہ یہ آتش پرست ہے

کہوں میں اپنی جو افتاد بزم ساقی میں
سبو سے بادہ گرے سیخ سے کباب گرے

ابر رحمت سنتے ہیں نام آپ کا　　خاکساروں پر کرم فرمائیے
صبر رخصت ہو تو جانے دیجئے　　بے قراری آئے تو ٹھہرائیے
جوہر تیغ نگہ کھل جائے گا　　منہ تو میرے زخم کا کھلوائیے
دل میں ہے دکھلائیے تاثیر عشق　　ٹھنڈی سانسوں سے انہیں گرمائیے

جب نہ جیتے جی مرے کام آئے گی　　کیا یہ دنیا عاقبت بخشائے گی
گر یہی ہے اُس گلستاں کی ہوا　　شاخ گل ایک روز جھونکا کھائے گی
کچھ تو ہوگا ہجر میں انجام کار　　بے قراری کچھ نہ کچھ ٹھہرائے گی

یار صدقے تمہارے اٹھنے کے　　گھر سے بھاگے تو دل میں گھر کیوں ہے
خیر ہے او شب دراز فراق　　چاک پیراہن سحر کیوں ہے
عکس و آئینہ کس کے دھیان میں ہو　　رخ اُدھر کیوں ہے دل اِدھر کیوں ہے

تمہیں رقیب کی خاطر ہے تو میں جاتا ہوں
اُٹھائیے نہ حیا کو بٹھائیے نہ مجھے

کس کا دل پھانسوگے کیوں بال سنبھالے تم نے
من کے لالچ سے تو پالی نہیں کالے تم نے

ناتوانوں سے میاں بل کی لیا کرتے ھو
اپنی زلفوں کے کبھی بل نہ نکالے تم نے
ھم برے ھم برے تم اچھے تم اچھے صاحب
ھم نے اطوار بگاڑے ھیں سنبھالے تم نے
عاشقوں کو تو نہ للہ لگاؤ چوری
دل لئے تم نے، دھرے تم نے، نکالے تم نے
سبز رنگوں کے لئے گل تو نہیں کھاے "نسیم"
ھاتھ پر داغ ھیں کیا طوطے ھیں پالے تم نے

دل سے ھر دم ھمیں آواز لگا آتی ھے
بند کانوں کو بھی گریہ کی صدا آتی ھے
تیری آنکھوں کا ھوں بیمار میں او عیسیٰ دم
نہ دعا آتی ھے مجھ کو نہ دوا آتی ھے
آئینہ صاف سکندر کو دکھایا تو نے
خوب اے خضر تجھے راہ بتا آتی ھے
چھو لیا دھوکے سے دامان صبا تو نے تو کیا
غنچۂ گل کہیں مٹھی میں ھوا آتی ھے
جس قدر وصل بتاں کا تمہیں رھتا ھے فراق
اے "نسیم" اُتنی کبھی یاد خدا آتی ھے

لائے اُس بت کو التجا کر کے
کفر ٹوٹا خدا خدا کر کے
میں وہ بے آس ھوں کہ میرے پاس
یاس آتی ھے آسرا کر کے

بلند مرتبہ اپنا ھے چشم تر کے سبب
زمیں سے ابر کے مانند آسماں پہ چڑھے

دوزخ و جنت ہے اب میری نظر کے سامنے
گھر رقیبوں نے بنایا اُس کے گھر کے سامنے
عشق کے رتبہ کے آگے آسماں بھی پست ہے
سر جھکایا ہے فرشتوں نے بشر کے سامنے
خواب میں شب کو خیال آیا تھا جنت کا ہمیں
صبح دیکھا تو پڑے ہیں تیرے در کے سامنے
خاک دیکھا کچھ شبستان جہاں میں او "نسیم"
ڈھیر پروانوں کا تھا شمع سحر کے سامنے

ہم تو مژگاں کی نمط ہم چشموں ! خالی ہاتھ آئے ہیں ارمان بھرے

نظارہ باز سے آنکھیں تو پا چکیں تسکیں تسلئی دل امیدوار باقی ہے

نام پر حرف نہ آنے دیجے جان اگر جائے تو جانے دیجے

ٹکڑے جگر کے آنکھ سے باہر نکل گئے ارمان آج دل کے ہمارے نکل گئے

ساقی قدح شراب دے دے مہتاب میں آفتاب دے دے
بیدار ہیں بخت خفتۂ ہجر یا رب آنکھوں کو خواب دے دے

لگا جام شراب عشق جب منہ سے خرابی ہے
نشا آغاز ہوتا ہے خمار انجام ہوتا ہے

کیوں خفا رشک حور ہوتا ہے آدمی سے قصور ہوتا ہے

ایک اقلیم میں دو شاہ نہیں رہ سکتے عشق جب آیا تو آرام کہاں رہتا ہے

آج بے مثل ہو سخن میں "نسیم" چار دن میں مثل سمجھ لیں گے

سیر بیاباں، چاک گریباں وہ پاے مردی، یہ دسترس ہے

جو چپ رہوں تو جلوں دل میں جوش کھانا ہے
فغاں کروں تو گریباں گلا دبانا ہے

انتخاب گلزار نسیم

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری ثمرہ ہے قلم کا حمد باری
کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر حمد حق و مدحت پیمبر
پانچ انگلیوں میں یہ حرف زن ہے یعنی کہ مطیع پنجتن ہے
ختم اس پہ ہوئی سخن پرستی کرتا ہے زباں کی پیش دستی

خواستگاری جناب باری سے مثنوی گلزار نسیم کی ترکیب کے واسطے

یارب مرے خامے کو زباں دے منقار ہزار داستاں دے
افسانہ گل بکاولی کا افسوں ہے بہار عاشقی کا
ہر چند سنا گیا ہے اس کو اردو کی زبان میں سخن گو
وہ نثر ہے داد نظم دوں میں اس مے کو دو آتشہ کروں میں
ہو چند اگلے جو اہل فن تھے سلطان قلمرو سخن تھے
آگے ان کے فروغ پانا سورج کو چراغ ہے دکھانا
پر بحر سخن صدا ہے باقی دریا نہیں کار بند ساقی

آوارہ ہونا بکاولی کا تاج الملوک گل چیں کی تلاش میں

گل کا جو الم چمن چمن ہے یوں بلبل خامہ نعرہ زن ہے
گلچیں نے وہ پھول جب اڑایا اور غنچۂ صبح کھل کھلایا
وہ سبزۂ باغ خواب آرام یعنی وہ بکاولی گل اندام
جاگی مرغ سحر کے غل سے اٹھی نکہت سی فرش گل سے

منہ دھونے جو آنکھ ملتی آئی ‌ ‌ پر آب وہ چشم حوض پائی
دیکھا تو وہ گل ہوا ہوا ہے ‌ ‌ کچھ اور ہی گل کھلا ہوا ہے
گھبرائی کہ ہیں کدھر گیا گل ‌ ‌ جھنجھلائی کہ کون دے گیا جل
ہے ہے مرا پھول لے گیا کون ‌ ‌ ہے ہے مجھے خار دے گیا کون
ہاتھ اس پر اگر پڑا نہیں ہے ‌ ‌ بو ہو کے تو پھول اُڑا نہیں ہے
نرگس تو دکھا کدھر گیا گل ‌ ‌ سوسن تو بتا کدھر گیا گل
سنبل مرا تازیانہ لانا ‌ ‌ شمشاد انھیں سولی پر چڑھانا
تھرائیں خواصیں صورت بید ‌ ‌ اک ایک سے پوچھنے لگی بھید
نرگس نے نگاہ بازیاں کیں ‌ ‌ سوسن نے زباں درازیاں کیں
پتا بھی پتے کو جب نہ پایا ‌ ‌ کھلنے لگیں کہا ہو خدایا
اپنوں میں سے پھول لے گیا کون ‌ ‌ بیگانہ تھا سبزے کے سوا کون
شبنم کے سوا چرانے والا ‌ ‌ اُپر کا تھا کون آنے والا
جس کف میں وہ گل ہو داغ ہو جائے ‌ ‌ جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے
بولی وہ بکاولی کہ افسوس ‌ ‌ غفلت سے یہ پھول پڑ گئی اوس
آنکھوں سے عزیز گل مرا تھا ‌ ‌ پتلی وہی چشم حوض کا تھا
نام اس کا صبح نہ لیتی تھی میں ‌ ‌ اس گل کو ہوا نہ دیتی تھی میں
گل چیں کا جو ہائے ہاتھ ٹوٹتا ‌ ‌ غنچے کے بھی منہ سے کچھ نہ پھوٹتا
او باد صبا ہوا نہ بتلا ‌ ‌ خوش بو ہی سنگھا پتا نہ بتلا
بلبل تو چہک اگر خبر ہے ‌ ‌ گل تو بھی مہک پتا کدھر ہے
لرزاں تھی زمیں یہ دیکھ کہرام ‌ ‌ تھی سبزہ سے راست مو بر اندام
انگلی لب جو پہ رکھ کے شمشاد ‌ ‌ تھا دم بہ خود اس کی سن کے فریاد
جو نخل تھا سوچ میں کھڑا تھا ‌ ‌ ہر برگ تھا ہاتھ مل رہا تھا
رنگ اس کا غرض لگا بدلنے ‌ ‌ گلبرگ سی کف لگی وہ ملنے

نامہ بکاولی

اے یوسف چشم زخم یعقوب ‌ ‌ وے رشک برادران منکوب
اے آب تہ زمیں نیرنگ ‌ ‌ وے نقب دواں باغ گل رنگ

اے پردہ کشائے بے حجابی　　وے ذرد حنائے دست یابی
اے رہ رو نہادہ　　وے صر صر بہ گل بہ باد دادہ
اے بے سرو برگ گلشن آرا　　وے لعل نمائے سنگ خارا
اے بے خبر طلسم صورت　　وے بے بصر رخ ضرورت
اے باعث عزم مہربانی　　وے صاحب بزم مہربانی
اے آئینہ دار خود نمائی　　وے سرمہ، مے چشم آشنائی
اے پردہ کشا ئے روئے پنہاں　　وے داغ نمائے پشت خواں
تو باغ ارم سے لے گیا گل　　تو مجھ سی پری کو دے گیا جل
بےرخ ترے واسطے ہوئی میں　　فرخ ترے واسطے ہوئی میں
تجھ کو ترے باپ سے ملا یا　　مجھ کو یہ ملا کہ تجھ کو پا یا
جو جو اسرار تھے نہانی　　سب تجھ سے سنے تری زبانی
کیا لطف جو غیر پردہ کھولے　　جادو وہ جو سر پہ چڑہ کے بولے
چاہا تھا کروں سرے سے پا مال　　کر شکر سمجھ کہ تھا خوش اقبال
کیا کہئیے کہ صورت اور کچھ تھی　　وقت اور ضرورت اور کچھ تھی
اب تک ہیں وہ خار جی کے جی میں　　جلد آ کہ ہے مصلحت اسی میں
آئے گا تو در گذر کروں گی　　ورنہ میں بہت سا شر کروں گی
داغوں پہ دئے ہیں داغ تو نے　　دکھلائے ہیں سبز باغ تو نے
کانٹوں میں اگر نہ ہو اُلجھنا　　تھوڑا سا لکھا بہت سمجھنا
پھر خط کی نہ ہو اُمید واری　　القط ہے قلم کی دوست داری

جواب نامہ

اے شاہ ارم کی دخت گل فام　　فرخ لقب و بکاؤلی نام
اس نام کے اس لقب کے صدقے　　اس نامے کے اس طلب کے صدقے
میں نے جو غرض سے جی چرا یا　　تونے کیوں آ کے منہ چھپا یا
میری جو بدی ہوئی تھی کچھ یوں　　تو نیک تھی بے ملے گئی کیوں
تو جائے تو کیوں نہ آئے افسوس　　افسوس، افسوس، ہائے افسوس
تقدیر پھری، پھری نہیں تو　　اُمید گئی، گئی نہیں تو
اے کاش میں کچھ بھی سانس پا تا　　جی کھول کے داغ دل دکھا تا

معلوم تو ہے کہ شوق کیا تھا
جو کھینچ کے یاں سے لے گیا تھا

اب مجھ میں وہ دم اجی کہاں ہے
وہ دل وہ جگر وہ جی کہاں ہے

مر جاؤں اگر طلب میں تیری
میں کیا کہ خبر نہ پہونچے میری

قابل وہاں آنے کے کہاں ہوں
یاں بھی جو رہا تو نیم جاں ہوں

تجھ سے مری خاطر اب کہاں جمع
تو نشتر شعلہ میں رگِ شمع

تو برق و ماں میں خرمن خار
تو سیل رواں میں خستہ دیوار

تو جوشش و یم میں مور بے پر
میں نقش قدم تو باد صر صر

دھڑکا ہے یہی تو جان دوں گا
مر جاؤں گا اب نہ میں جیوں گا

ہو تجھ سے پری جو خصم جانی
انساں کی ہے مرگ زندگانی

منظور جو ہو حیات میری
تو مان لے ایک بات میری

حمالہ کو بھیج آ کے لے جائے
شاید مجھے زندہ پا کے پہونچائے

بھیجا نہ ارے تو جان لینا
آساں ہے یہاں بھی جان دینا

پا بہ زنجیر ہونا بکاولی کا سودائے فراق تاج الملوک میں

سودائے الم ہے اب جو تحریر
حرفوں سے قلم ہے پا بہ زنجیر

سنسان وہ دم بخود تھی رہتی
کچھ کہتی تو ضبط سے تھی کہتی

کرتی تھی جو بھوک پیاس بس میں
آنسو پیتی تھی کھا کے قسمیں

جامے سے جو زندگی کے تھی تنگ
کپڑوں کے عوض بدلتی تھی رنگ

یکچند جو گذری بے خور و خواب
زائل ہوئی اُس کی طاقت و تاب

صورت میں خیال رہ گئی وہ
ہیئت میں مثال رہ گئی وہ

آنے لگے بیٹھے بیٹھے چکر
فانوس خیال بن گیا گھر

پریاں وہ جو اِس کی پاسباں تھیں
دانا و عقیل و خوش بیاں تھیں

سمجھانے لگیں کہ مرتی ہے کیوں
ترک خور و خواب کرتی ہے کیوں

ثابت کچھ اثر ستارے کا ہے
اس چاند کو کیا گہن لگا ہے

رحم اپنی جوانی پر ذرا کر
منہ دیکھ تو آئینہ منگا کر

صورت تری زار ہو گئی ہے
گل ہو کے تو خار ہو گئی ہے

ہے ہے تری عقل کس نے کھوئی
نا جنس کو چاہتا ہے کوئی

سہتی نہیں آگ ماہئی تر   رہتا نہیں پانی میں سمندر
مد کور نہیں ہے کچھ حسد کا   ساتھی نہیں کوئی کار بد کا
روشن ہے جو کچھ کیا ہے اندھیر   پھر اپنی سمجھ سمجھ کا ہے پھیر
محبوس کیا ہے تجھ کو ہر چند   توبہ کا در نہیں کیا بند
بھولے سے بھی کر، نہ یاد آدم   پھر گھر وہی، تو وہی، وہی ہم
اے شمع نہ سوچے گر بد و نیک   رشتہ کاٹے گا تجھ سے ہر ایک
سمجھانے سے تھا ہمیں سرو کار   اب مان نہ مان تو ہے مختار
تو قید جفا میں ہے کہ ہم ہیں   تو دام بلا میں ہے کہ ہم ہیں
غم، راہ نہیں کہ ساتھ دیجے   دکھ، بوجھ نہیں کہ بانٹ لیجے

طلب ہونا بکاولی کا راجہ اندر کی محفل میں اور آگاہ ہوکر ہمراہ جانا تاج الملوک کا

جب پردۂ صبح ہو گیا فاش   خنداں خنداں اُٹھا وہ بشاش
اس غنچہ دہن کا مسکرانا   بے رنگ بکاؤلی نے جانا
ہنستے ہنستے کہا ہنسے کیوں   ہنستا نہیں بے سبب کوئی یوں
بولا وہ کہ خواب دیکھتا تھا   آتش پہ کباب دیکھتا تھا
بولی وہ کہ ہم بتائیں تعبیر   دل سوزی کرے گا کوئی دلگیر
بولا وہ کہ رات کو اُفق میں   خورشید تھا آتش شفق میں
بولی وہ کہ مہر سے شب و روز   عالم میں رہو گے رونق افروز
بولا وہ کہ ایک مقام ہو تھا   گلزار خلیل دو بدو تھا
بولی وہ بشر ہو تم دلاور   سر سبز ہو قوم آتشی پر
بولا وہ کہ دیکھی اک شبستاں   شعلہ ہوا انجمن میں رقصاں
بولی کہ وہ شعلہ میں پری ہوں   جو ناچ نچاؤ ناچتی ہوں
بولا وہ کہ جب ہوا اُجالا   بخشا مہ انجمن نے ہالا
ہالہ مہ انجمن کا کیا تھا   وہ ہار تھا جو گلے پڑا تھا
گھبرائی پری کہ ہیں یہ کیا ہے   بولا وہ کہ ہار نو لکھا ہے
کاندھے پہ تھا جس کے رات ڈالا   پہچانتی ہو وہ طبلے والا

کیوں یہ اکیلے شب کو جانا　　اوپر اوپر مزے اُڑانا
یہ سن کے پری وہ سوختہ تن　　بولی کے سن اے صلاح دشمن
میں جا کے جلی تو غم نہیں ہائے　　ڈر ہے کہ نہ تجھ پہ آنچ آئے
میرے جلنے پہ خاک ڈالو　　تم نام نہ واں کے جلنے کا لو
افروختہ آتش حسد ہے　　جلتا یہ سپند چشم بد ہے
وہ بولا کہ یہ نہ ہو گا مجھ سے　　میں دو قدم آگے ہوں گا تجھ سے
سمجھاتی رہی اسے وہ دانا　　لیکن اس نے کہا نہ مانا
عازم ہوا شب کو آتے ہی تخت　　یا قسمت یا نصیب یا بخت

خلیل

دوست علی نام، سید جمال علی کے بیٹے، بدولی (اودھ) کے رہنے والے تھے، قیام زیادہ تر لکھنؤ میں رہا - واجد علی شاہ بادشاہ اودھ کے زمانے میں چکلہ دار تھے اس لئے زندگی عیش و راحت سے بسر کی - سنہ ۱۲۷۲ھ میں کلکتے گئے تھے - آتش کے ارشد تلامذہ میں تھے - غزلوں میں تصوف کا رنگ جا بہ‌جا نظر آتا ہے تاہم‌کلام میں دل‌نشینی‌نہیں لیکن استادی اور کہنہ مشقی ضرور ہے -

مطبوعہ دیوان میں صرف غزلیں ہی غزلیں ہیں اور اصناف کا پتا نہیں چلتا - آتش کے رنگ کے خلاف الفاظ کا اہتمام زیادہ کرتے ہیں کہیں کہیں ابتذال بھی آ گیا ہے -

ا

بحر کرم ہے جوش میں رب غفور کا
حیلہ ہی چاہتا ہے وہ عذر قصور کا
جلوہ ہے داغ دل میں کسی مہ کے نور کا
پرتو مرے چراغ میں ہے شمع طور کا

ہوں وہ آوارہ کہ منزل میں بھی رہتی گردش
صورت قبلہ نما لاکھ، مجھے گھر ملتا

شمع روئے یار کی گرمی نے بھڑکائی یہ آگ
سوختہ محفل میں پروانے سے پروانہ ہوا
طالب امداد نافہموں سے مشکل میں نہ ہو
کب شریک حال دیوانے کے دیوانہ ہوا
لاکھ پردوں میں بھی ہو جاتا ہے وصل حسن و عشق
شمع کی روشن جہاں، موجود پروانہ ہوا

کھل گئے سب جوشش وحشت میں اسرار نہاں
کیا سمجھتا تھا جلوں یوں پردہ در ہوجائے گا

قفس میں نالے کرتے کرتے بلبل کو جو غش آیا
سونگھایا لخلخہ باد صبا نے نکہت گل کا

یہی غم ہے بنایا تھا اسے کیوں دست قدرت نے
نہ ہاتھ اپنا ہوا شانہ کبھی اس بت کے گیسو کا

کی حقیقی کی طرف، عشق مجازی نے رجوع
جا کے بت خانے میں دھیان آیا خدا کی یاد کا
دوست دشمن ڈرتے ہیں ایذا کوئی دیتا نہیں
خاکساری آدمی کو قلعہ ہے فولاد کا
یہ رہائی سے گرفتاری میں پایا ہے مزا
پڑھتے ہیں کلمہ اسیران قفس صیاد کا

وہ گل ہوں میں نہ تبسم سے آشنا ہوئے لب
وہ نخل ہوں نہ کبھی جس میں برگ و بار آیا
نہ زندگی میں ملا چین صورت بسمل
چھٹی جو روح بدن سے تو پھر قرار آیا

جنوں کا زور ہوا شوق سیر باغ ہوا بہار آتے ہی گل عقل کا چراغ ہوا
خیال چہرۂ روشن سے داغ دل چمکا چراغ طور سے روشن مرا چراغ ہوا

ہستی تھی میری بحر جہاں میں مثال موج
آرام آ گیا مجھے جب میں فنا ہوا
خالی ہے غم سے دل مرا نالاں ہے اس لئے
دیتا نہیں صدا کبھی ساغر بھرا ہوا

یاد آیا ہے کہ نالے کرتے تھے راتوں کو ہم
یا تو لینا سانس کا مشکل ہمیں اب ہوگیا
آنکھ میں آنسو بھر آئے دل سے گر نکلا بخار
شیشہ جب خالی ہوا ساغر لبالب ہوگیا

جام جہاں نما ہے تصور حبیب کا جب چاہا اس کو دیکھ لیا وہ کہیں ہوا
سمجھا میں آب آئینہ میں موج کو "خلیل"
وہ بحر حسن مجھ سے جو چیں بر جبیں ہوا

رواروی میں جوانی کا کچھ مزا نکلا مسافروں کی طرح چار دن شباب رہا

رہا کرتی ہیں لالے کی طرح سے لال لال آنکھیں
ذرا آئینہ میں دیکھو اثر خون شہیداں کا
رہائی محبس گردوں سے پائی قبر میں جاکر
نکالا ہے زمیں کو کھود کر دروازہ زنداں کا
اُڑی نیند اُس کی بھی دل کو مرے زلفوں میں اُلجھا کر
بہت ہشیار رہتا ہے نگہباں شب کو زنداں کا

تسلی عاشق غمگیں کی کرتا ھی نہیں کوئی
کسی نے بھی کبھی پونچھا نہ آنسو شمع گریاں کا

ملئیے کا ھاتھ جس دن زائل شباب ہوگا
رنگ حنا نہیں جو پھر دستیاب ہوگا
عاشق کے دل کی خوبی ھے داغ دل سے ظاھر
نقطہ اسی پہ ھوگا جو انتخاب ہوگا

" خلیل " اپنا کعبہ تمھیں اس کو سمجھو
وہ خاطر میں لاتا نہیں دل کسی کا

طول ھجر یار نے کی قطع امید وصال | اب تو مدت سے رھا کرتاھے عالم یاس کا

تھی کس کو صنم آپ کے آنے کی توقع | آنا مرے گھر میں ھے خدا ساز تمھارا
یاں داغ ھے واں آپکا آئینہ مصاحب | دل سوز یہ میرا ھے وہ دمساز تمھارا
مرتاھوں خبرلو مری اے رشک مسیحا | کیا حشر کو کام آئےگا اعجاز تمھارا

نہ گھر سے فقیری میں نکلا کبھی | میں نقش نئے بوریا ھو گیا
دکھایا جو برگشتگی بے اثر | بگولا ھر اک نقش پا ھو گیا
تم آؤ نہ آؤ بچیں گے نہ ھم | مرض عشق کا لا دوا ھو گیا

نا توانی سے میں گم ھوں تو لطافت سے نہاں
میں دھن تیرا تن لاغر مرا تو ھو گیا
کی ھے تنہائی میں جب مشق تصور وصل کی
متصل اُس شوخ کے زانو سے زانو ھو گیا

ھر رنگ میں اُس شوخ کا جلوہ نظر آیا | خورشید کے مانند وہ ھر جا نظر آیا
جب یار کو دیکھا نگہ دیدۂ دل سے | قطرہ نظر آیا تو وہ دریا نظر آیا
پر تو سے ترے دیکھتا ھوں صورت عالم | تو روشنئی دیدۂ بینا نظر آیا

وہ رنگ ہے تیرا کہ ترے رنگ کے آگے جس رنگ کو دیکھا ہے وہ پھیکا نظر آیا

آنسو بھرے ہیں آنکھ میں گرتے نہیں مگر
آخر چھلک چھلک کے یہ پیمانہ رہ گیا

اس درجہ ہوش اُڑا دئے جلوے نے یار کے اُٹھا جو بزم یار سے وہ بے خبر اُٹھا
اول ہی شب کو روح بدن سے نکل گئی صدمہ کبھی نہ وصل کا تا سحر اُٹھا
وحشت میں قید کس کو ہے صحرا و شہر کی چل دیتا ہوں اُدھر کی طرف منھ جدھر اُٹھا

میرے مرنے کا سبب ہجر میں کیا پوچھتے ہو
غم ہوا ' درد ہوا ' درد کا درماں نہ ہوا
عیب چھپتا نہیں دنیا میں حسینوں کا "خلیل"
شمع کا چور کبھی بزم میں پنہاں نہ ہوا

اب کشتیٔ مے ہاتھ میں لی پیر مغاں نے بیڑا ہوا اے بادہ کشو پار تمہارا
عاشق ہوں بتو تم مجھے جو چاہو سزا دو اللہ کا بندہ ہوں گنہ گار تمہارا

کبھی دیکھا جو اُبلتے ہوے مے کو خم سے جوش اپنی بھی جوانی کا ہمیں یاد آیا
میں نے محراب خم تیغ میں باندھے چلے نہ اجل آئی مرے گھر میں نہ جلاد آیا

جمال یار کو دیکھوں نہ بے حجاب کبھی مقام رشک ہے آنکھوں سے دل کو ہے کھٹکا

کرکے فغاں سینہ سے دل چل دیا بول کے بلبل یہ کدھر اُڑ گیا

لپٹ گیا جو تمھیں دیکھ کر اکیلے میں تمھیں بتاؤ کہ میں اختیار میں بھی تھا

تا دیر کرکے قتل رہا سرنگوں وہ ترک خون اپنا بار گردن جلاد ہو گیا

گریہ و نالۂ دل نے مجھے مارا بے موت دشمنی اور اثر آب و ہوا کیا کرتا

جانتا ہوں بت مشہور کی ہے دید محال خواہش جلوۂ دیدار خدا کیا کرتا

حسرت ہی رہے ساغر لبریز کی مجھ کو اُوچھے کی طرح جام نہ ساقی کبھی چھل کا
ایذائے شب ہجر سے دم توڑ رہا ہوں آتی نہیں کیا ٹوٹ گیا پاؤں اجل کا

منہہ نہ محشر میں بھی دکھلائیے گا بھیڑ میں اور بھی شرمائیے گا
میرے دل میں اگر آپ آئیے گا داغ کی طرح سے رہ جائیے گا
عاشق جلوۂ رفتار ہوں میں پانوں پوجوں گا جو ہاتھ آئیے گا

فرقت میں اجل کا سامنا ہے یہ وہ وقت ہے سخت بے کسی کا
جب ہو گی مقابل اُس دہن سے پردہ کھل جاے گا کلی کا
دل ٹوٹے تو حال دل ہو معلوم بو پھوٹے جو منہہ کھلے کلی کا
ہے داغ سے آبرو سے عاشق تمغا ہے یہ عشق و عاشقی کا

پھیرئے پھیرئے وہ بت جو پھر آتا ہے نگاہ
حق تعالیٰ پہ ہے بندے کی نظر کیا ہوگا
بار سفاک اگر ہے تو نہیں خوف "خلیل"
دل ہی جب دے چکے تب جان کا ڈر کیا ہوگا

نہ طاقت ہے دل میں نہ صبروقرار کوئی لوٹ کر میرا گھر لے گیا
بڑا حاصل زندگانی یہ ہے اگر نیک نامی بشر لے گیا

کیسی تن پوشی جنوں میں مثل کوہ دور میرے پاس سے دامن رہا
گر مٹی سوز دروں سے عمر بھر دل پہ پھاہا ہاتھ میں دامن رہا
دل ہوا ' یا چشم ' یا عرش بریں تم رہے جس گھر میں وہ روشن رہا

چین دم بھر نہ مجھے صورت بسمل آیا
آگیا منہہ کو کلیجا جو کہیں دل آیا
دل نہ قابو میں رہا متصل پہلوئے یار
ناؤ ڈوبی مرے نزدیک جو ساحل آیا

اُس سخی سے میں طلب کرتا ہوں حاجت اپنی
جس کے دروازے سے محروم نہ سائل آیا

دل گذر گاہ خیال بہت توسا نکلا کعبہ سمجھے تھے جسے ہم وہ کلیسا نکلا

نکہت گل کی طرح سے پھاڑ کر کپڑے نکل
جس کا تو خواہاں ہے وہ گل گوں قبا مل جائے گا
طالب مقصود اگر ہے اپنی ہستی کو مٹا
ہو گیا جس وقت خود گم ' مدعا مل جائے گا

رہا جو دل میں بھی تو بھی رہا نہ قابو میں
مثال روح نہ وہ اختیار میں آیا
ملی نہ وصل کی لذت وصال بھی جو ہوا
حواس اُڑ گئے جب وہ کنار میں آیا
نہ مجھ سا بلبل شوریدہ سر ہوا پیدا
نہ تجھ سا گل چمن روز گار میں آیا

دیکھیں نہ تجھے صبح و مسا ہم سے نہ ہوگا
یہ اے بت کافر بہ خدا ہم سے نہ ہو گا
ترجیح عبث دیتے ہو فرہاد کو ہم پر
سر پھوڑ کے مرجائیں یہ کیا ہم سے نہ ہو گا
مجرم ہیں ' گنہگار ہیں ' شرمندہ ہیں ' دل میں
منھ اُس کی طرف وقت دعا ہم سے نہ ہو گا
تعریف بتاں کیجئے کیا حد سے زیادہ
کہہ دیجئے بندے کو خدا ' ہم سے نہ ہو گا

کیا بتاؤں میں تجلی گاہ میں اُس شوخ کے
ہوش آئے کس طرح سے بے خبر کیوں کر ہوا

تم تو کہتے ہو مجھے نام مکاں سے ننگ ہے
دل مرا بتلائیے صاحب کا گھر کیوں کر ہوا

اِس لئے پوجتے ہیں یہ بت کو کافروں کو خدا نہیں ملتا
مرض عشق میں کہاں تسکیں صبر بہتر دوا نہیں ملتا
کچھ نہ پوچھو بتا نہیں سکتا کس سے چھوٹا ہوں کیا نہیں ملتا
آسمان و زمیں شکنجہ ہے چین اس میں ذرا نہیں ملتا

عشق میں چاہئے عاشق کو کہ نالہ نہ کرے
یہی جھگڑا تو محبت میں ہے رسوائی کا

راز دل کیا کہوں کاندھے پہ فرشتے ہیں سوار
کہیں موقع نہیں ملتا مجھے تنہائی کا

ب

جان لی ملتفتی نے میری اب نہیں اب نہیں درکار جواب
خط تقدیر کا شکوہ ہے عبث اس نوشتے کا ہے بےکار جواب

کوئی آکر شب غم میں نہیں ہوتا ہے شریک
اُڑ گئے میرے ہوا خواہ کہاں آج کی رات
عالم خواب ہے سامان وصال اے گردوں
میں کہاں یار کہاں اور کہاں آج کی رات

ت

داغ سودا مرے دیکھے تو اُنہیں رحم آیا کھوٹے پیسے بھی برے وقت میں کام آئے بہت
رخصت ہے اہل وطن فصل بہار آپہونچی کھینچتی ہے مجھے صحرا کو ہوائے غربت

سب کو دھڑکا ھے یہ‌ھستی میں‌عدم‌سے‌آکر   جان لے گا اثر آب و ھوائے غربت

ح

جب اُن سے کہتا ھوں اُن کو ملال‌ھوتا ھے
وہ حال سنتے ھیں میرا ' بری خبر کی طرح
تلاش یار میں گھر سے جو میں نکلتا ھوں
قدم کو رکھتا ھوں منزل ھی پر نظر کی طرح
نہ اُٹھ سکے گا کبھی بار ناز بےجا کا
ھماری طبع ھے نازک تری کمر کی طرح
ولائے ساقی کوثر سے دل لبالب ھے
شراب نور ھے اس جام میں قمر کی طرح

د

وہ اسیر ناتواں ھیں سمجھے ھم معراج اُسے
اڑ کے جا بیٹھے جو بام خانۂ صیاد پر

نگہت گل کی طرح بےسرو پا پڑتا ھوں   کرتی ھے جامہ‌سے باھر مجھے ھر بار' بہار

خوشی سے سر کے بھل میں بھر استقبال جاؤں گا
سنوں گا یار کا قاصد ھے جب دو چار منزل پر
ارادہ ھے گلے سے تیغ قاتل کو لگا لیجے
کمر ھمت نے بلندھوائی ھے مجھ سے کار مشکل پر

بسر کی عصیاں میں‌عمر ساری بتوں سے در پردہ‌دل لگاکر
الہی توبہ الہی توبہ گنہ کئے ھیں چھپا چھپا کر

نہ کر تصور بتوں کا دل میں محل توبہ ہے کچھ کیا کر
"خلیل" کعبہ میں بت پرستی، خدا خدا کر خدا خدا کر

اپنی ہستی کو میں رو رو کے مٹا دیتا ہوں ابر کی طرح فنا ہوتا ہوں آنسو ہو کر

س

ہو چکی اپنی رسائی اس پری پیکر کے پاس
پھر وہ بلواتا ہے اپنا مدعی کے گھر کے پاس
کوئی بھی صورت رسائی کی نہ تھی اس کے سوا
کھیل کر جی پر گیا اس شوخ بازی‌گر کے پاس

ق

بیڑیاں پاؤں سے ہوتی نہیں وحشت میں جدا
مدد اے قوت سر پنجۂ مردانۂ عشق
عشق کو عقل سے ہے روز ازل سے نفرت
بات ارسطو سے نہیں کرتے ہیں دیوانۂ عشق
خوب دل کھول کے کی خانہ خرابی میری
اور میں کیا کہوں، آباد رہے خانۂ عشق

ک

شوق دیدار جو گھبرا کے مجھے لے نکلا ٹکٹکی باندھ کے گھر سے میں گیا دور تلک

م

دل آتش فرقت سے یہ جلتا ہے شب و روز
گویا مرے پہلو میں ہے دن رات تواگرم

عشق بتاں میں صبر کی طاقت ہوئی فزوں
پتھر اُٹھا کے جبر کیا اختیار میں

اللہ رے اضطراب دل بے قرار کا
مرمر کے صبح کی ہے شب انتظار میں

کیا کشمکش میں عشق نے ڈالا ہے کیا کروں
یار اختیار میں نہ اجل اختیار میں

بزمِ بتاں میں چھوڑ دیا دل کو بے خطر
شیشے کو ہم نے پھینک دیا کوہسار میں

فکر میری پائمالی کی ہے ناحق کو تجھے
سر کشی کی اے فلک حسرت مرے دل میں نہیں
زندگانی کا سبب عاشق کی ہجر یار ہے
زیست پروانہ کی وصل شمع محفل میں نہیں

منتظر ہیں فصل گل آئے کہیں پھر اے جنوں
ہم گریباں چاک ہیں اور دامن کہسار ہیں
ہو نہیں سکتا ہے محسوس نظر نور نگاہ
کور باطن ہیں جو تیرے طالب دیدار ہیں
عمر غفلت میں بسر ہوتی ہے اپنی روز و شب
کچھ نہیں معلوم ہم سوتے ہیں یا بیدار ہیں

دست مشاطہ سے مستغنی ہے حسن روئے یار
شمع کوہ طور کو گل‌گیر کی حاجت نہیں
دل ہی دل میں گفتگو رہتی ہے باہم روز و شب
میرے اس کے درمیاں تقریر کی حاجت نہیں

لڑکھڑاتے ہیں جو چلنے میں حسینوں کے قدم
بادۂ حسن سے سرشار رہا کرتے ہیں

کسی محبوب سے اب دل کو لگائیں گے "خلیل"
ایک مدت ہوئی بیکار رہا کرتے ہیں

دیکھتا ہوں خواب میں روئے حبیب ‏ ‏ طالع خفتہ مرے بیدار ہیں
مہرباں ہوں یا کریں جور و جفا ‏ ‏ ہم تو ہیں مجبور، وہ مختار ہیں
دردکا کس کس کے وہ درماں کرے ‏ ‏ اک مسیحا سیکڑوں بیمار ہیں

تھالیاں پھول کی بجاتا ہے ‏ ‏ موسم گل میں باغباں چمن
تو نہ جائے تو گل ہوں پژمردہ ‏ ‏ اے گل اندام تو ہے جان چمن

لگائی ہے چراغ داغ نے آتش مرے تن میں
فتیلہ شمع روشن کا ہے ہر رگ میری گردن میں
مسلماں جانتے ہیں شمع قندیل حرم تجھ کو
چراغ دیر ہے تو اے صنم چشم برہمن میں
حجاب بے محل سے آپ کے نالے کروں گا میں
مرا کھل جائے گا پردہ جو تم بیٹھوگے چلمن میں
جوانی میں، بڑھاپے میں، دل بے غم نہیں ہوتا
بہار زندگی کا لطف ملتا ہے لڑکپن میں

ہوں بندۂ عشق حسنِ بتاں، کچھ دیر و حرم سے کام نہیں
مذہب ہی جدا ہے محبت کا، یاں کفر نہیں اسلام نہیں
کیوں مطلب غیروں سے ہو مجھے، ہے یار کی جانب روئے نیاز
کعبہ کے سوا بت خانوں سے کچھ قبلہ نما کو کام نہیں
ہم مرتے ہیں تم جاتے ہو یہ بھی کوئی رسم مروت ہے
آنکھوں میں ہے دم سر پر ہے معضا یہ رخصت کا ہنگام نہیں

ترا شباب، مرا شیب کیا قیامت ہے
تری بہار کو دیکھوں، مری خزاں دیکھیں

تھکا ہوں میں، مری درماندگی پہ رحم کریں
ادھر بھی مڑ کے ذرا اہل کارواں دیکھیں

واہ رے قسمت بغل میں دل ہے سو وہ بھی دو نیم
ٹوٹتا ہی آئینہ تھا پھوٹتی ہوئی تقدیر میں

امتحاں سو مرتبہ مہر و محبت کا کیا ابتدا اچھی ہے لیکن انتہا اچھی نہیں

دم نکلتا ہے سامنے اُن کے حرف مطلب نہیں نکلتے ہیں
نہیں ہوتی کسی طرح صحت میری تپ سے طبیب جلتے ہیں

غیر آئینہ دکھائیں اُن کو شان اللہ کی ہے دنگ ہوں میں

شمع ہوں مجھ کو نہ رلوا ابھی مر جاؤں گا
رشتۂ جاں ہے مرا آنسوؤں کے تاروں میں

ایڑیاں ہجر کی ایذا سے کہاں تک رگڑوں
یا الٰہی مری مشکل بھی ہو آسان کہیں
کچھ کا کچھ منھ سے نکل جاتا ہے بےہوشی میں
میرا شکوہ نہ کرو، دل ہے کہیں، دھیان کہیں
قیدئی زلف کو پابندئی اسلام کہاں
کافر عشق کا رہتا نہیں ایمان کہیں
وسعت اِرض و سما تنگ ہے کیا نالہ کروں
لائق اس تیر کے ملتا نہیں میدان کہیں

فصل گل میں مے و معشوق سے توبہ کی ہے
اس خطا پرمیں خجل ہوتا ہوں کہا کیا دل میں
رنج اُلفت کبھی گھٹتا ہے کبھی بڑھتا ہے
کبھی ہو جاتا ہے قطرہ کبھی دریا دل میں

کوئی خبر نہیں لیتا اُداس جلتا ہوں
کسی غریب کی شمع سر مزار ہوں میں
ازل سے وصل کا طالب ہوں دیجئے نہ جواب
خیال کیجئے کیسا اُمیدوار ہوں میں

وہ شاعری نہیں، اعجاز شاعری ہے "خلیل"
قبول خاطر مردم جو ہو زمانے میں

چپ ہو تم اس کا کچھ جواب نہیں
منھ سے بولو تو کچھ کہوں میں بھی
پھر کوئی بیچ میں حجاب نہیں
چشم دل سے جو یار کو دیکھے

نقش پا رہروں کو راہ نما ہوتے ہیں
خاکساروں ہی سے منزل کا پتا ملتا ہے

اک مسیحا کو پیار کرتا ہوں
اپنی ہمت پہ آپ مرتا ہوں
ہجر جاناں میں ہے مجھے سکتا
نہ تو جیتا ہوں میں نہ مرتا ہوں
دل کو کرتا ہوں آہ سے خالی
یوں میں دن زندگی کے بھرتا ہوں
پوچھتے کیا ہو حال عاشق زار
تم نہیں جانتے کہ مرتا ہوں

توبہ کی طرح سے ٹوٹتے ہیں
ہر موسم گل میں طوق و زنجیر

زباں دان محبت، بزم عالی میں نہیں کوئی
سناتا ورنہ حسن و عشق کی میں داستاں برسوں

جو وہ کرتے ہیں مرا امتحاں، پڑیں بیچ والے نہ درمیاں
اگر آگ میں بھی وہ پھینک دے، تو "خلیل" کچھ مجھے ڈر نہیں

مے کشی میں کٹیں شباب کے دن
نہ دکھائے خدا خضاب کے دن
ڈر یہ ہے سب حساب گندہ ہے
کیا نشاں دوں گا میں حساب کے دن
شکوہ ایام ہجر کا ہے فضول
سخت ہوتے ہیں انقلاب کے دن

هجر میں موت ہے حیات کے دن نظر آتے نہیں نجات کے دن

ہم سن چکے ہیں طور و تجلی کی داستاں
اے بت نقاب رخ نہ اُٹھانا جلال میں
چرخ دنی سے کیا طلب مال و زر کروں
کھل جائےگا بخیل کا پردہ سوال میں

روز الست سے ہے وہ میرے خیال میں اللہ کب سے محو ہوں شوق وصال میں
عقدہ نیاز و ناز کا ہرگز نہ حل ہوا آیا نہ حسن و عشق کا قصہ خیال میں

و

کر دیا کور سواد شب تنہائی نے
مجھ کو کیا کام ہے دنیا میں سحر ہو کہ نہ ہو
حشر پر وعدۂ دیدار ہے میں ڈرتا ہوں
بھیڑ ہو وے گی' رخ یار ادھر ہو کہ نہ ہو
پھر وہی طول شب ہجر نظر آتا ہے
پھر وہی ہے مجھے دھڑکا کہ سحر ہو کہ نہ ہو
تم سنو یا نہ سنو نالے کئے جاؤں گا
درد دل کہنے سے مطلب ہے اثر ہو کہ نہ ہو

بھر رہا ہے دیدۂ تر میں مرے دل کا غبار
بند مٹی سے کیا ہے میں نے اس ناسور کو
اک جہاں میری طرح اس کی بہ‌دولت ہے خراب
مے کدہ کہہ کے تمہارے نرگس مخمور کو
ہجر کی شب میں جو بچنے کا نہیں ہوتا یقیں
شام سے احباب رو لیتے ہیں مجھ رنجور کو

جویا جو وصال یار کا ہو　　　پہلے مرنے سے بھی فنا ہو
زاہد سجدہ جو بے ریا ہو　　　بندے کے سامنے خدا ہو
اے شعلۂ عشق پھونک دے تو　　　جو چیز کہ یار کے سوا ہو

بس نہیں دل پہ خفا یار ہے ' دشمن ہے جہاں
ایسے جینے سے تو مرنا ہے گوارا مجھ کو

آرزوئے عشق غارت گر' تری تاثیر سے　　　میں اِدھر نالے کروں وہ بت اُدھر بے تاب ہو

اجل ہے گھات میں دم توڑتا ہوں تم مسیحا ہو
اکیلا چھوڑ کے جاؤ نہ بیمار محبت کو

کہتا نہیں وصال میں بھی مدعائے دل　　　بندآستیں میں رکھتا ہوں دست سوال کو
اے بت تجھے یقین محبت ہو یا نہ ہو　　　اللہ ہی جانتا ہے مرے دل کے حال کو

ے

امید وصل کہاں ' میں کہاں ' وہ شوخ کہاں
دل ایک عمر سے پابند یاس رہتا ہے
یہ جی میں آتا ہے جاکر پکاروں دیر میں میں
کوئی صنم بھی یہاں حق شناس رہتا ہے

کوئی گاہک نہ ہوا میری وفاداری کا　　جنس یہ ٹھوکریں کھاتی سر بازار پھری

عقل زائل ہوگئی غم‌خواری دل سے مری　　ہوگیا دیوانہ دیوانے کو سمجھاتے ہوئے

اے چرخ سب طرح کا تنزل قبول ہے
لیکن گرائیو نہ مجھے اس کے بام سے
اول ہی شب سے وصل میں دھڑکا ہے ہجر کا
کھٹکا ہے دل میں صبح قیامت کا شام سے
طفلی میں مجھ کو عالم پیری کا رنج ہے
شبنم کی طرح صبح کو روتا ہوں شام سے
اے محتسب! نہ چشم حقارت سے دیکھنا
بوے بہشت آتی ہے رندوں کے جام سے

اس بت نے اپنے دل سے اوتارا نہیں مجھے
اللہ نے گرا دیا کعبے کے بام سے
اللہ ہی بچائے اسیری سے تو بچوں
صیاد دیکھتا ہے مجھے چشم دام سے

چمن چمن یہ نسیم سحر پکار آئی　　خزاں نے کوچ کیا، بلبلو بہار آئی

رکھے ہے روز نزع میں آہ جگر مجھے　　اس شمع نے کہا ہے چراغ سحر مجھے
حصہ ازل کے دن جو بٹا حسن عشق کا　　نور قمر ملا اسے، داغ قمر مجھے

مرتے ہیں شوق دید میں تشریف لائیے　　آنکھوں کو دیکھنے کا بہت اشتیاق ہے

انگلیاں اپنی ڈبوتا ہے لہو میں قاتل　　خوں شہیدوں کا بھی انگشت نما ہوتا ہے

وہاں بے اعتنائی، دل یہاں جامے سے باہر ہے
بلا میں ہوں نہ اس پر بس، نہ اس پر زور چلتا ہے

بول اٹھے جس نے بلایا ہمیں لے کی صورت
نہ ہوا جب کوئی دم ساز تو خاموش رہے
جلوۂ یـــار نہ تھـا داروئے بےہوشی تھی
دیر تک ایک نظـر دیکھ کے بے ہوش رہے
بـولنے سے چمن دھـر میں رسـوائی ہے
بو نہ پھوٹے دہن غنچہ جو خاموش رہے

روکنے سے باغباں کہ بوئے گل رکتی نہیں
روح کی انسان کـو کیا پاسبانی چاہئے

بڑھ گیا حد سے سوا ضبط ، کہاں تک کہئے
یا خـدا سلسلۂ مہر بتاں کم ھـو جائے
ہوگئی ہے مـرض ہجر سے الٹی تقدیر
نوش دارو بھی کھلاویں تو مجھے سم ہو جائے

جب سے دیکھا ہے تجھے گھر سے طبیعت ہے اچاٹ
خود بہ خود دل ترے کوچے کو لئے جاتا ہے
حال پرساں کوئی بیمار محبت کا نہیں
ہـاں دم باز پسیں پیک اجـل آتا ہے
ناصحا ! منع نہ کر جامہ دری سے مجھ کو
ہے وہ دیوانہ جو دیوانے کو سمجھاتا ہے
پوچھتا ہے جو کوئی حالت درد دل زار
اشک بے ساختہ آنکھوں سے نکل جاتا ہے

سجدۂ شکر کروں پاک ہو جھگڑا یہ بھی آرزو ہے کوئی کہدے کہ قیامت آئی

یار کی یاد نہ بھولوں کسی حالت میں " خلیل "
ہے وہ مردود جو اللہ سے غافل ہو جائے

ہوں رنج سے جاں بر، شب کٹتی ہی نہیں یارب
اپنی شب تنہائی، کیا روز قیامت ہے

رکھا کسی نے نام تو ہے ننگ کا مقام   اتنا نہیں سمجھتے ہیں خواہاں خطاب کے
مجھ سا بھی کوئی رند نہ ہوگا جہان میں   ہنستے ہیں میرے حال پہ ساغر شراب کے

ہوا ہوں بار غم ہجر سے یہ پشت دوتا
جو وصل بھی ہو تو سیدھی کمر نہیں ہوتی
شب فراق میں گھبرا کے پوچھتا ہوں میں
یہی وہ شب ہے کہ جس کی سحر نہیں ہوتی
یہ ہوش امد فصل بہار اُڑاتی ہے
بسنت کی بھی جنوں کو خبر نہیں ہوتی
پسند یار نہیں عجز بے محل ہرگز
قبول شب کو نماز سحر نہیں ہوتی
یقین یار کے آنے کا کس طرح ہو مجھے
یہ وہ خبر ہے کو جو معتبر نہیں ہوتی

وہ رخ روشن سے یہ کہہ کر اُلٹتے ہیں نقاب
طالب دیدار آنکھوں کی دوا پیدا کرے

ایما یہی ہے آتش سودائے عشق کا   آئی بہار، پھونک دے کپڑا اتار کے
اچھے نہیں ہیں جوشش وحشت کے رنگ ڈھنگ
تیور کچھ اب کے سال برے ہیں بہار کے

وعدہ ہوا ہے حشر پہ دیدار یار کا   اب دن گنا کروں گا میں روز شمار کا

آئے جو وقت نزع تو آنکھوں میں جان تھی
کس طرح دل کا حال میں کہتا زبان سے

حسرت ہی رہ گئی نہ کہا یار نے "خلیل"
کچھ اپنے دل کا حال تو اپنی زبان سے

اے شاہ حسن دید کی مد نظر ہے بھیک
درویش ہوں میں، چشم ہے کشتی سوال کی

فراق یار میں ہرگز نہ ہوسکا کبھی صبر
ہم اپنے جبر کا بھی اختیار دیکھ چکے
نہ اُن میں بوئے وفا ہے، نہ اُس میں رنگ وفا
گلوں کی سیر، چمن کی بہار دیکھ چکے
جمال حور کا مٹی کے مورتوں کو دیا
کمال صنعت پروردگار دیکھ چکے

جگر شق ہو گیا داغ جگر سے
یہ ٹہنی بہت پڑی بار ثمر سے
نہ دیکھا ایک دن جی بھر کے ان کو
رہا وسواس اپنی بھی نظر سے
الٰہی روز کا رونا کہاں تک
کلیجا منہ کو آیا چشم تر سے

محبت مرض ہے محبت دوا ہے
محبت اجل ہے محبت شفا ہے
گذرتی ہے جو ہجر میں کس سے کہیئے
صنم، حال دل کا خدا جانتا ہے
کھلا یہ طلسم جہاں کو جو دیکھا
مسافر ہے انسان، دنیا سرا ہے

بہت تنگ آئے ہیں اب بیچ والے
ادھر آتے آتے ادھر جاتے جاتے

دکھلائے گی کچھ رنگ اثر عشق کی افتاد
واں جان کے لالے ہیں یہاں جی کی پڑی ہے
دنیا میں جسے دیکھئے بندہ ہے شکم کا
جنت کا تصور نہیں دوزخ کی پڑی ہے
ہم طالع نقش کف پا ہم ہیں اجل سے
اُفتادگی حصے میں ہمارے ہی پڑی ہے

عقل کے ذہن میں آئے نہ کبھی مطلب عشق
یہ سبق وہ ہے ارسطو کو نہ ہو یاد کبھی

فرقت کی نہیں شب، شب آفات یہی ہے
روتا تھا جسے روز میں وہ رات یہی ہے
ایک ایک گھڑی سال ہے اپنی شب غم کی
ہو جائے گا بھور اپنا اگر رات یہی ہے
اُس دشمن ایماں کی طرف دیکھ نہ اے شیخ
غارتگر دیں قبلۂ حاجات یہی ہے

طالب وصل ہوں نہ چھیڑ مجھے
دلگی کیا غریب سائل سے

رہتا ہے عجیب حال ہر دم
صوفی کی خانقاہ دل ہے

سالک راہ محبت ہے ہر اک ناکس و کس
سہل یہ منزل مشکل کبھی ایسی تو نہ تھی

نہ موافق کبھی طبع بت بے پیر ہوئی
یہ بھی میرے لئے گویا مری تقدیر ہوئی

عشق ابرو نے بنایا ہے مجھے قبلہ نما
اُس طرف منہ مرا رہتا ہے جدھر یار رہے

عشق اپنا اثر آخر کو یہ دکھلاتا ہے
پہلے غم کھاتے تھے ہم، اب ہمیں غم کھاتا ہے
شب تو مر مر کے سحر کی غم تنہائی سے
دیکھئے، ہجر کا دن کیا مجھے دکھلاتا ہے

جان جاتی ہے دم نکلتا ہے
اب تو آؤ کسی بہانے سے

میرے ثبوت جرم پہ حجت نہ لائیے
جو خود مقر ہو کیا اُسے حاجت گواہ کی
چڑھتا نہیں نظر پہ کوئی یار صاف رو
عینک تلاش کرتا ہوں اپنی نگاہ کی
مجذوب ہو کے طے کیا میں نے طریق عشق،
سالک نے ایک چال سمجھائی نہ راہ کی

آتا ہے نہ وہ یار نہ موت آتی ہے مجھ کو
آفت میں پڑی جان، اِدھر کی نہ اُدھر کی

اُن تک نہ رسائی ہوئی حاضر رہے برسوں
دربان در یار نے اُن سے نہ خبر کی

اب اے "خلیل" ہجر میں دل کو سنبھالئے
عشق بتاں کی آگ کو چولھے میں ڈالئے

اب تو غربت میں چڈوں ٹھوکریں کھلواتا ہے
خیر سے جائیں گے پھر کے تو وطن دیکھیں گے
اپنے نالوں کی گلستاں میں ہوا باندہ کے ہم
ایک دن حوصلہ مرغ چمن دیکھیں گے
دیں گے ہم عشق جوانی کو بڑھاپے میں فروغ
جوہر نشۂ صہبائے کہن دیکھیں گے

ہوتے نہیں ہشیار جو حیراں ہیں ازل سے — آئینے کی حیرت کسی صورت نہیں جاتی
معلوم ہوا جامۂ صد چاک سے گل کے — کپڑے بھی پھٹے ہوں تو شرافت نہیں جاتی
بدلے یہ گلستان جہاں رنگ ہزاروں — خوش بوئے گل داغ محبت نہیں جاتی

بے گریہ فروتنی ہے بے سود — کیا قدر نماز بے وضو کی
اُس بت کے کلام کا ہوں بندہ — اللہ سے جس نے گفتگو کی

افسردہ دل میں کیا غم عشق بتاں رہے
جب بجھ گئی ہو آگ تو گرمی کہاں رہے

چلتے چلتے عاشقوں کے حلق پر — آگیا دم لب پہ تیغ یار کے
درد فرقت نے لٹایا اس قدر — چھل گئے پہلو ترے بیمار کے

جستجو میں یار کے ہر دم بگولے کی طرح
پھرتے ہیں ہم خانماں برباد اٹھتے بیٹھتے

کلمۂ حق پہ ہے زہاد کا ناحق جھگڑا ذکر منصور خبردار نہ آنے پائے

دیکھ لی لالے کی تنک ظرفی ایک ساغر میں عمر سب گزری
ہجر جاناں میں صورت شبنم روتے روتے تمام شب گزری
اپنے بیمار کی خبر لیجے خیر دن کو نہیں جو شب گزری

پیدا ہزار رنگ میں نیرنگ حسن سے گلدستۂ بہار ہے تصویر یار کی

کچھ رنگ ڈھنگ جوش جنوں کے ہیں بے طرح
گزرے الٰہی خیر سے مدت بہار کی

ڈر سے کہہ سکتے نہیں جس دن سے آئی ہے بہار
منہ کو تکتے ہیں اسیران قفس صیاد کے

اُس کی تعریف کیا کرے کوئی ہر صفت جس کی عین ذات ہوئی

پانوں پر خم رہے جبین نیاز زندگی یوں ہوئی بسر میری
پھوڑ دیں شوق دید نے آنکھیں توڑ دی عشق نے کمر میری
نہ بتوں سے ملوں ''خلیل'' اب کی بات رکھ لے خدا اگر میری

توبہ بتوں کے حسن ارادت سے کر ''خلیل''
ملتی نہیں مراد زمانے میں سنگ سے

جنوں

نواب سراج الدولہ، سردار جنگ خطاب، علی محمد خاں نام - فیض آباد کے رہنے والے اور رئیس تھے -

ان کے والد یعنی نواب محتشم الدولہ مدبرالملک مرزا باقر علی خاں بہادر فتح جنگ مشہور تھے -

ان کے والد یعنی نواب سراج الدولہ سردار جنگ کے دادا روہیلکھنڈ کے صوبہ دار تھے -

فرماں روائے اودھ نصیرالدین حیدر کے وزیر روشن الدولہ مشہور وزیر کے خویش تھے -

''جنوں'' نے ابتدا میں آتش سے مشورۂ سخن کیا آتش کے وفات کے بعد ''اسیر'' کو بھی کلام دکھایا تھا ان کے دو دیوان سراج النظم اور مصباح النظم کے نام سے چھپ چکے ہیں -

دونوں دیوان صرف غزلوں کا مجموعہ ہیں کلام میں اسیر کی آورد آتش کی آمد پر غالب ہے لفظی شان و شکوہ زیادہ ہے، اسی لئے کلام خشک ہے، تاہم مشق کا پورا پتہ چلتا ہے -

جنوں نے اس خصوصیت میں آتش کی پیروی کی کہ صرف میدان غزل کو اپنی طبیعت کا جولاں گاہ بنایا -

دیوان اول

ا

سوجھتا مضموں نہ تھا ذہن رسا کو آہ کا
پھر گیا آنکھوں میں نقشہ مد بسم اللہ کا
کیوں بنوں بہر تلاش رزق مور آسیا
بندہ پرور ہے لقب اے دل مرے اللہ کا

حاجیو جاؤ مبارک تم کو کعبے کا سفر
خود مرے پہلو میں گھر موجود ہے اللہ کا

بے خودی میں بھی خبر رکھتا ہے اُس کے حال کی
مجھ پہ یہ احسان ہے میرے دل آگاہ کا

یہی بہتر تھا جو بیمار غم اچھا نہ ہوا
شکر صد شکر کہ احسان مسیحا نہ ہوا

رہا فرقت میں جب دل پر نہ قابو بھروسا کیا ہمیں آہ رسا کا

مردم دیدہ سے اُس پردہ نشیں کو تھی حیا
بند آنکھیں ہو گئیں' کہہ دو کہ پردہ ہو گیا

ہجر کا غم ہے نہ کچھ وصل کی شادی مجھ کو
رنج و راحت کو ترے عشق میں یکساں سمجھا

ہوئیں جس دم یہ اپنی بند آنکھیں تو ہی پھیں نظر ہر سو رہے گا
شب فرقت میں کیوں بےتاب دل ہے یہ کس کروٹ؛ یہ کس پہلو رہے گا

اے بتو عشوۂ و انداز بہت تم کو دئے
صبر کرنے کو دل اک ہم کو خدا نے نہ دیا
جانے دیتے نہ تمھیں دل کے صنم خانے سے
اتنا مقدور بتو ہم کو خدا نے نہ دیا

صیاد ستم تازہ یہ ایجاد کرے گا پر کاٹ کے اک دن مجھے آزاد کرے گا

جانے کی تھی نہ تاب و تواں کوئے یار تک
مجھ کو کشاں کشاں یہ دل زار لے گیا

میں شمع کعبۂ و بت خانہ کا ہوں پروانہ
کہ تیرے حسن کا جلوہ یہاں وہاں دیکھا

لا دوا تھا مرض عشق دوا کیا کرتا
التجا کر کے طبیبوں سے بھلا کیا کرتا
زندگی ہجر میں تھی موت سے بد تر میری
اپنے جینے کی خدا سے میں دعا کیا کرتا
چند دن جی کے فقط فرض ادا کرنا تھا
تیرا بیمار جو کرتا نہ قضا ، کیا کرتا ؟

اگر اے آسماں کچھ بر سر انصاف تو ہوتا
قبائے گل میں تار اشک بلبل سے رفو ہوتا

یار کے آنکھوں کی گردش ، گردش تقدیر ہے
پھیر قسمت کا ہے پھر جانا نگاہ یار کا

کیا خوب پائی ہم نے سر دست یہ سزا
قاتل کے پاؤں چومنے پر سر قلم ہوا

کھل کھلا کر باغ میں ہنستے ہیں گل بے ساختہ
کس قدر بلبل کے نالوں کا اثر جاتا رہا

ب

تم جھوٹ بولتے ہو تو سچ جانتا ہوں میں
لیکن یقین دل کو ہے میرے یقیں سے کب

شب کو ہے پاتراب ' دم صبح کوچ ہے
روتی ہے اپنے حال پہ شبنم تمام شب

پ

توسن ناز پہ جس راہ سے وہ جاتے ہیں
ساتھ ہو لیتا ہے میرا بھی غبار آپ سے آپ

ت

پیرھن پھاڑ کے کہتے ہیں کے صحرا کو گئے
وحشت دل سے " جنوں " آج جو گھبرائے بہت

ہوئے ہیں جوش جنوں میں ہم ایسے صحرا گرد
ہمارے ساتھ پھرے ' آسماں کی کیا طاقت

ج

ٹوٹا نہ ہجر یار میں اشکوں کا تار آج
ٹھہرا کسی طرح نہ دل بے قرار آج
رو کر کہیں گے یار سے صدمے فراق کے
اشکوں سے اپنے دھوئیں گے دل کا غبار آج

ح

جو دکھاتا ہے فلک وہ دیکھتے ہیں آنکھ سے
آپ کے در پر کھڑے رہتے ہیں درباں کی طرح

د

ہوا بھی چلتی ہے کترا کے راہ نفرت سے
مرے مزار کا پھر خاک ہو غبار بلند

ر

عدم سے آئے ہم ہستی کے جانب تمہارے طالب دیدار ہو کر

کہا کرتے ہیں قصہ اہل عالم مجھے مجنوں اُسے لیلیٰ سمجھ کر

آگ کے پھول تھے سب پھول مگر بستر کے
میں شب ہجر جو لوٹا کیا انگاروں پر

ز

دیکھتا دیدۂ دل سے ہوں تماشا ہر روز　　پردۂ یار مجھے مانع نظارہ نہیں

س

پیش کش کو ترے کیا حشر کے دن لاؤں گا
عمل بد کے سوا کیا ہے گنہ گار کے پاس

ظ

آج ہے اور توکل اور بیان واعظ　　مختلف قول و روایت یہ عمل کون کرے

ک

قفس میں ہم کو بھولا آشیاں تک　　کریں کیا حسرت پرواز گلشن

ل

مرے کمال کو کچھ دہشت زوال نہیں
کمال یہ ہے کہ مجھ میں کوئی کمال نہیں
بگڑ گئے مرے سب کام کم زبانی سے
خموش ایسا ہوں گویا لب سوال نہیں

میری رسوائی سے افزوں تیرا شہرا ہو گیا
یہ مری قسمت میں تھا، وہ تھا تری تقدیر میں

جب سے بازار جہاں میں مجھے لائی تقدیر
نقد جاں دے کے ترے غم کا خریدار ہوں میں

دریا کی آبرو ہو کیوں کر مری نظر میں
ہے موج زن سمندر اشکوں کا چشم تر میں

تجھے تجھ سے خدا یا چاہتا ہوں
بھرا کرتا ہوں تیرا ہر نفس دم

تیرے کوچے کے سوا مد نظر کچھ بھی نہیں
دین و دنیا کے دو راہے کی خبر کچھ بھی نہیں

و

ترے سوا نہیں اب کوئی آرزو مجھ کو
تعلقات جہاں سے ہوا فراغ نصیب

ے

نہ کیا عشق نے ممنون طبیبوں کا "جنوں"
ہو گیا کام تمام اپنا دوا سے پہلے

اس سرا میں کب بلند و پست سے پائی نجات
عمر گذری صورت دیوار اُٹھتے بیٹھتے

شجر نکلا نہ کشت عشق میں تخم تمنا سے
خدا جانے کہ زیر خاک اس دانے پہ کیا گذری

لبوں پر دم تھا اُس کے منھ سے سن کر نام رخصت کا
کہو اے حضرت دل، یار کے جانے پہ کیا گذری

گئے راحت کے دن غم رہ گیا ہے یہی اک اپنا ہمدم رہ گیا ہے

نہیں زیبا، شکایت کیا کریں ہم خوش جمالوں کی
جدا ہوتی ہیں سب سے خصلتیں ان بے مثالوں کی
گرایا دیدۂ مردم سے ہم کو چشم گریاں نے
دکھائی زردئی رخسار نے صورت ملالوں کی

مڑ کے دکھلادے ذرا چاند سا مکھڑا اپنا
او مرے سمت سے منھ پھیر کے جانے والے
چاہئے بحر محبت سے کنارہ اے دل
ڈوب بھی جاتے ہیں دریا کے نہانے والے

جو یا ہوں عبث خانۂ دل دار کہاں ہے
کعبہ ہے اگر دل تو یہی اُس کا مکاں ہے

تھوڑا سا تو ہم عشق زلیخا نہیں کرتے ہو جس سے محبت اُسے رسوا نہیں کرتے

بیاں کیا کیجئے طول شب ہجر کہیں روز قیامت سے بڑی ہے

اب کہو کیا کہوں بتو تم کو شوق میں کہہ چکا خدا تک بھی

میں رکھوں پائے قاتل پر سر اتنی ہے ہوس باقی
دم بسمل یہی سجدہ مجھے کرنا ہے بس باقی

بے قراری کے سوا زیست میں کیا کام کرے کہیں مرجائے تو عاشق ترا آرام کرے

اس راہ خطرناک میں ہشیار مسافر لغزش قدم رہرو منزل سے لگی ہے

حسرتیں دل کی سب بر آئیں مگر — آرزو ترک آرزو کی رہی

دیکھ اے مرغ گرفتار قفس میں نہ پھڑک — عالم یاس ہے امید رہائی کیسی

میں ہاتھ کھینچ کے کیوں کر نہ پاؤں پھیلاؤں
غنی ہوں اس سے کہ دینے کو میرے تو کم ہے

دیکھ کر بسمل مجھے وہ ڈر کے پیچھے ہٹ گیا
پاؤں تک قاتل کے سر جانے کی حسرت رہ گئی

فرقت کی شب نہ آنکھ ذرا تا سحر لگی — یہ اشتیاق یار میں تھی سوئے در لگی

دیوان دوم

ا

وہ مثل اپنا زمانے میں جو پاتا — تو آئینے میں منھ دیکھا نہ کرتا

کیا انقلاب دھر نے ڈالا یہ تفرقہ — جب میں ہوا ضعیف وہ بت نوجواں ہوا
یوسف وہ ایک اور خریدار سیکڑوں — گذرا جدھر سے ساتھ اُدھر کا رواں ہوا

جل جانے کی لو دل کو "جنوں" کے جو لگی ہے — کیا شمع رخ یار کا پروانہ بنے گا

توڑ تا ہے صید دم صیاد لے اُس کی خبر — رشتۂ جان ٹوٹتے ہی وہ رہا ہو جائے گا

دیکھیں تسلی ہو ترے مجنوں کی یا نہیں — دامن تو سنگ سے ہے بھرا کوہسار کا

یہ دل بےتاب شوق دید روئے یار میں　　اس قدر تڑپاکہ آخر چاک سینا ہوگیا

ہمیشہ دل کو سنایا کئے تری باتیں　　اسی کہانی میں قصہ ہوا تمام ہوا

میں بسمل کی طرح شوق شہادت میں تڑپتا تھا
بجائے مرحبا پھر شکوۂ جلاد کیا کرتا
نہ اک دم چین پایا اس نے دنیا کی خرابی میں
خوشی عمر دو روزہ میں دل ناشاد کیا کرتا

کیا عالم کے خوش چشموں میں تجھ کو ڈھونڈھ کو پیدا
نہ تیری سی ہوئیں آنکھیں نہ میری سی نظر پیدا

خواہش ترک علائق ہے مجھے مدت سے　　یا الٰہی یہ گدا بھی کبھی سلطاں ہوگا

در جاناں تلک موقع نہیں ملتا رسائی کا
ہمارا قصد ہے مدت سے قسمت آزمائی کا
جہاں میں چار سو شہرہ ہے جس کی بے وفائی کا
اُسے دل دے کے کیوں الزام لوں ساری خدائی کا

مے بیخودی میں مانگئے پیر مغاں سے کیا
کہتے ہیں کیا نکلتا ہے اپنی زباں سے کیا

کیسا چمن مرا دل صیاد میں ہے گھر
پروردۂ قفس کو غرض آشیاں سے کیا

کی تلخ زندگی لب شیریں کی یاد نے　　جائےگا ذائقہ یہ ہمارے زباں سے کیا
اس بوستاں میں طائر رنگ چمن ہیں ہم　　ہم کو نشیمن و قفس و آشیاں سے کیا

نیند آنکھوں سے صیاد کی جب تک نہ اُڑالی
مرغان تہِ دام کو آرام نہ آیا
حاتم سے بھی کچھ ہمت ساقی ہے زیادہ
مے خانے میں جاکر کوئی ناکام نہ آیا
عشق لب جاں بخش میں ہونٹوں پہ رہا دم
اعجاز مسیحا مرے کچھ کام نہ آیا

شاید کہ ہے دلچسپ بہت ملک عدم کا
جو ہاں سے گیا اُس سے پھر آیا نہیں جانا
ذلت ترے کوچے کی نہ کیوں‌کر ہو گوارا
تقدیر کے لکھے کو مٹایا نہیں جاتا

تیرا در چھوڑ کے میں کعبے کو سجدہ نہ کروں
ہے ازل سے یہی لکھا مری پیشانی کا

بارہا لیلیٰ کو سوئے نجد لایا جذب قیس　　اس زمانے میں محبت کا اثر جاتا رہا

گلہ یہ ہم کو ہے اے دور آسماں تجھ سے　　ہمارے گھر نہ کبھی پی کے وہ شراب آیا

ح

صیاد ہم پھنسیں نہ کبھی تیرے جال میں
اُجڑا ہوا قفس ہو پھر آباد کس طرح

د

سنگ تربت پہ مرے دوستو یہ لکھ دینا
نہ کوئی اُس سے ہو خواہان وفا میرے بعد

ر

دو راہے سے نکل دیر و حرم کے — دو رنگی چھوڑ دے اک رنگ ہو کر

پہونچتے ہیں مقصد کو بے بال و پر بھی — ہے کیوں ناز پروانے کو بال و پر پر

ہ

تجھ سے بھی بھری جاتی ہے اے رشک مسیحا
بیمار کی تیرے ہے چراغ سحری آنکھ

راحت نہ ہو کیوں مرگ میں جینے سے زیادہ
جب ہجر کی ساعت ہو مہینے سے زیادہ

کہتے ہیں سب یہ دیکھ کے جلنا پتنگ کا — مقتول کا قصور ہے قاتل کا کیا گناہ

فصل گل جاتی رہی آئی خزاں گلزار میں — اب مجھے صیاد کرتا ہے رہا بے فائدہ

ے

تیرہ بختی میں نہیں سوجھتی تدبیر کوئی
شب کو لگتا ہے نشانے پہ بھلا تیر کوئی

سبب زیست اُس کی الفت ہے — تار جاں رشتۂ محبت ہے

آہیں تو کروں لاکھوں پہ تاثیر نہیں ہے — ترکش میں مرے کام کا اک تیر نہیں ہے

ملاتے آنکھ نہیں یار و آشنا ہم سے   بتوں کے پھرتے ہی کیا پھر گیا خدا ہم سے

دیوانگی میں قیس کو لیلیٰ کے یاد تھی   جو بے شعور اس کو کہے بے شعور ہے

طبیبوں سے کرے کیوں التجا وہ   مرض جس کا نہ ہو قابل دوا کے
دل سنگیں بتوں کا موم کردوں   جو بس ہو کارخانے میں خدا کے

دیدۂ تر کا برا ہو کہ مصور نے مجھے
دی نہ تصویر وہ آنکھوں سے لگانے کے لئے

نہیں درکار عمر جاودانی   خجل کرتی ہے تجھ بن زندگانی

سخن فضول زباں سے ادا نہیں کرتے   سوا خدا کے کسی کی ثنا نہیں کرتے

منتہی

نام (مرزا) مہتاب بیگ، لکھنؤ کے رہنے والے آتش کے شاگرد تھے - منتہی نے غدر سے پہلے لکھنؤ میں قیام کیا تھا، غدر شروع ہوا تو باندہ چلے گئے نواب باندہ نے ان کو اپنے خاص مصاحبوں میں جگہ دی -

ضخیم دیوان لکھنؤ میں غدر کی نذر ہو چکا تھا، باندہ میں جب ان کا دیوان طیاری کے قریب پہونچا تو وہاں بھی گڑبڑ شروع ہوئی اور دوسرا دیوان میں آتش غدر کی بھینٹ چڑھا - آخر میں عازم حیدرآباد ہوئے، نواب مہر خیرات علی خاں نظام کے بھائی نے اپنے یہاں جگہ دی اور مشورہ کرنے لگے -

حیدرآباد کے قیام میں جو دیوان مرتب ہوا کارستان فصاحت کے نام سے شائع ہوا - سن پیدائش و وفات معلوم نہیں، غالباً سنہ ۱۳۱۱ھ سے پہلے وفات پائی - سوز اور گداز، آمد کا انداز کلام میں کم نہیں تاہم حتی الوسع آتش کی روش پر ہیں - اور اصناف میں کوئی خاص پایہ نہیں -

ا

کشش عشق پہ قادر جو مرا دل ہوتا　　فاش پردہ ترا اے صاحب محمل ہوتا

ذبح لے جاکر کیا صحن چمن میں باغباں　　میری گردن پر بڑا احسان ہے صیاد کا

فقیر ہوں میں ازل سے در توکل کا　　گدائے شہر کا پی کر پیالہ کیا کرتا

وفا دار ہم ہیں ' جفا کار تم ہو　　یہ خصلت ہماری ' وہ شیوہ تمہارا

نہ ڈبویا خط تقدیر افسوس　　تجھ کو اے دیدۂ گریاں دیکھا

پکڑے دامن جو اس پری کا　　اتنا نہیں حوصلہ کسی کا
اپنی اپنی پڑی ہے سب کو　　کوئی نہیں ہے یہاں کسی کا

اسیر کرکے ہمیں حکم دے گیا صیاد　　قفس ہو تنگ تو ان کے نہ بال و پر رکھنا

لبریز بزم یار میں جام شراب تھا　　پھولا ہوا چمن میں گل آفتاب تھا

تاثیر عشق گبر و مسلماں پہ کر گیا　　ساقی شراب ناب سے دو جام بھر گیا
اچھا ہوا شباب کا عالم گذر گیا　　اک جن چڑھا ہوا تھا جو سر سے اُتر گیا

ساکن دیر و حرم سے پوچھو　　کہیں وہ بھی نظر آیا دیکھا
لطف گلزار و خرابئ چمن　　جو ان آنکھوں نے دکھایا دیکھا

اشک کو تاثیر دی اچھا کیا　　قطرۂ ناچیز کو دریا کیا
شربت وصلت پلایا یار نے　　ہجر کے بیمار کو اچھا کیا
دستخطی دکھلاؤں گا فرد جبیں　　حشر میں پوچھا جو مجھ سے کیا کیا

منصور پیتے ہی مئے اُلفت بہک گیا　　جام مئے الست ، بھرا تھا چھلک گیا

جس کو کہتے ہیں یار ماہ تمام　　ہے مرقع تری جوانی کا

بے حکم آپ کے نہیں رکھا ہے اک قدم　　ناحق کا بوجھ سر پہ مرے ہے گناہ کا

حال میری بزم کا یہ بے رخ جانانہ تھا
آہ سوزاں شمع تھی ، دل صورت پروانہ تھا
روبہ‌رو میرے رہا جب تک کہ دم میں دم رہا
عشق بت تھا یا چراغ زیست کا پروانہ تھا

دیر کو جانا ہے گاہے، گاہ کعبے کی طرف　　حال ابتر ہے تمہارے طالب دیدار کا

الفت کا تخم مزرع دل میں جو بو دیا　　ہم کو کمال عشق نے دنیا سے کھو دیا

ہاتھ جس روز پکڑے گا جلوۂ کامل　　قطع ہو جائے گا دنیا سے سروکار اپنا

دل کے خواہاں ہیں حسیں ،ان کے ہیں خواہاں عاشق
اس کے طالب ہیں جدا ، ان کے طلب گار جدا

کبھی عدم میں رہا، کچھ وجود میں آیا　　پھرا ہوں زیست میں اپنی کہاں کہاں تنہا

پھک رہا تھا جو کہ سوز ہجر سے　　آج وہ بیمار ٹھنڈا ہو گیا
اشک نے پیدا کیا حسن قبول　　قطرۂ ناچیز دریا ہو گیا
لکھ دیا تھا جو ازل کو وہ ہوا　　میں جہاں میں مفت رسوا ہو گیا

زمانے میں نہیں ایسا ہے کوئی رہبر کامل　　کرے گا راہ جنت کی تراد ست کرم پیدا

عدم سے لایا مجھے اشک بار دنیا میں　　زیادہ اس سے ستم آب و دانہ کیا کرتا

پوچھو نہ حال اپنے دل خاک سار کا
پہلو میں ایک ڈھیر ہے مشت غبار کا
اُلٹا ہے آہ سرد نے میری سر نقاب
پردہ اُٹھا دیا ہے صبا نے بہار کا

———

بے اثر اشکوں سے منہہ دھوتا ہے کیا
آبرو اپنی عبث کھوتا ہے کیا

———

تحریر سے کب حرف مقدر کی خبر تھی
جس جا پہ ہے مسجد، وہاں مے خانہ بنے گا

———

کبھی ہیں جیب کے ٹکڑے کبھی گریباں کے
جنون عشق مرا کر رہا ہے کام نیا

———

ملے گا قدردان عشق ہم کو
خدا معشوق با ایمان دے گا

———

خلد سے لاکر یہاں مجھ کو پھرایا در بدر
جو کیا اچھا کیا جو کچھ ہوا بہتر ہوا

———

زمانے کی مجھ کو دکھاتا ہے سیر
مرا دل مجھے جام جم ہو گیا

———

شاہی کی آرزو نہ گدائی کا اشتیاق
میں ہوں نیاز مند عجب بے نیاز کا

———

نوشتۂ خط تقدیر پڑھ نہیں سکتا
جو لکھ دیا تھا برا یا بھلا، ہوا سو ہوا

———

ہے زیست کی خوشی نہ مجھے رنج موت کا
یکساں ہے اس جہان میں سود و زیاں مرا

———

بحر جہاں میں کرتے ہو اس کی نمود کیا
قطرہ اک آب کا ہوں مری ہست و بود کیا

———

حواس و ہوش گئے اپنے عہد پیری میں
سحر کے ہوتے ہی یہ قافلہ روانہ ہوا

———

جدا گانہ نہیں شکلیں زمانے کے مرقع میں
طلسم زندگانی کھیل ہے اک اس کی قدرت کا

———

ب

آئینہ دیکھ کر مجھے حیرت سی ہو گئی
تصویر اور ہے مری تصویر کا جواب

ث

ملت شیخ و برہمن میں ملاتے ہو عبث
گاڑتے ہو مجھے ناحق کو جلاتے ہو عبث
چمن کوچہ دلدار کا میں بلبل ہوں
دوستو! خلد میں مجھ کو لئے جاتے ہو عبث

د

نہ ہوا اہل جنوں مجھ سے سوا میرے بعد
رہ گئی دشت میں خالی مری جا میرے بعد

ر

بہار آئی ہے بلبل ٹوٹتے ہیں گل کے داماں پر
خوشی دست جنوں کو ہے مصیبت ہے گریباں پر

قدم پر اُس کے رکھ دے سر جھکا کر نماز پنجگانہ یوں ادا کر

موسم گل ہے جوش سودا ہے ان دنوں اپنا حال ہے کچھ اور
حال منصور سے کھلا یہ حال عاشقی کا کمال ہے کچھ اور

ف

پھر بہار گل گئی شاید گلستاں کی طرف
کھینچتی ہے پھر مجھے وحشت بیاباں کی طرف

ق

سر کرے نذر جنوں کون سا دیوانۂ عشق
کس سے دیکھیں ہوا ادا سجدۂ شکرانۂ عشق

م

دل لگاتے ہیں اُس ستم گر سے زیست سے اپنی کیوں خفا ہیں ہم

ن

ہر گھڑی رہتا ہے اک شکوۂ جاناں لب پر
ہر گھڑی رہتی ہے تقدیر سے پر خاش ہمیں

سدا کر ''منتہی'' کو یوں لگا پیر مغاں کہنے
قدم جب عشق میں رکھتے ہیں بسم اللہ کہتے ہیں

تپ ہجر دل کو گوارا نہیں جو آئی ہے اپنی تو چارا نہیں

اُس کا بند نقاب واتو نہیں در باغ ارم کھلا تو نہیں
سر بھی حاضر ہے جان عاشق بھی اور صاحب کا ادعا تو نہیں

ہر طرف بو اُڑی ہے کاکل کی اُس گلی میں گئی صبا تو نہیں

ہمصفیروں سے مرے کہیو صبا کبھی ہم بھی تھے آشنائے چمن

ہوائے دہر مخالف سے بجھ نہیں سکتا یہ داغ دل ہے ہمارا چراغ بام نہیں

کدھر بت، کہاں کے حسین زمانہ
ہر اک شکل میں تجھ کو ہم دیکھتے ہیں

نظر آئی ہے جب سے تصویر یار ہم اُس وقت سے نقش دیوار ہیں

غافل کسی کے حکم سے چلتے ہیں ہاتھ پاؤں
جس پر کہ اختیار ہے وہ بے اختیار ہیں

نہ پوچھ حال تو کچھ مجھ سے رقص بسمل کا
مزا کچھ اس کا، ترے نیم‌جاں اُٹھاتے ہیں

وارفتہ ہوں میں جادۂ کوئے طریق کا سچ تو یہ ہے لکیر کے اوپر فقیر ہوں

ہوا ہے گذر جب سے دشت فنا میں وجود اپنا نقش قدم جانتے ہیں

بھیجا اپنا خیال اُس بت نے جب سنا ''منتہی'' اکیلے ہیں

عاصی گناہ گار ہوں، مجرم ازل سے ہوں
میں پڑھ کے زاہدا خط تقدیر کیا کروں

نہ کس طرح سے مجھے اضطراب ہو ساقی
کہ میرے دل کا ہے صبر و قرار شیشے میں

و

جوش گل میں باغ کی ہر نہر بحر بادہ ہو
ساقیا دست کرم تیرا اگر آمادہ ہو

مئے و معشوق کروں ترک بہار گل میں
نہیں زیبا ، نہیں زیبا ، نہیں زیبا ، مجھ کو
آمد فصل بہاری ہے چمن میں شاید
لئے جاتا ہے کوئی جانب صحرا مجھ کو
خبر وصل ہے عاشق کے لئے شادیٔ مرگ
"منتہی" ! تو نہ سنانا نہ سنانا مجھ کو

جب قابل دید دلربا ہو   اللہ کرے کہ با وفا ہو
آئی ہے فصل گل چمن میں   اے ہوش و خرد چلو ہوا ہو

فصل گل میں مےکشی کی گر نہیں دیتا صلاح
دور ہو ناصح ہمارے سامنے سے دور ہو

حسرت دید چمن ، دہشت دام صیاد   پوچھئے اُس سے جسے طاقت پرواز نہ ہو

آئے ہو تم تو طلسمات جہاں کے اندر   دور سے منزل ہستی کا تماشا دیکھو

ہوش جس دن سے ہوا چشم حقیقت بیں کا
جس طرف دیکھا اُدھر تو نظر آیا مجھ کو

عشق بتاں سے حضرت دل ناصبور ہو   معلوم یہ ہوا کہ بڑے بے شعور ہو
جس دم بہار گل کا جہاں میں ظہور ہو   ٹوٹے وہ ہاتھ جو کہ گریباں سے دور ہو

صیاد جو دیکھے مجھے اُلفت کی نظر سے
گلزار سے بہتر کہیں سمجھوں میں قفس کو

آزماؤں ایک دن اپنے ہوائی تیر کو | آہ کی طاقت دکھاؤں آسمان پیر کو
آفرین صد آفرین ہے صانع تقدیر کو | دشمن عاشق بنایا، اس بت بے پیر کو

سیر گلشن ہو مبارک بلبل ناشاد کو | پھونک دے گر آتش گل خانہ صیاد کو

۸

میں سمجھتا نہیں کہ کیا ہے یہ | عشق انساں ہے یا بلا ہے یہ
اپنے اللہ سے دعا ہے یہ | بے خطا اس جہان سے اُٹھوں

میرا چراغ زیست، بجھے گا سحر کے ساتھ | جائے گا صبح دم مرے پہلو سے ماہ وش

ے

قید بلبل کی خوش نوائی ہے | تنگ دل کیوں نہ ہوئیں اہل سخن

چڑھی ہے جو سر پر اُتر جائے گی | جوانی کی حالت گذر جائے گی

عالم ہستی کا یارب کچھ عجب انداز ہے
یہ نہیں معلوم تیرا راز ہے یا ناز ہے

کیا یہ سودا سر بازار ہوا چاہتا ہے | پھر جنوں دل کا طلب گار ہوا چاہتا ہے

اُلفت سے بتّھا رہی ہے | داغوں سے دل جلا رہی ہے

چھوٹتا ہوں جب سے مہر و محبت کے دام سے
پھیلا کے پاؤں سوتا ہوں ہر روز شام سے

جہاں کو چشم حقیقت سے دیکھ، او غافل   کھلی ہے آنکھ ابھی اختیار باقی ہے

قصد کعبے کا خیال خام ہے   کچھ نہیں واں بھی خدا کا نام ہے
عاشقی جس کا جہاں میں نام ہے   زاہدا وہ موت کا پیغام ہے

جان لے یا صبر دے دل کو خدائے دو جہاں
یا کوئی محبوب تجھ سا دوسرا پیدا کرے

کیا کہئے بے ثباتی عالم کو ناصحو   کسے اُمید و بیم میں ہم عمر بھر رہے
مفلس کے ہم چراغ تھے عہد شباب میں   پیری میں زندہ صورت شمع سحر رہے

پاؤں ہیں کوچۂ توکل میں   ہاتھ اُٹھتے نہیں دعا کے لئے
آ کبھی تو مرے قفس کی طرف   اے نسیم چمن خدا کے لئے

رہ رہ گئے ہم لپٹ لپٹ کر   شاید پس گرد کارواں تھے

بے خطر راہ عدم ہے مجھے معلوم ہوا
بند آنکھوں کو کئے جاتے ہیں جانے والے

جو کچھ کہ ستم کرو بجا ہے   اس دل کے لگانے کی سزا ہے
پہلو میں نہیں قرار اُس کو   کیا جانئے دل کو کیا ہوا ہے

اُسے زنجیر پہنائی گئی منت کے دھلے سے
رہا ہے عشق جاناں ''منتہی'' کو خورد سالی سے

بیعت دست سبو سے یہ کھلا — سب سے بہتر مشرب رندانہ ہے

کشش عشق یہ قادر جو مرا دل ہو جائے
فاش پردہ ترا اے صاحب محمل ہو جائے

بہ وقت نزع کھلا ہم کو یہ ، ہزار افسوس
جہاں ہمارے لئے تھا نہ ہم جہاں کے لئے
نہ کر سکا میں ذرا رعب حسن سے فریاد
دہن کو کھول کے میں رہ گیا فغاں کے لئے

بجا کے دیر میں ناقوس ، دی حرم میں اذاں
کہاں کہاں تجھے عاشق پکار آتا ہے

کعبے کو شیخ جائے کلیسا کو برہمن — ہم چلتے ہیں اُدھر جدھر اللہ لے چلے

خاکساری پہ باندھتا ہوں کمر — میری قسمت زمیں پکڑتی ہے
"منتہی" تیری سخت جانی ہے — موت بھی ایڑیاں رگڑتی ہے

شب ہجر اکثر اِدھر ہوگئی — اجل مجھ سے تو بے خبر ہوگئی

رکھئے آنکھوں پر اُسے ، دل میں جگہ پھر دیجئے
آمد اُس محبوب کی منزل بہ منزل چاہئے

کمال عشق کی دل میں سمائی مشکل ہے
ہوا ثبوت کہ کار خدائی مشکل ہے

دشمن و دوست کی تدبیر سے کیا ہوتا ہے — وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

اس کے سمند ناز سے اُٹھا تھا ایک دن — جس کا بگولہ نام ہے اپنا غبار ہے

کدورت دل عشاق جس سے اُڑ جاتی نہ ایسے جھوکے الٰہی! کبھی ہوا کے چلے

اُتارا مرا اس نے سر آتے آتے یہ قصہ کیا مختصر آتے آتے

کھنچا جاتا ہے یہ دل سوئے قاتل خدا ہی جانے اس کو کیا ہوا ہے

یاران رفتگاں کی جو ملتی نہیں خبر شاید مقام ان کا بہت یاں سے دور ہے

کعبے گیا کبھی میں کبھی دیر کی طرف پیدا ہوا ہوں گردش ایام کے لئے

پھری میں داغ عشق فروزاں ہے کس قدر تقدیر نے بنایا ہے شمع سحر مجھے

گاہے قفس میں ہے کبھی پھندے میں دام کے
مٹی خراب رہتی ہے تیرے اسیر کی

لکھ لیا ہے اپنی خاطر خواہ اُس نے مجھ کو کیا
ایک دن محشر میں میں ہوں، کاتب تقدیر ہے

عالم کا مرقع کیا؟ مجمع ہے حسینوں کا جو شکل نظر آئی تصویر نظر آئی

ہوش

نیاز احمد خاں نام، خطاب نواب تھا، بریلی کے رہنے والے، نواب نیاز احمد خاں کے بھتیجے تھے -

ہوش مولوی اور حکیم بھی تھے، عرصے تک لکھنؤ میں قیام رہا، وہاں طب اور شاعری دونوں کی مشق ساتھ ساتھ جاری رکھی -

معقولات اور منقولات مشہور اساتذہ سے پڑھیں - فن شاعری میں ابتداً حکیم محمد محسن علی خاں جوش بریلوی سے استفادہ کیا، آخر میں اسیر کے شاگرد ہوئے -

۵۵ سال کی عمر میں سنہ ۱۸۹۴ع میں وفات پائی - تمام اصناف میں ایک خاص رنگ ہے - ان کے کلام میں نہ تو "آمد" کی بے ساختگی ہے اور نہ "آورد" کا اہتمام ہے تاہم کلام صاف اور سلیس ہے، زبان بھی اچھی پائی ہے -

آمد کے مقابلے میں "آورد" زیادہ کامیاب ہے اس لئے غزل سے زیادہ قصائد وغیرہ میں ان کا رنگ نمایاں ہے -

غزل کے اکثر اشعار پھیکے لیکن بعض بلند بھی ہوگئے ہیں -

ا

مجھ کو سختئی ہتاں نے اے جنوں عریاں کیا
کیوں نہ تن ڈھاپوں اگر دامن ملے کہسار کا

پھر سر نو ملتے هیں بالکل بھلا کر وہ مجھے
بخت خفتہ میں هے عالم طالع بیدار کا

لقب هے اے جنوں ' مہر ولایت داغ هجراں کا
کشود باب باطن نام هے چاک گریباں کا

ابھی تو عالم وحشت میں چاک کر دیتا
جو مرے هاتھہ میں دامان آرزو هوتا
سمجھتے شیخ کو هم رازدار تب تیرا
کہ لب پہ ذکر بتاں اور دل میں تو هوتا

قطرۂ اشک هوں دکھلائیے مجھہ کو جلوہ
شجر طور نہیں هوں جو میں جل جاؤں گا
گرم کیوں هوتے هو محفل میں مجھے دیکھہ کے تم
شمع ساں خود هی سحر تک میں پگھل جاؤں گا

درس ابجد هی میں لام زلف لیلی تھا سبق
هوش مجنوں کو نہ آیا تھا کہ غافل هوگیا

کھولو جو زباں تم تو کہے کیا تمہیں کوئی
یہ کام تو میرا هے کہ میں کچھہ نہیں کہتا

آ رهی هے یہی بسمل کی تڑپ سے آواز
تیرے خنجر سے تو قاتل میں گلے مل آیا

ٹکڑے ٹکڑے ہے جنوں ! پیرهن تن اپنا آستیں ہے نہ گریبار ہے نہ دامن اپنا

لیلیٰ کی شکل رکھتی ہے پر سانپ ہے وہ زلف
مجنوں نہیں ہوں میں کہ مجھے پیار آئےگا
آئینہ بن کے رو بہ رو آیا نہ یار کے
کیا کام اپنے دیدۂ بیدار آئےگا

دیکھتا ہوں میں جدھر توهی نظر آتا ہے
آنکھ جس دن سے کھلی بیچ سے پردا اُٹھا
آپ سر کاٹ کے پھینک آئے در قاتل پر
ملک‌الموت کا هم سے نہ تقاضا اُٹھا

اُسی سے هم تو کچھ هنس بول لیتے رواں وہ چھوڑ کر سایا تو هوتا

سائے کو اس کی چاهوں تو حاصل هو وہ مجھے
ثمرہ ہے عاشقی میں حقیقت' مجاز کا

محتسب کے حکم سے کیا بادہ خواروں کو خطر
خم اگر ٹوٹا تو اے ساقی سبو هو جائےگا

ب

هم کو تو زندگی نے دیا قاصدا جواب تونے جو یہ کہا کہ وهاں سے هوا جواب

ت

فرقت میں مے حرام نہ تھی مے کشو ! مدام
واعظ نے اس میں لاکے ملائی کہاں کی بات

جس دل میں سوز ہے نہیں اس میں صدا کا نام
اے شمع ! کس پہ کھلتی ہے تیری زباں کی بات

ث

جذب دل کھینچ ہی لائے گا انہیں اخر کار
نوچتا منھ ہے مرا ناخن تدبیر عبث

ج

جانیں کہ قیامت کا بھی دن آئے گا فردا
ہو جائے اگر اس شب فرقت کی سحر آج

د

کروں گا اس کو بھی ہم شکل اپنا کسی صورت میں آئینہ دکھا کر

س

قاتل نے گھر میں گنج شہیداں بنا دیا
ترتیب انجمن کی ہوئی انجمن کے پاس

ظ

کچھ نہ کر ذکر بتاں دل سے مٹا دے واعظ
اتنی توفیق اگر تجھ کو خدا دے واعظ

م

لاغر یہ ہیں کہ اٹھتی ہیں عالم کی اُنگلیاں
ہم رتبہ ضعف سے ہیں ترے اے ہلال ہم

ن

زار اپنا تن ہوا اب دیکھہ لیں گے چرخ کو
آبلے کے چھیڑنے کو کچھہ یہ کانٹا کم نہیں

کیا بات ہے جو وہ نہیں لاتے زبان تک کچھہ زہر تو ملا ہے نہیں مرے نام میں

جو ہم کو چاہے وہ کیا خاک غیر کو چاہے یہ مے دوبارہ کبھی قابل کشید نہیں

و

باغباں تو دشمن بلبل ہے اے خار چمن تو بڑھا کر ہاتھہ گلچیں کا گریباں گیر ہو

تب ہو لطف قید جب ڈالو گلے میں ہاتھہ تم
طوق گردن میں پڑا ہو پاؤں میں زنجیر ہو
زیست میں کیا پوچھتے ہو ہم سے حال بعد مرگ
خواب سے پہلے بیاں کیا خواب کی تعبیر ہو

فخر عریانی کے جامے پر کریں کیا اے جنوں
چاک کرنے کے لئے جس میں گریباں تک نہ ہو

تم کو تو جبر کر کے طبیعت پہ چھوڑ دیں پر کیا کریں ہم اس دل بے اختیار کو

ے

دیکھ کر خنجر قاتل کو صدا دی دل نے
تیرے قربان مری پیاس بجھانے والے

کشتئ عمر کا خدا حافظ
ناخدا ہے نہ ڈھنگ لنگر کے

سوار جب سے ہے تو مرکب جوانی پر
لگے ہیں آنکھوں کے حلقے رکاب کے بدلے

اُن کے آتے ہی ہوئی شوق کی ایسی تحریک
کھل گئی دل کی گرہ بند قبا سے پہلے

جب سے دیوانے ہوئے ساری خلش دل سے مٹی
خار صحرائے جنوں سے نشتر فصاد ہے

کیوں شروع عشق میں منہ سے نکلتی آہ ہے
کیا کتاب عاشقی کی آہ، بسم اللہ ہے

حمد

مرکب ہے بہر طبع رواں دوش نقش پا
وسعت سخن کی ہے لب خاموش نقش پا

انشا ہے بست دائرۂ فکر نکتہ سنج
مردم سمجھتے ہیں جسے آغوش نقش پا

اب جز سکوت بن نہیں پڑتی ہے کوئی بات
گویا زبان ہے لب خاموش نقش پا

چشم خیال و دیدہ بینائے ہوش مند
پستی و تیرگی سے ہیں ہم دوش نقش پا

عاجز اگر بیان ثنا میں ہے خاکسار
بیٹھا سنا کرے صفت گوش نقش پا

میں خاکسار حمد میں کھولوں زبان کیا
گویا ہوں صورت لب خاموش نقش پا

کیا ہاتھ آئیں گوہر مضمون آبدار
رکھتا ہے خاک چشمہ پر جوش نقش پا

ادراک کنہہ حق کو پہونچتا نہیں دماغ
خالی ہے وصل اوج سے آغوش نقش پا

طے کر سکے یہ جادہ حمد خدا کو کیا
کلک رواں کو پاتے ہیں ہم دوش نقش پا

نعت

عروج اتنا بڑھا ہے فضل رب سے طبع انور کا
کہ شک اوج مضامیں پر ہے معراج پیمبر کا
زمین شعر سے ہے پست رتبہ چرخ احقر کا
مرا چوتھی کا مضموں کنگرہ ہے عرش اکبر کا
چراغ کعبہ ، معنی ہیں تو بندش پوشش کعبہ
مرے ہر بیت میں انداز ہے اللہ کے گھر کا
وہ میری نظم میں ہے اژدحام کثـرت معنی
کہ ہوتا ہے گماں دیوان پر دیوان محشر کا
زمانہ میرے میدان قلم کا ایک کونا ہے
جسے کہتے ہیں خط استوا ڈورا ہے مسطر کا
کوئی مدح و ثنا تیری کہاں تک اُڑ کے لکھے گا
مدد روح‌القدس کی ہو ، قلم جبریل کے پر کا
یہ پایا رتبہ فیض آفتاب نعت حضرت سے
کہ میں بھی ایک ذرہ ہوں رسول‌اللہ کے در کا
دکھائی مجھ کو میری عاجزی نے شوکت شاہی
تو تاج خاکساری زینت افزا ہوگیا سر کا
رہے ہیں حاصل کونین اس میں شک نہیں ہرگز
سوا ان کے بتاؤ کون ہے محبوب داور کا
وہی ہیں فخر آدم کے وہی باعث ہیں عالم کے
انہیں کے سر ہے سہرا کل برات اہل محشر کا
انہیں کی آمد و شد نے کیا پر نور عالم کو
اُنہیں کے نقش پا میں طور ہے مہر منور کا
محمد کہتے ہیں اُن کو اُنہیں کا نام احمد ہے
اُنہیں حاصل ہوا ہے اختیار اللہ کے گھر کا

منقبت حضرت علی کرم اللہ وجہہ

فرش کیوں بزم سخن میں نہ ہو داماں گہر
کیوں صبا شمع معانی کی نہ ہو جان گہر
کیوں نیا رنگ نہ در ہائے مضامین دکھلائیں
پھولے ہر بیت میں کیوں کر نہ گلستان گہر
کیوں نہ شاخ شجر طور بنے ہر مصرع
نقطے نقطے سے نہ کیوں کر ہو عیاں شان گہر
سلک گوہر سے بڑھے سلسلۂ نظم نہ کیوں
کیوں نہ حیران ہو سب رتبہ شناسان گہر
بندش صاف بنے چاندنی کا کھیت نہ کیوں
کیوں نہ مانند کتاں چاک ہو داماں گہر
جبۂ صاف ہے یا چاند کا اک ٹکڑا ہے
ہے ضیا دانتوں کی یا جلوۂ داماں گہر
گرمی حسن سے رہتا ہے پسینا رخ پر
دُر غلطاں میں نئے طرفہ ہے ایوان گہر

جوش

احمد حسن خاں نام، نواب خطاب تھا، "اچھے" عرف عام تھا - لکھنؤ کے رہنے والے تھے - ابتدا سے طبیعت میں شاعری کی طرف رجحان تھا، پہلے نواب عاشق علی خاں "عاشور" اور "راسخ" مرحوم سے مشورہ سخن کیا، آخیر میں "اسیر" کے تلامذہ میں داخل ہوے -

سنہ ۱۲۴۳ھ میں پیدا ہوے، اور سنہ ۱۳۰۳ھ میں وفات پائی -

"راسخ" اور "اسیر" دونوں سے بالکل علحدہ رنگ ہے، غزل میں سلاست اور روانی کے ساتھ درد بھی ہے، انداز بیان میں تاثیر اور شگفتگی ہے -

---

ا

سچ کہتے ہیں کہ نام محبت کا ہے برا
اُلفت جتا کے دوست کو دشمن بنا لیا

دامن حضرت یوسف کے اُڑائے پرزے
پاس عصمت تجھے اُس وقت زلیخا، نہ ہوا

حسرتیں مردہ دلوں کی کبھی زندہ نہ ہوئیں
نام رکھا ہے عبث تم نے مسیحا، اپنا

خضر گم کردہ راہ ہیں اے "جوش" چاہئے راستہ بتا دینا

ن

مجھ جاں بہ لب کے پاس سے جاتے ہو گھر کہاں
پھر تم کہاں، یہ عاشق خستہ جگر کہاں
کہتے ہیں کہا حضور کہ آئیں گے وقت صبح
اس شب کو خاتمہ ہے ہمارا، سحر کہاں

اُس بت کے پاس دیر میں پہونچادے گر مجھے
آنکھوں سے میں لگاؤں ابھی برہمن کے پاؤں

ہمیں خدا نے بنایا ہے بت پرستی کو بتا تو شیخ ترا کیا گناہ کرتے ہیں

نہ مرنے سے ڈرے ہم، عشق کامل اس کو کہتے ہیں
تصدق تم پہ کردی جان تک، دل اس کو کہتے ہیں

و

پائیں گے مراد اپنی خریدار کبھی تو
نکلے گا وہ یوسف سر بازار کبھی تو

ابر میں چاند گر نہ دیکھا ہو رخ پہ زلفوں کو ڈال کر دیکھو

ے

مر مر کے اگر شام تو رو رو کے سحر کی
یوں زندگی ہم نے تری دوری میں بسر کی

دل مائل زلف و رخ جانانہ ہوا ہے
سودائی ہے، نادان ہے، دیوانہ ہوا ہے

بندوں کے صرف عجز ہیں اللہ کو پسند
مجرم جو منفعل ہو، خطا کچھ نہ پوچھئے

دو ہاتھ لگا دے کہ شہیدوں میں ہوں شامل
عاشق ہیں ترے آب دم تیغ کے پیاسے

قیس سے کہہ دو کہ ہٹ جائے، یہ لیلیٰ کا ہے حکم
آنے پائے نہ پس پردۂ محمل کوئی

چشم دل کھول کے نظارۂ لیلیٰ کر لے
قیس سے کہہ دو کہ اب پردۂ محمل اُٹھے

لو شمع کی جس رونق محفل سے لگی ہے
پروانہ ہو جاں اُس پہ ' یہی دل سے لگی ہے

اِن آنکھوں کے بدولت دل پہ آفت آہی جاتی ہے
نظر کوئی نہ کوئی اچھی صورت آہی جاتی ہے

قبر پر میری گل تازہ چڑھانے آئے   اور یہ کام بجز باد سحر کس کا ہے

مرنے کے بعد چین سے سوئے لحد میں ہم
جب تک کہ زندگی رہی اندوہ گیں رہے

اسیر

سلیمان خاں نام ، نواب خطاب تھا - نواب محبت خاں مغفور کے نواسے ، لکھنؤ کے رہنے والے تھے -

خواجہ آتش کا زمانہ دیکھا تھا ، رند ، صبا کے معاصر تھے - کچھ دنوں کے لئے ٹونک چلے گئے تھے - نواب صاحب ٹونک اور ان کے صاحب زادے ان کے تلامذہ میں داخل ہوے ، پھر وہیں قیام کرلیا -

" اسیر " کے شاگردوں میں ان کا رنگ بھی خاص ہے، زبان بہت صاف ہے، ترکیب سلجھی ہوئی، بندشوں میں مضامین پیدا کرتے ہیں -

ا

اچھا ہوا شباب کا عالم گذر گیا — اک جن چڑھا ہوا تھا کہ سر سے اُتر گیا

کچھ بھی نہ تھے، سب کچھ ہوئے پھر کچھ بھی نہ ہوں گے
آغاز وہ ہے، اور یہ انجام ہمارا

مجھ کو وقفہ نہ شمشیر اجل نے نہ دیا
دو گھڑی دل مرے قاتل کا بہلنے نہ دیا

ہم کو سمجھاتے ہیں یہ ہمدم کیا — دل ہی بس میں نہیں، کریں ہم کیا

دل گبر و مومن میں تیری جگہ ہے — صنم ہے کسی کا، خدا ہے کسی کا

ع

رشتۂ جاں کو یہ پھونکے وہ جلائے اپنا تن
شمع کا پروانہ عاشق، عاشق پروانہ شمع

ں

نہ غنچۂ دل ہوا شگفتہ، نہ پھل جوانی کا خاک چکھا
برا ہو کمبخت عاشقی کا، خزاں میں فصل بہار میں ہوں

عدم کے جانب تمہارے عاشق، جہان سے اب سدھارتے ہیں
لباس ہستی ہوا ہے میلا، اُسے بدن سے اُتارتے ہیں

دونوں کا سر جھکا ہے تری بار گاہ میں
یاں فرق کچھ نہیں ہے گدا اور شاہ میں

دل اپنا تم کو دے کے مفت ہم بھی بن گئے بندے
کہو، جو کچھ بتو آئے تمہارے دین و ایماں میں

یہ معشوقان بےپرواہ جہاں میں کس کے ہوتے ہیں
انہیں دل دے کے عاشق آپ اپنی جان کھوتے ہیں

ملتی نہیں قفس سے رہائی ہزار حیف
اور موسم بہار کے دن ہائے جاتے ہیں

قیمت نیم نگاہی بھی گراں ہے جو تمہیں
دل یہ کہتا ہے میں اور اس سے بھی ارزاں ہو لوں

و

کچھ سمجھ کر مری میت پہ کھڑے ہیں خاموش
حشر ہوجائے بپا گر وہ کہیں قم مجھ کو

وہ آئے ہیں، پئے تعظیم درد اُٹھنے نہیں دیتا
توہی اب اُٹھ کے درد دل کسی صورت اُٹھا ہم کو

ے

تم اچھے ہو، ہم برے، چلو خیر اب تو نہیں کوئی بات شر کی

ملا ہوا وہی سب سے وہی جدا بھی ہے
وہی صنم، وہی بندہ، وہی خدا بھی ہے

برسوں سجدے کئے کعبہ میں تمہاری خاطر
مدتوں دیر میں جا جا کے جبیں سائی کی

عمر سب اک بت کافر کی محبت میں کٹی
ہم خدا جانے مسلمان رہے یا نہ رہے

شب وصلت اذاں کہہ کر چھری پھیری ہے گردن پر
ہوئے ہم ذبح اے زاہد، ترے اللہ اکبر سے

بادۂ دولت کا ہے کیا نشہ تیز ہوش کھو دیتا ہے یہ ہشیار کے

صنم خانے کو تم دیکھو اگر شان حقیقت سے
تو واں بھی زاہدو، شان خدا کا کارخانہ ہے

نہ منھ کو یوں بے رخی سے موڑو، بندھی ہوئی آس کو نہ توڑو
مریض اُلفت کا حال ابھی، تو کچھ ایسا نوع دگر نہیں ہے

امانت

سید آغا حسن نام، میر آغا رضوی کے بیٹے، لکھنؤ کے رہنے والے تھے -
سنہ ۱۲۳۱ھ میں پیدا ہوئے، ابتدا سے مرثیہ گوئی کی طرف طبیعت
مائل تھی، مشہور مرثیہ گو "دلگیر" سے مشورہ لیتے تھے -

کچھ دنوں کے بعد غزل گوئی کی طرف بھی متوجہ ہوئے -

معمے، چیستاں بھی ان کو مرغوب تھے، "اسیر" "بحر" اور "برق"
کے ہم عصر تھے -

ان کی تصانیف میں گلدستۂ امانت، اندر سبھا بہت مشہور ہیں -

اُردو میں ڈرامہ کے یہی موجد کہے جاتے ہیں -

نعاض کا خیال ضلع اور جگت تک پہونچ جاتا ہے - اس میں جو کچھ
کہتے ہیں اچھا کہتے ہیں اور اس صنعت کے خیال رکھنے والوں میں اکثر
سے اچھے ہیں -

سنہ ۱۲۷۵ھ میں وفات پائی -

ا

مےخانۂ عالم میں دونوں ہیں دلا یکساں   هشیار هوا تو کیا ، مستانہ هوا تو کیا

نرگس کو باغباں سے محل ہے حجاب کا   چوری گیا چمن سے کٹورا گلاب کا

وہ دم حسینوں کا بھرتا ہے ، ہوچکی مری زیست
جو خود مرے گا ، کسی کو جلائے گا پھر کیا

ر

نے کرم ، نے مہر، نے دیں ، نے مروت ، نے وفا   اے "امانت" دل دیا تم نے اُسے کیا دیکھ کر

ں

محشر کا کیا وعدہ یہاں شکل نہ دکھلائی   اقرار اسے کہتے ہیں ، انکار اِسے کہتے ہیں

جی چاہتا ہے صنعت صانع پڑھوں نثار   بت کو بٹھا کے سامنے یاد خدا کروں

لطف اب زیست کا اے گردش ایام نہیں
مے نہیں ، یار نہیں ، شیشہ نہیں ، جام نہیں

شراب محفل ساقی میں شیخ جی نے پی
کب ایسی جا پہ حلال و حرام دیکھتے ہیں

عشق کا خنجر لگا ہے دل پہ کاری ان دنوں
زخم کی صورت ہے خون آنکھوں سے جاری ان دنوں

اندھیر ھے کہ آنکھ میں سرمہ کی جا نہیں
اتنے حسین سمائے ھیں اپنی نگاہ میں
پردہ اٹھاؤ در سے محرم میں لو ثواب
رکھو سبیل شربت دیدار راہ میں

و

اے دل روشن ' فدائے جلوۂ جاناں نہ ھو اے چراغ چشم ' شمع طور کا پروانہ ھو

بزم عالم کے اسیروں میں عجب اندھیر ھے
جان یوں پروانہ دے ' اور شمع کو پروا نہ ھو
بزم عالم میں یہ ھر شب ھے '' امانت '' کی دعا
شمع روئے یار سے روشن مرا کاشانہ ھو

ے

بیداد مجھے یاد ھے واللہ تمھاری یوسف کی قسم اب نہ کروں چاہ تمھاری

خط اُن کا دے کے مجھ کو نامہ بر دے بیٹھا اک گالی
کہا میں نے یہ کیا ' بولا کہ پیغام زبانی ھے

ھوں ناتواں چلو نہ قیامت کی چال سے ٹھوکر لگاؤ قبر کو پائے خیال سے

لب جاں بخش کی الفت میں لب پر جان آئی ھے
مریض عشق مرتا ھے مسیحا کی دوھائی ھے

خدا کی یاد کرتے ہیں، بتوں سے گرم صحبت ہے
یہی مذہب، یہی تقویٰ، یہی اپنی عبادت ہے

فی سبیل اللہ پانی اِن کو دو اے آبلو کانٹے اب دیکھے نہیں جاتے زبان خار کے

کوچۂ قاتل تلک اے دل رسائی کیجئے کاسۂ سر ہاتھ میں لے کر گدائی کیجئے

واسطی

(سید) فضل رسول (خاں) نام ، سندیلہ کے رئیس اور باشندے تھے -

خاندانی سید تھے ، حضرت امام زین العابدین کی اولاد میں تھے -

ان کے مورث سید علاءالدین واسطی نے علاءالدین کے عہد میں سندیلہ فتح کر کے سکونت اختیار کی تھی - فضل رسول واسطی ۱۹ جمادی الاول سنہ ۱۲۲۸ھ میں پیدا ہوئے -

فارسی کی ابتدائی تعلیم امیتھی میں ہوئی ، عربی کی درسیات مشہور علماء سے پڑھیں ، علم طب اپنے والد سید عبدالشکور صاحب سے پڑھا -

شاعری میں '' اسیر '' کے شاگرد ہوئے -

ان کے کلام کا مجموعہ دیوان کی صورت میں طبع ہوا ہے جو زیادہ تر غزلوں کا ذخیرہ ہے ، اور اصناف میں برائے نام طبع آزمائی کی ہے -

ایک کتاب هتیل العلوم بھی ان کی طرف منسوب ہے لیکن فتنۂ غدر میں ضائع ہو گئی -

'' اسیر'' کا جو رنگ ہے وہی ان کے کلام میں جھلکتا ہے ، اخلاقی اشعار غزل سے بہتر ہیں ، رباعیوں کا رنگ اچھا ہے - الفاظ کا اہتمام زیادہ ، معانی کا لحاظ کم ہے -

ا

کیا ھے میں نے بسم‌اللہ سے آغاز دیواں کا
یہی طغرا سبب ہو جائے گا اجرائے فرماں کا
اُسی کا کام ھے یہ کب کسی سے اور ممکن ھے
ملانا چار عنصر کا ، بنانا جسم انساں کا

کیا دہان یار کے مضموں نے دکھلایا اثر
جس کبوتر کو دیا نامہ ، وہ عنقا ہو گیا

حائل ھے زیست ، وصل ہو اُس جان جاں سے کیا
پردہ بغیر مرگ اُٹھے درمیاں سے کیا
آزاد مثل سرو ھیں باغ جہاں میں ھم
نفع و ضرر سے ھم کو بہار و خزاں سے کیا
پوچھتا رہا ھوں کر کے کبوتر کو نامہ بر
نامہ تو لے چلا ھے کہے گا زباں سے کیا

ادا حق بندگی کا بھی کسی سے ہو نہیں سکتا
بڑے نا فہم ھیں کرتے ھیں جو دعوی خدائی کا

تنگ دستی میں نہیں جان عزیزوں سے عزیز
ھاتھ ھے تنگ مگر تنگ نہیں دل میرا
مہرباں سب پہ ھے رکھتا ھے عداوت مجھ سے
جو زمانے کا ھے عیسیٰ وہ ھے قاتل میرا

نہ مٹے گا نہ مٹے گا ، یہ ھے پتھر کی لکیر
وھی پیش آئے گا لکھا ھے جو پیشانی کا

کیا آگئی دل میں کہ تم آئے مرے گھر میں
حق بندہ نوازی کا ادا ہو نہیں سکتا

ہو حسن خداداد پہ مغرور نہ اتنا
بندہ جو خدا کا ہے خدا ہو نہیں سکتا

عمر بھر آنکھ نہ غفلت سے کھلی وائے نصیب
وعدۂ روز ازل مجھ کو فراموش رہا

وہ صبح تک نہ آئے تو جان اپنی جائے گی
فرقت کی رات' دن ہے ہمارے وصال کا

گذرا شباب' قصد عبادت کا کیجئے   پڑھئے نماز وقت اب آیا زوال کا
زینت سے کام کیا اُنہیں جو ہیں بلند قدر   وسمے سے آشنا نہیں ابرو' ہلال کا

خار دوڑے پئے تعظیم بگولے کی طرح
جس جگہ تھک کے ترا آبلہ پا بیٹھ گیا

گو کہ اقلیم عدم ہے منزل ہستی سے دور
گرتے پڑتے جائیں گے جس طرح جایا جائے گا
خط جو بھیجوں گا مقرر وہ کریں گے چاک چاک
ہے جو قسمت کا لکھا کیوں کر مٹایا جائے گا

احتیاج تاج شاہی کیا' فقیری میں مجھے
سایۂ بال ہما سایہ ہے اُس دیوار کا

فسانہ آپ کا ہے قصۂ نزاکت گل   ہمارا قصۂ غم ہے فسانہ بلبل کا

"واسطی" نجد میں وہ اور پھرے شہر میں ہم
ہم کو اور قیس کو وحشت نے برابر رکھا

مریض آپ کا رو بہ صحت تو ہے   سنبھلتے' سنبھلتے' سنبھل جائے گا

نرگس کی آنکھیں ہم کو ملیں باغ دھر میں
دیکھا کبھی نہ ہم نے تماشا بہار کا
دیکھیں گے اُس کو خاک، مکدر ہیں جن کے دل
آنکھوں پر اُن کے رھتا ہے پردہ غبار کا

برا ہو حسن پرستی کا جس نے ساری عمر
ہمیں کسی نہ کسی پر نثار ہی رکھا
جو لوگ خاک تھے اے "واسطی" بنے اکسیر
ہمیں زمانہ نے مشت غبار ہی رکھا

خود گلا کاٹ کے مر جاتے ہیں عشاق ترے
کس کی گردن پہ یہاں ہوتا ہے احساں کس کا

داغ دل چمکے گا اُس کا روئے تاباں دیکھ کر
پر تو خورشید سے روشن قمر ہو جائے گا
نیک و بد سب حال کھل جائے گا آخر یار پر
کاتب اعمال اپنا، نامہ بر ہو جائے گا
غیر ممکن ہے کہ ہو فرقت میں ایذا سے نجات
درد دل ٹھہرا اگر درد جگر ہو جائے گا

کیا درد دل اپنا کہے معشوق سے عاشق
بیمار کو غش ہوش میں آنے نہیں دیتا

اتنا بھی نہ کر حسن جوانی پہ تکبر اے یار یہ جھوکا ہے نسیم سحری کا
ہوتی ہی نہیں صبح کبھی شام جدائی اُلٹا ہے اثر، میری دعائے سحری کا
دم گھٹتا ہے اپنا قفس تنگ میں یارب جھوکا کوئی آجائے نسیم سحری کا

خامشی میں بھی اُس کا نام لیا ہم نے دل سے زباں کا کام لیا
ہاتھ ابرو پہ رکھ دیا اُس نے تیغ کی باڑہ پر سلام لیا

گلا کیوں ہجر میں اُن کا نہ کرتا مثل سچ ہے کہ مرتا کیا نہ کرتا
تمنائیں ہزاروں، عمر تھوڑی جہاں میں کیا میں کرتا، کیا نہ کرتا

کام آئی جنوں میں عریانی خار اُلجھتے جو پیرہن ہوتا

آگئی پیری، جوانی ہو چکی چونک اے غافل، پڑا سوتا ہے کیا
عشق میں ظاہر ہے حال کوہ کن لاکھ محنت کیجئے ہوتا ہے کیا

ناصح آتا ہے اگر پاس مرے آنے دو خود سمجھتا نہیں وہ کیا مجھے سمجھائے گا

کام کوئی نہ شب وصل ہمارا نکلا شام اِدھر آئی، اُدھر صبح کا تارا نکلا

درد فرقت سے تڑپ کر مر گیا، اچھا ہوا اب ترے بیمار نے پائی شفا، اچھا ہوا

جاتی ہے مرے دل سے کوئی اُلفت مژگاں یہ تیر جگر سے کسی ڈھب کھنچ نہیں سکتا

عریانی سے جامہ کوئی اچھا نہیں ہوتا میلا نہیں ہوتا یہ پرانا، نہیں ہوتا

ب

گلشن میں تو آئے ہیں مگر جی نہیں لگتا
کچھ خانۂ صیاد کی تھی آب و ہوا خوب

ت

اب چند روز کنج قناعت میں بیٹھئے حرص جہاں میں عمر ہوئی رائگاں بہت

کس طرح صحن باغ کو سمجھوں نہ کوئے دوست
پھولوں کو سونگھتا ہوں تو آتی ہے بوئے دوست

لطف و غضب کا اُس کے نمونہ ھے ھر چمن
پھولوں میں بوئے دوست ھے کانٹوں میں خوئے دوست

بندوبست دو عالم ھے مرے گھر
کہ دل بیٹھا جو پہلو سے اُتھا دوست

ساقی نے جب تلک کہ بھرا ساغر شراب
لبریز ھو گیا مرا پیمانۂ حیات

ث

چکر میں ھوں زمانے کی گردش سے آپ میں
کیوں پھر رھا ھے سر پہ مرے آسماں عبث

جہاں میں کوئی سننے والا نہیں
کہوں کیا میں اپنی کہانی عبث

ج

مجمع اغیار میں کیوں مجھ کو کرتے ھو طلب
اس مرقع میں مری تصویر کی کیا احتیاج
غفلت آخر ایک دن لےجائیگی سوئے عدم
ھے ھمارے خواب کو تعبیر کی کیا احتیاج

ح

ساتھ ھی اوج کی قسمت نے ھمیں پست کیا
جب اُتھے ! بیٹھ گئے گرد بیاباں کی طرح

د

ایسا خیال یار نے بےھوش کردیا
کچھ اپنی یاد ھے، نہ مجھے اب کسی کی یاد

کاٹی تمام عمر غم ہجر یار میں
مرنے کے بعد خاک کروں زندگی کی یاد
رسوا کیا، خراب کیا، در بدر کیا
یادش بخیر، کیا کریں دل کی بدی کی یاد

ر

وادئی وحشت نے کیا کانٹوں میں کھینچا ہے مجھے
کیا کہوں کیسا میں پچھتاتا ہوں زنداں چھوڑ کر

چھا گیا صبح شب وصل یہ نالوں کا دھواں
رہ گیا مہر، چراغ تہ دامن ہوکر

ہوگئی ہجر میں یہ نالہ کشی کی عادت بات اب منھ سے نکلتی ہے تو شیون ہوکر

پوچھو نہ کچھ، جو ہجر میں صدمے ہیں جان پر
آ آ گئی ہے موت کی تلخی زبان پر
قبریں جہاں ہیں تیرے شہیدان ناز کی
اُس سر زمین کا ہے دماغ آسمان پر

پاؤں اُٹھ سکتے نہیں درماندگی سے راہ میں
ہاتھ ملتا ہوں غبار کارواں کو دیکھ کر

قضا ہنستی ہے تدبیر و دوا پر طبیبو! چھوڑ دو مجھ کو خدا پر

ٹھہر کر منزل ہستی کی دیکھے سیر کیا کوئی
کہ رکتا ہی نہیں ہے عمر کا توسن رواں ہوکر

س

کرکے محبوس، خبر خاک قفس میں لے گا
کہ سوا دام کے دانہ نہیں صیاد کے پاس

ش

کعبے میں ہے گذر، کبھی بت‌خانے میں گذر
گھر گھر پھرا رہی ہے ہمیں یار کی تلاش

ض

عالم حیرت میں مجھ کو انجمن سے کیا غرض
بلبل تصویر ہوں، صحن چمن سے کیا غرض

ط

ہے پنجۂ جنوں کی درازی اگر یہی — کیا ہوسکےگی ہم‌سے گریباں کی احتیاط

ہیں جہاں میں ہنر شناس بہت — آدمی کے لئے ہنر ہے شرط
راہ الفت میں چاہئے ہمت — دل کے دینے کو کچھ، جگر ہے شرط

ظ

زخم پر زخم لگانا ہے بیان واعظ — کاٹ تلوار کا رکھتی ہے زبان واعظ

ع

قرب حبیب، مرگ ھے عاشق کے واسطے پروانہ جل گیا جو ھوا میہمان شمع
ھوگا جو تیرے عاشق دل سوختہ کا کوچ پروانے آگے لے کے چلیں گے نشان شمع

کسی پروانے کا پھیلا اگر پاؤں زباں سے بول اُٹھے گی یا علی، شمع

غ

آخر یہ سوز عشق مرے کام آئے گا مرنے کے بعد ھوگا چراغ مزار داغ

ف

ضعف سے دل کا نہ ارمان، جنوں میں نکلا
رہ گیا ھاتھ مرا اُٹھ کے، گریباں کی طرف
نہیں منظور کسی کی ھمیں خاطر شکنی
ھم تو ھندو کی طرف ھیں، نہ مسلماں کی طرف

ق

کعبے سے کچھ غرض ھے، نہ مطلب ھے دیر سے
بیگانہ اک جہان سے ھے آشنائے عشق

ک

ھے عشق، آب و رنگ گل روئے یار تک وحشت کا جوش ھے ھمیں، فصل بہار تک

گ

مصرعہ در کریم پہ ہے یہ لکھا ہوا جو مدعا ہو ہم سے طلب کر، جو چاہ مانگ

ل

ہوئے بے خود جو دیکھا جلوۂ حسن تمہیں پایا تو اپنا کھو گیا دل
نہیں پھولوں سے کم داغ محبت حقیقت میں ہے باغ دل کشا دل

خوش بوئے تن سے کس کے معطر ہوا چمن
کانٹوں کو سونگھتا ہوں تو آتی ہے بوئے گل

م

اُس کے در پر جبیں پہ رگڑیں گے خط تقدیر کو مٹائیں گے ہم

ن

نامہ بھیجے جو طلب کا مجھے وہ غیرت گل
اس قدر جلد چلوں میں کہ ہوا بن جاؤں
نہ پھری ہوئی توجہ تری جانب سے کبھی
تو جو کعبہ ہو تو میں قبلہ نما بن جاؤں

وصل کا دن پھر کبھی آئے گا کہ جائے گی جان
چاہنے والے ترے، نفع و ضرر کیا جانیں

ایسا آساں نہیں بیمار محبت کا علاج
کچھ، نہ کچھ، سوچ کے آئے ہیں مسیحا دل میں

وہ دل بھی کوئی دل ہے، مکیں جس میں تو نہیں
کس کام کا وہ گل ہے کہ جس گل میں بو نہیں

آساں پسند ان کی طبیعت ہے نامہ بر! کہنا ذرا پیام، زبان فصیح میں
کبھی خنداں، کبھی میں گریاں ہوں اے جنوں! برق ہوں کہ باراں ہوں

اے طبیبو! مجھے للہ بتا دو اتنا مرض عشق کی کوئی بھی دوا ہے کہ نہیں

روز آ آ کر ہوا دامن کی دے جاتا ہے کون آتش سودا نہیں معلوم بھڑکاتا ہے کون

اُس کے کوچے میں خاک جاؤں میں اے جنوں! آپ میں تو آؤں میں

اچھے ہیں یا برے خدا جانے جیسے ہیں بندے ہم حضور کے ہیں

کوچۂ یار سے اُٹھنے کو تو ہم اُٹھتے ہیں بیٹھ جاتا ہے مگر دل جو قدم اُٹھتے ہیں

بجا ہے پاؤں جو پھیلائیں سامنے سب کے کہ ہاتھ سارے جہاں سے اُٹھائے ہیں

پرہیزگار پیر مغاں کے ہوئے مرید فصل بہار آتے ہی رائیں بدل گئیں

طرف کعبے کے جائیں یا سوئے بت خانہ ہم دیکھیں
خدا پہلے بلاتا ہے کہ بت پہلے بلاتے ہیں

بہ ظاہر گو کہ دھبا لگ گیا اپنے طریقت میں
مگر عشق بتاں بھی حق پرستی ہے حقیقت میں

میں تو کہتا ہوں کہ میں عاشق ہوں اُن سے پوچھو تو وہ کیا کہتے ہیں
کعبہ رویوں کے طرف مائل ہے دل کو ہم قبلہ نما کہتے ہیں

ہو چشم معرفت تو زمانہ ہو آئینہ ظاہر کہاں جمال جہاں آفریں کہیں

تم جو ہوتے نہیں پہلو میں تو ہوتا نہیں ہوش
تم جو آتے ہو تو میں آپ میں آجاتا ہوں
"واسطی" بے خبری سے نہیں اتنی بھی خبر
کون ہوں میں کدھر آتا ہوں کدھر جاتا ہوں

کسی سے دل کو لگا چکے ہم اپنی ہستی مٹا چکے ہیں
سزا محبت کی پا چکے ہیں غضب کے صدمے اُٹھا چکے ہیں

شوق لے جائے گا مجھ کو کعبۂ مقصود تک
"واسطی" کچھ احتیاج رہبر منزل نہیں

ہے وہ گل چیں، بہار گل رخسار کہ میں
آئینہ آپ کا ہے طالب دیدار کہ میں

مزاج پھولوں کے نازک ہیں رنگ رخ نہ اُڑے
چلے نسیم کا جھونکا سمجھ کے گلشن میں

قفس کو، اُڑ کے ہم صحن چمن سے جانے والے ہیں
سفر کا شوق ہے دل میں، وطن سے جانے والے ہیں

ہوں وہ بے خود نہیں معلوم مجھے کس کو سجدہ میں کدھر کرتا ہوں
بت پکڑ لیتے ہیں دامن میرا قصد کعبہ کا اگر کرتا ہوں

و

کروٹیں شام سے تا صبح بدلتا ہوں میں
چین فرقت میں نہیں ہے کسی پہلو مجھ کو

جس قدر اُس نے ستایا ہے ستاؤں میں بھی
کیا کروں چرخ پہ ملتا نہیں قابو مجھ کو

———

جو مشورہ دیتے ہیں وہ ہوتا نہیں منظور
دیوانے سہی ہم، کسی عاقل کو بلا لو

———

ہم ہیں اور طول شب ہجر ہے اے دور فلک
آج کب تک نہیں دیکھیں گے سحر؟ دیکھیں تو

———

کریم کہئے اُسے بے طلب کرے جو عطا گدا وہ ہے کہ جسے عادت سوال نہ ہو

———

چاہتا ہوں کہ مری خاک بگولا بن جائے
مرگ کے بعد بھی ہے خاک اُڑانا مجھ کو

———

اگر زنجیر داماں ہے تو طوق اپنا گریباں ہے
نہیں کم قید خانے سے ہمارا پیرہن ہم کو

———

کریں گے سینے کو میدان حشر فرقت میں ہم آفتاب بنائیں گے داغ سوزاں کو
بشر کو چاہئے گذرے نہ خاکساری سے کیا ہے خاک سے پیدا خدا نے انساں کو

———

نہ دو ایزا اسیران بلا کو پکار اُٹھیں نہ یہ بندے خدا کو

———

منتظر بیٹھے ہیں جب سے ہیں گرفتار قفس
بوئے گل چاہئے اے باد بہاری ہم کو

———

۷

———

نہ کہنے پائے دم نزع حال دل ان سے
وہ دیکھنے بھی جو آئے تو اژدہام کے ساتھ

———

ہے حضور چشم دل ہر وقت جلوہ آپ کا
منھہ چھپانا طالب دیدار سے کیا فائدہ

ہوا قصہ شب فرقت کا کوتاہ سحر پیدا ہوئے الحمد للہ
جدا معشوق سے عاشق کا ہونا حقیقت میں بڑا صدمہ ہے جاں کاہ

ے

وصال یار کا جب روز آیا اپنی موت آئی
کہیں تقدیر کے آگے کوئی تدبیر چلتی ہے

ٹھہرنا نامناسب تھا ادھر آتی اُدھر جاتے
سمجھتے ہم تو سیر اس باغ کی مثل صبا کرتے

کیا نہ تم سمجھے تھے وحشی ناصحو کیا سمجھ کر تم نے سمجھایا مجھے

روک اے مرغ قفس اپنی زباں باتوں سے دیکھ، سویا نہیں صیاد کئی راتوں سے

جدا ہو کے اُن سے میں جیتا رہا بڑی اِس کی مجھ کو ندامت ہوئی

وہ رخ ہے شعلۂ برق تجلی زیادہ کیا کہوں ترک ادب ہے
بیان عشق و اظہار محبت یہی عشاق کا حسن طلب ہے

بتاں سنگ دل نے ”واسطی“ دل میں جگہ کی ہے
جو کعبہ تھا وہ اب ہم کو نظر بت خانہ آتا ہے

دیکھتا ہوں جو حسینوں کی مرقع کو کبھی
سب سے بڑھ کر تیرے تصویر پسند آتی ہے

——————

ہوتے ہیں اُس کو دیکھ کے قاصد کے ہوش گم
جو آپ بے خبر ہو وہ کس کو خبر کرے

——————

وقت گریہ سامنے کون آگیا گرتے گرتے اپنے آنسو تھم رہے

——————

نظارے کی ہوس دل میں نہ وقت نزع رہ جائے
الٰہی یار بالیں پر مرے آئے تو دم نکلے

——————

جھیلوں غم فرقت یہ مجھے تاب کہاں ہے میں ایک پر کاہ ہوں وہ کوہ گراں ہے

——————

ہتکڑی جان لے کے چھوڑے گی ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے

——————

دلیل مفلسی ہے سیم و زر کی جستجو کرنا
یہ دنیا ہے یہاں ترک تعلق میں فراغت ہے

——————

عشق ہر آدمی کو ہے لازم عود میں بو نہو تو ہیزم ہے

——————

جگہ نہ قبر کی دی اُس نے اپنے کوچے میں
اُڑائی خاک بہت چارہ گر زمیں کے لئے

——————

بے پردہ رخ یار ہے اے حسرت دیدار افسوس کہ یار اے نظر ہم نہیں رکھتے

——————

جو لکھا وصف اُس میں ہم نے تری زلف پیچاں کا
پریشاں ہو گئی اور ان سب مجموعہ و دل کے

——————

رباعیات

جس شے کی ھو احتیاج رب دیتا ھے   جو مانگتے ھیں لوگ وہ سب دیتا ھے
ھنگام طلب نہ دے گا ھم کو کیوں کر   جو سارے جہاں کو بے طلب دیتا ھے
دیتا ھے جسے وہ کبریا دیتا ھے   بے حکم کسی کو کوئی کیا دیتا ھے
ھے دست کریم تابع دست خدا   دیتے ھیں یہ منعم جو خدا دیتا ھے

کیا مردم دنیا ھیں خدا کی ھے پناہ   رھتے ھیں گرفتار معاصی گمراہ
ابلیس کا کام آدمی ھو کے کریں   لاحول ولاقوۃ الا باللہ

ایماں

دیا کرشن نام، ایماں تخلص، گنگا جشن عزیز کے بیٹے تھے - مولد شاہ آباد، مسکن لکھنؤ تھا - قوم کا سیٹھ سری واستو تھے - واجد علی شاہ کے وقت میں بخشی الممالک تھے- نازک، مزاج، وضعدار، خوش تقریر تھے - موجی رام موجی مصحفی کے شاگرد سے مشورہ سخن کرتے تھے -

کلام میں گداز اور درد نے لطف اور بے ساختگی کا رنگ پیدا کردیا ہے -

زبان بھی سلیس، انداز بیان دل نشین، تغزل کی خوبیوں سے کلام آراستہ ہے -

ا

تہمت ہے تیغ تیز پہ خنجر پر اہتمام
قاتل میں کشتہ ہوں تری ترچھی نگاہ کا

بے خیال بندگی باب عنایت کھل گیا
رنج میں میں نے رجوع قلب جب دم بھر کیا

عقدہ کھلتا ہی نہیں تقدیر کا
گھس گیا ناخن میری تدبیر کا
نوک مژگاں کی خطا اس میں نہیں
خود بنا عاشق نشانہ تیر کا

جب دیا حور نے مجھ رند کو جام کوثر
رشک زاہد کو ہوا میری گنہگاری کا

کچھ دام کا قصور نہ دانے کی ہے خطا
صیاد ترے گھر میں مرا آب و دانہ تھا

نہ کچھ جینے کی راحت ہے نہ کچھ مرنے کا ہے کھٹکا
علاقہ اُٹھ گیا دونوں سے جب سے دل کہیں اُٹھا

قسمت سے زیادہ کبھی حاصل نہیں ہوتا
جو صابر و شاکر ہے وہ سائل نہیں ہوتا

اے سرو کر نہ یار کے قامت کا سامنا
قامت کا سامنا ہے قیامت کا سامنا

فرہاد تری ہمت عالی کو آفریں
جی کھو کے عاشقی کا تماشا دکھا دیا

اُلفت پہ جس کے ناز تھا وہ بےوفا ہوا
کیا اپنے دھن سمجھے تھے ہم ہائے کیا ہوا

د

جائے جو چاہے سوئے دیر و حرم
ہم تو بیٹھے ہیں در دلدار پر

دیکھیں تو وہ موزوں ہے کہ بوٹا سا یہ قامت
ہو جاؤ کھڑے سرو گلستاں کے برابر

نہیں پوشیدہ "ریحاں" بات جو منصور پر گذری
نکالے حرف منہ سے کوئی کیوں کر راز داں ہوکر

دشمن کسی کا ہوکے کوئی کیا بنائے گا انساں کا اختیار نہیں اپنی جان پر

کیا کہوں، بھول گیا ورنہ خدا سے کہتا مجھ کو دیوانہ نہ کر اُس کو پریزاد نہ کر

س

رند و زاہد کی لڑائی کو نہ جانے کم کوئی خون کی ندی بہیگی خلد میں کوثر کے پاس

ک

اور جینے کی آرزو کیا ہو کیا بنایا اگر جیئے اب تک

بشر کی صورت و سیرت کا دیکھنے والا نظر پڑا ہمیں لاکھوں میں کوئی انسان ایک

ل

مرے بس میں کبھی اے دلربا اپنا نہ آیا دل
وہ کیسے ہیں جو کرلیتے ہیں قابو میں پرایا دل

م

سچ ہے کہ نردباں حقیقت مجاز ہے
ملتا نہیں خدا جو نہ ہوں راہ پر صنم

———

زندگی کس طرح اے ''ریحاں'' کٹے
عاشقی سے جی کو بہلاتے ہیں ہم

———

ں

آنکھوں پہ اختیار ہے، اچھا نہ روؤں گا
کچھ آپ میرے دلکو بھی سمجھائے جاتے ہیں

———

تیرے لب کو نبات کہتے ہیں
ہم بھی کیا میٹھی بات کہتے ہیں
خواہ ثابت ہوں خواہ سیارے
سب کو ہم بے ثبات کہتے ہیں

———

سوال کرتے نہیں، گو زبان رکھتے ہیں
گدائے عشق بھی کیا آن بان رکھتے ہیں

———

سنا ہم نے کانوں سے عنقا کا نام
وفا دار آنکھوں سے دیکھا نہیں

———

کیا مرض ہے درد دل جس کی ہوتی نہیں دوا
جب تلک مرتا نہیں کوئی، شفا ہوتی نہیں

———

و

صحبت کا لطف اے دل، آپس میں تب عیاں ہو
معشوق قدر داں ہو، عاشق مزاج داں ہو

———

کہیے کس طرح سے بہلے گی طبیعت میری
آپ بھی جاتے ہو دل کو بھی لئے جاتے ہو

———

جال میں تو پھانس لے آیا ہے مجھ دلگیر کو
کیا سنوں ناصح تری الجھی ہوئی تقریر کو

———

۷

مجنوں کے آب اشک سے تر ہے تمام دشت پھسلے نہ پاؤں ناقہ کا اے ساربان دیکھ

ے

دل رنجیدہ کہتا ہے نہ بولوں یار سے لیکن
جب آنکھیں چار ہوتی ہیں مروت آ ہی جاتی ہے

چھپائے سے نہیں چھپتا ہے "ریحاں" نشۂ الفت
ضرور آنکھوں میں کچھ اس مے کی رنگت آ ہی جاتی ہے

کوئی دل اپنا دیتا ہے کوئی ایمان دیتا ہے
تمہارے واسطے ہر ایک اپنی جان دیتا ہے

محمود اُس کے پھندے سے نکلا نہ عمر بھر
دام بلا تھی زلف نہیں تھی ایاز کی

پیام وصل دلبر لے کے جب قاصد پھرا میرا
پلٹ کر لب سے پھر سینہ میں جان بےقرار آئی

اک جان پر ہزار طرح کی کڑی سہی تھوڑی سی زندگی میں مصیبت بڑی سہی

نظیر اکبرآبادی

نام ولی محمد، باپ کا نام محمد فاروق تھا، نظیر دھلی میں پیدا ھوئے اپنے بارہ بھائیوں میں صرف یہی زندہ بچے تھے اس لئے باپ کے لاڈلے تھے - احمد شاہ ابدالی کے حملے کے وقت وہ اپنی ماں اور نانی کو ھمراہ لےکر چلے آئے اور تاج گنج میں قیام کر لیا -

ان کی طبیعت بہت آزاد اور بے پروا تھی، اس لئے انھوں نے توکل کے علاوہ دنیا کی ظاھری شان و شوکت اور دولت و مال کو منھ نہیں لگایا، کسی کی مصاحبت نہیں کی -

سترہ روپیہ ماھوار پر لالہ بلاس داس کے لڑکے کو پڑھاتے تھے، یہی توکل ان کا سرمایہ تھا -

آخر عمر میں عارضہ فالج کے شکار ھوکر ۱۶ اگست ۱۸۳۰ع میں انتقال کیا، ایک شاگرد نے تاریخ کہی

مخمس بے سرو پائے بیت بے دل، فرد بے سر شد

سنہ ۱۲۴۶ھ

''نظیر'' نہ کسی کے شاگرد تھے اور نہ پیرو، بلکہ اپنے رنگ کے خود موجد، مبتدل ترکیبوں اور سوقیانہ الفاظ میں بڑی سے بڑی بات کہہ دیتے ھیں -

غزلوں اور نظموں میں رنگ ھے، نظموں میں ھمہ گیری ھے - اخلاقی، مذھبی، سیاسی، نیچرل، ھر قسم کی نظمیں اپنے رنگ میں کہی ھیں -

غزلوں اور نظموں دونوں میں آمد کا یکساں رنگ ھے -

مجموعے میں ھر صنف پر نظمیں اور غزلیں موجود ھیں لیکن نظموں کے مقابلے میں غزلیں کسی قدر پھیکی ھیں -

اکثر ابتذال ان کے کلام میں دور سے نمایاں ھے تاھم وہ نیچرل نظم نویسی کے آدم ھیں -

''میر''، ''مرزا''، ''نصیر'' سے لے کر ''ناسخ'' تک کا زمانہ پایا تھا، چونکہ وہ کسی دور میں پابند نہیں کئے جا سکتے تھے اس لئے تیسرے دور میں علیحدہ ان کے کلام کا انتخاب درج کر دیا گیا -

غزلیں

لو نہ ہنس ہنس کے تم اغیار کے گلدستوں سے
اتنی ضد بھی نہ رکھو اپنے جگر خستوں سے
رو بہ رو ہووے جو چشماں بتاں سے اے دل
ڈرتے رہنا ہی مناسب ہے سیہ مستوں سے
پیش جاتی نہیں ہرگز کوئی تدبیر "نظیر"
کام جب آن کے پڑتا ہے زبر دستوں سے

ہمدم چھپاوے واں کوئی کیا دل کی چاہ کو
شاہد جہاں سمجھتے ہیں پہلی نگاہ کو
دکھلا حنائی دست لیا چھپ سے دین و دل
کیا دست رس ہے دیکھئے اس دست نگاہ کو

کہا جو تم نے ہمیں مر سے کیوں اُٹھاتے ہو
کہا کہ اس لئے تم یاں جو غل مچاتے ہو
کہا لڑاتے ہو کیوں ہم سے غیر کو ہمدم
کہا کہ تم بھی تو ہم سے نگہ لڑاتے ہو
کہا جو حال دل اپنا تو اُس نے ہنس ہنس کر
کہا غلط ہے یہ باتیں جو تم بتاتے ہو
کہا جتاتے ہو کیوں ہم کو روز ناز و ادا
کہا کہ تم بھی تو چاہت ہمیں جتاتے ہو
کہا کہ عرض کریں ہم پہ جو گزرتا ہے
کہا خبر ہے ہمیں کیوں زباں پہ لاتے ہو
کہا کہ روٹھے ہو کیوں ہم سے کیا سبب اس کا
کہا سبب ہے یہی تم جو دل چھپاتے ہو

شور افگیں جنوں ہے جس جانگاہ کرنا
رکھتا ہے کام ہمدم واں ضبط آہ کرنا

نکلے ہو کس بہار سے تم زرد پوش ہو
جس کی نوید پونہچی ہے رنگ بسنت کو

دی بر میں اب لباس بسنتی کو جب سے جا
ایسے ہی تم ہمارے بھی سینے سے آ لگو

کر گئی ہے اُس کی مژگاں کی جھپک بے کل ہمیں
کل اگر چاہے تو ہم دم اُس گھڑی کچھ، جھل ہمیں
اس پری رو کی گلی میں یا نہاں یا آشکار
جس طرح سے ہو سکے اے حکم نشیں لے چل ہمیں

ہو کیوں نہ ترے کام میں حیران تماشا
یا رب تری قدرت میں ہزاروں تماشا
لے عرش سے فرش نئے رنگ نئے ڈھنگ
ہر شکل عجائب ہے ہر اک شان تماشا

یہ برق ابر میں دیکھے سے یاد آتی ہے
جھلک کسی کے دوپٹہ میں نو رتن کی سی
گلوں کے رنگ کو کیا دیکھتے ہو اے خوباں
یہ رنگتیں ہیں تمہارے ہی پیرہن کی سی
میں ہنس کے اس لئے منہ چومتا ہوں غنچہ کا
کہ کچھ نشانی ہے اس میں تیری دہن کی سی

وہ رشک چمن گل جو زیب چمن تھا
چمن جنبش شاخ سے سینہ زن تھا
گیا میں جو اُس بن چمن میں تو ہر گل
مجھے اُس گھڑی اخگر پیرہن تھا
یہ غنچہ جو بے درد گلچیں نے توڑا
خدا جانے کس کا یہ نقشہ دہن تھا

''نظیر'' آگے ہم کو ہوس تھی کفن کی
جو سوچا تو ناحق کا دیوانہ پن تھا

شیدا ہوں میں تو لیلی و مجنوں کی چاہ پر
خالق نے کیا خوب ہی اُن کے بنائے دل

کہتے ہیں یاں کہ مجھ سا کوئی جبیں نہیں
پیارے جو ہم سے پوچھو تو یاں کہیں نہیں
تجھ سا کوئی حسن میں یاں نازنیں نہیں
یوں نازنی بہت ہیں پہ ناز آفریں نہیں

زاہدو روضۂ اخواں سے کہو عشق اللہ عاشقو کوچہ جاناں سے کہو عشق اللہ
جس کی آنکھوں نے کیا بزم دوعالم کو خراب کوئی اس فتنۂ دوراں سے کہو عشق اللہ
یارو دیکھو جو کہیں اس گل خنداں کا جمال تو مرے دیدۂ گریاں سے کہو عشق اللہ

اے شوخ ہر گھڑی نہ ہوس آشنا کو چھیڑ
ایسا ہی چھیڑنا ہے تو اہل وفا کو چھیڑ
رک رک کے رشک چشم کے لایا ہے عنقریب
اے غنچہ لب تو اب نہ دل مبتلا کو چھیڑ

نظمیں تندرستی

ہیں مرد اب وہی کہ جنہوں کا ہے فن درست
حرمت اُنہیں کے واسطے جن کا چلن درست
رہتا نہیں کسی کا سدا مال دھن درست
دولت رہی کسی کی نہ باغ و چمن درست
جتنے سخن ہیں سب میں یہی ہے سخن درست
اللہ آبرو سے رکھے اور تن من درست

جب تندرستیوں کی رہیں دل میں بستیاں
پھر سو طرح کے عیش ہیں اور مے پرستیاں
کھانے کو نعمتیں ہوں دیا فاقہ مستیاں
سب عیش اور مزے ہیں جو ہوں تندرستیاں
جتنے سخن ہیں سب میں یہی سخن درست
اللہ ابرو سے رکھے اور تندرستیاں

ہنس

دنیا کی جو الفت کا ہوا اس کو سہارا
اور اُس نے خوشی کو مرے خاطر میں اُتارا
دیکھی جو یہ غفلت تو مرا دل یہ پکارا
آتا تھا کسی شہر سے اک ہنس بیچارا
اک پیڑ پہ جنگل سے ہوا اس کا گزارا
بلبل نے کیا اس کی محبت میں خوش آہنگ
اور کوکلے کوئل نے بھی اُلفت کو لیا سنگ
کنجن میں کلنادن میں بھی چاہت کی مچی جنگ
دیکھا جو طیوروں نے اُسے حسن میں خوش رنگ
وہ ہنس لگا سب کی نگاہوں میں پیارا
سب ہو کے خوش اس کی مے الفت لگے پینے
اور پیت سے ہر ایک نے وہاں بھر لئے سینے
ہر آن جتانے لگے چاہت کے قرینے
اُس ہنس کو جب ہو گئے دو چار مہینے
ایک روز وہ یاروں کی طرف دیکھ پکارا
یاں لطف و کرم تم نے کئے ہم پہ ہیں جو جو
تم سب کی یہ خوبی ہے کہاں ہم سے بیاں ہو
تقصیر کوئی ہم سے ہوئی ہووے تو بخشو
لو یارو ہم اب جاویں گے کل اپنے وطن کو

اب تم کو مبارک رہے یہ پیڑ تمھارا

اب تک تو بہت ہم رہے فرصت سے ہم آغوش
اب یاد وطن دل کی ہمارے ہوئی ہمدوش
جب حرف جدائی کا پرندوں نے کیا گوش
اس بات کے سنتے ہی ہراک کے اُڑے ہوش

سب بولے یہ فرقت تو نہیں ہم کو گوارا

بن دیکھے تمھارے ہمیں کب چین پڑےگی
اک آن نہ دیکھیں گے تو دل غم سے بھریں گے
گر تم نے یہ ٹھہرائی تو کیا سکھ سے رہیں گے
ہم جتنے ہیں سب ساتھ تمھارے ہی چلیں گے
یہ ''درد'' تو اب ہم سے نہ جاوے گا سہارا

پھر ہنس نے یہ بات کہی اِن سے کئی بار
کچھ بس اب چلنے کی ساعت سے ہیں ناچار
آنکھیں ہوئیں اشکوں سے پرندوں کی گھر بار
اس میں جو شب کوچ کی ہوئی صبح نمو دار
پھر اپنا پر وہیں اُس ہنس نے مارا

وہ ہنس جب اُس پیڑ سے واں کو چلے ناگاہ
منہ پھیر کے اِدھر سے وطن کی جو ہیں لی راہ
دیکھا جو اُسے جاتے ہوئے واں سے تو کر آہ
سب ساتھ چلے اُس کے وہ ہمراہ ہوا خواہ

ہر ایک نے اُڑنے کے لئے پنکھ پسارا

اور ہنس کی ان سب کو رفاقت ہوئی غالب
جب واں سے چلا وہ تو ہوئی بے بسی غالب
کلفت تھی جو فرقت کی وہ سب پر ہوئی غالب
دو کوس اُڑے تھے جو ہوئی ماندگی غالب
پھر پر میں کسی کے نہ رہا قوت دیار
پر ان کے ہوئے پر جو ہیں دوری کی پڑی اوس
رونے کی رفاقت کی کریں کیوں کر قدم بوس

تھک تھک کے گلے لگے تو کرنے لگے افسوس
کوئی تین کوئی چار کوئی پانچ اُڑا کوس
کوئی آٹھ کوئی نو کوئی دس کوس میں هارا
کچھ بن نہ سکے اُن سے رفیقی کے جو واں کار
اور اتنے اُڑے ساتھ کہ کچھ هووے نہ اظہار
جب دیکھی وہ شکل تو پھر آخر کے تئیں هار
کوئی یاں رها کوئی واں رها کوئی هوگیا ناچار
کوئی اور اُڑا آگے جو تھا سب میں کرارا
تھی اُس کی محبت کی جو هر ایک نے پی مے
سمجھے تھے بہت دل میں وہ اُلفت کو بڑی شے
جب هو گئے بے بس تو پھر آخر یہ هوئی راے
چیلیں رهیں کوے گرے اور باز بھی تھک کے
اُس پہلی هی منزل میں کیا سب نے کنارا

چہرہ هے ترا نور کی تنویر کا نقشا — اور مصرع قد حشر کی تفسیر کا نقشا
یاں تک هے ترے حسنِ جہاں گیر کا نقشا — مانی نے جو دیکھا تری تصویر کا نقشا
سب بھول گیا اپنی وہ تحریر کا نقشا
ترچھی هے نظر تیر نگہ نوک سناں هے — جس تیر کا مارا هوا هر پیر و جواں هے
آفت کی هے تلوار قیامت کی کماں هے — اس ابرو خم‌دار کی صورت سے عیاں هے
خنجر کی شباهت دم شمشیر کا نقشا

کوڑی کے بیان میں مسدس

کوڑی هے جن کے پاس وہ اهل یقین هیں
کھانے کو ان کے نعمتیں سو بہترین هیں
کپڑے بھی اُن کے تن میں نہایت مہین هیں
سمجھیں هیں وہ جو اس کو بڑے نکتہ چین هیں
کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگین هیں
کوڑی نہ هو تو کوڑی کے پھر تین تین هیں

کوڑی بغیر سوتے تھے خالی زمین پر
کوڑی ہوئی تو رہنے لگے شہ نشین پر
پٹکے سنہرے بندھ گئے جاموں کی چین پر
موتی کے لچھے لگ گئے گھوڑوں کے زین پر
کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی ہی چاہتی ہے سدا بادشاہ کو
کوڑی ہی تھام لیتی ہے فوج و سپاہ کو
لے کر چھڑی رومال گدا بھی پناہ کو
پھرتا ہے ہر دوکان پہ کوڑی کی چاہ کو
کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کوڑی نہ ہو تو پھر یہ جھمیلا کہاں سے ہو
رتھ خانہ فیل خانہ طویلہ کہاں سے ہو
منڈوا کے سر فقیر کا چیلا کہاں سے ہو
کوڑی نہ ہو تو سائیں کا میلا کہاں سے ہو
کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

کاندھے پہ تیغ دھرتے ہیں کوڑی کے واسطے
آپس میں خون کرتے ہیں کوڑی کے واسطے
یاں تک تو لوگ مرتے ہیں کوڑی کے واسطے
جو جان دے گذرتے ہیں کوڑی کے واسطے
کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

گالی و مار کھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
شرم و حیا اُٹھاتے ہیں کوڑی کے واسطے
سو ملک چھان آتے ہیں کوڑی کے واسطے
مسجد کو دم میں ڈھاتے ہیں کوڑی کے واسطے

کوڑی کے سب جہاں میں نقش و نگین ہیں
کوڑی نہ ہو تو کوڑی کے پھر تین تین ہیں

فقیروں کی صدا

زر کی جو محبت تجھے پڑ جائیگی بابا
دکھ اس میں تری روح بہت پائیگی بابا
ہر کھانے کو ہر پینے کو ترسائیگی بابا
دولت جو ترے یاں ہے نہ کام آئیگی بابا
پھر کیا تجھے اللہ سے ملوائےگی بابا

دولت جو ترے پاس ہے رکھ یاد تو یہ بات
کھا تو بھی اور اللہ کی کر راہ میں خیرات
دینے سے اِسی کے ترا اونچا رہے پھر ہات
اور یاں بھی تری گذرےگی سو عیش سے اوقات
اور واں بھی تجھے سیر یہ دکھلائےگی بابا

داتا کی تو مشکل کبھی اٹکی نہیں رہتی
چڑھتی ہے پہاڑوں کے اوپر ناؤ سخی کی
اور تونے بخیلی سے اگر جمع اسے کی
تو یاد یہ رکھ بات کہ جب آویگی سختی
خشکی میں تری ناؤ یہ ڈبوائےگی بابا

دولت جو ترے گھر میں
مردود بھی کرتی ہے اور کرتی ہے قبول
جو چاہے ترے ساتھ چلے یاں سے یہ مجہول
زنہار خبر دار ہو اس بات پہ مت بھول
یہ خلدی ترے ساتھ نہیں جاےگی بابا

اُس سے یہی بہتر ہے تو ہی آپ سے کھاجا
بیٹوں کو رفیقوں کو غریبوں کو کھلا جا
سب روبرو اپنے سے عشرت میں اُڑا جا
پھر شوق سے ہنستا ہوا جنت کو چلا جا

ورنہ تجھے هر دکھ میں یہ پھنسوائےگی بابا

یہ تو نہ کسی پاس رهی هے نہ رهے گی
جو اور سے کرتی رهی وہ تجھ سے کریگی
کچھ شک نہیں اس میں جو بڑهی هے سو گھٹےگی
جب تک تو جئےگا تجھے یہ چین نہ دیگی
اور مرتے هوئے پر یہ غضب لائےگی بابا

جب موت کا هووےگا تجھے آن کے دھڑکا
اور نزع تری آن کے دم لیوےگی بھڑکا
جب اس میں جو اٹکےگا نہ دم نکلےگا پھڑکا
کوئیں میں روپے ڈال کے جب دیویں گے کھڑکا
تب تن سے ترے جان نکل جائےگی بابا

تو لاکھ اگر مال کے صندوق بھرےگا
هے یہ تو یقیں آخرش اک دن تو مرےگا
پھر بعد ترے اس پہ جو کوئی هاتھ دهرےگا
وہ ناچ مزا دیکھےگا اور عیش کرےگا
اور روح تری قبر میں چلائےگی بابا

اُس کے تو وهاں ڈھولک و مردنگ بجےگی
اور روح تری قبر میں حسرت سے جلےگی
وہ کھاوےگا اور تیرے تئیں آگ لگےگی
تا حشر تری روح کو پھر کل نہ پڑےگی
ایسا یہ تجھے گور میں تڑپائےگی بابا

بت مارا اجل کا آ پہونچا اتنک اُس کو دیکھ دوڑ بابا
اب اشک بہاؤ آنکھوں سے اور آهیں سرد بھرو بابا
دل هاتھ اُٹھا اس جینے سے
جب باپ کے خاطر روتے تھے اب اپنی خاطر رو بابا

تن سوکھا کبڑی پیٹھ هوئی گھوڑے پر زین دهرو بابا
اب موت نقارا باج چکا چلنے کی فکر کرو بابا

دنیا کے تماشے دیکھنے کا بیان

کھول ٹک چشم تماشا یار باشی پھر کہاں
یہ شکار و صید یہ شکرے و باشی پھر کہاں
مال و دولت سونا روپا تولہ ماشے پھر کہاں
دم غنیمت ہے بھلا یہ بود و باشی پھر کہاں
دیکھ لے دنیا کے غافل یہ تماشے پھر کہاں

بنجارہ نامہ

ٹک حرص و ہوا کو چھوڑ میاں مت دیس بدیس پھرے مارا
قزاق اجل کا لوٹے ہے دن رات بجا کر نقارہ
کیا بدھیا بھینسا بیل شتر کیا گونیں پلا سر بھارا
کیا گیہوں چانول موٹھ مٹر کیا آگ دھواں اور انگارا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

گر توھی ہے لکھی بنجارا اور کھیپ بھی تیری بھاری ہے
اے غافل تجھ سے بھی چڑھتا اک اور بڑا بیوپاری ہے
کیا شکر مصری قند گری کیا سانبھر میٹھا کھاری ہے
.... سونٹھ مرچ کیا کیسر لونگ سپاری ہے
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

تو بدھیا لاوے بیل بھرے جو پورب پچھم جاوے گا
یا سود بڑھا کر لاوے گا یا ٹوٹا گھاٹا پاوے گا
قزاق اجل کا رستے میں جب بھالا مار گراوے گا
دھن دولت ناتی پوتا کیا اک کنبہ کام آوے گا
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوے گا جب لاد چلے گا بنجارا

ہر منزل میں اب ساتھ ترے یہ جتنا ڈیرا ڈانڈا ہے
زر دام درم کا بھانڈا ہے بندوق سپر اور کھانڈا ہے
جب چلتے چلتے رستے میں یہ گون بری ڈھل جاوے گی
اک بدھیا تیری مٹی پر پھر گھاس نہ چرنے پاوے گی

یہ کھیپ جو تونے لادی ہے سب حصوں میں بٹ جاوےگی
وہی لوٹ جوانی بیٹا کیا پنجارن پاس آوےگی
سب ٹھاٹھ پڑا رہ جاوےگا جب لاد چلے گا بنجارا

آدمی نامہ

دنیا میں پادشہ ہے سوہے وہ بھی آدمی اور مفلس و گدا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
زردار بے نوا ہے سو ہے وہ بھی آدمی نعمت جو کھا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ٹکڑے چبا رہا ہے سو ہے وہ بھی آدمی
ابدال قطب غوث ولی آدمی ہوئے سن کر بھی آدمی ہوئے اور کفر کے بھروسے
کیا کیا کرشمے کشف و کرامات کے لئے حتیٰ کہ اپنے زور ریاضت کے زور سے
خالق سے جا ملا ہے سو ہے وہ بھی آدمی

خوشامد کے بیان میں

دل خوشامد سے ہر اک شخص کا کیا راضی ہے
آدمی جن و پری بھوت بلا راضی ہے
بھائی فرزند بھی خوش باپ چچا راضی ہے
شاہ مسرور غنی شاہ و گدا راضی ہے
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
اپنا مطلب ہو تو مطلب کی خوشامد کیجئے
اور نہ ہو کام تو اُس ڈھب کی خوشامد کیجئے
اُولیا انبیا اور رب کی خوشامد کیجئے
اپنے مقدور غرض سب کی خوشامد کیجئے
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
حد تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے
چاردن جس کو خوشامد سے کیا جھک کے سلام
وہ بھی خوش ہو گیا اپنا بھی ہوا کام میں کام

بڑے عاقل بڑے دانا نے نکالا ہے یہ دام
خوب دیکھا تو خوشامد ہی کی آمد ہے تمام
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
حق تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

پیار سے جوڑ دئے جس کی طرف ہاتھ جو آہ
وہیں خوش ہوگیا کرتے ہی وہ ہاتھوں پہ نگاہ
غور سے ہم نے جو اس بات کو دیکھا واللہ
کچھ خوشامد ہی بڑی چیز ہے اللہ اللہ
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
حق تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

عیش کرتے ہیں وہی جن کا خوشامد کا مزاج
جو نہیں کرتے وہ رہتے ہیں ہمیشہ محتاج
ہاتھ آتا ہے خوشامد سے مکاں ملک اور تاج
کیا ہی تاثیر کی اس نسخہ نے پائی ہے رواج
جو خوشامد کرے خلق اس سے سدا راضی ہے
حق تو یہ ہے کہ خوشامد سے خدا راضی ہے

تاج گنج کے روضہ کی تعریف میں

یارو جو تاج گنج یہاں آشکار ہے
مشہور اس کا نام یہ شہر دیار ہے
مشہور اس کا نام یہ شہر و دیار ہے
روضہ جو اس مکان میں دریا کنار ہے
نقشہ میں اپنے یہ بھی عجب خوش نگار ہے

روئے زمیں پہ یوں تو مکاں خوب ہیں میاں
پر اس کے مکاں کی خوبیاں کیا کیا کروں بیاں
سنگ سفید سے جو بنا ہے قمر نشاں
ایسا چمک رہا ہے تجلی سے یہ مکاں
جس سے بلور کی بھی چمک شرم سار ہے

گنبد ہے اس کا زور بلندي سے بہرہ مند
گرد اُس کے کنگریاں بھی چمکتی ہوئی ہیں چند
اور وہ کلس جو ہے سر گنبد سے سر بلند
ایسا ہلال اُس میں سنہرا ہے دل پسند
ہر بار جس کے خم پہ مہ نو نثار ہے

گنبد کے نیچے اور مکاں ہیں جو آس پاس
وہ بھی برنگ سیم چمکتے ہیں خوش اساس
برسوں تک اُس میں رہئے تو ہووے نہ جی اُداس
آتی ہے ہر طرف سے گل یا سمن کی باس
ہوتا ہے شاد اُس میں جو کرتا گذار ہے

ہیں بیچ میں مکان کے وہ دو مرقدیں جویاں
گرد اُن کے جالے اور محجر ہے درخشاں
سنگین گل جو اس میں بنائے ہیں تہ نشاں
تھی کلی سہاگ رگ و رنگ ہے عیاں
جو نقش اُس میں ہے وہ جواہر نگار ہے

دیواروں پر ہیں سنگ میں نازک عجیب نگار
آئینے بھی لگے ہیں بجلی ہے تاب دار
دروازے پر لکھا خط طغرا ہے طرفہ کار
ہر گوشے پر کھڑے ہیں جو مینار اس کے چار
چاروں سے طرفہ اوج کی خوبی دو چار ہے

پہلو میں ایک برج بسے کہتے ہیں اُسے
آتے نظر ہیں اُس سے مکاں دور دور سے
مسجد ہے ایسی جس کی صفت کس سے ہو سکے
پھر اور بھی مکاں ہیں اِدھر اور اُدھر کھڑے
دروازہٴ کلاں بھی بلند استوار ہے

جو صحن باغ کا ہے وہ ہے دل کشا سوا
آتی ہے جس میں گلشن فردوس کی ہوا
ہر سو نسیم چلتی ہے اور ہر طرف ہوا
ہلتی ہیں ڈالیاں سبھی ہر گل ہے جھولتا

کیا کیا روش روش پہ ہجوم بہار ہے

سرو سہی کھڑے ہیں قرینے سے نسترن
کوکو کرے ہیں قمریاں ہو کر شکر شکن
را بیل سیوتی سے بھرے ہیں چمن چمن
گلنار لالہ و گل و نسترین نسترن
فوارے چھٹ رہے ہیں رواں جوئبار ہے

وہ تاج دار شاہ جہاں صاحب سریر
بلوایا ہے انھوں نے لگا سیم و زر کثیر
جو دیکھتا ہے اس کے یہ ہوتا ہے دل پذیر
تعریف اس مکان کی میں کیا کیا کروں ''نظیر''
اس کی صفت تو مشتہر روز گار ہے

جنم کنھیا جی

ہے ریت جنم کی یوں ہوتی جس گھر میں بالا ہوتا ہے
اس منڈل میں ہر من بھیتر سکھ چین دو بالا ہوتا ہے
سب بات بتھا کی بھولی ہے جب بھولا بھالا ہوتا ہے
آنند منڈیلی باجت ہیں نت بھون اُجالا ہوتا ہے
یوں نیک نچھتر لیتے ہیں اس دنیا میں سنسار جنم
پر اُن کے اور ہی لچھن ہیں جب لیتے ہیں اوتار جنم

ہولی

ملنے کا ترے رکھتے ہیں ہم دھیان اِدھر دیکھ
بھاتی ہے بہت ہم کو تری آن اِدھر دیکھ
ہم چاہنے والے ہیں تری جان اِدھر دیکھ
ہولی ہے صنم ہنس کے تو اِک آن اِدھر دیکھ

اے رنگ بھرے نو گلِ خنداں اِدھر دیکھ

ھے دید کی ھر آن طلب دل کو ھمارے
جیتے ھیں فقط تیری نگاھوں کے سہارے
ھیں یاں جو کھڑے آن کے اُس شوخ کے مارے
ھم ایک نگہ کے ترے مشتاق ھیں پیارے

تک پیار کی نظروں سے مری جان اِدھر دیکھ

دیوالی

دوستو کیا کیا دیوالی میں نشاط و عیش ھے
سب مہیا ھے جو اس ھنگام کی شایاں ھے
اس طرح ھیں کوچۂ و بازار پر نقش و نگار
ھو عیاں حسن نگارستان کی جن سے خوب رے
گرم جوشی اپنے با جام چراغاں لطف سے
کیا ھی روشن کر رھی ھے ھر طرف روغن کی مے
مائل سیر چراغاں خلق ھر جا دم بدم
حاصل نظارۂ حسن شمع رویاں لے پہ لے
عاشقاں کہتے ھیں معشوقوں سے با عزو نیاز
ھے اگر منظور کچھ، لینا تو حاضر ھیں روپے
گر مکرر عرض کرتے ھیں تو کہتے ھیں وہ شوخ
ھم سے لیتے ھو میاں تکرار حجت تاب کے
کہتے ھیں اھل قمار آپس میں گرم اختلاط
ھم تو تب میں سو روپے رکھتے ھیں تم رکھتے ھو کے
جیت کا پڑتا ھے جس کا داؤں وہ کہتا ھے یوں
سوئے دست راست ھے مہرے کوئی فرخندہ پے
ھے دسہرہ میں بھی یوں گر فرحت و زینت ''نظیر''
پر دیوالی بھی عجب پاکیزہ تر تیوھار ھے

بسنت

جوش نشاط و عیش ہے ہر جا بسنت کا
ہے طرفہ روزگار طرب زا بسنت کا
باغوں میں لطف نشو و نما کی ہیں کثرتیں
بزموں میں نغمہ خوش دلی افزا بسنت کا
پھرتے ہیں کر لباس بسنتی دو دل براں
ہے جن سے زر نگار سراپا بسنت کا

۱. کیفی، مولوی محمد امین - مرتب۔

۲. ٹماٹل۔

۳. شلف۔

۴. اردو شاعری - انتخاب۔

ہندستانی اکیڈیمی (صوبہ متحدہ) الہ آباد

کے مطبوعات

۱—از منۂ وسطیٰ میں ہندستان کے معاشرتی اور اقتصادی حالات -
از علامہ عبداللہ بن یوسف علی ' ایم - اے ' - ایل ایل -
ایم - سی ' بی - اے - مجلد ۱ روپیہ ۴ آنہ - غیر مجلد ۱ روپیہ -

۲—اُردو سروے رپورٹ—از مولوی سید محمد ضامن علی صاحب
ایم - اے - ۱ روپیہ -

۳—عرب و ہند کے تعلقات - از مولانا سید سلیمان ' ندوی - روپیہ ۴

۴—ناتن (جرمن ڈرامہ) مترجمۂ مولانا محمد نعیم الرحمان صاحب -
ایم - اے ' ایم - آر ' اے - ایس - ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۵—فریب عمل (ڈراما) مترجمۂ بابو جگت موہن لال صاحب '
رواں - ۲ روپیہ -

۶—کبیر صاحب - مرتبۂ پنڈت منوہر لال زتشی - ۲ روپیہ -

۷—قرون وسطیٰ کا ہندستانی تمدن - از راے بہادر مہا مہو اُپادھیا
پنڈت گوری شنکر ہیرا چند اوجھا ' مترجمۂ منشی پریم چند -
قیمت ۴ روپیہ -

۸—ہندی شاعری - از ڈاکٹر اعظم کریوی - قیمت ۲ روپیہ -

۹—ترقی زراعت - از خانصاحب مولوی محمد عبدالقیوم صاحب '
ڈپٹی ڈائرکٹر زراعت - قیمت ۴ روپیہ -

۱۰—عالم حیوانی - از بابو برجیش بہادر ' بی - اے ' ایل ایل - بی -
۶ روپیہ ۸ آنہ -

۱۱—معاشیات پر لکچر - از ڈاکٹر ذاکر حسین ' ایم - اے ' پی ایچ - ڈی -
مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۲—فلسفۂ نفس - از سید ضامن حسین نقوی - قیمت مجلد
۱ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۱ روپیہ -

۱۳—مہاراجہ رنجیت سنگھ - از پروفیسر سیتا رام کوہلی، ایم - اے - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۴ روپیہ -

۱۴—جواہر سخن - جلد اول - مرتبہ مولانا کیفی چریا کوٹی - قیمت مجلد ۵ روپیہ غیر مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ -

۱۵—علم باغبانی - از مسٹر وصی اللہ خاں - ایل - اے - جی - قیمت مجلد ٦ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ٦ روپیہ -

۱۶—انقلاب روس - از کشن پرشاد کول - ممبر سرونٹس آف انڈیا سوسائٹی لکھنؤ - قیمت مجلد ۳ روپیہ غیر مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ -

۱۷—چند دکھنی پہیلیاں - از محمد نعیم الرحمان، ایم - اے، استاد عربی و فارسی، الہ آباد یونی ورسٹی - قیمت ۱ روپیہ ۴ آنہ -

۱۸—تاریخ فلسفۂ سیاسیات - از محمد مجیب، بی - اے (اکسن) جامعہ ملیا اسلامیہ - دہلی - قیمت مجلد ۴ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۴ روپیہ -

۱۹—انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ - از علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب - قیمت مجلد ۴ روپیہ غیر مجلد ۳ روپیہ ۸ آنہ .

۲۰—فلسفۂ جمال - از ریاض الحسن - ایم - اے - قیمت ۱ روپیہ -

۲۱—دیوان بیدار - از جلیل احمد قدوائی - ام - اے - قیمت مجلد ۲ روپیہ غیر مجلد ۱ روپیہ ۸ آنہ -

۲۲—نفسیات فاسدہ - از معتضد ولی الرحمان، ایم - اے - قیمت مجلد ۸ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۸ روپیہ -

۲۳—سلطان الہند محمد شاہ بن تغلق - از پروفیسر آغا مہدی حسین، ایم - اے، پی، ایچ - ڈی، ڈی - لٹ - قیمت مجلد ۲ روپیہ ۸ آنہ غیر مجلد ۳ روپیہ -

سول ایجنٹ کتابستان، الہ آباد -

پرنٹر—غلام اصغر، سٹی پریس، الہ آباد - پبلشر—ڈاکٹر تارا چند ہندستانی اکیڈیمی - الہ آباد -